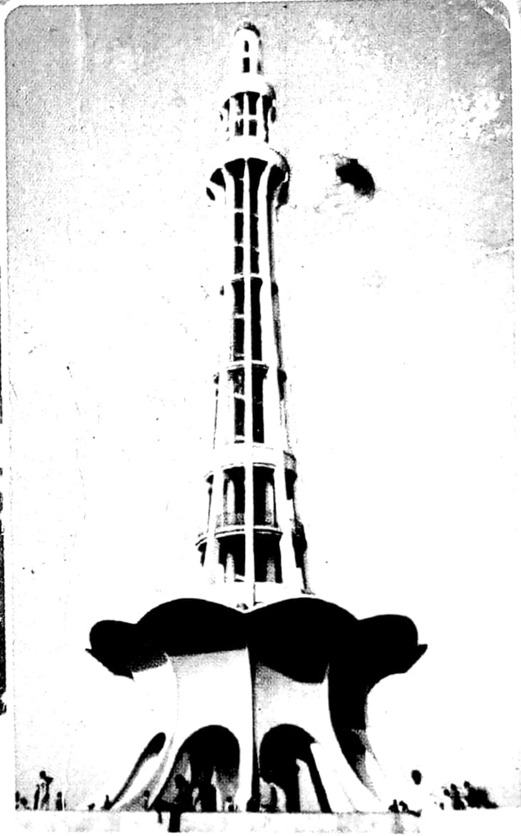
نئی امتحانی طرز کے عین مطابق



حصہ اول

تاریخِ پاکستان

مع معروضی سوالات و جوابات





پروفیسر محمدؐ عبداللہ ملک



قریشی برادرز پبلشرز

2-اردو بازار لاہور پاکستان 042-37232294

CamScanner

پیش لفظ

زیرِنظر کتاب پاکستان کے تمام انٹرمیڈیٹ اینڈ سیکنڈری بورڈز کے جدید ترین نصاب کے عین مطابق ہے اور انٹرمیڈیٹ سال اول کے طلبہ تاریخ کے لئے مرتب کی گئی ہے۔ اس کتاب کو نصابی ضرورت کے عین مطابق بنانے کے لئے تاریخی حقائق کی چھان بین اور صحت وواقعات کی تحقیق اور اس کی مربوط اور مؤثر ترتیب وتدوین میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں رکھا گیا اور امکان بھر اس امر کی پوری کوشش کی گئی ہے کہ نئی پود کو نظریۂ پاکستان کی ابتدا اور اس کے عروج کی ولولہ انگیز داستان سے کماحقہ، روشناس کرایا جائے اس کتاب میں تحریک پاکستان کے ضمن میں مسلمانانِ برِعظیم کی طویل جدوجہد، انتھک محنت اور گراں قدر سرفروشانہ خدمات اور قربانیوں کی پُر جوش داستان بیان کرنے کے علاوہ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ مسلمانوں کی سیاسی اور سماجی اہمیت کو کس طرح انگریز اور ہندو کے گٹھ جوڑ نے پس پشت ڈالنے کی کوشش کی۔

کتاب میں قیامِ پاکستان کے اسباب وواقعات کو آسان اور عام فہم زبان میں بیان کرنے کے علاوہ بانی پاکستان حضرت قائداعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ کے کارہائے نمایاں اوران کے مثالی کردار کو نمایاں طور پر اُجاگر کیا ہے۔ طلبہ کی سہولت کے لئے یہ کوشش کی گئی ہے کہ تاریخ پاکستان کے ہر عہد کے ہر پہلو کو ایسے پیرائے میں بیان کیا جائے کہ نہ صرف واقعات کا تسلسل برقرار رہے بلکہ امتحانی نقطۂ نگاہ سے ہر اہم سوال کا جواب مربوط اور مرتب شکل میں مل جائے اور طلبہ کو خود مواد اکٹھا کرنے کی ترتیب دینے کی زحمت نہ اُٹھانی پڑے۔ ہر باب کے آخر میں اہم امتحانی سوالات کی فہرست بھی دی گئی ہے۔ نیز معروضی سوالات کو ہر معروف طریقے سے ترتیب دیا گیا ہے تا کہ امتحان کی تیاری میں طلبہ کو مکمل سہولت حاصل رہے۔

امید واثق ہے کہ اس کتاب کا مطالعہ طلبہ تاریخ انٹرمیڈیٹ کے علاوہ عام لوگوں کے لئے مفید اور معلومات افزا ثابت ہوگا۔ نیز یہ کہ اساتذہ کرام اس کتاب کو پڑھاتے وقت ہماری ملی اور قومی زندگی کے اہم تقاضوں کو مدِنظر رکھیں گے اور اس کی تدریس سے طلبہ میں تحریک پاکستان اور قومی خوداعتمادی کے جذبے کو اُبھارنے اور سنوارنے کی ضرورت اور اہمیت کا بطورِ خاص خیال رکھیں گے۔

یہ کتاب کا ترمیم شدہ نیا ایڈیشن ہے کہ فاضل اساتذہ اور طلبہ ہماری اس ناچیز کو نہ صرف پسند فرمائیں گے بلکہ فراخ دلی سے طلبہ عزیز کو اس کے مطالعے کی سفارش کرکے ہمیں ممنونِ احسان کریں گے۔ ہم فاضل اساتذہ سے بجاطور پر توقع رکھتے ہیں کہ وہ اصلاح واغلاط اور کتاب ہذا کو مزید جامع اور معیاری بنانے کے سلسلے میں اپنے فاضلانہ مشورہ سے نوازتے ہوئے ہماری رہنمائی فرمائیں گے۔

خیر اندیش

عبدالصمد قریشی

زیرِنظر ایڈیشن

یہ تاریخِ پاکستان حصہ اوّل (1947ء-1857ء) کا نظرِثانی شدہ ایڈیشن ہے۔ اس میں پوری کتاب پر نظرِثانی کی گئی ہے۔ کتاب ہذا کے بعض ابواب پورے طور پر جبکہ بعض کے اہم حصے ازسرِنو تحریر کیے گئے ہیں۔ اس دوران تاریخی صحت کا خاص طور پر خیال رکھا گیا ہے۔ کتاب ہذا کی تیاری کے لیے جن مستند ماخذوں سے مدد حاصل کی گئی ہے ان میں کمپنی کی حکومت از باری علیگ، موجِ کوثر از ایس ایم اکرام، برصغیر میں کمپنی کی حکومت تعلیمی ادارہ لاہور، جدوجہد پاکستان از آئی۔ اچ قریشی، مسلم لیگ کی تاریخ از مہناز عطا چوہدری، پاکستان ناگزیر تھا از سید حسن ریاض، حصول پاکستان از پروفیسر احمد سعید، مارشل لاء سے مارشل لاء تک از سید نور احمد، قائداعظم کے 72 سال از خواجہ رضی حیدر، محمد علی جناح از ہیکڑ بولائیتھو، ایک قوم کی سرگزشت از جی الانا تحریک پاکستان از پروفیسر محمد خلیل اللہ، سیاستِ ملّیہ از محمد امین زبیری، تقسیم ہند (افسانہ اور حقیقت) از ایچ ایم سیروائی، انڈیا ونز فریڈم از مولانا ابوالکلام آزاد اور ظہور پاکستان از چوہدری محمد علی بھی شامل ہیں۔ کتاب کو مستند حوالہ جات سے مزین کیا گیا ہے۔ آسان و عام فہم زبان میں لکھی گئی اس کتاب میں اختصار کے باوجود متعلقہ ضروری مواد شامل کرنے کی پوری کوشش کی گئی ہے۔

امید ہے کہ پوری محنت، لگن اور توجہ سے تیار شدہ اس کاوش کو سال اوّل کے عزیز طلباء اور معزز اساتذہ از حد مفید پائیں گے۔ تاہم فاضل اساتذہ کرام کی آراء کا مجھے شدت سے انتظار رہے گا۔

دعاؤں کا طالب

پروفیسر محمد غیاث بھٹی

نیا نصاب تاریخ پاکستان پرچہ الف (1857 تا 1947ء) 2012ء و مابعد

باب 1: جنوبی ہند میں دوقومی نظریہ کا ارتقاء

البیرونی، مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے افکار کی روشنی میں

باب 2: جنگ آزادی 1857ء

(i) وجوہات

(ii) اہم واقعات (بالخصوص موجودہ پاکستان میں شامل علاقوں کے عوام کی جدوجہد کے حوالے سے)

(iii) گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1858ء

(iv) انڈیا کونسل ایکٹ 1861ء

باب 3: سرسید احمد خان

(i) سیاسی نظریات اور خدمات (ii) سرسید کی تعلیمی اور سماجی خدمات

(iii) ہندی اردو تنازع

باب 4: مذہبی اور سیاسی تحریکیں

(i) برہمو سماج (ii) آریہ سماج (iii) انڈین نیشنل کانگریس

(iv) دیوبند (v) ندوۃ العلما

باب 5: تقسیم بنگال (1905ء)

(i) تقسیم بنگال کے اسباب (ii) ہندوؤں کا ردعمل

(iii) مسلمانوں کا ردِعمل (iv) تقسیم بنگال کی تنسیخ

باب 6: وفد شملہ اور آل انڈیا مسلم لیگ

باب 7: (i) گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1892ء

(ii) منٹو مارلے اصلاحات 1909ء (iii) میثاق لکھنؤ 1916ء

(iv) گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1919ء (v) تحریک خلافت

(vi) نہرو رپورٹ (vii) قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کے چودہ نکات

(viii) آل پارٹیز مسلم کانفرنس

باب 8: علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اور خطبہ الٰہ آباد 1930ء

باب 9: چودھری رحمت علی اور ان کا تحریک پاکستان میں حصہ

باب 10: گول میز کانفرنسیں اور گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935ء

(i) پہلی گول میز کانفرنس (ii) دوسری گول میز کانفرنس

(iii) تیسری گول میز کانفرنس (iv) کمیونل ایوارڈ

(v) گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935ء (vi) صوبہ سندھ کا قیام

باب 11: 1937ء کے انتخابات اور کانگریسی وزارتیں

کانگریسی وزارتوں کے مسلم دشمن اقدامات

باب 12: مسلم لیگ کی تنظیم نو اور قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ

باب 13: قرارداد لاہور 1940ء

باب 14: قیام پاکستان

(i) کرپس مشن (ii) کابینہ مشن (iii) 1945-46ء کے انتخابات

(iv) عبوری حکومت (v) 3 جون 1947ء کا منصوبہ (vi) قیام پاکستان



ماڈل پیپر تاریخ پاکستان برائے انٹرمیڈیٹ پارٹ-I (2012ء و مابعد)

وقت 30 منٹ　　　معروضی　　　کل نمبر 20

نوٹ: تمام سوالات کے جوابات دی گئی جوابی کاپی پر لکھیے۔ ہر سوال کے چار ممکنہ جوابات D.C.B.A دیئے گئے ہیں۔ جس جواب کو آپ درست سمجھیں جوابی کاپی پر اس سوال نمبر کے سامنے جز A,B,C یا D کے سامنے دیئے گئے دائروں میں سے ایک دائرے کو پین یا مارکر کی سیاہی سے بھر دیں۔

-1 حضرت محل کس کا نام تھا؟
(A) کسی تاریخی عمارت کا　(B) کسی جگہ کا
(C) کسی شخصیت کا ✓　(D) کسی عہدے کا

-2 کتاب آثار الصنادید کے مصنف کون تھے؟
(A) مولانا شبلی نعمانی　(B) سر سید احمد خان ✓
(C) سر آغا خان　(D) الطاف حسین حالی

-3 انڈین نیشنل کانگرس کی بنیاد کب رکھی گئی؟
(A) 1820　(B) 1858　(C) 1885 ✓　(D) 1906

-4 بہادر شاہ ظفر کو گرفتار کر کے کہاں بھیجا گیا؟
(A) لندن　(B) کلکتہ　(C) رنگون ✓　(D) ڈھاکہ

-5 حیات جاوید کس کی سوانح عمری ہے؟
(A) ڈاکٹر جاوید اقبال کی　(B) سید احمد شہید کی
(C) سر سید احمد خان کی ✓　(D) وقار الملک کی

-6 اردو ہندی تنازعہ کب شروع ہوا؟
(A) 1867ء ✓　(B) 1871ء　(C) 1902ء　(D) 1937ء

-7 لندن مسلم لیگ کس نے قائم کی؟
(A) محسن الملک　(B) سید امیر علی ✓
(C) سر آغا خان　(D) سر علی امام

-8 1913ء میں کس شہر میں مسجد کا ایک حصہ شہید کیا گیا؟
(A) دہلی　(B) الہ آباد　(C) کانپور ✓　(D) سہارن پور

-9 جنگ عظیم اول کب شروع ہوئی؟
(A) 1919　(B) 1913　(C) 1914 ✓　(D) 1916

-10 مسلمانوں کو جداگانہ انتخاب کا حق کب ملا؟
(A) 1892 میں　(B) 1909 میں ✓　(C) 1916 میں　(D) 1919 میں

-11 قائداعظم نے کانگریس سے استعفیٰ کب دیا؟
(A) اکتوبر 1919　(B) دسمبر 1920 ✓　(C) اگست 1923　(D) جنوری 1929

-12 پہلی گول میز کانفرنس کس سال منعقد کی گئی؟
(A) 1928　(B) 1930 ✓　(C) 1932　(D) 1934

-13 1937ء کے انتخابات میں مسلم لیگ نے کتنی مسلم نشستیں حاصل کیں؟
(A) 98　(B) 102 ✓　(C) 148　(D) 428

-14 مسلمانوں نے یوم نجات کب منایا؟
(A) 11 ستمبر 1937ء　(B) 22 دسمبر 1939ء ✓
(C) 21 دسمبر 1941ء　(D) 15 اگست 1946ء

-15 قرارداد لاہور کس نے پیش کی؟
(A) سر سکندر حیات خان　(B) سر سعد اللہ خان
(C) اے کے فضل الحق ✓　(D) ملک برکت علی

-16 ہندوستان کے آخری انگریز وائسرائے کون تھے؟
(A) لارڈ ویول　(B) لارڈ لنلتھگو　(C) ماؤنٹ بیٹن ✓　(D) ایون جنکنز

-17 16 اگست 1946ء کو کس شہر میں مسلمانوں کا قتل عام ہوا؟
(A) دہلی　(B) کلکتہ ✓　(C) مدارس　(D) ممبئی

-18 پنجاب کی خضر حیات ٹوانہ وزارت نے کب مستعفی ہونے کا اعلان کیا؟
(A) 21 مارچ 1946　(B) 14 اگست 1946
(C) 2 مارچ 1947 ✓　(D) 21 اپریل 1947

-19 پاکستان کی عبوری حکومت کب قائم ہوئی؟
(A) 14 اگست 1947　(B) 20 جولائی 1947ء ✓
(C) 11 اگست 1947　(D) 15 اگست 1947ء

-20 ریڈکلف ایوارڈ کا اعلان کب کیا گیا؟
(A) 11 اگست 1947　(B) 14 اگست 1947
(C) 18 اگست 1947　(D) 17 اگست 1947 ✓

ماڈل پیپر تاریخ پاکستان برائے انٹرمیڈیٹ پارٹ-I (2012ء و مابعد)

وقت 2.30 گھنٹے　　حصہ انشائی　　کل نمبر 80

نوٹ: سوال نمبر 2، 3 اور 4 میں سے 25 (پچیس) مختصر سوالات کے جوابات تحریر کریں اور ہر سیکشن میں سے کم از کم 8 سوالات حل کرنا ضروری ہیں۔ جواب تحریر کرتے وقت سوال کا نمبر ضرور تحریر کریں۔　25×2=50

سیکشن - اے (باب 1 تا 4)

سوال نمبر 2: مختصر سوالات کے جواب تحریر کریں۔　8×2=16

(i) البیرونی کون تھا؟ اس کی کتاب کا نام لکھیں۔
(ii) مجدد الف ثانی نے کس بادشاہ کی مخالفت کی اور کیوں؟
(iii) احمد شاہ ابدالی کس ملک کا بادشاہ تھا؟ اسے ہندوستان آنے کی دعوت کس نے دی؟
(iv) شاہ ولی اللہ کون تھے؟ انہوں نے مسلمانوں کے لئے کیا خدمات سرانجام دیں؟
(v) سرسید احمد خان نے کون سا رسالہ نکالا تھا؟ اس میں کس طرح کے مضامین چھپتے تھے؟
(vi) سرسید احمد خان نے کانگرس کی مخالفت کیوں کی؟
(vii) انڈین نیشنل کانگرس کس کی کوششوں سے اور کب قائم ہوئی؟
(viii) اردو، ہندی تنازعہ کیا تھا یہ کب شروع ہوا؟
(ix) برہمو سماج کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں
(x) سرسید احمد کی تعلیمی خدمات کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟
(xi) دیو بند تحریک کب اور کہاں شروع ہوئی؟ اس کے مقاصد کیا تھے؟
(xii) ندوۃ العلماء کن حالات میں قائم کیا گیا؟

سیکشن - بی (باب 5 تا 10)

سوال نمبر 3: مختصر سوالات کے جوابات تحریر کریں۔　8×2=16

(i) تقسیم بنگال کب ہوئی؟ ہندوؤں نے اسکی مخالفت کیوں کی؟
(ii) تقسیم بنگال کی تنسیخ کب اور کیوں ہوئی؟ اس کا مسلمانوں کی سیاست پر کیا اثر پڑا؟
(iii) وفد شملہ میں کتنے ارکان تھے اور اس کے قائد کون تھے؟
(iv) قائداعظم محمد علی جناحؒ مسلم لیگ میں کب اور کس کے کہنے پر شامل ہوئے؟
(v) منٹو مارلے اصلاحات کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟
(vi) میثاق لکھنؤ کب ہوا اور اس کی اہمیت کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟
(vii) تحریک خلافت کب شروع ہوئی اس کے نمایاں رہنماؤں کے نام لکھئے؟

(viii) نہرو رپورٹ کب اور کس نے پیش کی؟
(ix) قائداعظم کے چودہ نکات کب منظر عام پر آئے۔ اُس کے اہم نکات بیان کریں؟
(x) علامہ اقبال نے خطبہ الہ آباد کب پیش اس کی کیا اہمیت ہے؟
(xi) چوہدری رحمت علی کا تحریک پاکستان میں کیا کردار تھا؟
(xii) پہلی، دوسری اور تیسری گول میز کانفرنسیں کب منعقد ہوئیں؟
(xiii) 1935ء کے دستور ہند کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں۔ مختصر اً بتائیں۔

سیکشن - سی (باب 11 تا 14)

سوال نمبر 4: مختصر سوالات کے جوابات تحریر کریں۔　9×2=18

(i) 1935ء کے دستور کے مطابق پہلے انتخابات کب ہوئے؟
(ii) کانگریسی وزارتوں کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں۔ مختصر اً بتائیں؟
(iii) کانگریسی دور حکومت میں مسلمانوں کے خلاف ہندوؤں کے رویے پر روشنی ڈالیں۔
(iv) واردھا سکیم کیا تھی اور کس نے تیار کی؟
(v) بندے ماترم کا چار جملوں میں تعارف کروائیں؟
(vi) مسلم لیگ نے یوم تشکر کب اور کیوں منایا؟
(vii) پونا پیکٹ کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں اور وہ کس کس کے درمیان ہوا؟
(viii) متحدہ ہندوستان کی عبوری حکومت میں مسلم لیگی کے دو وزراء کے نام لکھیے؟
(ix) قائداعظم محمد علی جناحؒ نے گورنر جنرل پاکستان کا حلف کب اٹھایا اور یہ حلف کس نے لیا؟
(x) جموں کشمیر کی ریاست میں کون کون سے لیڈر پاکستان میں شمولیت کے حامی تھے۔
(xi) سرحدی گاندھی کسے کہتے ہیں اور کیوں؟
(xii) کابینہ مشن کے بارے میں مختصر نوٹ لکھیں۔

(حصہ دوم)

نوٹ: مندرجہ ذیل سوالات میں سے صرف تین کے جوابات تحریر کریں۔

سوال نمبر 5۔ سرسید احمد خان کی تعلیمی خدمات پر روشنی ڈالئے۔
سوال نمبر 6۔ مسلم لیگ کے قیام کے اسباب پر بحث کیجئے۔
سوال نمبر 7۔ میثاق لکھنؤ کے اہم پہلو اور ان کی اہمیت بیان کیجئے۔
سوال نمبر 8۔ قائداعظم کے چودہ نکات میں سے کوئی۔ نکات لکھئے۔
سوال نمبر 9۔ آپ کے خیال میں پاکستان کا مطالبہ کیوں کیا گیا؟ اہم نکات اختصار سے لکھئے۔

فہرست مضامین

سیکشن "اے"

باب 1: جنوبی ہند میں دوقومی نظریہ کا ارتقاء

البیرونی، مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے افکار کی روشنی میں

باب 2: جنگِ آزادی 1857ء

(i) وجوہات

(ii) اہم واقعات (بالخصوص موجودہ پاکستان میں شامل علاقوں کے عوام کی جدوجہد کے حوالے سے)

(iii) گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1858ء

(iv) انڈیا کونسل ایکٹ 1861ء

باب 3: سرسید احمد خان

(i) سیاسی نظریات اور خدمات (ii) سرسید کی تعلیمی اور سماجی خدمات

(iii) ہندی اردو تنازع

باب 4: مذہبی اور سیاسی تحریکیں

(i) برہمو سماج (ii) آریہ سماج (iii) انڈین نیشنل کانگریس

(iv) دیوبند (v) ندوۃ العلما

نوٹ: نئے امتحانی پیپرن کے مطابق نمبروں کی تقسیم درج ذیل ہے۔ کل نمبر 100

سوال نمبر 1: (حصہ معروضی) کثیر الانتخابی سوالات پوری کتاب میں سے آئیں گے۔ 20

سوال نمبر 2: (حصہ انشائی، حصہ اول) مختصر سوالات کے جوابات سیکشن "اے" سے لیے جائیں گے۔ (کوئی سے آٹھ سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں) 8×2=16

سوال نمبر 3: (حصہ انشائی، حصہ اول) مختصر سوالات کے جوابات سیکشن "بی" سے لیے جائیں گے۔ (کوئی سے آٹھ سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں) 8×2=16

سوال نمبر 4: (حصہ انشائی، حصہ اول) مختصر سوالات کے جوابات سیکشن "سی" سے لیے جائیں گے۔ (کوئی سے نو سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں) 9×2=18

سوال نمبر 9,8,7,6,5 (حصہ انشائی، حصہ دوم) کوئی سے تین سوالات کے جوابات تحریر کریں۔ (یہ سوالات تمام کتاب میں سے آئیں گے) 10×3=30

باب 1

جنوبی ایشیاء میں دو قومی نظریہ

نظریہ کا مفہوم: انسان ایک مقصد کے تحت دُنیا میں آیا ہے۔ بے مقصد زندگی کبھی کامیابی سے ہمکنار نہیں ہوسکتی۔ قوموں کے وجود کا پتہ ان کے نظریات سے ہوتا ہے۔ نظریات قوموں میں مقصد کا شعور پیدا کرتے ہیں اور نظریات ہی سے قومیں کامیابی کی منزل سے ہمکنار ہوتی ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ نظریات سے کیا مراد ہے؟

کسی سیاسی' معاشی' معاشرتی' یا ثقافتی تحریک کی بنیاد جس ضابطے یا فلسفے پر ہوا ُسے اس تحریک کا نظریہ کہا جاتا ہے۔ نظریہ انسانی زندگی کا محور اور اس کی قوت محرکہ کا دوسرا نام ہے۔ یہ انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو نظم وضبط عطا کرتا ہے۔ یہ انسان کے ایک دوسرے کے ساتھ قومی فرائض کا تعین کرتا ہے۔ کسی قوم کی اجتماعی زندگی میں نظریے کی حیثیت روح کی ہوتی ہے۔ کیونکہ نظریہ ہی وہ رہنما اصول متعین کرتا ہے جو کسی قوم کے سیاسی، معاشرتی اور معاشی پہلوؤں کی تعمیر کرتے ہیں۔ نظریات کو بنیادی طور پر دو اقسام میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

① انسانی نظریات ② الہامی نظریات

انسانی نظریات کے مفکرین اور فلاسفر انسانی مسائل کے حل کے لئے اپنی عقل کو بنیاد بنا کر پیش کرتے ہیں اور اس ضمن میں وہ بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود کا خیال رکھتے ہیں۔ چونکہ انسان کی عقل محدود ہے اور وہ تنہا تمام مسائل کا حل دریافت نہیں کرسکتی۔ لہٰذا انسانی نظریات آخر کار ناکامی سے دوچار ہوتے ہیں۔ جیسا کہ آج کل دنیا میں کارل مارکس کے نظریہ کیموزم کی ناکامی اس کا ٹھوس ثبوت ہے۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

گزر جا عقل سے آگے کہ یہ نور   چراغ راہ ہے منزل نہیں ہے

یہی وجہ ہے کہ ابتدائے آدم سے لے کر آج تک پیش کئے جانے والے مختلف انسانی نظریات تضاد کا شکار رہے ہیں۔ ان کی بنیادوں پر اجماع کا فقدان رہا ہے۔ لہٰذا انسانیت کو ترقی کی حقیقی منازل سے ہمکنار کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے ذریعے بذریعہ وحی بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے جو پیغامات بھیجے انھیں کو الہامی نظریات کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ الہامی نظریات پر مبنی نظام ہی

انسانیت کی صحیح فلاح و بہبود کی ضمانت دے سکتا ہے۔ اس وقت دنیا میں اسلام، یہودیت اور عیسائیت الہامی نظریات کے علم بردار ہیں لیکن ان میں اسلام کے علاوہ کوئی دین اپنی اصلی صورت میں موجود نہیں ہے۔ اسلامی نظام کا سرچشمہ قرآن وسنت ہیں۔ یہ انسانی زندگی کے سیاسی، سماجی، معاشی، مذہبی اور تمدنی پہلوؤں کا احاطہ کرتے ہیں۔ اسلام کے ابدی اصولوں پر کاربند ہوکر ہی روحانی اور مادی ضروریات میں توازن اور ہم آہنگی پیدا کی جاسکتی ہے۔

① علامہ ابوریحان البیرونی

حالاتِ زندگی: علامہ ابوریحان البیرونی ترکستان کے شہر خوارزم کے ایک گاؤں بیرون میں 973ء میں پیدا ہوئے۔ اس لئے بیرونی کے لقب سے مشہور ہوئے۔ مروجہ علوم حاصل کرنے کے بعد وہ جرجان اور طبرستان کے حاکم کے دربار میں ملازم ہوگئے۔ سلطان محمود غزنوی نے ان علاقوں کو فتح کرلیا۔ وہ علوم وفنون کے ماہروں کی بڑی قدر کرتا تھا۔ اس لئے البیرونی غزنی چلا آیا اور سلطان کے دربار سے وابستہ ہوگیا لیکن سلطان کسی وجہ سے اس سے ناراض رہا اور اس کی وہ قدر ومنزلت نہ ہوئی جس کا وہ مستحق تھا۔ اس نے اپنی زندگی کا بہترین حصہ علوم وفنون کی تحصیل اور کتابیں لکھنے میں گزارا۔ ایک روایت کے مطابق اس کی لکھی ہوئی کتابوں کا وزن ایک اُونٹ کے بوجھ کے برابر تھا۔ وہ ہرفن مولا تھا اور بیک وقت علمِ فلکیات، ریاضی، جغرافیہ، طبعیات اور کیمیا کا ماہر تھا لیکن اس کی شہرت کا اصل سبب اس کا ایک عظیم مؤرخ اور ماہر عمرانیات ہونا ہے۔ نیز وہ عربی، فارسی، ترکی اور سنسکرت زبانوں کا عالم تھا۔ اس نے بنارس شہر میں قیام کیا جو ہندوؤں کا مقدس مقام اور ان کے علوم فنون کا مرکز تھا۔ اس نے مقامی علوم اور اندازِ معاشرت کا بغور مطالعہ کیا اور ان کے بارے میں ایک کتاب بھی لکھی جو کتاب الہند کے نام سے مشہور ہے۔ آج بھی اس زمانے کے ہندوستانی معاشرے اور علوم وفنون کو سمجھنے کے لئے یہ کتاب ایک بنیادی ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔ ہندو عالم بھی اس کتاب کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اس کتاب کا ترجمہ کئی زبانوں میں ہوچکا ہے۔ البیرونی کا 75 برس کی عمر میں 1048ء میں انتقال ہوگیا۔ اس نے ہندوستانی معاشرے اور دوقومی نظریہ پر جو اظہار حقیقت کی ہے اس کا جائزہ کچھ اس طرح ہے۔

ذات پات: ہندو معاشرہ 4 ذاتوں میں بٹا ہوا تھا جو برہمن، کھشتری، ویش اور شودر کے نام سے یاد کی جاتی تھیں۔ برہمن معاشرے کا سب سے اُونچا طبقہ تھا۔ مذہبی رسوم ادا کرنے اور ویدوں کا علم رکھنے کے باعث ان کو مقدس اور واجب الاحترام سمجھا جاتا تھا۔ اس کو جرم کرنے پر معمولی سزا دی جاتی تھی۔ اس کو قتل نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اسے خودکشی کی اجازت تھی۔ وہ دریائے گنگا میں کود کر جان دے سکتا تھا۔

حکومت اور دفاع کا فرض کھشتری ادا کرتے تھے۔ اپنے فرائض کی بنا پر وہ بھی محترم گنے جاتے تھے۔ ویش کسان، تاجر اور صنعت کار وغیرہ ہوا کرتے تھے۔ ان کا دونوں اُونچی ذاتوں کے بعد نمبر آتا تھا۔ انھیں بھی اچھی نگاہ سے نہ دیکھا جاتا تھا۔ ذات پات کا سب سے نچلا طبقہ شودر کہلاتا تھا۔ یہ لوگ رنگ و نسل کے لحاظ سے بھی اونچی ذاتوں سے مختلف تھے۔ ان کا کام باقی ذاتوں کی خدمت گزاری تھا۔ وہ نہایت ذلت اور رسوائی کی زندگی گزارتے تھے۔ انھیں بنیادی حقوق بھی حاصل نہ تھے۔ یہاں تک کہ قانون کی نگاہ میں بھی اُونچی ذاتوں کے برابر شمار نہ ہوتے تھے۔ اگر کوئی شودر، ویدوں کا کوئی لفظ سن لیتا تو اس کے کان میں پگھلا ہوا سیسہ ڈال دیا جاتا تھا۔ وہ بستیوں سے باہر رہتے تھے۔ ایک ذات کا فرد دوسری ذات میں شادی نہ کر سکتا تھا اور نہ دوسری ذات کے فرد کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھا سکتا تھا۔ چھوت چھات کا رواج تھا۔ اگر شودر کسی اُونچی ذات کے ہندو کو چھو لیتا تو اُونچی ذات کا ہندو خود کو ناپاک تصور کرتا تھا۔

عورت کا مقام: تنگ نظری نے ہندو معاشرے کو مفلوج کر رکھا تھا۔ عورت کو مرد سے کمتر سمجھا جاتا تھا۔ بچپن کی شادی کا رواج تھا۔ طلاق دینے کا تصور نہ تھا۔ میاں بیوی کو صرف موت ہی جدا کر سکتی تھی۔ بیوہ کو دوسری شادی کی اجازت نہ تھی۔ عام طور پر اس کو شوہر کی لاش کے ساتھ ہی جلا دیا جاتا تھا۔ اس رسم کو ''ستی'' کہا جاتا تھا۔ اُونچی ذات کی عورتوں کو مندروں میں بھیج دیا جاتا تھا، جہاں وہ دیوداسیاں بن کر گانے بجانے میں زندگی گزار دیتی تھیں۔ مندر فحاشی کے اڈے تھے۔ حاکم ان عورتوں کو اس لئے مندروں کی نذر کر دیتے تھے کہ مندروں میں رونق رہے اور پجاریوں کی آمد سے حکومت کی آمدنی میں اضافہ ہوتا رہے۔

دو قومی نظریہ: علامہ ابوریحان البیرونی نے مشاہدہ کیا کہ ہندو اور مسلم معاشرے اپنی نوعیت اور اقدار کے لحاظ سے ایک دوسرے سے بالکل مختلف تھے۔ ہندو، مسلمان کو اپنے سے کمتر خیال کرتے ہیں۔ وہ انھیں ملیچھ (ناپاک) کے نام سے یاد کرتے ہیں اور ان سے میل جول رکھنا پسند نہیں کرتے۔ وہ لکھتے ہیں: ہندوستان میں ہندو اور مسلمان بالکل دو علیحدہ قومیں ہیں۔ ان کا طرز زندگی، عادات، رسومات، لباس اور خیالات ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ یہاں تک کہ وہ ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ ان کے درمیان کوئی قدر مشترک نہیں۔ ان کے اور ہمارے درمیان ایک وسیع خلیج حائل ہے جس کو پاٹا نہیں جا سکتا۔ ایس ایم اکرام کے الفاظ میں ''حماقت ایسا مرض ہے جس کی کوئی دوا نہیں ہوتی۔ ہندو اس بات کو یقین سے جانتے ہیں کہ ان کے ملک کے سوا کوئی دوسرا ملک نہیں۔ ان کی قوم جیسی کوئی قوم نہیں اور ان کے مذہب جیسا کوئی مذہب نہیں۔ ان کے علوم بے مثال ہیں۔ وہ مغرور اور متکبر ہیں اور خود فریبی کا شکار ہیں۔ اپنے علم کو دوسروں تک پہنچانا نہیں چاہتے۔ اسے کسی غیر ملکی سے پوشیدہ رکھنے کے لئے تو ان کی

احتیاط کا کوئی ٹھکانا نہیں۔ اگر وہ سیر و سیاحت کریں اور دوسری قوموں سے میل ملاپ رکھیں تو جلد ہی اپنے نظریات بدل لیں گے۔''

برعظیم پاک و ہند میں اسلام کا نور مسلمان تاجروں کے ذریعہ پھیلا۔ مقامی باشندے ان کے اخلاق و کردار، صداقت اور امانت سے بہت زیادہ متاثر ہوئے اور دائرہ اسلام میں داخل ہونا شروع ہو گئے۔ روایات کے مطابق سب سے پہلے ساحل مالابار پر واقع ایک ریاست کرنگانور کے راجا سامری نے اسلام قبول کیا۔ بعدازاں کالی کٹ کے راجا زمورن نے اشاعت اسلام کی حوصلہ افزائی کی۔ محمد بن قاسم کی فتح کے بعد سندھ باب الاسلام بن گیا۔ تیرہویں صدی میں شمالی برصغیر پر مسلمانوں کی عملداری قائم ہو گئی۔ سلطان علاؤالدین خلجی (1296ء-1316ء) نے دکن پر بھی اسلامی پرچم لہرا دیا۔ ہندو معاشرہ بت پرستی، ذات پات اور چھوت چھات کی لعنت میں گرفتار تھا۔ قانون کی نگاہ میں سب لوگ برابر نہ تھے۔ اسلام نے ان نظریات کے برعکس توحید و مساوات کا درس دیا۔ اسلامی تعلیمات اور صوفیائے کرام کی کوشش سے لاکھوں غیر مسلموں نے اسلام قبول کیا۔

ان حالات میں ہندومت کے رہنماؤں نے اپنے مذہب کی اصلاح کر کے اس کو عوام کے لئے بدلے ہوئے حالات میں قابل قبول بنانے کی ضرورت محسوس کی۔ چنانچہ اشاعت اسلام کو روکنے اور ہندو مذہب کے احیا کے لئے بھگتی تحریک کا آغاز ہوا۔ اس تحریک کے راہنما صلح کل اور مذاہب کے اتحاد کے حامی تھے۔ ان کے نزدیک ہندومت اور اسلام ایک دریا ہی کی لہریں تھیں اور رام اور رحیم میں کوئی فرق نہ تھا۔ اکبر کی مذہبی پالیسی ایسے ہی نظریات پر مبنی تھی۔ اکبر کے عقائد اور پالیسی سے مسلمانوں کی جداگانہ حیثیت خطرے میں پڑ گئی اور اس کے خلاف مسلمانوں میں شدید ردعمل ظاہر ہوا۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک اسی ردعمل کا نتیجہ تھی۔

2 حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ

حالات زندگی: برعظیم کے مسلمانوں کے روحانی محافظ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا نام شیخ احمد رحمۃ اللہ علیہ تھا۔ ان کا لقب بدرالدین اور کنیت ابوالبرکات تھی۔ ان کے والد بزرگوار کا نام شیخ عبدالاحد تھا جو ایک صوفی منش بزرگ تھے۔ سرہند کا شہر ان کی جائے سکونت تھا۔ یہ شہر اب مشرقی پنجاب میں واقع ہے۔ آپ 26 جون 1564ء کو سرہند میں پیدا ہوئے۔ ان کا شجرۂ نسب خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے۔ اس لئے وہ شیخ احمد فاروق سرہندی کے نام سے مشہور ہیں۔ انھیں امام ربانی کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ ان کے والد ایک نامور عالم باعمل تھے۔ انہوں نے اپنی ابتدائی تعلیم

اپنے والد بزرگوار سے حاصل کی۔ اکیس برس کی عمر میں قرآن وحدیث اور فقہ وتفسیر میں مہارت حاصل کر لی اور سرہند میں درس وتدریس میں مشغول ہو گئے۔ جلد ہی ان کے علم وفضل اور زہد وتقویٰ کی شہرت ہو گئی۔ 1599ء میں وہ دہلی گئے اور حضرت خواجہ محمد باقی باللہ بیرنگ رحمۃ اللہ علیہ کے مرید بن گئے۔ (مرشد کی وفات کے بعد ان کے خلیفہ بن گئے) حضرت مجدد کے بارے میں ان کا کہنا تھا کہ شیخ احمد ایک چراغ ہیں جن سے ایک جہان روشن ہوگا۔" ابوالفضل اور فیضی ان کی علیمت کے قائل تھے۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے فیضی کو قرآن مجید کی بے نقط تفسیر تیار کرنے میں مدد دی لیکن وہ ابوالفضل اور فیضی کے خیالات کے سخت مخالف تھے۔ ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے ہندومت اور اسلام کے درمیان فرق کو واضح کیا اور کہا کہ اسلام اور ہندومت کے درمیان جو خلیج ہے اس کو پُر نہیں کیا جا سکتا۔

اکبر بادشاہ کے بعد اس کے بڑے بیٹے شہزادہ سلیم کی تخت نشینی، مہابت خان شیخ فرید بخاری اور عبدالرحیم خانخاناں کی جدوجہد کا نتیجہ تھی جو اکبر کے اعلیٰ منصب دار تھے اور حضرت مجدد کے مرید تھے۔ بعض لادینی عناصر نے آپ کے بارے میں جہانگیر کو بہکایا۔ انھیں دربار میں طلب کیا گیا۔ انہوں نے دربار میں تعظیمی سجدہ ادا کرنے سے انکار کر دیا۔ اس جرم میں آپ کو گوالیار کے قلعے میں قید کر دیا گیا۔ جب جہانگیر کو ان کی پارسائی اور نیک نیتی کا یقین ہو گیا تو اس نے انھیں باعزت طور پر رہا کر کے اپنا مشیر بنا لیا۔ تین برس بعد وہ سرہند تشریف لے گئے۔ جہاں 10 دسمبر 1624ء کو ان کا انتقال ہو گیا۔

ملکی صورت حال: حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی دینی اصلاحی تحریک اکبر بادشاہ (1556ء-1605ء) کے زمانے میں شروع کی جو مسلم حکومت کے انتہائی عروج کا دور تھا مگر مسلم معاشرے میں بے دینی اور بے راہ روی پیدا ہو چکی تھی۔ لودھی سلاطین کے دور حکومت میں مہدوی تحریک کی داغ بیل پڑ چکی تھی جس سے مسلمان دین سے غافل اور بدعات کا شکار ہونے لگے۔ اکبر بادشاہ بھگتی تحریک کا ایک بڑا سرپرست تھا۔ اس تحریک کے رہنما عوام کو یہ تاثر دے رہے تھے کہ رام اور رحیم ایک ہی ہستی کے دو نام ہیں۔ شمال مغربی قبائلی علاقوں میں روشنیہ تحریک زوروں پر تھی۔ اکبر نے دین الٰہی جاری کیا۔ دین الٰہی اسلام، ہندومت، جین مت اور عیسائیت کا ملغوبہ تھا جو اکبر کی ہندوستان کی متحدہ قومیت کی تشکیل کی کوشش تھی۔ مسلمان اُمراء کا ایک طبقہ اس پالیسی کا حامی تھا۔ متحدہ قومیت کے خوبصورت پردے کی آڑ میں مسلمانوں کو ہندومت اور ہندو ثقافت کے سانچے میں ڈھالنے کی داغ بیل ڈالی جانے لگی تھی۔ نام نہاد صوفی اور علماء سُو مسلم عوام کو صراط مستقیم سے ہٹانے اور ان کا اخلاق اور دین بگاڑنے میں نمایاں کردار ادا کر رہے تھے۔ نظریہ وحدت الوجود کے ساتھ تمام مذاہب کی صداقت اور اتحاد کا پرچار جاری تھا۔

اسلامی عقائد کے برعکس اٹھائے جانے والے ان اقدامات کا اثر مسلمان اُمراء اور عوام پر پڑنے لگا۔ اکبر نے جو پالیسی اختیار کی اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا کہ اسلامی ریاست غیر مسلم سلطنت بن کر رہ جاتی

اور مسلمان ہندومت اختیار کر کے اپنی انفرادی حیثیت کھو بیٹھتے لیکن اسلام کو ہندومت میں ضم کرنے کی یہ کوشش بُری طرح ناکام ہوئی۔ اس کامیابی کا سہرا حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے سر ہے۔

تحریک احیائے اسلام: حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تمام زندگی احیائے شریعت اور دین اسلام کا بول بالا کرنے میں صرف کر دی۔ وہ ہندومت سے کسی قسم کی مفاہمت کے روادار نہ تھے۔ وہ اسلام کی حقانیت کے قائل تھے۔ انہوں نے اسلامی معاشرے کو مشرکانہ اور غیر اسلامی اثرات سے پاک کرنے کی بھرپور جدوجہد کی اور جابر سلطان کے سامنے کلمۂ حق کہنے میں ذرا بھی خوف وخطر محسوس نہیں کیا۔ انہوں نے اکبر بادشاہ کو پیغام بھیجا۔

"تمہاری سلطنت، تمہارا اقتدار اور تمہاری فوج ایک دن فنا ہو جائے گی۔ خدا کے سامنے جھک جاؤ۔ اس سے معافی کی التجا کرو۔ اگر تم ایسا نہیں کرتے تو خدا کے قہر کا انتظار کرو۔"

انہوں نے ابوالفضل اور فیضی کو یہ بات سمجھانے کی کوشش کی کہ اسلام اور ہندومت دو متضاد چیزیں ہیں ان کا مجموعہ تیار کرنے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ برعظیم میں مذہبی تصادم کا حل مذہبی رواداری میں ہے۔ ہندومت اور اسلام کو ملا کر ایک کرنا ٹھیک نہیں۔ وحدت ادیان کا تصور غلط ہے۔

دین الٰہی کا خاتمہ: پروفیسر محمد اسلم اپنی مایۂ ناز تصنیف میں لکھتے ہیں کہ اکبر نے بھگت کبیر اور گورونانک کے نقش قدم پر چل کر صلح کل کی پالیسی اختیار کی اور مسلمانوں کی برتری ختم کر کے ہندوستان کو دارالاسلام سے ایک لادینی ریاست میں تبدیل کر دیا۔ وہ ہر مذہب اور ملت کے رہنماؤں سے بڑی فراخ دلی سے ملتا اس کی اس حکمت عملی سے برعظیم کے مسلمانوں اور اسلام کے مفاد کو جو نقصان پہنچا، اس کی تلافی آج تک نہیں ہو سکی۔ انہوں نے اکبر کی مذہبی پالیسی اور اس کی بے دینی کے خلاف آواز بلند کی۔ مسلمان عوام میں حکومت کے غیر شرعی احکام کی تعمیل سے انکار کرنے کی جرأت پیدا کی۔ انہوں نے اکبر کے اسلام دوست اور دین دار اُمراء کو شریعت پر کاربند رہنے کی نصیحت فرمائی جس سے ان میں دین کی خدمت اور احکام شریعت کے نفاذ کا جذبہ پیدا ہوا۔ اکبر کے آخری ایام میں اُمورِ حکومت حضرت مجدد کے عقیدت مند اُمراء کے ہاتھ میں آ گئے۔ خسرو کے مقابلہ میں شہزادہ سلیم جہانگیر کے لقب سے بادشاہ بنا اور پھر دین الٰہی کا کسی نے نام بھی نہ لیا۔

جہانگیر کی اصلاح: جہانگیر بادشاہ نے غلط اطلاعات کی بنا پر حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو قید کیا تھا بعد میں اس نے اس کی تلافی کر دی۔ ان کو خلعت فاخرہ اور ایک ہزار روپیہ بطور خرچہ دیا اور ان کو اپنا ہم دم اور مشیر بنا لیا۔ قید سے رہا ہو کر جب وہ شاہی دربار میں پہنچے تو انہوں نے جہانگیر سے کچھ مطالبات کئے جو مان لئے گئے۔ وہ ان کا ذکر اپنی تزک میں بھی بہت ادب اور احترام سے کرتا ہے۔ انہوں نے

اس کو اسلامی تعلیمات سے آگاہ کیا اور قرآن مجید کے مطالب سمجھائے۔ آپ کے زیر اثر بادشاہ کی شراب نوشی میں کمی آئی۔ اسلامی سکوں پر کلمہ طیبہ لکھا گیا۔ سن ہجری دوبارہ جاری ہوا۔ پس اس عہد میں اسلام میں جو رونق پیدا ہوئی، وہ انہی کی تحریک کا اثر تھا۔

علماء اور صوفیا کی اصلاح: اکبر کے عہد حکومت میں دین اسلام پر جو گزری، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا ذمہ داران دُنیا دار علما اور صوفیا کو ٹھہرایا جو اکبر کی ہاں میں ہاں ملاتے تھے۔ انہوں نے ان کو قرآن و حدیث کی بھرپور تعلیم حاصل کرنے کی تعلیم دی۔ انہوں نے ثابت کیا کہ مسلمانوں کو تصوف کی نہیں بلکہ دین کی ضرورت ہے۔ انہوں نے صوفیوں کو بتایا کہ یہ وقت ہوش سے کام لینے کا تقاضا کرتا ہے۔ تصوف میں جو غلط رسمیں اور ہندو جوگیوں کے طور طریقے شامل ہوگئے ہیں ان کا خاتمہ کرنا ضروری ہے۔ وحدت الوجود پر یقین سے کفر اور اسلام کا فرق مٹ جاتا ہے اور متحدہ قومیت نکھر کر سامنے آجاتی ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے نظریہ وحدت الشہود کی تبلیغ کی۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ خالق اور مخلوق کا وجود الگ الگ ہے، کائنات خدا کے حکم سے وجود میں آتی ہے، وہ جس وقت چاہے اس کو ختم کر سکتا ہے۔ یہ نظریہ مسلمانوں کو جداگانہ قومیت کا درس دیتا ہے اور ان میں عمل پیہم کا جذبہ ابھارتا ہے۔

دو قومی نظریہ: حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے برعظیم میں سب سے پہلے اور مسلمانوں کے دور عروج میں کفر اور اسلام کی حدیں واضح کر کے مسلمانوں میں جداگانہ قومیت کے شعور کو بیدار کیا۔ انہوں نے وحدانیت اور بت پرستی کو یکساں ماننے سے انکار کیا اور اسلام اور ہندومت کو دو مختلف طریقے قرار دے کر ان کے اتحاد کو ناممکن قرار دیا۔

توحید کا صاف ستھرا تصور پیش کرنے کے ساتھ ساتھ انہوں نے اس بات کی سختی سے تردید کی کہ اللہ کسی اور کی ذات میں جلوہ گر ہو سکتا ہے۔ رام اور کرشن جنہیں ہندو اپنا دیوتا مانتے ہیں، ذات باری تعالیٰ کی ادنیٰ مخلوق ہیں۔ رام اور رحمان ایک نہیں ہو سکتے۔ خالق اور مخلوق ایک نہیں ہو سکتے۔ ان کو ایک سمجھنا بڑی جہالت ہے۔ اسلام اور ہندومت کا میل نہیں ہو سکتا۔

برعظیم میں مسلمانوں سے پہلے کئی حملہ آور آئے اور وہ ہندومت میں جذب ہو کر اپنی جداگانہ شناخت کھو بیٹھے۔ ہندوؤں نے ایسی ہی کوششیں مسلمانوں پر بھی کیں۔ مغل بادشاہ اکبر کو شیشے میں اتارا اور اسے دین الٰہی ایجاد کرنے کی راہ دکھائی لیکن مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی کوششوں سے دین الٰہی اکبر بادشاہ کی موت کے ساتھ ہی دم توڑ گیا۔ یوں مجدد الف ثانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مسلمانوں کو ہندوستان سے معدوم ہونے سے بچالیا۔

ڈاکٹر اشتیاق قریشی، مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لکھتے ہیں: مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دو قومی نظریہ پورے زور سے پیش کیا۔ اسلام اور ہندومت کو دو الگ طریقے قرار دے کر ان کے اتحاد کو ناممکن

بنا دیا۔ اس طرح آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اسلام کو ہندومت میں مدغم ہونے سے بچالیا اور مسلمانوں میں جداگانہ قومیت کا وہ شعور بیدار کیا جو آخر کار پاکستان کی بنیاد بنا۔

اثرات: حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اصلاحی تحریک ہماری ملی تاریخ میں ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ انہوں نے اسلام کو ہندومت میں مدغم ہونے سے بچایا۔ ان کے اثر و رسوخ اور تعلیمات کی وجہ سے اکبر بادشاہ کے بعد مغلوں کی مذہبی پالیسی میں تبدیلی رونما ہوئی۔ وہ برعظیم میں مسلمانوں کے سب سے زیادہ زوردار اور طبع زاد مفکر تھے۔ ان کا دو قومی نظریہ برصغیر کی تاریخ کا ایک اہم نشان راہ اور قیامِ پاکستان کا پیش خیمہ ہے۔

3 حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی تحریک: حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ 21 فروری 1703ء کو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے اسی سال بعد اور شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کی وفات سے چار سال قبل دہلی میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد شاہ عبدالرحیم ایک ممتاز عالم اور صوفی بزرگ تھے۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ پندرہ سال ہی کی عمر میں بیشتر علوم کی تحصیل سے فارغ ہوگئے اور اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد ان کے مدرسہ رحیمیہ میں درس و تدریس میں مشغول ہوگئے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلہ نسب والد کی طرف سے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور والدہ کی جانب سے حضرت امام موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ تک جا پہنچتا ہے۔ آپ کے والد نے آپ کا نام قطب الدین رکھا لیکن آپ ولی اللہ کے نام سے عوام میں مشہور ہوئے۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ ابھی سترہ برس کے تھے کہ ان کے والد محترم وفات پاگئے۔ اس کے بعد تقریباً بارہ برس تک آپ اپنے والد کے شہرۂ آفاق مدرسہ رحیمیہ میں علوم دینی و عقلی کی تعلیم دیتے رہے۔ 1731ء میں آپ حج بیت اللہ کے لئے تشریف لے گئے۔ 1732ء میں ارضِ حجاز سے واپس آ کر آپ نے تدریس اور تصنیف و تالیف کا سلسلہ دوبارہ شروع کیا۔ کچھ عرصہ کے بعد انہوں نے تدریسی کام اپنے شاگردوں کے سپرد کیا اور خود تصانیف، اسلامی معاشرے کی اصلاح، اسلامی اقدار کے تحفظ اور برصغیر میں غیر مسلم قوتوں کے استیصال کے کام میں منہمک ہوگئے۔ آپ نے 1762ء میں وفات پائی۔

اٹھارہویں صدی یوں تو مسلمانانِ برعظیم پاک و ہند کے سیاسی انحطاط کا دور تھا لیکن اس زمانے میں شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے مذہبی افکار میں وہ مشعل روشن کی کہ دینِ اسلام کو احیا نصیب ہوا۔ خاص کر سنی فقہ نے ایک نئی ارتقائی منزل طے کی اور تصوف اور علم کے حسین امتزاج سے ایسے علماء پیدا ہوئے جو باعمل بھی تھے اور مجاہد بھی تھے۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی علمی تحریک کی بدولت اٹھارہویں صدی میں نہ صرف

علم وعرفان کے چشمے پھوٹ نکلے بلکہ زوال پذیر مسلم معاشرہ اصلاح پذیر ہوا۔ ان کے بیٹے عبدالعزیز نے بھی ان کی علمی تحریک کو جاری رکھا اور علمی دنیا میں نام پیدا کیا۔ شاہ اسمٰعیل شہید ؒ بھی شاہ ولی اللہ ؒ کے خاندان سے تھے۔ انہوں نے بھی شاہ ولی اللہ ؒ کی علمی تحریک کے زیر اثر قوم کی اخلاقی حالت سنوارنے کے علاوہ تحریک جہاد میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ شاہ ولی اللہ ؒ کی دینی، علمی، معاشرتی، اقتصادی اور سیاسی خدمات برعظیم پاک و ہند کی تاریخ میں نمایاں اہمیت کی حامل ہیں۔ مؤرخین نے شاہ ولی اللہ ؒ کو امام الہند کا خطاب دیا۔

قرآن حکیم کا ترجمہ: شاہ ولی اللہ ؒ نے علم دین کے بارے میں متعدد کتابیں تصنیف کیں لیکن ان کا گرانقدر کارنامہ قرآن مجید کا عام فہم ترجمہ ہے جو فارسی زبان میں ہے اور فتح الرحمان فی ترجمۃ القرآن کے نام سے شائع ہوا۔ اس ترجمے سے عوام کے لئے قرآن فہمی کے دروازے کھل گئے۔ اس سے قبل قرآن مجید کے تراجم تفسیر کی شکل اختیار کر جاتے تھے اور عوام کے لئے ایسے تراجم کو سمجھنا مشکل ہو جاتا تھا۔ شاہ ولی اللہ ؒ کے ترجمہ سے کتاب اللہ کی اصل حقیقت عوام پر واضح ہوئی۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ ؒ کے نقش قدم پر چل کر بعد ازاں قرآن مجید کے اردو اور دیگر زبانوں میں تراجم بھی لکھے گئے۔ اگر شاہ ولی اللہ ؒ ترجمہ کا نیا ڈھنگ اختیار نہ کرتے تو عوام طویل تفسیروں میں کھوئے رہتے اور کلام پاک کی صحیح اور پاکیزہ شکل تک پہنچنا ان کے لئے مشکل امر ہوتا۔ گویا آپ کے ترجمے کی بدولت قرآن فہمی کے سلسلے میں مسلمانوں میں علماء کی اجارہ داری ختم ہوگئی ورنہ مسلمانوں میں بھی برہمنوں کی طرز کا ایک خاص گروہ پیدا ہو جاتا۔ شاہ صاحب کے ترجمہ قرآن کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ ہندوستان میں عیسائی پادریوں نے کلام پاک کے لاطینی زبان میں ترجمہ کی وساطت سے قرآن مجید کے بعض حصوں پر اعتراض کر کے مسلمانوں کو گمراہ کرنا شروع کر دیا تھا، اب عام مسلمان قرآن فہمی کے ذریعہ ان کے اعتراضات کا جواب دینے کے قابل ہو گئے۔

قرآن مجید کے ترجمے کے علاوہ شاہ ولی اللہ ؒ نے حدیث، فقہ، تصوف اور تفسیر پر متعدد کتابیں لکھیں۔ ان میں سے زیادہ مقبولیت حجۃ اللہ البالغہ کو حاصل ہوئی جس میں بتایا گیا ہے کہ اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے جو انسانوں کی معاشی ترقی اور فلاح و بہبود کا ضامن ہے۔

فقہ اور مسئلہ تقلید و اجتہاد: شاہ ولی اللہ ؒ تعصب اور غلو سے پرہیز کرتے تھے۔ اعتدال اور معاملہ فہمی کو مذہب کی اصلی روح قرار دیتے تھے۔ آپ اندھا دھند تقلید کے بھی مخالف تھے۔ آپ یہ فرماتے تھے کہ اجتہاد کے دروازے کبھی بند نہیں ہو سکتے نیز قرآن مجید کی آیات اور مستند احادیث کے ہوتے ہوئے فقہ کی موشگافیاں قابل قبول نہیں ہو سکتیں۔ انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ افراط اور تفریط سے

کام لینے کی بجائے حد اعتدال کو ہاتھ سے نہ جانے دیا جائے۔ انہوں نے ہمیشہ فقہ اور مسئلہ تقلید، اجتہاد میں ایک معقول اور اعتدال کا طریقہ اختیار کیا۔

شاہ ولی اللہ ؒ نے ہمیشہ مذہبی رواداری پر زور دیا۔ شیعہ، سنی اختلافات کے بارے میں معتدلانہ نکتہ نظر اختیار کیا اور اس موضوع پر متعدد کتابیں لکھیں جن میں حضرت علی ؓ کے فضائل بیان کرنے میں آپ کسی شیعہ سے پیچھے نہیں رہے۔ آپ کی تصنیف ''فیوض الحرمین'' اس کا ایک منہ بولتا ثبوت ہے۔ شاہ ولی اللہ ؒ مسلک اعتدال کے حامی تھے جو برصغیر میں مسلمانوں کی ناگفتہ بہ حالت کو سنوارنے کے لئے وقت کا سب سے بڑا تقاضا تھا تاکہ مسلمان فرقہ واریت سے دور رہ کر صرف احیائے دین حق کی تحریک کو کامیاب بنانے میں اپنی تمام تر صلاحیتوں سے کام لے سکیں۔

فروغ علم حدیث: اٹھارہویں صدی عیسوی میں اسلامی درسگاہوں میں عام طور پر صرف ونحو یا منطق اور فقہ کی تعلیم پر زور دیا جاتا تھا۔ یہ اس لئے تھا کہ مسلمان حکمرانوں کے دور اقتدار میں حکومت کا قانون شرع اسلامی پر مبنی ہوتا تھا۔ سرکاری مناصب یعنی قاضی، مفتی اور محتسب کے لئے فقہی علوم کا ماہر ہونا ضروری تھا اور صرف ونحو سے آگاہی عربی زبان کی تعلیم کے لئے ناگزیر تھی۔ بدیں وجہ علم حدیث فروغ نہ پا سکا۔ حالانکہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی بہت پہلے سے علم حدیث کی ترقی و اشاعت کا آغاز کر چکے تھے۔

شاہ ولی اللہ ؒ نے شیخ ابوطاہر بن ابراہیم مدنی سے سند حدیث حاصل کی تھی اور وہ بنیادی طور پر محدث تھے۔ شاہ صاحب ؒ مدرسہ رحیمیہ میں حدیث کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ امام مالک ؒ کے مرتب کردہ مجموعہ احادیث (موطا) کے بڑے مداح تھے۔ رود کوثر کے مصنف شیخ محمد اکرام قمطراز ہیں:

> ''علم حدیث میں شاہ ولی اللہ ؒ کا یہ اجتہاد سمجھنا چاہیے کہ وہ امام مالک ؒ کی موطا کو صحیح بخاری پر ترجیح دیتے تھے۔''[1]

شاہ ولی اللہ ؒ نے موطا کی عربی اور فارسی شرح لکھی۔ انہوں نے علم حدیث کو فروغ دینے کے لئے مختصر احادیث پر مشتمل کتب مرتب کیں۔ روزمرہ زندگی کی رہنمائی کے لئے الگ مجموعے شرح اور ترجمہ کے ساتھ مرتب کئے۔ شرح تراجم ابواب بخاری میں صحیح بخاری کے ابواب کی سرخیوں کی تشریح کی۔ شاہ ولی اللہ ؒ کے درس حدیث اور ان کی احادیث پر مشتمل کتابوں سے برعظیم پاک و ہند میں حدیث رسول ﷺ کو بہت فروغ حاصل ہوا۔ تجدید و احیائے اسلام کے سلسلے میں شاہ ولی اللہ ؒ کا یہ ایک بہت بڑا کارنامہ ہے کہ انہوں نے اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے کلام کے حصول کا اشتیاق پیدا کرنے کے سلسلے میں اہم کردار ادا کیا۔

1- (رود کوثر، ص 508)

معاشرتی اصلاح: مسلم معاشرے کے زوال نے شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کو ان عوامل کے بارے میں سوچنے پر مجبور کر دیا جن کے باعث ملت اسلامیہ فکر و عمل کے لحاظ سے زوال پذیر ہو رہی تھی۔ ایسے حالات میں شاہ ولی اللہ نے اپنی توجہ مسلم معاشرے کی اصلاح اور ملت اسلامیہ کی اخلاقی حالت سنوارنے کی طرف مبذول کی۔ ہندوؤں کی ہمسائیگی کی وجہ سے مسلمانان برعظیم کے عقائد و اعمال میں بے شمار غیر اسلامی رسوم راہ پا گئی تھیں۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے قلع قمع کے لئے بھرپور تحریک چلائی اور اس بات پر زور دیا کہ مذہب اسلام کو شرک سے پاک رکھا جائے اور خالق و مخلوق کو یکجا نہ کیا جائے۔ مشائخ و صوفیاء کے مزاروں پر بے شک جایا جائے لیکن قبر پرستی جائز نہیں۔ علاوہ ازیں مسلمانان برصغیر ہندو معاشرے کے زیر اثر بیوہ کے نکاح ثانی کو معیوب خیال کرنے لگے تھے۔ آپ نے بیوہ سے نکاح کو سنت نبوی ﷺ قرار دیا اور بیوہ سے نکاح کی ترغیب دی۔ آپ نے حق مہر کے لئے ناقابل برداشت رقم مقرر کرنے کو بھی غیر اسلامی قرار دیا۔ مسلمانوں کو تلقین کی کہ وہ شادی و دیگر خوشی کے مواقع پر بے جا اسراف سے پرہیز کریں اور ہمیشہ سادگی اور خصوصاً سنت نبوی ﷺ کو اختیار کریں۔ موت کے بعد ماتم پرستی، بین ڈالنے اور سوگ کی ہندوانہ رسومات سے منع فرمایا۔ نیز عام مسلمانوں پر زور دیا کہ وہ احکام خداوندی پر عمل کریں اور مشرکانہ رسومات سے پرہیز کریں۔ قرآن حکیم کو سمجھ کر پڑھیں۔ جعلی پیروں اور شعبدہ باز فقیروں سے بچیں۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے علماء پر زور دیا کہ وہ فروعات سے اجتناب کریں اور مسلم معاشرے کو غیر اسلامی رسوم و روایات سے مکدر ہونے سے بچائیں۔ انہوں نے صوفیاء کی سرزنش کی کہ حجروں میں بیٹھ کر پیری مریدی کرنے اور نذرانے وصول کرنے کی بجائے شریعت سلامی کے مطابق زندگی گزاریں اور محنت سے رزق حلال کمائیں تاکہ ایک پاکیزہ اور صالح معاشرہ وجود میں آئے جو احیائے دین حق کا باعث بن سکے۔ امراء کو یہ ہدایت کی کہ وہ اپنی روزمرہ کی زندگی اسلامی طریق پر بسر کریں [illegible] دولت کو عیش و نشاط اور دیگر بے جا امور پر صرف کرنے کی بجائے عوام کی فلاح و بہبود پر خرچ کریں۔

مسلم سیاسی سیادت کا تحفظ: چونکہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کو مسلمانوں کے سیاسی حالات سے گہری دلچسپی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپ حرمین شریف کی زیارت کے لئے گئے تو اس وقت بھی ہندوستانی مسلمانوں کو نہ بھولے۔ بعض احباب اور دوستوں نے ترک ہند کا مشورہ دیا تو آپ نے اسے رد کر دیا کیونکہ آپ مسلمانان ہند کی اصلاح کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ قیام مکہ معظمہ کے دوران حضرت امام الہند نے ایک خواب دیکھا جس میں خود رسول اکرم ﷺ نے آپ کو بشارت سے نوازا کہ:

"تمہارے متعلق ارادہ ہو چکا ہے کہ امت مرحومہ کے جتھوں میں سے کسی جتھے کی تنظیم تمہارے ذریعہ کی جائے۔"

چنانچہ 9 جولائی 1732ء کو آپ اپنے وطن واپس آئے اور اصل کام مسلم سیاسی سیادت کو بچانے اور مسلمانوں کی تہذیب ان کی مذہبی، سیاسی اور ثقافتی حالت کو سدھارنے میں مصروف ہو گئے۔ اس وقت ہندوستان کی سیاسی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ اسلامی حکومت پر انحطاط اور بدحالی کی گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں۔ ہر طرف سے دشمنوں اور ان سے بدتر دوست نما اعداء کا ہجوم تھا۔ مرہٹے، سکھ، سادات بارہہ اور نادر شاہ ملک کے لئے قہر عظیم بنے ہوئے تھے۔ مغل حکومت چراغ سحری کی طرح ٹمٹما رہی تھی۔ علاوہ ازیں وسیع مغلیہ سلطنت خانہ جنگیوں، اُمرا کی باہمی آویزشوں اور طوائف الملوکی کے باعث بڑی تیزی کے ساتھ روبہ زوال تھی۔ چنانچہ اسلامی سیادت کے تحفظ اور مسلم معاشرے کے تن مردہ میں ایک نئی روح پھونکنے کے لئے شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے جذبہ جہاد اور ملی و عسکری اتحاد پر بہت زور دیا اور اس وقت کے بااثر مسلم سرداروں کو مسلمانان برصغیر کے سب سے بڑے دشمن مرہٹہ قوم کی سرکوبی پر ابھارا۔ انہوں نے خاص طور پر نظام الملک، نجیب الدولہ اور تاج محمد خان بلوچ جیسے مدبر اور صاحب قوت مسلمان حکمرانوں کو ایک مرکز پر جمع ہو کر برعظیم میں غیر مسلم طاقتوں کے استیصال کی ترغیب دی اور خطوط کے ذریعہ انہیں بتایا کہ اللہ نے فتح و نصرت مسلمانوں کی تقدیر میں لکھ دی ہے لیکن ان کے فوجی اتحاد اور باہمی جہاد کے بغیر کفار پر فتح حاصل نہیں ہو سکتی۔

مسلمان سردار اور گورنر جب مرہٹوں کی گوشمالی نہ کر سکے تو شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے خطوط کے ذریعے افغانستان کے بادشاہ احمد شاہ ابدالی کو اس بات پر قائل کیا کہ نادر شاہ کی مانند محض لوٹ مار کرنے اور مسلمانوں کا خون گرانے کے بجائے اسے مرہٹوں اور ہندو جاٹوں کی سرکوبی کرنی چاہئے جن کی آئے دن کی تاخت و تاراج سے برصغیر میں اسلامی سلطنت خطرے سے دوچار ہے۔ چنانچہ 14 جنوری 1761ء کو احمد شاہ ابدالی اور مرہٹوں کی پانی پت کے تاریخی مقام پر ایک فیصلہ کن جنگ ہوئی جس میں مرہٹوں کو شکست فاش ہوئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مرہٹوں میں اتنی طاقت نہ رہی کہ وہ منظم طور پر پھر سے حملہ کر سکیں۔

مشہور مؤرخ سر جادو ناتھ سرکار کے بقول:

"مہاراشٹر میں کوئی گھر ایسا نہ تھا جس میں صف ماتم نہ بچھ گئی ہو۔ لیڈروں کی ایک پوری نسل ایک ہی معرکہ میں ختم ہو گئی۔"

حقیقت یہ ہے کہ مرہٹوں نے تخت مغلیہ پر قابض ہو کر برصغیر میں رام راجیہ قائم کرنے کا خواب دیکھا تھا جو شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی دعاؤں اور مجاہدانہ کوششوں سے شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔ مؤرخین اس رائے پر متفق ہیں کہ مرہٹوں کے خلاف احمد شاہ ابدالی کو بلانے اور نجیب الدولہ کو شریک کرنے میں شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہاتھ تھا۔ پانی پت کا میدان کارزار حقیقت میں شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا سجایا ہوا تھا۔

پانی پت کی لڑائی میں مرہٹوں کے سیاسی اقتدار کو بحیثیت ایک متحدہ گروہ کے ہمیشہ کے لئے توڑ دیا گیا۔
مختصر یہ کہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک طرف تو مسلم سیاسی سیادت کو بچانے کی کوشش کی اور دوسری طرف انہوں نے اپنی مذہبی اور علمی تحریک کی بدولت مسلمانوں کی تہذیب ان کی مذہبی، سماجی اور ثقافتی حالت کو سدھارنے کے سلسلے میں گرانقدر خدمات انجام دیں۔

مسلمانان برصغیر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے یہ احسانات کبھی فراموش نہیں کر سکتے کہ آپ ہی کی کوششوں سے برصغیر میں صحیح الخیال اور صحیح العقیدہ افراد کی ایسی جماعت تیار ہوگئی جس نے اپنے کردار عمل سے شاہ صاحب کی تعلیمات کو عام کیا اور بالآخر ایسی تحریک کی بنیاد پڑی جس کے علم بردار مجاہد فی سبیل اللہ سید احمد شہید بالاکوٹ تھے، جو خانوادہ ولی اللہ کے ہی خوشہ چین تھے۔ یہ تحریک جہاد کے نام سے مشہور ہوئی۔ یہ تحریک خالصتاً اسلامی تحریک تھی۔ اس کا مقصد خلافت الٰہیہ کا قیام تھا۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے 20 ستمبر 1762ء کو وفات پائی۔

جب تک مسلمان برصغیر میں تخت وتاج کے مالک رہے تو انہیں کبھی بھی اپنے بقا کی فکر نہ ہوئی لیکن مغلیہ خاندان کے دور میں اکبر بادشاہ کے دین الٰہی سے ملت اسلامیہ کے ہندومت میں جذب ہونے کا خطرہ پیدا ہوگیا۔ چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ میدان میں اُترے اور دین الٰہی کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ دوسرا خطرہ مغلوں کے دور زوال میں پیدا ہوا جب مسلمان حکمرانوں کی کمزوری سے فائدہ اُٹھا کر مرہٹوں نے ''رام راج'' قائم کرنے کے لئے ہاتھ پاؤں مارنے شروع کئے۔ اس دور میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ میدان عمل میں آئے۔ احمد شاہ ابدالی کو ہندوستان آنے اور مرہٹوں سے نبرد آزما ہونے کی دعوت دی اور دوسری طرف نجیب الدولہ روہیلہ سردار کو افغانیوں کا ساتھ دینے پر آمادہ کیا جس کے نتیجے میں پانی پت کی تیسری لڑائی (14 جنوری 1761ء) میں مرہٹوں کو شکست فاش ہوئی۔ اس طرح مسلمانوں کا دورِ حکومت مزید ایک صدی بڑھ گیا۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد دو قومی نظریے کو زندہ رکھا۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اُمت مسلمہ کو ہندو قوم سے الگ سمجھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ نہ صرف انہوں نے احمد شاہ ابدالی کے ذریعے برعظیم کے مسلمانوں کا دفاع کیا بلکہ تعلیم وتربیت کے ذریعے ایک ایسی جماعت تیار کی جس نے مسلمانوں کی عظمت ماضی کو واپس لانے کے لئے عظیم جدوجہد کی۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعد آپ کے بیٹے شاہ عبدالعزیز آپ کے تربیت یافتہ تھے اور حضرت شاہ اسماعیل شہید تحریک مجاہدین کے سرگرم رکن آپ کے بھتیجے تھے۔ تحریک مجاہدین پنجاب اور سرحد سے سکھوں کا دورِ حکومت ختم کر کے اسلامی حکومت قائم کرنے کی علم بردار تھی۔ تحریک مجاہدین معرکہ بالاکوٹ (6 مئی 1831ء) میں دم توڑ گئی لیکن مسلمانوں کو ایثار وقربانی کا عظیم درس دے گئی۔ یہ ایک عجیب اتفاق

ہے کہ مجاہدین جس خطے پر اسلامی حکومت قائم کرنا چاہتے تھے۔ وہی خطہ ایک صدی بعد برعظیم کے مسلمانوں کی کوششوں سے قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں پاکستان بنا۔

دو قومی نظریہ

دو قومی نظریہ کا مطلب ہے کہ دنیا میں صرف دو ہی قومیں آباد ہیں، ایک مسلمان اور دوسرے کافر۔

دو قومی نظریہ کا آغاز: دو قومی نظریہ کا آغاز تخلیق آدمؑ کے ساتھ ہی ہوگیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو پیدا کر کے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ اس کو سجدہ کریں۔ فَسَجَدُوۡۤا اِلَّاۤ اِبۡلِیۡسَ (سوائے ابلیس کے سب اس کے سامنے سجدہ ریز ہوگئے) وَکَانَ مِنَ الۡکٰفِرِیۡنَ (اور وہ کافروں کے گروہ میں شامل ہوگیا)

خالق کائنات نے حضرت آدمؑ کو زمین پر اتارنے سے پہلے فرمایا کہ ''میری طرف سے تمہیں وقتاً فوقتاً ہدایات ملتی رہیں گی۔ لیکن تیری اولاد میں سے ایک گروہ میری ہدایات کے برعکس گمراہی کا راستہ اختیار کرے گا، وہی کافر ہوں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا انسانوں کے دو گروہ بن گئے۔ دین اسلام کو ماننے والے مومن یعنی ملتِ (قوم) اسلامیہ کہلائے جبکہ اس کا انکار کرنے والے کافر یعنی ملت (قوم) کفر کہلائے۔ اس حوالے سے کنعان، حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا ہوتے ہوئے بھی ملت کفر کا فرد قرار پایا اور ابولہب کا شمار، ہاشمی ہوتے ہوئے بھی ملت کفر میں ہوا جبکہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ غیر ہاشمی اور غیر عربی ہوتے ہوئے بھی ملت اسلامیہ کے رکن ٹھہرے۔

برصغیر پاک وہند میں دو قومی نظریہ سے مراد ہے کہ یہاں بہت سی قومیں آباد ہیں۔ جن میں دو بڑی قومیں ہیں ایک ہندو اور دوسری مسلمان۔

برصغیر کے مسلمان ایک علیحدہ قوم: ہندو برصغیر کی تقسیم اور مطالبہ پاکستان کے سخت خلاف تھے۔ گاندھی سمیت تمام ہندو لیڈر، دانشور، اساتذہ، وکلاء اور صحافیوں نے پاکستان پر بے شمار اعتراضات کئے اور اپنے ان اعتراضات کے حق میں دلائل بھی دیئے۔ ان میں سے وہ دو دلائل کو وہ بہت وزنی اور لاجواب کرنے والے سمجھتے تھے۔

1- ہندوستان کے مسلمانوں کے آباؤ اجداد ہندو تھے۔ لہٰذا وہ بھی ہندوؤں کے ہم نسل ہیں۔ مذہب کی تبدیلی سے قومیت نہیں بدل سکتی۔ لہٰذا مسلمانوں سمیت تمام ہندوستانی ایک قوم ہیں۔

2- سرزمین ہندوستان کو شمال میں ہمالیہ کے پہاڑی سلسلے نے اور باقی تین اطراف سے سمندر نے گھیر رکھا ہے۔ لہٰذا یہ ایک جغرافیائی وحدت ہے اس لئے ناقابل تقسیم ہے۔

قومیت کی تعریف: اہل یورپ کے نزدیک قومیت کی تعریف یہ ہے کہ:

''افراد کا ایک ایسا گروہ جس کی نسل ایک ہو، زبان ایک ہو، وطن ایک ہو اور وہ باہمی رضامندی سے ایک ہی سیاسی نظام کے تحت زندگی بسر کر رہا ہو، ایک قوم ہے۔''

ہم مسلمان، اس تعریف کے ہرگز قائل نہیں ہیں۔ لیکن چونکہ اہل یورپ اسے مانتے ہیں اور فی الوقت دنیا میں ان کے سیاسی افکار کا سکہ چلتا ہے لہٰذا قومیت کی اسی تعریف کے تحت ہندوستان کا نسل، زبان، جغرافیائی وحدت اور سیاسی نظام کے اعتبار سے تجزیہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ ہم قومیت کے چاروں عناصر کا باری باری جائزہ لیتے ہیں۔

1- نسل: (i) ہندوؤں کا دعویٰ ہے کہ کئی ہزار برس قبل آریا ہندوستان آئے اور مقامی آبادی کو مغلوب کر کے خود حکمران بن گئے۔ انہوں نے پیشوں کے لحاظ سے اپنی جماعت کو تین اعلیٰ ذاتوں میں تقسیم کیا۔ جبکہ مقامی آبادی کو شودر (غلام) قرار دیا ہے۔ یعنی ہندوستان کی آبادی آریہ اور غیر آریہ، دو نسلوں پر مشتمل ہے۔ [2]

(ii) یہ تو خود ہندوؤں کا دعویٰ ہے کہ جبکہ تاریخی حقائق کہتے ہیں کہ کھشتری، ٹھاکر یا راجپوت، ان فاتحین کی اولاد ہیں جو کہ آریاؤں کے کئی صدیوں بعد ہندوستان آئے۔ وہ سیتھی، باہلوا، یونانی اور ہن وغیرہ تھے۔ پھر ان کے علاوہ میو ہیں، پاسی ہیں، لودھے ہیں اور چمار ہیں۔ مزید آگے بڑھیں تو دراوڑ، گونڈ ان، کول اور سنتھال وغیرہ ہیں اور نجانے کون کونسی قومیں اور نسلیں ہیں۔ ان سب نے برصغیر کو نسلوں کا عجائب خانہ بنا رکھا ہے۔ [3]

(iii) جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے برصغیر پاک و ہند کی مسلم آبادی کے بڑے بڑے حصے ایسے ہیں جہاں پر آباد لوگ دوسرے مسلم ممالک سے آئے ہوئے مہاجرین کی اولاد ہیں۔ بے شمار خاندان ایسے ہی جو اپنا نسب ماضی میں کسی غیر ملکی آباد کاروں سے جوڑتے ہیں۔ یہاں وقتاً فوقتاً عربوں کے علاوہ ترک، افغان اور ایرانی آتے رہے۔ ان میں حکومت کے منتظم، مورخ، شاعر سائنس دان، معمار، صوفی، مبلغ، سپاہی اور دستکار وغیرہ سب شامل تھے۔ یہ ہجرتیں پہلے فتوحات کے لئے پھر اسلام کی تبلیغ، اس کے بعد مسلم حکومتوں میں فنکاروں کی کشش اور مسلم ممالک میں منگولوں کی تباہ کاریوں کے باعث ہوتی رہیں۔ یعنی ہندو تو رہے ایک طرف یہاں کے مسلمان بھی بہت سی نسلوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ [4]

لہٰذا ہندوستان کے باشندوں کا تعلق بہت سی نسلوں سے ہے۔ اس لئے وہ ایک قوم نہیں ہیں۔

2- پاکستان ناگزیر تھا حسن ریاض 257   3- حسن ریاض 258

4- جدید پاکستان اشتیاق حسین قریشی صفحہ 9

2- زبان: زبان، قومیت کا دوسرا لازمی عنصر ہے۔ برصغیر کے لوگ ایک زبان نہیں بولتے۔ ماہرین لسانیات کی تحقیق کے مطابق یہاں 33 بڑی زبانیں بولی جاتی ہیں۔ جبکہ بولیاں تو بے شمار ہیں۔ بھارتی حکومت سیاسی ضروریات کے تحت ہندی زبان کو پورے ملک پر مسلط کرنا چاہتی ہے۔ لیکن جنوبی ہند کے لوگ اس کے خلاف بغاوت تک کرنے کو تیار ہیں۔ ان کی زبانیں ملیلم، تامل اور کنٹری ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ ہماری زبانیں نہ صرف ہندی (سنسکرت) سے قطعاً مختلف بلکہ اس سے زیادہ قدیم اور وسیع ہیں۔ [5] جہاں تک اردو زبان کا تعلق ہے تو اس زبان نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے ایک جگہ رہنے سے جنم لیا۔ یہ زبان ایک ترمیم شدہ عربی رسم الخط میں لکھی جاتی ہے اور اس میں عربی، فارسی اور ترکی کے الفاظ کثرت سے استعمال ہوتے ہیں۔ اردو زبان دونوں قوموں کی مشترکہ زبان تھی اور ایک مشترک عنصر کا درجہ حاصل کر سکتی۔ لیکن گاندھی کا اصرار تھا کہ ہندی ہی سارے ہندوستان کی زبان ہے۔ ہندی دیوناگری رسم الخط میں لکھی جاتی ہے اور اس میں سنسکرت کے الفاظ کی بھرمار ہوتی ہے۔ یوں اردو دان طبقے کیلئے یہ بالکل ناقابل فہم ہو جاتی ہے۔ شاعری اور ادب میں اردو اور ہندی کا اختلاف اور بھی گہرا ہو جاتا ہے۔ ہندوؤں نے تنگ نظری اور تعصب کا مظاہرہ کرتے ہوئے اردو کے خلاف اور ہندی کے حق میں تحریکیں چلا کر ثابت کر دیا کہ مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان زبان کا اشتراک ناممکن ہے۔

3- وطن: (i) قومیت کے لئے تیسری شرط وطن ہے۔ یعنی ان سب لوگوں کا وطن ایک ہو اور وہ خطہ ایک جغرافیائی وحدت ہو۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ اس کی زمین کی صورت، پیداوار، درخت، آب و ہوا، افراد کے قد و قامت، جسمانی ساخت، رنگ و روپ اور عادات و خصائل ایک جیسے ہوں۔ لیکن برصغیر کے صوبے ایک دوسرے سے یورپ کے ممالک سے بھی زیادہ مختلف نظر آتے ہیں۔

(ii) رہا یہ دعویٰ کہ ہندوستان کے شمال میں ہمالیہ کا بلند و بالا سلسلہ ہے اور باقی تین اطراف میں سمندر اسے گھیرے ہوئے ہے، اس لئے یہ جغرافیائی وحدت ہے اور ناقابل تقسیم ہے۔ اگر پہاڑوں کو حد فاصل قرار دے کر اس سرزمین پر نظر ڈالی جائے تو یہ کئی پہاڑی سلسلوں کی وجہ سے کئی ممالک میں منقسم نظر آتا ہے۔ لہٰذا یہ ایک جغرافیائی وحدت نہیں بلکہ چھوٹا ایشیا ہے جو کئی ممالک پر مشتمل ہے۔ ثابت یہ ہوا برصغیر کے باشندے نسل، زبان اور وطن کی بناء پر تو ہرگز ایک قوم نہیں ہیں بلکہ یہاں بہت سی اقوام آباد ہیں۔ البتہ وہ سب جو اپنے آپ کو ہندو کہتے ہیں ان میں ہندو مذہب مشترک ہے، وہ مذہب کی بنیاد پر ایک قوم ہیں اور جو سب اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں، ان کے درمیان مذہب اسلام مشترک ہے لہٰذا وہ مذہب اور عقیدے کی بنا پر ایک قوم ہیں۔ [6]

5- پاکستان ناگزیر تھا حسن ریاض 258   6- حسن ریاض 259

(iii) مسلمان پہلے تجارت اور تبلیغ کی غرض سے، پھر 712ء میں فاتح کی حیثیت سے برصغیر آئے۔ یوں مسلمان اور ہندو بارہ سو سال سے زائد عرصہ تک اکٹھے رہے۔ ممکن تھا کہ تاریخ کا مشترک تجربہ دونوں قوموں کو متحد کرنے والی قوت بن جاتا۔ لیکن دونوں قوم میں تاریخ کو یکساں نظر سے دیکھنے پر کبھی رضامند نہ ہوئیں، مسلم فاتحین کی شاندار فتوحات کو ہندوؤں نے ہمیشہ بہت بڑا اور ناقابلِ معافی جرم سمجھا اور مسلم عہد حکومت کو غلامی کا دور قرار دیا۔ وہ مسلم فاتحین کو ڈاکو، لیٹرے، غاصب اور ظالم قرار دیتے رہے اور دھوکے و منافقت سے مسلم حکومتوں کو نقصان پہنچانے والے غداروں اور باغیوں کو ہندو، ہیرو تصور کرتے رہے۔ یعنی ایک قوم کا ہیرو دوسری قوم کی نظر میں دشمن اور ایک قوم کی فتح دوسری قوم کی شکست ہوتی ہے۔ ⑦

4- سیاسی نظام: کسی ملک کے باشندوں کو اس بناء ایک قوم قرار دیا جاسکتا ہے اگر وہ اپنی اجتماعی رضامندی سے ایک ایسے سیاسی نظام کے تحت رہے ہوں جو انہی میں سے پیدا ہوا ہو۔ لیکن معلوم تاریخ سے برصغیر کے باشندے سینکڑوں خودمختار ملکوں، ریاستوں اور خطوں میں تقسیم ہو کر باہم جنگ وجدل میں مصروف رہے۔ چندر گپت موریا، اشوک، علاء الدین خلجی اور اکبر کے عہد کے انتہائی مختصر سالوں میں اگر کبھی ہندوستان ایک سیاسی نظام کے تحت رہا تو وہ بھی تلوار کے زور پر تھا نہ کہ اپنی رضامندی سے۔ برطانیہ کی مشترکہ غلامی کا دور دونوں گروہوں میں اتحاد کا جذبہ پیدا کرسکتا تھا لیکن ہندوؤں کے میلانِ طبع کے باعث یہ بھی ممکن نہ ہوسکا۔ مسلمانوں کیخلاف انگریزوں کے تعصب اور دشمنی کو ہندو ہمیشہ اپنے حق میں استعمال کرنے کے لئے ہمیشہ تیار رہتے تھے۔ انہوں نے مصیبت اور مشکل وقت میں نہ مسلمانوں سے اظہار ہمدردی کیا اور نہ اس صورتحال میں فائدہ اٹھانے میں کبھی ضمیر کی خلش محسوس کی۔ یہی وجہ ہے کہ 1885ء میں جب ہندوؤں نے انگریزوں کی سرپرستی میں انڈین نیشنل کانگرس کی تنظیم کی تو مسلمانوں نے ان پر اعتماد نہیں کیا۔ یہ مسلمانوں کی طرف سے بڑا واضح پیغام تھا۔ بالآخر انگریزوں کو بھی برصغیر سے واپس جاتے ہوئے اس حقیقت کا اعتراف کرنا پڑا کہ ہندو اور مسلمان دو قومیں ہیں۔

براعظیم میں دوقومی نظریہ کا ارتقا: دو قومی نظریہ اسی دن حقیقت بن گیا تھا جب پہلے مسلمان نے براعظیم میں قدم رکھا اور یہاں پہلا ہندو مسلمان ہوا تھا۔ ہندو، مسلم تشخص کو مٹا کر انہیں اپنے اندر جذب کرنا چاہتے تھے لیکن مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے مسلم تشخص کو مٹانے کی سب کوششوں کو ناکام بنا دیا۔ مسلم کارواں کو ہر دور میں قائد ملتا چلا گیا۔ اسی طرح جنگ آزادی 1857ء سے قیام پاکستان 1947ء تک تحریک پاکستان کا سفر طے ہوتا چلا گیا۔ اس ارتقائی دور کو جن مخالف اور مواقف حالات واقعات کا سامنا رہا، وہ مندرجہ ذیل ہیں:

7- جدوجہد پاکستان، آئی ایچ قریشی صفحہ 17

1- جنگِ آزادی کے بعد مسلم تشخص کو مٹانے کی انگریزی کوششیں
2- سرسید اور دو قومی نظریہ 3- ہندوؤں کی جارحانہ تحریکیں
4- تحریک علی گڑھ 5- اردو ہندی تنازع
6- جسٹس سید امیر علی 7- انڈین نیشنل کانگریس
8- مسلم مخالف ہندو مذہبی جماعتیں 9- آل انڈیا مسلم لیگ کا قیام
10- منٹو مارلے اصلاحات 11- میثاق لکھنؤ 1916ء
12- نہرو رپورٹ 1928ء 13- قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کے چودہ نکات 1929ء
14- علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اور تصور پاکستان 1930ء
15- چودھری رحمت علی خالق لفظ پاکستان 16- کانگریسی وزارتوں کا مسلم کش رویہ
17- قرارداد لاہور 18- قیام پاکستان

① **جنگ آزادی کے بعد مسلم تشخص کو مٹانے کی انگری کوششیں:**
جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد مسلمانوں پر بڑا نازک وقت آپڑا۔ انگریز نے مسلمانوں سے حکومت چھینی تھی اس لئے وہ ان کو اتنا دبانا چاہتا تھا کہ اپنے شان دار ماضی کو بھول کر ناساز گار حال میں کھو کر رہ جائیں۔ ہندوؤں نے بھی مسلمانوں کے خلاف سازشیں تیز کردیں تا کہ برصغیر کی تیسری بڑی طاقت یعنی مسلمانوں کو فنا کے گھاٹ اتار سکیں۔

② **سرسید احمد خان اور دو قومی نظریہ:** اس نازک دور میں سرسید احمد خان میدان میں اترے۔ انھوں نے انگریزوں کی غلط فہمیاں دور کرنے کی کوششیں کیں۔ رسالہ بغاوت ہند لکھ کر ثابت کیا کہ جنگ آزادی ہندوؤں نے شروع کی۔ مسلمان دل جلے تھے وہ بھی شریک ہوگئے۔ دونوں قومیں برابر کی حصہ دار ہیں اس لئے صرف مسلمانوں سے عناد مناسب نہیں۔

③ **ہندوؤں کی جارحانہ تحریکیں:** ہندوؤں نے مسلمانوں کی مخالفت میں کئی جارحانہ تحریکیں شروع کیں۔ آریہ سماج، "گئو رکھشا سبھا" بنائی جس کا بظاہر مقصد گائے کا تحفظ تھا لیکن در پردہ اس کی آڑ میں گائے کو بچانا اور مسلمانوں کو ذبح کرنا تھا۔ آریہ سماج نے شدھی کی تحریک چلائی جس کا نعرہ تھا کہ ہندوستان صرف ہندوؤں کا ہے۔ اس تحریک نے مسلمانوں کو باور کرایا کہ وہ ہندو بن جائیں یا ہندوستان چھوڑ جائیں۔ لہٰذا مسلمان زندہ رہنے کے لئے اپنے آپ کو منظم کرنے پر مجبور ہوگئے۔

④ **تحریک علی گڑھ:** سرسید احمد خان نے تحریک علی گڑھ کے ذریعے مسلمانوں کو تعلیم کے سہارے کھڑا کرنے کی کوشش کی۔ تحریک علی گڑھ نے مسلمانوں میں خود اعتمادی پیدا کی اور انہیں اپنے حقوق حاصل

کرنے کے لئے قانونی جدوجہد کی راہ پر لگایا۔ اسی راہ پر چل کر قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نے پاکستان کی قانونی جنگ لڑی۔

⑤ **اردو ہندی تنازع:** اردو ہندی تنازعے سے قبل سرسید دونوں قوموں کو ایک ساتھ آگے بڑھانے کے حق میں تھے لیکن 1867ء میں ہندوؤں نے اردو کو ختم کر کے ہندی نافذ کرنے کی کوششیں کیں۔ اس پر سرسید احمد خان اس نتیجے پر پہنچے کہ آج ہندو مسلمانوں کی زبان کو برداشت نہیں کر رہا تو کل یقیناً وہ مسلمانوں کے وجود کو بھی ختم کرنے کی کوشش کرے گا۔ اس مسئلے پر انہوں نے مسلمانوں کو الگ قوم قرار دیا اور اس کی اٹھان میں لگ گئے۔

⑥ **جسٹس سید امیر علی:** سید امیر علی برصغیر کے پہلے مسلمان لیڈر تھے جنہوں نے مسلمانوں کی سیاسی جامعیت کی ضرورت کو سب سے پہلے محسوس کیا اور ان کے سیاسی مفادات کے تحفظ کے لئے جدوجہد کا آغاز کیا۔ 1877ء میں سنٹرل محمڈن نیشنل ایسوسی ایشن قائم کی جس نے ربع صدی تک مسلمانوں کے لئے سیاسی پلیٹ فارم مہیا کیا۔

⑦ **انڈین نیشنل کانگریس:** 1885ء میں ایک انگریز اے۔ او۔ ہیوم کی سرپرستی میں انڈین نیشنل کانگریس قائم ہوئی جس کا دعویٰ تھا کہ وہ برصغیر کی سب قوموں کی نمائندہ جماعت ہے۔ کانگریس نے سادہ جمہوریت کے تحت انتخابات کا مطالبہ کیا جس میں مسلمان ہمیشہ کے لئے محروم اقلیت بن کر رہ جاتے۔ سرسید احمد خان نے اس کے خلاف آواز اٹھائی اور مسلمانوں کو کانگریس سے الگ رہنے کی تلقین کی۔

⑧ **مسلم مخالف ہندو مذہبی جماعتیں:** مسلم مخالفت میں کئی ہندو جماعتیں وجود میں آ گئیں۔ ان میں ہندو مہاسبھا سب سے آگے تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس نے کانگریس کو اپنی گرفت میں لے لیا اور اس نے ہندو مسلم اتحاد ناممکن بنا دیا۔

⑨ **آل انڈیا مسلم لیگ کا قیام:** 1906ء میں مسلمانوں کا ایک وفد شملہ میں لارڈ منٹو سے ملا اور مسلمانوں کے لئے جداگانہ انتخاب کا مطالبہ کیا۔ مسلم زعما نے محسوس کیا کہ اب ایک سیاسی جماعت کی تشکیل کا وقت آ گیا ہے۔ چنانچہ 30 دسمبر 1906ء کو مسلم لیگ قائم ہوئی جس نے زبردست جدوجہد کر کے برصغیر کے مسلمانوں کو آزادی دلائی۔

⑩ **منٹو مارلے اصلاحات:** 1909ء میں شملہ وفد نے جداگانہ انتخابات کا مطالبہ کیا تھا جسے منٹو مارلے اصلاحات میں تسلیم کر لیا گیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ انگریز نے دو قومی نظریے کو قانونی طور پر تسلیم کر لیا۔

⑪ **میثاق لکھنؤ 1916ء:** قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کی کوشش سے 1916 میں میثاق لکھنؤ ہوا۔ اس میں کانگریس نے بھی مسلمانوں کے جداگانہ انتخاب کا اصول تسلیم کر لیا۔ اس طرح انگریز کے بعد ہندوؤں نے بھی مسلمانوں کو ایک الگ قوم تسلیم کر لیا۔

⑫ **نہرو رپورٹ 1928ء:** نہرو رپورٹ میں مسلمانوں کو ایک الگ قوم کی حیثیت سے کوئی اہمیت نہ دی گئی۔ کانگریس نے متعصب ہندو مذہبی جماعتوں کی ہمنوا بن کر مسلمانوں کو اپنے الگ تشخص سے دست بردار کرنے کا پروگرام بنایا۔ اس سے مسلمانوں میں قومی تشخص کی حفاظت کے لئے پہلے سے بھی زیادہ جوش و جذبہ پیدا ہو گیا۔

⑬ **قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کے چودہ نکات 1929ء:** قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نے مسلم قوم کے تحفظ کے لیے چودہ نکات پیش کئے۔ کانگریس جس نے میثاق لکھنؤ کو پس پشت ڈال دیا تھا، وہ قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کے چودہ نکات سے کس طرح اتفاق کر سکتی تھی۔ اس طرح نہرو رپورٹ نے مسلمانوں کو اپنی راہیں الگ کرنے پر مجبور کر دیا۔

⑭ **علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اور تصور پاکستان:** علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے 1930ء میں مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس الٰہ آباد کی صدارت کرتے ہوئے مسلمانوں کے لئے ایک الگ وطن کا تصور دیا۔ انہوں نے ثابت کیا کہ ہندوستان مختلف اقوام کا وطن ہے اس لئے انصاف کا تقاضا ہے کہ ایک اسلامی ہندوستان کا قیام عمل میں لایا جائے۔

⑮ **چودھری رحمت علی، خالق لفظ پاکستان:** چودھری رحمت علی نے 1932ء میں علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے مسلم ریاست کے تصور کو پاکستان کا نام دیا۔ انہوں نے کہا کہ ہندوستان کبھی بھی ایک ملک نہ تھا اور نہ ہی اس میں بسنے والے لوگ ایک قوم رہے ہیں۔ اس لئے برصغیر کو تقسیم کر کے مسلم اکثریت کے علاقوں پر مشتمل پاکستان بنا دیا جائے۔

⑯ **کانگریسی وزارتوں کا مسلم کش رویہ:** 1937ء میں کانگریس نے گیارہ میں سے سات صوبوں میں وزارتیں قائم کیں۔ یہ وزارتیں 1937ء سے 1939ء تک قائم رہیں۔ اس عرصے میں مسلمانوں کے اتحاد کو ختم کرنے کی کوشش کی گئی۔ ہندو مسلم فسادات کرائے گئے اور ایسے اقدامات کئے گئے کہ جس سے مسلمانوں کی دل آزاری ہوتی تھی۔ کانگریسی وزارتوں کے اس مسلم کش رویے نے مسلمانوں کو الگ وطن پاکستان کے حصول کے لئے سرگرم کر دیا۔

⑰ **قرارداد لاہور:** 23 مارچ 1940ء کو مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس منعقدہ منٹو پارک، لاہور میں،

...میں پاکستان کا حصول برصغیر کے مسلمانوں کی منزل قرار پائی۔

⑱ قیامِ پاکستان: قرارداد لاہور نے برصغیر کے مسلمانوں کو واضح نصب العین دے دیا۔ انگریز اور ہندوؤں نے مسلمانوں کو پاکستان سے کم پر سمجھوتہ کے لئے کئی سبز باغ دکھائے لیکن قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کی فراست کے سامنے انگریز اور کانگریس کی ایک نہ چلی۔ آخر دونوں کو برعظیم کے مسلمانوں کے مطالبے کے سامنے ہتھیار ڈالنے پڑے۔ چنانچہ دو قومی نظریہ 14 اگست 1947ء کو دو مملکتوں کے قیام کی صورت میں حقیقت بن گیا۔

نظریۂ پاکستان: ایک قوم کو زندہ رہنے کے لئے زمین کا ایک ٹکڑا چاہئے۔ اس سرزمین کو اپنی پہچان اور علیحدہ تشخص کے لئے ایک نام کی ضرورت ہوتی ہے۔ برصغیر کے مسلمانوں نے اپنی آزاد سرزمین کے لئے پاکستان جیسے خوب صورت اور پیارے نام کو پسند کیا یعنی پاک لوگوں کا وطن۔ اسی نام کے حوالے سے دین اسلام کے اس بنیادی عقیدے یعنی دو قومی نظریہ کو نظریہ پاکستان کہا جانے لگا۔"

مسلمانوں کو اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں تمام ہدایت اور رہنمائی دین اسلام سے ملتی ہے۔ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اور زندگی کے ہر شعبے میں مکمل ہدایت و رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ قرآن اور سنت کے مطابق ذاتی اور اجتماعی زندگی کی تعمیر ہی مسلم قوم کا نظریۂ حیات ہے اور یہی حقیقت نظریۂ پاکستان کی اساس ہے۔ نظریۂ پاکستان ایک عقیدے اور نصب العین کا نام ہے۔ یہ عقیدہ بلاشک وشبہ اسلام ہے۔ تحریک قیام پاکستان کی غرض و غایت برصغیر میں مسلمانوں کی ایک ایسی آزاد اور خود مختار ریاست کا قیام تھا، جس میں وہ اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی اسلامی اصولوں کی روشنی میں بسر کرسکیں، جہاں وہ اپنی مخصوص تہذیب و تمدن کو پروان چڑھا سکیں اور ایک اسلامی معاشرہ کی تشکیل کرسکیں۔ گویا اسلام اور پاکستان میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ مختصر الفاظ میں نظریہ پاکستان دراصل نظریہ اسلام ہی کا دوسرا نام ہے۔

نظریۂ پاکستان کی تعریف: مختلف دانشوروں نے نظریۂ پاکستان کی تعریف مختلف انداز میں کی ہے۔ ان میں چند تعریفوں کو ذیل میں پیش کیا جاتا ہے:

ڈاکٹر سید عبداللہ کے الفاظ میں:

"یہ نظریہ عبارت ہے۔ اول اس عقیدے سے کہ پاکستان دو قومی تصور کا نتیجہ ہے۔ دوسرے یہ کہ مسلمانوں کی قومیت فقط اسلام ہے۔ سوم مسلمان چونکہ منفرد قوم ہیں اس لئے ان کی معاشرت، تہذیب اور علم الاخلاق بھی مختلف ہے۔ اردو پاکستان میں اس کی ترجمان ہے۔ چہارم اس قوم کو ہندوستان کی ہزار سالہ تاریخ نے ایک تاریخی شعور دیا

ہے۔ چنانچہ اس کے جملہ احوال کی تعبیر اسی تاریخی شعور کے حوالے سے ہونی چاہئے اور اس کی ایک تاریخی تعبیر واقعہ ظہور پاکستان ہے۔"

نیز یہ کہ نظریۂ پاکستان اس عقیدے اور نصب العین کو کہا جاتا ہے جس کی بنیاد پر قیام پاکستان کی تحریک چلائی گئی۔ یہ عقیدہ بلاشبہ اسلام تھا اور نصب العین یہ تھا کہ اسلام کے دو قومی تصور کی بنیاد پر ہندوستان میں مسلمانوں کی ایک ایسی آزاد ریاست قائم کی جائے جس میں رہتے ہوئے وہ اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کی تنظیم اسلامی اصولوں کے مطابق کرسکیں۔

پروفیسر سید علی عباس کے الفاظ میں:

"نظریۂ پاکستان اور اسلام ہم معنی ہیں۔ نظریہ پاکستان تعلیمات اسلامی کی عملی صورت کا نام ہے۔"

اسلم سید صاحب کی رائے میں:

"نظریۂ پاکستان مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو اسلام کے مطابق ڈھالنا ہے اور ان نظریات سے بچنا ہے جو اس کے منافی ہے۔"

مندرجہ بالا تعریفات سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ اسلام اور نظریہ پاکستان بنیادی طور پر ایک ہی ہیں۔ ان کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ اس نظریے نے مسلمانوں کی تحریک آزادی کو فکری اساس فراہم کی۔ اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ وہ ایک عالم گیر اور آفاقی تحریک ہے۔ اسلام میں قومیت کی بنیاد رنگ و نسل زبان اور وطن نہیں بلکہ دین اسلام ہے اور یہی ملت اسلامیہ کے فکری اتحاد کا مرکزی نقطہ ہے۔ اسلام کا پیغام ازلی اور ابدی ہے۔ جغرافیائی حدود اور وقتی حالات اس کی اہمیت کو کم نہیں کرسکتے۔ مسلمان دنیا کے کسی بھی خطے میں بس رہے ہوں اسلامی تعلیمات کے مطابق زندگی گزارنے کی خواہش ان کے دلوں میں ہمیشہ موجزن رہتی ہے۔ برعظیم کے مسلمانوں نے اسی جذبے کے پیش نظر پاکستان کے قیام کے لئے جدوجہد کی۔ صرف آزاد مملکت کا حصول ان کا مقصد نہ تھا بلکہ منزل تک پہنچنے کی طرف ایک قدم تھا۔ بقول قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ:

"پاکستان کے معنی صرف آزادی اور خود مختاری ہی نہیں ہیں۔ بلکہ اس سے مراد اسلامی نظریۂ حیات ہے جس کی بقا ہمارا فرض ہے اور جو ہمیں ایک خزانے یا قیمتی تحفے کے طور پر عطا ہوا ہے۔"

نظریۂ پاکستان کا ارتقا بتدریج ہوا۔ اس کی ابتدا کسی ایک فرد، مقام یا واقعے سے نہیں ہوتی بلکہ سات سو سال کے اقتدار کے خاتمے کا احساس، مستقبل کے لئے آزادی کی امنگ اور ایک اسلامی معاشرے کے قیام کی آرزو اس نظریے کے سرچشمے ہیں۔ اسی نظریے نے برصغیر کے مسلمانوں میں رنگ

ونسل، زبان اور علاقے کے فرق کے باوجود متحد کر کے ان میں بے پناہ جوش وخروش پیدا کیا۔ انہوں نے بے مثال جانی اور مالی قربانی دے کر پاکستان حاصل کیا۔ آج بھی صوبائی تعصبات اور گروہی اختلافات کے مقابلے میں پاکستان کے مسلمانوں کی شیرازہ بندی صرف اسلام ہی کے ذریعے ہو سکتی ہے۔ نظریۂ پاکستان کے تحفظ اور اس پر عمل درآمد ہی میں پاکستان کے اتحاد، استحکام اور بقا کا راز مضمر ہے۔

دوقومی نظریہ اور نظریہ پاکستان کا تعلق: دوقومی نظریہ اور نظریۂ پاکستان کے درمیان چولی دامن کا تعلق ہے۔ برعظیم میں دو قوموں کا تصور اور احساس پہلے سے موجود تھا۔ حکومت چھن جانے کے بعد مسلمانوں کو اپنی جداگانہ قومیت کا احساس زیادہ شدت سے ہونے لگا۔ انگریز نے ہندو کو اُبھارنے کے لئے انڈین نیشنل کانگریس قائم کی اور اس کو مضبوط و مستحکم بنانے کے لئے برصغیر میں مغربی جمہوریت نافذ کرنے کی پالیسی اختیار کی جس میں مسلمانوں کے لئے کچھ نہ تھا۔ مسلمانوں کو اپنی انفرادی حیثیت اور سیاسی اصلاحات سے محرومی کا احساس بڑھ گیا۔ انہوں نے اپنے انفرادی اور اجتماعی تحفظ کے لئے ایک آزاد اسلامی ریاست کا مطالبہ کیا۔ دوقومی نظریہ کا نظریۂ پاکستان سے تعلق قائداعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول سے بخوبی ہو جاتا ہے۔

"پاکستان اسی دن وجود میں آ گیا تھا جس دن ہندوستان میں پہلا ہندو مسلمان ہوا۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب یہاں مسلمانوں کی حکومت ابھی قائم نہیں ہوئی تھی۔ مسلمانوں کی قومیت کی بنیاد کلمہ توحید پر ہے، وطن اور نسل پر نہیں۔ جب ہندوستان کا پہلا فرد مسلمان بن گیا تو وہ پہلی قوم کا فرد نہیں رہا بلکہ ایک جداگانہ قوم کا فرد بن گیا۔ ہندوستان میں ایک نئی قوم وجود میں آ گئی"۔

قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ اور نظریہ پاکستان

قائداعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ ایک کھرے اور صاف ستھرے کردار کے لیڈر تھے۔ ایسا لیڈر صدیوں کے بعد پیدا ہوتا ہے۔ برصغیر میں ان سے زیادہ سیاست کی سمجھ بوجھ رکھنے والے بہت کم تھے۔ ان کی امانت داری اور صداقت گوئی کے اعتبار کا اتنا مرتبہ تھا کہ دشمن بھی کہتے تھے کہ

"جناح کو خریدا نہیں جا سکتا"

انہوں نے مسلمانوں کے سیاسی راہ عمل کی ٹھیک ٹھاک نشان دہی کی۔ انہوں نے یہ بات ڈنکے کی چوٹ پر کہی کہ ہندو اور مسلمان ہرگز ایک قوم نہیں بن سکتے اور یہ کہ برصغیر کے مسلمان ایک اقلیت نہیں بلکہ ایک قوم ہیں اور حق خود اختیاری ان کا پیدائشی حق ہے۔ تحریک پاکستان کی بنیاد نسلی، لسانی، جغرافیائی

نظریۂ قومیت کے برخلاف مذہبی وابستگی پر رکھی گئی ہے۔ یہ ایک قطعی نظریاتی تحریک تھی اور دین اور سیکولرازم کے درمیان تفریق کا واضح نشان تھی۔ قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نے مسلمانوں کے جداگانہ ملی تشخص اور نظریہ پاکستان کی بار بار وضاحت کی۔ آپ کے ارشادات کی روشنی میں نظریۂ پاکستان کی وضاحت پیش کی جاتی ہے۔

مسلمانوں کی جداگانہ قومیت کی وضاحت کرتے ہوئے قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نے 23 مارچ 1940ء کو لاہور میں قرارداد پاکستان کے تاریخی جلسے میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

"اسلام اور ہندو دھرم محض دو مذاہب ہی نہیں بلکہ درحقیقت دو مختلف معاشرتی نظام ہیں۔ چنانچہ اس خواہش کو خواب و خیال ہی کہنا چاہیے کہ ہندو اور مسلمان مل کر ایک مشترکہ قومیت کی تشکیل کر سکیں گے۔ یہ لوگ آپس میں شادی بیاہ نہیں کرتے، نہ ایک دسترخوان پر کھانا کھاتے ہیں۔ میں واشگاف الفاظ میں یہ کہتا ہوں کہ وہ دو مختلف تہذیبوں سے تعلق رکھتے ہیں اور ان تہذیبوں کی بنیاد ایسے تصورات اور حقائق پر رکھی گئی ہے، جو ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ انسانی زندگی کے بارے میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے خیالات اور تصورات ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ قومیت کی تعریف جس طرح بھی کی جائے مسلمان اس تعریف کے مطابق ایک الگ قوم کی حیثیت رکھتے ہیں اور اس لئے اس بات کے مستحق ہیں کہ ان کی اپنی الگ مملکت اور جداگانہ خود مختار ریاست ہو۔ لہٰذا ان کے لئے الگ وطن چاہیے جہاں وہ اپنے عقائد کے مطابق معاشی، معاشرتی اور سیاسی زندگی گزار سکیں۔

"انہوں نے 1941ء میں ایک موقعے پر خطاب کرتے ہوئے فرمایا" اسلامی حکومت کے تصور کا یہ امتیاز ہمارے سامنے رہنا چاہیے کہ اطاعت اور وفاداری کا مرکز صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، اس کا عملی ذریعہ قرآن حکیم کے احکام اور اصول ہیں۔ اسلام میں نہ کسی بادشاہت کی اطاعت ہے اور نہ پارلیمنٹ کی اور نہ کسی شخص یا ادارے کی۔ قرآن مجید کے احکام ہی سیاست اور معاشرت میں ہماری آزادی اور پابندی کی حدیں قائم کرتے ہیں۔"

مارچ 1944ء میں طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"اسلام ہمارا راہ نما ہے اور ہماری زندگی کا مکمل ضابطہ حیات ہے۔ ہمیں کسی سرخ یا پیلے پرچم کی ضرورت نہیں اور نہ ہمیں سوشلزم، کمیونزم، نیشنل ازم یا کسی دوسرے ازم کی ضرورت ہے۔"

نومبر 1945ء میں سرحد مسلم لیگ کے اجلاس میں فرمایا:

''ہمارا دین، ہماری تہذیب اور ہمارے اسلامی تصورات وہ اصل طاقت ہیں، جو ہم کو آزادی حاصل کرنے کے لئے متحرک کرتے ہیں۔ 14 جولائی 1947ء کو اخباری نمائندوں سے باتیں کرتے ہوئے آپ نے ارشاد فرمایا: ''جب آپ جمہوریت کی بات کرتے ہیں تو مجھے شبہ ہوتا ہے کہ آپ نے اسلام کا مطالعہ نہیں کیا۔ ہم نے جمہوریت تیرہ سو سال پہلے سیکھ لی تھی۔''

حصول پاکستان میں مسلمانوں اور اسلام کی بقا کا راز مضمر تھا۔ اگر مسلمان اس جدوجہد میں ناکام ہو جاتے تو برصغیر میں مسلمانوں اور اسلام کا نام ونشان مٹ جاتا اس لئے قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ پاکستان کا وجود مسلمانوں اور اسلام کی بقا کے لئے لازمی سمجھتے تھے۔ انہوں نے اکتوبر 1947ء میں پاکستان کے سول اور فوجی افسروں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''ہمارا نصب العین یہ تھا کہ ہم ایک ایسی مملکت کی تخلیق کریں جہاں ہم آزاد انسانوں کی طرح رہ سکیں۔ جو ہماری تہذیب وتمدن کی روشنی میں پھلے پھولے اور جہاں معاشرتی انصاف کے اسلامی تصور کو پوری طرح پنپنے کا موقع مل سکے۔''

14 جنوری 1948ء کو سبی دربار سے خطاب میں ارشاد کیا:

''میرا ایمان ہے کہ ہماری نجات کا واحد ذریعہ اس سنہری اصولوں والے ضابطہ حیات پر عمل کرنا ہے جو ہمارے عظیم قانون عطا کرنے والے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لئے وضع کیا ہے۔ ہمیں جمہوریت کی بنیادیں سچے اسلامی اصولوں اور تصورات پر رکھنی چاہئیں۔''

اسی ماہ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موقع پر انہوں نے اپنے پیغام میں فرمایا:

''اسلام محض چند رسومات اور روایات کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ ہر مسلمان کے لئے مکمل ضابطہ حیات ہے۔ اسلام سیاسی اور معاشی دونوں شعبوں میں ہماری رہنمائی کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اس کے اصولوں کی بنیاد احترام انسانیت، آزادی اور انصاف پر ہے جو لوگ اس ملک میں یہ پروپیگنڈہ کر رہے ہیں کہ پاکستان کا دستور شریعت اسلامیہ کے مطابق نہیں ہوگا۔ انہیں جان لینا چاہئے کہ شرعی قوانین آج بھی اسی طرح قابل عمل ہیں جس طرح تیرہ سو برس پہلے تھے۔''

فروری 1948ء میں ایک امریکی صحافی سے انہوں نے فرمایا:

''پاکستان کا دستور ابھی بننا ہے۔ میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ جمہوری نوعیت کا ہوگا اور اسلام کے جمہوری اصولوں پر مشتمل ہوگا''۔

پاکستان میں رنگ ونسل، زبان اور صوبائی تعصبات کی مذمت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''میں چاہتا ہوں کہ آپ بنگالی، پنجابی، سندھی اور پٹھان وغیرہ کی اصطلاحوں میں بات نہ کریں کیا آپ وہ سبق بھول گئے ہیں جو تیرہ سو برس پہلے آپ کو سکھایا گیا تھا؟ یہ کہنے کا آخر کیا فائدہ ہے کہ ہم پنجابی، ہم سندھی، ہم پٹھان ہیں ہم تو بس مسلمان ہیں۔''

''قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ پاکستان میں اسلامی معاشی نظام کا قیام چاہتے تھے۔''

یکم جولائی 1948ء کو سٹیٹ بنک آف پاکستان کی رسم افتتاح کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا:

''اگر ہم نے مغرب کا معاشی نظام اپنایا تو ہمیں اپنے عوام کی خوش حالی حاصل کرنے میں بڑی مشکلات پیش آئیں گی۔ ہمیں اپنی تقدیر اپنے علیحدہ اور منفرد انداز میں بنانا ہوگی ہمیں دنیا کے سامنے ایک مثالی معاشی نظام پیش کرنا ہوگا۔ جو انسانی مساوات اور معاشرتی انصاف کے سچے اسلامی اصولوں پر استوار ہو''۔

قومی زندگی میں نظریۂ پاکستان کی اہمیت

نظریۂ حیات قومی تشخص کی پہچان ہے۔ یہ صرف ایک نعرہ نہیں ہے بلکہ پورے نظام حیات کی علامت ہے۔ اس کی وجہ سے منتشر اور بکھرے ہوئے لوگ ایک باوقار قوم بن جاتے ہیں۔ نظریۂ پاکستان اور اسلام لازم وملزوم ہیں۔ اگر اس نظریے کو نظر انداز کر دیا جائے تو ہمارا باہمی تعلق اور ربط ختم ہو جاتا ہے۔ نظریۂ پاکستان متقاضی ہے کہ پاکستان میں نظام سیاست، معیشت اور معاشرت اسلامی اصولوں کے مطابق چلایا جائے۔ قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نے 1945ء میں اپنے پیغام عید میں اس حقیقت کا اظہار ان الفاظ میں کیا:

''ہر مسلمان جانتا ہے کہ قرآنی تعلیمات محض عبادات اور اخلاقیات تک محدود نہیں بلکہ قرآن مجید مسلمانوں کا دین ایمان اور قانون حیات ہے۔ یعنی مذہبی، معاشرتی، تمدنی، عسکری اور تعزیری احکامات کا مجموعہ''۔

نظریۂ پاکستان پر عمل ہماری کامرانی اور کامیابی کا ضامن ہے۔ پاکستان میں ایک پاکیزہ اسلامی معاشرے کا قیام ہماری قومی امنگوں کو فروغ بخشے گا اور ہمارے صاف ستھرے کردار کی عظمت کو دوبالا کرے گا۔ برعظیم کے مسلمانوں نے دور غلامی میں بھی اتحاد عالم اسلام کے لئے بڑی جانی اور مالی قربانیاں دی ہیں۔ وہ ساری دنیا میں بسنے والے مسلمانوں کو ایک ملت تصور کرتے ہیں۔ پس یہ نظریہ دنیائے اسلام کے اتحاد کا داعی ہے۔ جیسا کہ شاعر مشرق حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تابہ خاک کاشغر

وسط ایشیا کی چھ نو آزاد ریاستوں کی عالم اسلام میں دوبارہ شمولیت کے بعد یہ منزل اب دور نہیں ہے۔ نظریہ پاکستان ہماری قوت کا سرچشمہ ہے۔ پاکستان میں مختلف نسلوں اور زبانوں کے بولنے والے آباد ہیں۔ نظریہ پاکستان ان کے درمیان اتحاد اور اتفاق پیدا کرنے کا سبب ہے۔ اسی نظریے کے ذریعے قوم میں انتشار و افتراق پھیلانے والوں کے عزائم کو ملیا میٹ کیا جا سکتا ہے۔ اس طرح نظریہ پاکستان ہماری قومی بقا اور سلامتی کے لئے ناگزیر ہے۔

Objective معروضی

سوال نمبر 1: کثیر الانتخابی سوالات امتحان میں بیس آئیں گے جن کو حل کرنا لازمی ہوگا۔ ہر سوال کے چار (4) ممکنہ جواب A,B,C اور D سامنے دیئے گئے دائروں میں سے ایک دائرے کو پین یا مارکر کی سیاہی سے بھر دیں۔ (کل نمبر 20)

-1 برصغیر کا کون سا علاقہ سب سے پہلے اسلام سے متاثر ہوا؟
(ا) دیبل کی بندرگاہ (ب) سندھ
(ج) مالابار ✓ (د) بنگال

-2 تقریباً کتنے سال تک اسلامی سلطنت برصغیر میں صرف سندھ تک محدود رہی؟
(ا) 150 سال (ب) 200 سال
(ج) 250 سال (د) 300 سال ✓

-3 کون سے مسلمان فاتح نے برصغیر پر کامیاب سترہ حملے کیے؟
(ا) محمد بن قاسم (ب) سلطان محمود غزنوی ✓
(ج) شہاب الدین غوری (د) ظہیر الدین بابر

-4 ابوریحان البیرونی کتنے عرصہ تک اپنے وطن میں رہا؟
(ا) 23 سال (ب) 25 سال
(ج) 8 سال (د) 21 سال ✓

-5 البیرونی نے اپنی زندگی کا بہترین حصہ کس شوق میں گزارا؟
(ا) سیر و سیاحت میں (ب) کتابیں لکھنے ✓
(ج) جنگی مہمات میں (د) تبلیغ اسلام

-6 بدرالدین کس کا لقب تھا؟
(ا) حضرت شاہ ولی اللہؒ (ب) خواجہ باقی باللہ بیرنگؒ
(ج) حضرت مجدد الف ثانیؒ ✓ (د) سید احمد شہیدؒ

-7 1599ء میں مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کس کے مرید ہو گئے؟
(ا) حضرت خواجہ باقی باللہ بیرنگؒ ✓ (ب) حضرت بختیار کاکیؒ
(ج) حضرت شاہ ولی اللہؒ (د) حضرت فریدالدین گنج شکرؒ

-8 دہلی شہر نادر شاہ نے کب تباہ و برباد کیا؟
(ا) 1761ء میں (ب) 1759ء میں
(ج) 1739ء میں ✓ (د) 1737ء میں

-9 کون سے مغل بادشاہ نے ہندوؤں کے تعاون سے اپنی سلطنت کو مضبوط بنانے کی کوشش کی؟
(ا) بابر (ب) اکبر ✓
(ج) جہانگیر (د) ہمایوں

-10 اکبر بادشاہ کے دین الٰہی کے خلاف کس نے بھرپور جدوجہد کی؟
(ا) حضرت مجدد الف ثانیؒ ✓ (ب) شاہ عبدالعزیزؒ
(ج) حضرت علی ہجویریؒ (د) حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ

-11 پانی پت کی تیسری لڑائی میں کس نے مرہٹوں کی کمر ہمیشہ کے لیے توڑ کر رکھ دی؟
(ا) نادر شاہ درانی (ب) احمد شاہ ابدالی ✓
(ج) سلطان حیدر علی (د) نواب سراج الدولہ

-12 قرآن مجید کی بے نقطہ تفسیر کس نے لکھی؟
(ا) البیرونی (ب) حضرت مجدد الف ثانیؒ
(ج) حضرت شاہ ولی اللہؒ (د) فیضی ✓

-13 حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے کتنے بیٹے تھے؟
(ا) دو (ب) تین
(ج) چار ✓ (د) پانچ

-14 محمود غزنوی نے برصغیر پر سب سے زیادہ مشہور سومنات کا حملہ کس سن میں کیا؟
(ا) 1017ء (ب) 1026ء ✓
(ج) 1027ء (د) 1025ء

15- ہندوؤں نے اشاعت اسلام روکنے کے لیے کون سی تحریک چلائی؟
(ا) دین الٰہی کی تحریک (ب) شدھی کی تحریک
(ج) بھگتی تحریک ✓ (د) مہابھارت تحریک

16- حضرت مجدد الف ثانیؒ کہاں پیدا ہوئے؟
(ا) لاہور میں (ب) دہلی میں
(ج) اجمیر میں (د) سرہند میں ✓

17- مجدد الف ثانیؒ نے مذہبی تصادم کا کیا حل تجویز کیا؟
(ا) تبلیغ اسلام (ب) مذہبی رواداری ✓
(ج) تمام مذاہب میں اتحاد (د) جہاد فی سبیل اللہ

18- برصغیر میں سب سے پہلے دو قومی نظریہ کس نے پیش کیا؟
(ا) حضرت مجدد الف ثانیؒ ✓ (ب) سر سید احمد خانؒ
(ج) قائداعظمؒ (د) حضرت شاہ ولی اللہؒ

19- فتاویٰ عالمگیری کی تدوین کس نے کی؟
(ا) حضرت شاہ ولی اللہؒ (ب) شاہ عبدالعزیزؒ
(ج) شاہ عبدالرحیمؒ ✓ (د) سید احمد شہیدؒ

20- محمود غزنوی نے سومنات کے مندر میں ہندوؤں کے کس مشہور بت کو توڑا؟
(ا) وشنو جی ✓ (ب) شیو جی
(ج) دسہرہ (د) رادھا

21- حضرت شاہ ولی اللہؒ نے کتنی عمر میں قرآن مجید پڑھ لیا؟
(ا) 5 سال (ب) 7 سال ✓
(ج) 9 سال (د) 6 سال

22- ابو ریحان البیرونی کہاں پیدا ہوئے؟
(ا) طبرستان (ب) ترکستان ✓
(ج) ایران (د) جرجان

23- حضرت مجدد الف ثانیؒ نے کس مغل بادشاہ کو سجدۂ تعظیمی کرنے سے انکار کیا؟
(ا) اکبر (ب) شاہ جہان
(ج) جہانگیر ✓ (د) اورنگ زیب عالمگیر

24- مؤرخین نے شاہ ولی اللہؒ کو کون سا خطاب دیا؟
(ا) امام زماں (ب) امام دوراں
(ج) امام ربانی (د) امام الہند ✓

25- حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کون سے مدرسہ میں درس دیتے رہے؟
(ا) مدرسہ رحیمیہ ✓ (ب) مدرسہ چشتیہ
(ج) مدرسہ نظامیہ (د) مدرسہ نقشبندیہ

26- نظریہ پاکستان کی بنیاد کیا ہے؟
(ا) نظریہ متحدہ قومیت (ب) پاکستانی قومیت
(ج) نظریہ اسلام ✓ (د) ہندو دشمنی

27- البیرونی کس فاتح کے ساتھ برصغیر آئے؟
(ا) محمود غزنوی ✓ (ب) محمد بن قاسم
(ج) محمد غوری (د) قطب الدین ایبک

28- البیرونی نے برصغیر کے کس شہر میں قیام کیا؟
(ا) دہلی (ب) ملتان
(ج) بنارس ✓ (د) فتح پور سیکری

29- جہانگیر نے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو کون سے قلعہ میں قید کیا؟
(ا) قلعہ رہتاس (ب) قلعہ گوالیار ✓
(ج) قلعہ لاہور (د) قلعہ آگرہ

30- حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کس مغل بادشاہ کی وفات سے چار سال قبل پیدا ہوئے؟
(ا) جہانگیر بادشاہ (ب) اکبر بادشاہ
(ج) شاہ عالم ثانی (د) اورنگ زیب ✓

حصہ انشائیہ (Subjective Part - I) 25 × 2 = 50

نوٹ: سوال نمبر 2، 3 اور 4 میں سے 25 (پچیس) مختصر سوالات کے جوابات تحریر کریں اور ہر سیکشن سے کم از کم 8 سوالات حل کرنا ضروری ہے۔ جواب تحریر کرتے وقت سوال کا نمبر ضرور تحریر کریں۔

سوال نمبر 2: (سیکشن ''اے'') مختصر سوالات کے جوابات تحریر کریں۔ (جوابات کیلئے صفحہ 148 پر دیکھیں)

حصہ دوم (Subjective Part II)

نوٹ: مندرجہ ذیل سوالات میں سے صرف تین کے جوابات تحریر کریں۔ 10 × 3 = 30

1۔ تحریکِ پاکستان میں دوقومی نظریے کے ارتقا کے مختلف مراحل کا جائزہ لیجیے۔
2۔ نظریۂ پاکستان کی تعریف کیجیے اور قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال کی روشنی میں اس کی وضاحت کیجیے۔
3۔ نظریۂ پاکستان کے نمایاں خدوخال بیان کیجیے نیز یہ بھی بتائیے کہ قومی زندگی میں اس نظریہ کی کیا اہمیت ہے؟
4۔ علامہ ابوریحان البیرونی نے کتاب الہند میں ہندو معاشرے کی جو تصورکشی کی ہے؟ اس پر روشنی ڈالئے۔
5۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی اور ان کی قومی خدمات پر روشنی ڈالیں۔
6۔ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے دوقومی نظریے کا جائزہ لیجیے۔ (آزاد کشمیر بورڈ 2010ء)
7۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات کا جائزہ لیں۔ (سرگودھا بورڈ 2007ء)
8۔ نوٹ لکھیے: ① نظریۂ پاکستان اور دوقومی نظریہ ② کتاب الہند
③ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات
④ حضرت شاہ ولی اللہ کا ترجمہ قرآن



باب 2

جنگِ آزادی 1857ء

تاریخی پس منظر: ہندوستان اور عرب تاجروں کے بہت پرانے تعلقات تھے۔ قبل از اسلام مالا بار کے ساحل پر ان کی تجارت عروج پر تھی۔ سمندروں پر ان کی حکمرانی اور مصر سے چین کی منڈیوں تک ان کو رسائی حاصل تھی۔ انہی تاجروں کے ذریعے اسلام ہندوستان کے ساحلی علاقوں تک پہنچا۔ 712ء میں محمد بن قاسم نے سندھ فتح کر کے مسلمانوں پر ہندوستان کا دروازہ کھول دیا۔ محمود غزنوی اور محمد غوری نے یہاں باقاعدہ فتوحات کا آغاز کیا۔ غوری کے ایک قابل اور وفادار غلام قطب الدین ایبک نے 1206ء میں ہندوستان میں باقاعدہ مسلم حکومت کی بنیاد رکھی۔ اس کا پایۂ سلطنت دہلی تھا۔ خاندانِ غلاماں کے بعد خلجی، تغلق، سیّد اور لودھی خاندان یہاں حکمران رہے۔ 1526ء میں بابر نے ہندوستان میں مغلیہ سلطنت قائم کی۔ 1707ء میں اورنگ زیب کی وفات کے بعد مغلوں کا زوال شروع ہوا۔ جو 1857ء میں آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کے دور میں انگریزوں کے ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچ گیا۔

یورپی تاجروں کی آمد: گیارہویں صدی عیسوی سے انیسوی صدی کے وسط تک ہندوستان دولت و ثروت کے لحاظ سے دنیا کا سب سے پُرکشش ملک تھا۔ یورپی اقوام میں سب سے پہلے یہاں پرتگالی آئے۔ اپنے طاقتور بحری بیڑوں کی مدد سے انہوں نے جلد ہی عرب تاجروں کو نکال باہر کیا۔ ان کے بعد ولندیز اور ڈنمارک کے تاجروں نے قسمت آزمائی کی۔ سترھویں صدی کے آغاز میں انگریز اور اُن کے پیچھے پیچھے فرانسیسی آ گئے۔ یورپی تاجروں نے یہاں غیر مسلح اور بے بس تاجروں کی طرح رہنے پر کبھی غور نہ کیا۔ ہندوستان میں تجارتی اجارہ داری کیلئے یورپی اقوام کی کشمکش ایک فطری بات تھی۔ اٹھارہویں صدی کے آغاز میں مغل سلطنت کا شیرازہ بکھرنے لگا۔ صوبوں اور ریاستوں کے حکمرانوں نے اپنی زیادہ سے زیادہ خودمختاری، عسکری قوت، علاقائی وسعت اور دولت کی برتری کیلئے باہمی جنگ وجدل شروع کردی۔ اس سے یورپی اقوام کو مقامی سیاست میں دخل اندازی کا موقع مل گیا۔ چھوٹی بڑی اور مختصر و طویل جنگوں، تجارتی رقابتوں، سیاسی و عسکری داؤ پیچ، مکروفریب، دھونس دھاندلی اور سازشوں کی دھول میں برطانوی ایسٹ انڈیا کمپنی نے برتری حاصل کر کے یہاں اپنے سامراجی نظام کے بے رحم اور مضبوط پنجے گاڑ دیئے۔

برطانوی ایسٹ انڈیا کمپنی کا قیام: ایسٹ انڈیا کمپنی 1600ء میں قائم ہوئی۔ ملکہ الزبتھ نے اسے امریکی، ایشیائی اور افریقی ممالک کیلئے تجارت کا پروانہ دے دیا۔ کمپنی کی تجارت بڑی نفع بخش تھی۔ بعض اوقات اس کے حصہ داروں کو 500 سے 600 فیصد تک منافع ملتا تھا۔ اس لئے سرمایہ فراہم کرنے والوں کی کمی نہ رہی۔

انگریزوں کی آمد: شاہ انگلستان کا پہلا سفیر ولیم ہاکنز اپریل 1609ء میں جیمز اوّل کا خط اور بیش قیمت تحائف کے ساتھ مغل بادشاہ جہانگیر کے دربار میں حاضر ہوا۔ تاہم اسے تجارتی مراعات نہ مل سکیں۔ لیکن دوسرا سفیر تھامس رو 1615ء میں مغل شہنشاہ جہانگیر سے تجارتی پروانہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ انگریز تاجروں نے سورت میں پہلی فیکٹری تعمیر کی۔ پھر مسولی پٹم، مدراس، ہُگلی، اجمیر، آگرہ اور احمد آباد میں ان کی تجارتی کوٹھیاں قائم ہوگئیں۔ انہوں نے مغل طاقت کا غلط اندازہ لگاتے ہوئے 1688ء میں بنگال کے گورنر شائستہ خاں سے تنازعہ کھڑا کر دیا۔ اورنگ زیب نے انہیں کچل کر سورت کی فیکٹری قبضے میں لے لی۔ لیکن جلد ہی انہیں معاف کر دیا۔ بادشاہ کی اجازت سے انہوں نے 1690ء میں کلکتہ میں ایک فیکٹری اور 1696ء میں فورٹ ولیم تعمیر کرلیا۔ اس کے بعد انہوں نے کالی کٹ، سوتانتی اور گوبند پور کے گاؤں بھی خرید لئے۔

تجارتی مراعات: 1714ء میں کمپنی کا ایک وفد سرمین کی قیادت میں مغل بادشاہ فرخ سیر سے ملا۔ وفد کے ایک رکن ولیم ہملٹن کے علاج سے بیمار بادشاہ صحت یاب ہوگیا۔ 1717ء میں اس نے کمپنی کو صرف 3000 روپے سالانہ کی ادائیگی پر بنگال اور 10000 روپے سالانہ کے عوض صوبہ حیدر آباد اور گجرات میں آزادانہ تجارت کرنے، زمین خریدنے، فیکٹریاں تعمیر کرنے اور سرکاری ٹکسال میں سکّے ڈھالنے کی اجازت دے دی۔ ان مراعات نے کمپنی کو خوشحال کر دیا۔ یوں مغل زوال کے آغاز پر ہی کمپنی نے ہندوستان میں اپنے قدم جمالیے۔

کمپنی کا بنگال پر قبضہ

نواب سراج الدولہ: 1740ء میں علی وردی خاں بنگال کا خودمختار اور آزاد حکمران بن گیا۔ 1756ء میں اس کی وفات پر اس کا پوتا نواب سراج الدولہ 24 سال کی عمر میں گدی نشین ہوا۔ انگریزوں نے تجارتی مراعات کا ناجائز استعمال کرتے ہوئے نہ صرف اپنی دفاعی قوت میں اضافہ کرلیا تھا بلکہ کمپنی کے ملازموں نے ذاتی تجارت بھی شروع کر رکھی تھی۔ ان کے غرور و تکبر کا یہ حال تھا کہ

انہوں نے تخت نشینی کے وقت نواب کو رسمی تحائف بھی نہ بھیجے۔ نواب نے کمپنی کو ناجائز تعمیرات مسمار کرنے اور ذاتی تجارت بند کرنے کا حکم دیا۔ کمپنی نے یہ حکم ماننے سے صاف انکار کر دیا۔ نواب مجبوراً قاسم بازار فیکٹری پر قبضہ کر کے جون 1756ء میں فورٹ ولیم کلکتہ پر حملہ آور ہوا۔ انگریز صلح کے خواستگار ہوئے۔ بنگال کو انگریزوں سے پاک کرنے کا یہ نادر موقع تھا لیکن نواب کی رحمدلی غالب آگئی۔ اس نے انگریزوں کو معاف کر دیا اور کلکتہ کو علی نگر کا نام دے کر مانک چند کو یہاں حاکم مقرر کر دیا۔

معاہدہ علی نگر: لارڈ کلائیو سازشی منصوبہ تیار کر کے دسمبر 1756ء میں ڈم ڈم پر حملہ ہوا۔ مانک چند نمائشی مقابلہ کے بعد فرار ہوگیا۔ کلکتہ پر کمپنی کا قبضہ آسان تھا۔ اس کے بعد کلائیو نے ہُگلی پر قبضہ کرلیا۔ اس پر سراج الدولہ 4 جنوری 1757ء کو مرشد آباد سے کلکتہ پہنچا۔ کلائیو نے اپنے دو نمائندے صلح کے بہانے نواب کے خیمے میں بھیجے۔ غدار پیدا کیے جا چکے تھے۔ 5 جنوری کو صبح 4 بجے عین اس خیمہ پر حملہ ہوا جس خیمہ میں رات نواب کو دیکھا گیا تھا۔ 158 افراد آنِ واحد میں ڈھیر ہوگئے۔ کیا رات کے محافظ سو رہے تھے؟ سراج الدولہ خوفزدہ ہو کر بھاگ نکلا۔ وہ اس لئے بچ نکلا کیونکہ وہ اس خیمہ میں سویا نہ تھا۔ 9 فروری کو صلح نامہ علی نگر پر فریقین کے دستخط ہوگئے۔ انگریز سفیر واٹس راجدھانی میں رہنے لگا۔ اب سازش کا جال بُننا مزید آسان ہوگیا۔ واٹس نے اُمی چند، دیوان راج بلبھ، خزانچی راجہ درلاب، کمانڈر ان چیف میر جعفر، کمانڈر لطف اللہ خاں اور جگت سیٹھ کا گھیرا نواب کے گرد کھڑا کر دیا گیا۔ اُمی چند کے ذریعے خفیہ طور پر ایک کروڑ 75 لاکھ کے عوض میر جعفر کو نواب بنانے کا فیصلہ ہوا۔

جنگِ پلاسی: انگریزوں سے فیصلہ کن جنگ یقینی تھی۔ سازشوں کی خبر پا کر نواب نے فرانسیسی جنرل بُسے، مرہٹوں، مغل دربار اور نواب اودھ سے مدد حاصل کرنے کی ناکام کوشش کی۔ میر جعفر اور دوسرے درباریوں نے نواب کو جنگ کا مشورہ دیا اور وفاداری کی قسم کھائی۔ 21 جون 1757ء کو سراج الدولہ اپنی فوج سمیت پلاسی کے میدان میں پہنچا۔ 23 جون کو جنگ شروع ہوئی۔ سازشی منصوبہ کے عین مطابق میر جعفر، درلاب اور لطف اللہ نے غداری کی۔ دورانِ جنگ بارش ہونے لگی۔ غدار افسروں نے بارود کو بھیگنے کے لیے کھلا چھوڑ دیا۔ میر جعفر اپنی فوج سمیت کلائیو سے جاملا۔ نواب کو خوفزدہ کرنے کیلئے درلاب کافی تھا۔ نواب 2000 سواروں کے ساتھ مرشد آباد روانہ ہوا۔ اگلی صبح سراج الدولہ اپنی فوج کی تباہی کی خبر سن کر راج محل چلا گیا۔ پہنچاننے والوں نے اسے پکڑ کر میر جعفر کے حوالے کر دیا۔ قید خانے میں میر جعفر کے بیٹے نے اس کی زندگی کا خاتمہ کر ڈالا۔ پلاسی کی جنگ نے ہندوستان کی تقدیر کا فیصلہ کر دیا۔

میر جعفر: جولائی 1757ء میں میر جعفر غداری کے صلے میں سراج الدولہ کی گدی پر بیٹھا۔ کمپنی کے

مطالبات پورے کرنے کیلئے اس نے عوام کو لوٹا۔اس سے حالات خراب ہو گئے۔بغاوتیں ہونے لگیں بغاوتوں کی برسات میں لارڈ کلائیو کے مطالبات مزید بڑھتے چلے گئے۔بنگالی بدحال اور نواب دیوالیہ ہو گیا۔لیکن انگریزوں کا پیٹ نہ بھر سکا۔اب میر جعفر کمپنی کے کسی کام کا نہ تھا۔وہی سازشیں، وہی غدار، وہی حالات، تاریخ اپنے آپ کو دہرا رہی تھی۔اکتوبر 1760ء کو میر جعفر کو معزول کر کے اس کے داماد میر قاسم کو گدی پر بٹھا دیا گیا۔

میر قاسم: نئے نواب کے ساتھ پھر ایک نیا معاہدہ ہوا،اس کے تحت 20 لاکھ نقد، تین زرخیز اضلاع، تجارت کا اجارہ، اس کے علاوہ اور بہت کچھ پھر بھی انگریز کا کاسہ خالی تھا۔سونے کا پہاڑ بھی اس بھوک کیلئے ناکافی تھا۔پھر جنگوں کا سلسلہ، پھر نواب کی شکست۔کمپنی نے جولائی 1763ء میں پھر سے میر جعفر کو نواب بنا دیا۔

جنگ بکسر: میر قاسم مغل بادشاہ اور نواب اودھ شجاع شاہ سے مدد کا طالب ہوا۔تینوں کی متحدہ افواج اور انگریزوں کے درمیان ستمبر 1764ء کو جنگِ بکسر لڑی گئی۔انگریز شاہ اودھ کی فوج میں درجن ہا سازشی پیدا کر چکے تھے۔لہٰذا شجاع شاہ کو شکست ہوئی۔میر قاسم فرار ہو گیا اور شاہ عالم کمپنی سے جا ملا۔ ریمزے میور کہتا ہے:

"کہ بکسر کی جنگ نے بنگال کو کمپنی کی گرفت میں دے دیا۔"

فروری 1765ء کو میر جعفر کو موت نے آ گھیرا۔اس کے پندرہ سالہ کمسن بیٹے نجم الدولہ کو نواب بنا دیا گیا۔1766ء میں اس کی اچانک سازشی موت نے بنگال سے نوابوں کا خاتمہ کر دیا۔باری علیگ کے بقول نو سال میں انگریزوں نے نوابوں سے نقد اور دیگر ذرائع سے 3 کروڑ 49 لاکھ 40 ہزار 498 پونڈ وصول کیے" یہ ساری دولت انگلستان روانہ کر دی گئی۔بنگال کی تجارت، صنعت اور زراعت تباہ ہو گئی۔سونا اگلنے والے بنگال کو مفلس بنا دیا گیا۔نفیس و عمدہ کپڑا تیار کرنے والے کاریگروں کو صرف برطانوی فیکٹریوں میں کام کرنے پر مجبور کیا گیا۔سیر المتاخرین کا مصنف بنگالی رعایا کی تباہی پر لکھتا ہے:

"اے خدایا! اپنے مظلوم اور تباہ حال بندوں پر رحم فرما"۔

میسور کی جنگ اور ٹیپو کی شہادت

منگلور اور سرنگاپٹم کے معاہدے: 1782ء میں میسور کی دوسری جنگ کے دوران نواب حیدر علی نے وفات پائی۔تاہم اس کے بہادر فرزند فتح علی ٹیپو نے جنگ جاری رکھی۔ٹیپو کی شجاعت کے سامنے انگریزوں کو سرنگوں ہونا پڑا۔1784ء میں برابری اور باہمی دوستی کی بنیاد پر فریقین میں منگلور کا معاہدہ

ہو گیا۔ٹیپو انگریزوں کے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ تھا۔اس کی حب الوطنی اور غیرت و حمیت نے اسے انگریزوں کا سب سے بڑا دشمن بنا دیا۔کمپنی نے 1790ء میں نظام اور مرہٹوں کو ساتھ ملا کر ٹیپو کے خلاف اتحاد قائم کر لیا۔ٹیپو جنگ نہ چاہتا تھا۔اس کی توہین کر کے اسے مشتعل کیا گیا۔وسیع ذرائع اور اتحادیوں کی موجودگی میں اسے شکست دینا مشکل نہ رہا۔اتحادیوں نے منگلور فتح کر کے سرنگا پٹم کا محاصرہ کر لیا۔1792ء میں ٹیپو نے مجبوراً ناگوار شرائط پر صلح کر لی۔اسے ساڑھے تین کروڑ نقد، ریاست میسور کا نصف حصہ اور اپنے بیٹے یرغمال کے طور پر دینے پڑے۔

ٹیپو کی شہادت: ذلت آمیز معاہدے پر ٹیپو کا خون کھول رہا تھا۔اس کی غیرت کو گوارا نہ ہوا کہ ویلیزلی کے امدادی نظام کو قبول کر لے۔اس نے وطن کی آزادی کیلئے اندرونی اور بیرونی طاقتوں کو بیدار کرنے کی کوشش کی لیکن اسے بروقت امداد نہ مل سکی۔1799ء میں انگریزوں نے تین اطراف سے سرنگا پٹم پر حملہ کر دیا۔کمپنی کی پیش کردہ ذلت آمیز شرائط اس نے پائے حقارت سے ٹھکرا دیں۔اس نے شجاعت و جانفروشی کی تاریخ رقم کر دی۔لیکن میر صادق جیسے غداروں کی سازشوں نے ٹیپو کے دفاع کی دیواروں میں شگاف ڈال دیئے۔مئی 1799ء میں قلعہ پر دشمن کا قبضہ ہو گیا۔دکن کا شیر مردانہ وار لڑتا ہوا شہادت سے سرفراز ہوا۔جنرل ہارس خوشی سے چلّایا:

"آج سے ہندوستان ہمارا ہے۔"

امدادی نظام (Subsidary system) اٹھارہویں صدی عیسوی میں ہندوستان میں مغلیہ سلطنت زوال پذیر ہوئی تو بہت سے صوبوں اور ریاستوں کے حکمران خود مختار ہو گئے۔اس کے ساتھ ہی ان میں باہمی جنگ و جدل کا سلسلہ دراز شروع ہو گیا۔ان حالات میں کمزور حکمران اپنے تحفظ کے لئے اور طاقتور علاقائی توسیع کی خاطر یورپی اقوام سے فوجی مدد حاصل کرنے لگے۔اس کی انہیں قیمت بھی چکانی پڑتی تھی۔انگلستان کے ہندوستانی گورنر جنرل وارن ہیسٹنگز (1772-1785) نے ریاستی حکمرانوں کی فوجی مدد کے بدلے کچھ شرائط وضع کیں۔لارڈ ویلزلی (1798ء تا 1805ء) نے نہ صرف ان شرائط کو مکمل نظام کی شکل دی بلکہ اس کی آڑ میں بہت سی ریاستوں کو ہڑپ کر لیا۔اس سسٹم کے تحت کمپنی نے پورے ہندوستان پر قبضہ جما لیا۔اس کو Subsidiary system یعنی امدادی نظام کا نام دیا گیا۔سب سے پہلے ریاست دکن نے اس سسٹم کو قبول کیا۔اس سسٹم کو قبول کرنے والے حکمران کو ① انگریز ریذیڈنٹ اپنے دربار میں اور انگریزی فوج اپنی ریاست میں رکھنا ہوتی تھی ② فوج کے جملہ اخراجات حکمران کے ذمہ ہوتے تھے ③ یہ اخراجات نقد یا کسی علاقہ کی شکل میں یا دونوں صورتوں میں ادا کرنے ہوتے تھے ④ امدادی نظام قبول کرنے والے حکمران کو غیر انگریز یورپی ملازموں کو، وہ فوج میں

ہوں یا نظم ونسق میں، برطرف کر کے اپنی ریاست سے نکالنا ہوتا تھا۔⑤ ایسا حکمران کسی دوسرے ملک سے براہ راست تعلقات قائم نہ کرسکتا تھا⑥ اس سسٹم کے فریقین میں نزاع کی صورت میں کمپنی ثالث ہوتی تھی اوراس کا فیصلہ حتمی ہوتا تھا⑦ ریاست کے تحفظ کی ذمہ دار کمپنی ہوتی تھی۔

امدادی نظام کے اثرات: اس امدادی نظام کے درج ذیل نتائج برآمد ہوئے۔

1- کمپنی ایک مقتدر ادارہ بن گئی۔اس کے مالی وسائل اور فوجی طاقت میں بے پناہ اضافہ ہوگیا۔ غیرانگریز یورپی اقوام کا اثر زائل ہوگیا اور کمپنی کی حدود وسیع ہوگئیں

2- امدادی فوج کے اخراجات حکمران برداشت کرتا لیکن وہ گورنر جنرل کے ماتحت ہوتی اور کمپنی کے اشاروں پر کام کرتی تھی۔

3- بظاہر ریاستوں کا وجود قائم رہتا اور انگریز مخالف جذبات دبے رہتے۔

4- امدادی رقم ریاست کے وسائل سے زیادہ ہوتی تھی اس لیے حکمران کو رعایا پر بے جا ٹیکس لگا کر اخراجات پورے کرنے پڑتے تھے۔

5- دفاع کی ذمہ داری کمپنی لے لیتی اس سے حکمران عیاشیوں میں پڑ جاتے۔ کمپنی کی لوٹ کھسوٹ اور حکمرانوں کی عیاشیوں سے عوام تباہ حال ہو جاتی۔

6- حکمران کو کمپنی کی افواج کی تعداد بڑھانے اور دیسی فوج برخاست کرنے پر مجبور کیا جاتا۔اس سے اخراجات مزید بڑھ جاتے اور نئے ٹیکس لگانے پڑتے۔اس سے بغاوتیں جنم لیتیں، انہیں دبانے کیلئے ریاستی حکمران سے رقم یا علاقہ کا مطالبہ کرتی۔

7- نظم ونسق خراب ہو جاتا جس سے ریاست کی آمدنی میں مزید کمی آجاتی۔حکمران کو سودی قرضے لینے پڑتے۔ان کی واپسی مشکل ہو جاتی تو نواب کو ریاست کا علاقہ کمپنی کے حوالے کرنا پڑتا۔اس طرح حکمران کو پنشن دے کر ریاست ہڑپ کرلی جاتی۔

8- امدادی رقوم کی بروقت ادائیگی کے باوجود ریاست کا زرخیز علاقہ کمپنی کے سپرد کرنے پر مجبور کیا جاتا۔

9- انگریز ریذیڈنٹ انتظامی امور میں دخل اندازی کرتے جس سے نظم ونسق بگڑ جاتا۔اس پر حکمران کو برخاست کر دیا جاتا یا اس کی موت کی صورت میں اس کے وارثوں میں سے کسی نابالغ بچے کو گدی نشین کر کے انتظام خود سنبھال لیا جاتا۔پھر خود ہی بدانتظامی پیدا کر کے ریاست پر قبضہ کر لیا جاتا۔

10- اکثر آزاد ریاستوں کو انگریز ریذیڈنٹ اور امدادی فوج رکھنے پر مجبور کر دیا جاتا۔زبردستی امدادی نظام کے معاہدے تھوپ دیئے جاتے۔جو حکمران اسے قبول نہ کرتا اس کی ریاست پر زبردستی قبضہ کر لیا جاتا۔

جنگ آزادی کے اسباب

ہندی عوام اور دیسی فوج نے 1857ء میں انگریزوں کے چنگل سے آزادی حاصل کرنے کے لئے اپنی سی بھرپور کوشش کی۔ جسے جنگ آزادی کہا جاتا ہے۔اس کے اسباب درج ذیل ہیں:-

1 سیاسی اسباب

(i) اصولِ الحاق: لارڈ ڈلہوزی نے اصولِ الحاق کی پالیسی پرسختی سے عمل کیا۔اس سلسلے میں کسی آزاد، دوست، ماتحت، زیرنگران ریاست کی تمیز نہ کی گئی۔ کسی راجہ کو متبنّٰی بنانے کی اجازت نہ دی گئی۔ڈلہوزی نے ریاست ستارا کے راجہ کو 1848ء میں، جے پور اور سنبھل کے راجاؤں کو 1849ء میں، ریاست بگھاٹ کے راجہ کو 1850ء میں، اودھے پور کے راجہ کو 1852ء میں، جھانسی، ناگپور، جیت پور اور رنگ پور کے راجاؤں کو 1853ء میں، جو کہ لاولد تھے، متبنّٰی بنانے کی اجازت دینے کے بجائے کمپنی کی حکومت سے ان کی ریاستوں کا الحاق کرلیا۔ہندوؤں میں متبنّٰی بنانے کا رواج مذہبًا جائز تھا۔لیکن ڈلہوزی نے ان کے مذہبی جذبات کو کچل دیا۔اس نے ہندوؤں کے دل میں انگریزوں کے خلاف نفرت بھردی۔علاوہ ازیں بدانتظامی کو بھی وجہ الحاق دے دیا گیا۔کمپنی نے سندھ کا 1843ء میں، پنجاب کا 1849ء میں، اودھ کا 1856ء اور اسی طرح ریاست کرناٹک کا بھی الحاق کرلیا۔اس پر عوام کے ردّعمل کا اظہار 1857ء میں جنگ آزادی کی صورت ہوا۔

(ii) جھانسی کی رانی: ریاست جھانسی کا راجہ گنگا دھر راؤ 1853ء میں لاولد فوت ہوا۔اپنی موت سے قبل اس نے انند راؤ کو متبنّٰی بنا کر کمپنی کو درخواست دی کہ متبنّٰی کو گدی نشین تسلیم کرلیا جائے۔لارڈ ڈلہوزی نے درخواست مسترد کر کے اس کی ریاست پر قبضہ کرلیا۔اس سے رانی لکشمی بائی اور ہندو مشتعل ہوگئے۔

(iii) خطابات اور پنشن کی منسوخی: ڈلہوزی نے بہت سے ریاستی راجاؤں اور نوابوں کی پنشن منسوخ کر کے ان سے خطابات واپس لے لئے۔ پونا کے مرہٹہ مذہبی پیشوا بالاجی باجی راؤ کو کمپنی سالانہ 8 لاکھ پنشن دیتی تھی۔وہ 1853ء میں لاولد مرا۔اس کے متبنّٰی دھندو پنت عرف نانا صاحب کی پنشن کمپنی نے بند کردی۔اس سے مرہٹوں میں غیظ وغضب پھیل گیا اور نانا صاحب انگریزوں کا جانی دشمن بن گیا۔اسی طرح تنجور کے راجہ کی پنشن اور خطابات اس کے متبنّٰی کو نہ دیئے گئے۔

(iv) مغل بادشاہ سے بدسلوکی: ستمبر 1803ء میں انگریزوں نے دلّی پر قبضہ کرلیا۔ 1806ء میں مغل بادشاہ اکبر ثانی کو پنشن خوار بنادیا گیا۔ 1835ء میں سکّے سے اس کا نام اور گورنر جنرل کی مہر سے ''فدوی خاص بادشاہ'' کے الفاظ حذف کردیئے گئے۔ بادشاہ کو دی جانے والی نذر بھی موقوف کردی گئی۔ 1837ء میں بہادر شاہ ظفر تخت پر بیٹھا۔ اس کی 12 لاکھ پنشن مقرر ہوئی۔ وہ پنجرے میں قید پرندے کی طرح تھا۔ 1854ء میں شہزادہ فخرو کی موت پر نئے جانشین مرزا قویاش سے کہہ دیا گیا کہ اسے بادشاہ نہیں کہا جائے گا۔ اسے لال قلعہ چھوڑنا پڑے گا اور صرف 15 ہزار پنشن ملے گی۔ عوام کو بادشاہ سے بڑی عقیدت تھی۔ وہ ان کی آزادی کی علامت تھا۔ کمپنی کے ان اقدامات کو عوام برداشت نہ کرسکتے تھے۔

(v) اودھ کا الحاق: اودھ ہندوستان کی ایک پرشکوہ ریاست تھی۔ لارڈ کلائیو نے 1764 میں بکسر کی جنگ کے بعد اسے اپنا پٹھو بنالیا۔ 1797ء میں لارڈ جان شور نے نواب سعادت علی خاں کو گدی نشین کرکے اس کے گلے میں امدادی نظام کا طوق ڈال دیا اور 76 لاکھ روپیہ سالانہ کے عوض ریاست اودھ میں امدادی فوج بھیج دی۔ 1801 کے معاہدے کے تحت کمپنی اودھ کی محافظ بن گئی۔ یہی معاہدہ ریاست کی موت کا پروانہ بن گیا۔ لارڈ ڈویلز لی نے ریاست کا نصف علاقہ چھین لیا۔ کمپنی نے 90 سال (1765ء تا 1856ء) میں اودھ کے نوابوں سے کروڑوں روپے وصول کیے۔ نوابوں نے معاہدے کی کسی شرط کی کبھی خلاف ورزی نہ کی بلکہ انگریزوں سے دوستی اور وفاداری کا حق ادا کردیا۔ اس کے باوجود لارڈ ڈلہوزی نے 1856ء میں ریاست اودھ پر قبضہ کرکے آخری نواب واجد علی شاہ کو لکھنؤ سے کلکتہ بھیج دیا۔ اس کی روانگی کے وقت ہزاروں مسلمان اور ہندو دھاڑیں مار مار کر روتے ہوئے اس کے ساتھ چل رہے تھے۔

مورخین نے اودھ کے الحاق کو 1857ء کے حادثے کا سب سے بڑا سبب قرار دیا ہے[1] اس سے اودھ کے عوام غضبناک ہوگئے۔ ریاستی حکمرانوں میں مایوسی کی لہر دوڑ گئی اور انتہائی وفادار حکمران بھی اپنے مستقبل کے بارے میں سخت فکرمند ہوگئے۔

(vi) جاگیروں کی ضبطی: انگریزوں نے اشراف اور معززین کی جاگیروں کو بھی اپنے عتاب کا نشانہ بنایا ولیم بنٹک نے لگان معاف زمینوں پر قبضہ کرلیا۔ 1852ء میں انعام کمشن ممبئی نے 20 ہزار جاگیروں پر قبضہ کیا۔ الحاق اودھ کے بعد کمشنر جیکسن نے تعلقہ داروں کی جاگیریں ضبط کرلیں۔ ان کے پاس گزر اوقات کیلئے کچھ نہ رہا۔ مانی پور کے راجہ کو 158 میں سے 116 دیہاتوں سے محروم کردیا گیا۔ ایک اور راجہ کے 216 میں سے 138 گاؤں چھین لیے۔ جب کسی نئے علاقے کا الحاق کیا جاتا تو زمین کے

1- کمپنی کی حکومت، باری علیگ صفحہ 363

بارے میں بڑی بے قاعدگیاں کی جاتیں۔ ان اقدامات سے زمین کے بارے میں بڑی بے یقینی پھیل گئی اور عوام میں اضطراب اور بے سکونی کی فضا پیدا ہوگئی۔

2 معاشرتی اسباب

(i) ثقافتی ورثہ کا مذاق: انگریز صرف اپنی تہذیب وثقافت، زبان، علم وادب اور رسوم ورواج کو برتر واعلیٰ سمجھتے تھے۔ وہ اس پر غرور بھی کرتے اور اس کو ہر جگہ رائج بھی کرنا چاہتے تھے۔ وہ ہندوستانی ثقافت اور رسوم رواج کو فضول اور اس کے علم وادب کو فرسودہ سمجھتے تھے۔ لارڈ میکالے نے تو انگریزی کی ایک کتاب کے مقابلے میں سارے مشرقی ادب کو کمتر قرار دے دیا۔ انگریز ہندوستان کے ماضی کو تاریک اور اس کی تاریخ کو ظالمانہ قرار دیتے اور ماضی کے حکمرانوں کی کردار کشی کرتے تھے۔ وہ ہندوستانیوں کے لباس، زبان، طرز معاشرت اور وضع قطع کی تضحیک کرتے تھے۔ انگریزوں کے غلبہ سے مقامی رسم ورواج، بندھن اور معاشرتی اقدار ٹوٹنے لگے۔ انہوں نے ہندوستان کے سماجی ڈھانچے کو اپنے رنگ میں رنگنے کی کوشش کی۔ وہ سرکاری سکولوں میں تمام مذاہب کے بچوں کو ایک ساتھ بٹھانے اور ایک ہی نصاب پڑھانے لگے۔ نیز انہوں نے ایک جیسا لباس (یونیفارم) لازمی قرار دے دیا۔ ہوسٹلوں، فوجی چھاؤنیوں اور سرکاری دفاتر میں سب کو ایک ہی باورچی کے ہاتھ کا کھانا پڑتا تھا۔ عوام الناس جو اپنے رسوم ورواج کو صدیوں سے سینے سے لگائے ہوئے تھے اور اپنے اسلاف سے عقیدت رکھتے تھے، نئے نظام سے بیزاری کا اظہار کرنے لگے۔

(ii) توہین آمیز رویّہ: انگریزوں نے ہر معاملہ میں گورے کی برتری اور کالے کی کمتری کی پالیسی پر سختی سے عمل کیا۔ وہ مقامی اشرافیہ کی توہین وتذلیل کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔ انہوں نے نوابوں اور راجاؤں کی ریاستوں اور جاگیرداروں کو ضبط کرکے اشراف کو عزّ وشرف کے مقام سے گرا کر ذلّت کی بستیوں میں دھکیل دیا۔ خود انگریزوں کے رہائشی علاقے مقامی آبادی سے الگ تھلگ ہوتے تھے۔ وہ لوگوں میں کبھی گھل مل نہ سکے۔ انگریز اس بات پر فخر کرتے تھے کہ انہوں نے نئے عدالتی نظام میں شہریوں میں مساوات کا اصول رائج کیا ہے لیکن یہ اصول اہل یورپ پر لاگو نہ کیا گیا۔ سر سید احمد خاں رسالہ ''اسباب بغاوت ہند'' میں لکھتے ہیں کہ:

> ''گورنمنٹ نے اپنے آپ کو ہندوستانیوں سے ایسے الگ رکھا ہے جیسے آگ اور سوکھی گھاس.........یوں تصور کیا جاتا ہے جیسے ہندوستان میں کوئی جینٹل مین (Gental man) ہے ہی نہیں۔''

سرسید کے خیال میں بڑے سے بڑا ذی مرتبہ دیسی آدمی بھی اپنی بے عزتی کے خوف سے انگریز کی نوکری سے (اگر اسے روٹی مل سکے) تو گھاس کھودنا بہتر خیال کرتا ہے۔ انگریزوں کا یہ رویہ رعایا کو مشتعل کرنے بڑا کا سبب بنا۔

(iii) اعلیٰ عہدوں سے محرومی: انگریزوں کی پالیسیوں سے دیسی لوگوں کا عزت و وقار خاک میں مل گیا۔ انہیں مفلوج اور تباہ کر دیا گیا۔ تمام اعلیٰ عہدے جو معاشرے میں وقار کی علامت ہوتے ہیں، مقامی لوگوں سے چھین کر انگریزوں کیلئے مخصوص کر دیئے گئے۔ تمام دیسی سپہ سالار، کمانڈر اور دیگر فوجی عہدیدار برخاست کر دیئے گئے۔ ریاستوں کے وزراء، مشیر، دیوان اور دیگر افسران معزول کر دیئے۔ عربی اور فارسی زبانوں کے ماہرین، قاضی، مفتی اور اساتذہ گھر بھیج دیئے۔ اودھ، بنگال اور سندھ سے فوجی بھرتی بند کر کے بیروزگاری پیدا کر دی۔ مقامی لوگوں کو کمترین درجے کی ملازمتیں دے کر اپنا ماتحت اور نوکر بنالیا۔ ولیم ہنٹر نے اپنی کتاب Our Indian Muslims میں خیال ظاہر کیا کہ:

''مسلمانوں کو اعلیٰ ملازمتوں سے دور رکھنا ہماری سلامتی کیلئے ضروری تھا۔''

سرسید نے بجا فرمایا تھا کہ:

''ان حالات میں مقامی لوگوں سے وفاداری کی توقع رکھنا غلط تھا۔''

(iv) مسلمانوں سے انتقامی رویہ: انگریزوں نے حکومت مسلمانوں سے چھینی تھی۔ لہٰذا مسلمانوں کو ہر لحاظ سے پستیوں میں دھکیلنا انہوں نے اپنا اوّلین فرض سمجھ لیا تاکہ مسلمان دوبارہ اُٹھنے کے قابل نہ ہو سکیں۔ وہ مسلمانوں کو ان کے عقائد کے لحاظ سے باغی سمجھتے تھے۔ انہیں یقین تھا کہ وہ کبھی بھی عیسائیت قبول نہ کریں گے اور نہ انگریزوں کے وفادار ہوں گے۔ ان کا مسلمانوں سے رویہ انتقامی اور تعصب پر مبنی تھا جبکہ مسلمان اپنی عظمتِ رفتہ کی بحالی کے آرزومند تھے۔ دونوں میں دن بدن خلیج گہری ہوتی گئی، جو بالآخر انہیں میدان جنگ میں لے آئی۔

❸ مذہبی اسباب

(i) عیسائیت کی سرکاری تبلیغ: انگریز سارے ہندوستان کو عیسائی بنانے کے خواہشمند تھے۔ بورڈ آف ڈائریکٹرز نے دار العوام میں کہا کہ:

''قدرت نے ہندوستان کی وسیع سلطنت اس لئے انگلستان کے سپرد کی ہے کہ عیسیٰ مسیحؑ کا جھنڈا ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک لہرایا جائے۔''

1813ء کے بعد تو عیسائی مشنریوں اور پادریوں کو کھلی چھوٹ دے دی گئی۔ وہ مذہبی اور سماجی تقریبات میں پولیس کی نگرانی میں عیسائیت کی تبلیغ کرتے۔ انگریز افسر اپنے ماتحتوں کو پادریوں کے وعظ میں شرکت پر مجبور کرتے۔ سرکار نے 1837ء کے قحط میں مرنے والوں کے یتیم بچوں کو عیسائی بنانے کے لئے عیسائی مشنریوں کے سپرد کر دیا۔ 1850ء کے قانون وراثت کے تحت عیسائیت قبول کرنے والے کسی فرد کو وراثت سے محروم نہیں کیا جا سکتا تھا۔ صرف 1854ء کے سال میں 154 نئے گرجے تعمیر کئے گئے۔ 1855ء میں کلکتہ کے لاٹ پادری ایڈمنڈ نے گورنر جنرل ہاؤس سے سرکاری ملازمین کے نام ایک مراسلہ بھیجا کہ:

''برصغیر میں انگریز عملداری، تار برقی اور ریلوے نے تمام علاقوں کو ایک کر دیا ہے۔ لہٰذا مذہب بھی ایک ہونا چاہئے۔ لہٰذا تم سب عیسائیت قبول کر لو۔''

سرسید بتاتے ہیں کہ:

''اس سے خوف کے مارے سب کی آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا کہ اوّل سرکاری ملازموں کو پھر تمام رعیت کو عیسائی ہونا پڑے گا۔''

(ii) مقامی مذاہب کی تضحیک: پادری نہ صرف اپنے مذہب کی خوبیاں بیان کرتے بلکہ دوسرے مذاہب کے عقائد و عبادات کی تضحیک بھی کرتے۔ ان کی نازیبا تقریروں اور اہانت آمیز تحریروں سے لوگوں کے مذہبی جذبات مجروح ہوتے۔ انگریز سرکار نے مقامی مذاہب میں قانونی مداخلت بھی شروع کر دی۔ 1829ء میں رسم ستی پر پابندی لگا دی۔ 1852ء میں بیواؤں کو دوسری شادی کی اجازت دے دی۔ بچپن کی شادی کو ممنوع قرار دے دیا، اس سے ہندو برہم ہوئے۔ نئے قانون کے تحت باہمی رضامندی سے کی جانے والی حرامکاری کوئی جرم ہی نہ رہا۔ زنا کو فوجداری کے بجائے دیوانی جرم قرار دے کر کوڑوں کے بجائے سزائے قیدی دی جانے لگی، اس سے مسلمان مشتعل ہو گئے۔

(iii) دینی تعلیم کا خاتمہ: دیسی مکتب اور مدرسے بند کر کے انگریزی سکول کھولے گئے۔ ذریعہ تعلیم انگریزی کو قرار دیا۔ عربی و فارسی کی اہمیت ختم کر دی گئی۔ نصاب تعلیم بدل دیا گیا۔ دینی تعلیم کے بجائے یورپی علوم کو رواج دیا گیا۔ مشنری سکولوں میں پادری اساتذہ بچوں کو تعلیم دیتے۔ کمسن بچوں سے پوچھا جاتا کہ تمہارا خدا کون ہے؟ تمہارا نجات دہندہ کون ہے؟ بچے عیسائی عقائد کے مطابق جواب دیتے تو انہیں انعامات دیئے جاتے۔ اس سے انگریزوں کے خلاف نفرت و حقارت کے جذبات پیدا ہوئے۔

(iv) ایجادات کے بارے غلط فہمی: انگریز حکومت کی مذہبی پالیسیوں سے لوگ اس حد تک بدظن ہو گئے کہ انہوں نے معاشرتی اصلاحات اور سائنسی ایجادات کو بھی شک و شبہ کی نظر سے دیکھا۔ ہندوستان

کے قدامت پسند معاشرہ نے 1853ء میں قائم ہونے والے ریلوے نظام اور ٹیلیگراف سسٹم کو بھی عیسائیت کے فروغ کا ذریعہ خیال کیا۔ نئے عدالتی ڈھانچے، ججز اور وکلاء کے طبقے اور فوجداری و دیوانی ضابطوں کو بھی عیسائیت پھیلانے کی کوششوں کا حصہ سمجھا گیا۔ ان اقدامات کے بھی منفی اثرات نکلے۔

(v) تحریک جہاد کے اثرات: سید احمد بریلوی کی تحریکِ جہاد نے مسلمانوں کو بڑا متاثر کیا تھا۔ ان میں توانائی کے حصول اور اسلامی حکومت کے قیام کی از سرِ نو امنگ پیدا کر دی تھی۔ ابھی اس کے خاصے اثرات باقی تھے۔ جہادی تنظیمیں اب بھی کسی نہ کسی سطح پر متحرک تھیں۔ جنگِ آزادی کے دوران جہاد کا جوش و خروش مزید بڑھا اور مسلمان جوق در جوق اس میں شامل ہو گئے۔

4 معاشی اسباب

(i) مقامی صنعت و حرفت کی تباہی: ہندوستان میں مقامی صنعت کو بڑا عروج حاصل تھا۔ یہاں کا سنہری ریشہ لاجواب تھا۔ بنگال کے کاریگروں کو نفیس اور عمدہ کپڑا بُننے میں کمال حاصل تھا۔ ہندوستان کے ریشمی، اونی اور سوتی کپڑے کی دنیا میں بڑی مانگ تھی۔ بنگال پر انگریز کا قبضہ ہوا تو اس کی دولت سے انگلستان میں نئی نئی ایجادات ہوئیں۔ وہاں صنعتی انقلاب آ گیا۔ خود کار مشینوں کے صنعتی یونٹ قائم ہو گئے۔ ان مشینوں نے پاک و ہند کی گھریلو دستکاری کو فنا کر دیا۔ ہندوستان سے اونے پونے داموں خام مال خریدا جاتا۔ باری علیگ ولیم پوسٹس کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

> ''کمپنی کے گماشتے خام مال کے جو نرخ مقرر کرتے وہ بازار کے نرخ سے 40 فیصد کم ہوتے۔''

اس سے وہ تمام مصنوعات تیار کی جاتیں جو پہلے درآمد کرنا پڑتی تھیں۔ پھر انہیں ہند کی منڈیوں میں مہنگے داموں فروخت کر کے کثیر منافع کمایا جاتا۔

جے۔سی کماریا کے مطابق

> ''ہندوستان کے سرمایہ کا سیلاب رواں انگلستان کی طرف بہنا شروع ہو گیا۔''

مقامی کاریگروں کو صرف انگریزی فیکٹریوں میں کام کرنے پر مجبور کیا جاتا۔ ان سے بیگار لی جاتی۔ جولاہوں کو کوڑے مارے۔ وہ مجبوراً اپنے انگوٹھے کاٹ لیتے۔ سرسید لکھتے ہیں کہ

> ''اہلِ حرفہ کا روزگار ولایتی اشیاء کے آنے سے جاتا رہا۔ جولاہوں کا تار تو بالکل ٹوٹ گیا۔''

ہندوستان کے باربرداری کے جہازوں کی صنعت جو کہ بڑے زوروں پر تھی، برآمدات کے زوال سے یہ صنعت بھی تباہ ہو گئی۔

(ii) تجارت پر انگریز قبضہ: انگریزوں کی آمد سے قبل ہندوستانی سرمایہ داروں کی تجارت عروج پر تھی۔ ملک خوشحال اور عوام کا معیارِ زندگی بلند تھا۔ مسلمان اور ہندو تاجروں میں بڑے بڑے سیٹھ اور ساہوکار تھے۔ لیکن انگریزوں کی آمد نے ان کی تجارت تباہ کر دی۔ انگریزوں کو مغل بادشاہوں سے جو تجارتی مراعات ملیں اس کا انہوں نے بڑا غلط فائدہ اٹھایا۔ ذاتی تجارت سے ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملازموں نے ایک طرف مقامی تاجروں کا خوب استحصال کیا تو دوسری طرف خود ان پر دولت کی جو بارش برسی اس کا حد وحساب نہ تھا۔ اندرونی اور بیرونی تجارت پر کمپنی نے اجارہ داری قائم کر کے انگریز تاجروں کو ہر قسم کے ٹیکسوں میں چھوٹ دے دی جبکہ مقامی تاجروں پر بے تحاشہ ٹیکس لگا کر کنگال کر دیا۔ جس سے ایک طرف ایسٹ انڈیا کمپنی کثیر منافع سے مالا مال ہو گئی تو دوسری طرف انگلستان نے ہندوستانی مال پر درآمدی محصول لگا کر دولت کا رُخ اپنی طرف کر لیا۔ 1813ء میں دھاری دھار کپڑے پر 50 فیصد، چھینٹ پر 80 فیصد اور اونی کپڑے پر 85 فیصد محصول عائد تھا۔ یہ اس وقت ختم کیا گیا جب ہندوستان کی صنعت تباہ ہو گئی۔ جب انگلستان کی مصنوعات کی کھپت کی ضرورت پڑی تو آزاد تجارت کی پالیسی اختیار کر لی گئی۔ بروکس ایڈمس اعتراف کرتا ہے کہ:

> ''جب سے دنیا شروع ہوئی ہے کسی راس المال سے اتنا منافع حاصل نہیں ہوا جتنا کہ (انگلستان کو) ہندوستانی لُوٹ سے۔''

(iii) زراعت کی بدحالی: ہندوستان کی خوشحالی کا دارومدار زراعت پر تھا۔ کسان، کاشتکار مزارعے اور زمیندار سب خوشحالی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ انگریزوں نے اپنے ذاتی مفادات اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لیے زرعی زمینوں میں بڑی اکھاڑ پچھاڑ کی۔ یہاں تک کہ اس شعبے میں نہایت بے یقینی کی فضا پیدا ہو گئی۔ مالیہ اور آبیانہ کی شرح میں بے رحمی سے اضافہ کیا گیا۔ لارڈ کارنوالس (1786ء-1793ء عیسوی) کے دور میں بنگال میں دوامی بندوبست کے نتیجے میں زمینیں ہندوؤں کو مل گئیں۔ اب لگان فصل کے بجائے زمین پر لگا دیا گیا۔ جو مستقل شرح سے ہر سال مسلسل دینا پڑتا تھا۔ ہندو زمیندار کلکتہ میں رہتے تھے۔ جبکہ ان کے گماشتے، مزارعین سے زبردستی لگان وصول کرتے تھے۔ اس سے سرکار کا خزانہ اور زمینداروں کی تجوریاں تو بھر گئیں لیکن مزارعین کو روکھی سوکھی بھی نہ ملتی تھی۔ انگریزوں نے ہر مقبوضہ علاقے میں دو عملی رائج کر دی جس سے عوام کی فلاح و بہبود کی ذمہ داری کسی نے نہ لی۔ اس کے نتیجے میں سرسبز علاقے ویران اور بنجر ہو گئے۔ مزارعین میں اضطراب اور بے چینی پھیل گئی۔ جس کا اظہار 1857ء میں بغاوت کی صورت میں ہوا۔

(iv) ملازمتوں سے محرومی اور بے روزگاری: صنعت، تجارت اور زراعت کی بدحالی سے بیروزگاری

عام ہوگئی۔ ہندوستان کے لوگوں کو ناقابل اعتبار سمجھ کر ملازمتوں سے محروم رکھا گیا۔ پھر بعض علاقوں سے فوج بھرتی کرنے پر پابندی عائد کرکے بے روزگاری میں مزید اضافہ کیا گیا۔ جو مسلمان پہلے سے ملازم تھے انہیں برطرف کردیا گیا۔ محدود پیمانے جو پرنوکریاں دی جاتیں تو وہ بھی صرف ہندوؤں کو۔ مسلمانوں کے بارے میں اشتہار میں لکھ دیا جاتا کہ وہ درخواست دینے کے اہل نہیں ہیں۔ وہ صرف چپڑاسی اور اردلی بن کر رہ گئے۔ روزگار کی قلت سے لوگ افلاس کا شکار ہوگئے۔ اس کا نتیجہ سرسید احمد کے بقول یہ ہوا کہ:

''جب باغیوں نے لوگوں کو نوکر رکھنا چاہا تو لوگ..........آنہ (چھ پیسے) ڈیڑھ آنا یا ڈیڑھ سیر (کلو) اناج کے بدلے بطورِ رضا کار بھرتی ہوگئے۔''

(v) ٹیکسوں کی بھرمار: انگریز سرکار نے زراعت سمیت ہر شعبہ میں ٹیکسوں کی اس قدر بھرمار کردی کہ رعایا کو روٹی میسر آنا محال ہوگیا۔ 1849ء میں عدالتی اسٹامپ کا نفاذ کردیا گیا جس کا مطلب تھا کہ اب لوگوں کو انصاف بھی قیمتاً ملے گا، جو پہلے مفت اور آسانی سے میسر تھا۔ یہ اضافی بوجھ عوام کی برداشت سے باہر تھا۔

5 فوجی اسباب

(i) دیسی فوج کی بے چینی: دیسی فوج غیر مطمئن اور بے چین تھی۔ فوج میں اونچی ذات کے ہندو کافی تعداد میں تھے، وہ سمجھتے تھے کہ برصغیر کو انگریز کیلئے انہوں نے فتح کیا ہے۔ لیکن انہیں قابل اعتماد نہ سمجھا جاتا تھا۔ بنگالی سپاہیوں کا خصوصی الاؤنس بند کردیا گیا۔ انہیں اپنی رہائش کیلئے اپنی کٹیا خود بنانی پڑتی تھی جبکہ انگریز سپاہی آسائش سے بارکوں میں رہتے تھے۔ دیسی لوگوں کو فوج میں معمولی عہدے اور کم تر تنخواہ ملتی تھی۔ دیسی سپاہی کو ترقی نہ ملتی۔ وہ رسالدار بھرتی ہوتا اور رسالدار ہی ریٹائر ہوجاتا۔ ترقی صرف اسے دی جاتی جو عیسائیت قبول کرلیتا تھا۔ کسی یونٹ میں اگر دو ایک دیسی افسر ہوتے اور ان کی قابلیت کی وجہ سے دیسی فوج ان کی عزت کرنے لگتی تو انگریز یہ گوارا نہ کرتے۔ انہیں ریٹائر کردیتے۔ دیسی صوبیدار کے مقابلے میں نئے بھرتی ہونے والے یورپی سپاہی کی تنخواہ زیادہ ہوتی تھی۔ دیسی سپاہ کی تعداد انگریزی فوج سے دس گنا زیادہ تھی۔ لیکن دیسی سپاہ کا خرچہ 4 لاکھ پونڈ جبکہ انگریزی فوج کا 56 لاکھ پونڈ سالانہ تھا۔ جنگ بکسر کی فاتح فوج کیلئے میر جعفر نے انعامی رقم بھیجی جو یورپی اور دیسی سپاہ میں 40 روپے اور 6 روپے کی نسبت سے تقسیم کی گئی۔ اس ناانصافی پر احتجاج کرنے والے سپاہیوں کو توپ سے اڑا دیا گیا۔ دیسی سپاہ کی انگریز سے نفرت روز بروز بڑھ رہی تھی لیکن ایسٹ انڈیا کمپنی کی آنکھیں بند تھیں۔

(ii) اودھ فوج کی برطرفی اور بے روزگاری: 1856ء میں ریاست اودھ کو انگریز عملداری میں شامل کرکے ریاست کی فوج، جس کی تعداد 60 ہزار تھی، توڑ دی گئی۔ ریاست کے خاتمہ اور نواب کی برطرفی سے قومی احساس زخمی اور فوج کی برخاستگی سے بیروزگاری میں اضافہ ہوا۔ بنگال کی فوج میں شامل اودھ کے سپاہیوں کو بھی سخت صدمہ ہوا۔ عوام اور فوج کے جذبات مجروح ہوئے۔ دیسی سپاہیوں کی وفاداری میں فرق آ رہا تھا۔ انگریز ریذیڈنٹ نے کمپنی کو آنے والے طوفان سے آگاہ کیا لیکن کمپنی اس پر توجہ دینے پر تیار نہ تھی۔ جنگ آزادی شروع ہوئی تو لکھنؤ اس کا ایک بڑا مرکز تھا۔

(iii) خلاف مذہب احکامات: انگریزی نے فوج میں بعض ایسے قوانین کا نفاذ کیا جنہیں لوگوں نے اپنے مذہب میں مداخلت سمجھا۔ ان قوانین کے تحت کسی فوجی کیلئے داڑھی رکھنا، پگڑی باندھنا، ماتھے پر تلک لگانا، کانوں میں بالیاں اور ہاتھ میں کڑا پہننا ممنوع قرار دیا گیا۔ اس پر مسلمان، ہندو، سکھ سب دُکھی ہوئے۔ ہندو مذہب میں سمندری سفر گناہ اور ملک سے باہر قدم رکھنا ممنوع تھا۔ 1856ء میں نیا ضابطہ لاگو کیا گیا کہ کوئی فوجی سمندری سفر سے یا بیرون ملک جانے سے انکار نہیں کرسکتا۔ یہ پابندی اسے تحریری طور پر قبول کرنا پڑتی تھی۔ اس سے بیزاری ظاہر ہونے لگی اور فوج میں افسران کی حکم عدولی کے واقعات ہونے لگے۔

(iv) دیسی سپاہ کی توہین: فوج میں دیسی سپاہ کی کوئی عزت نہ تھی۔ ان کو آئے روز لعن طعن سننا پڑتی۔ ان کی عزتِ نفس کو پیروں تلے روندا اور اَنا کو کچلا جاتا۔ انگریز کا وجود انسانیت، شرافت اور اخلاق سے عاری ہو چکا تھا۔ انگریز افسران کیلئے دیسی سپاہی کو غلیظ گالی دینا اور بے عزت کرنا عام بات تھی۔ سپاہی غُصے سے کھولتے رہتے تھے۔ یہ رسوا کُن سلوک ان کی برداشت سے باہر ہوگیا تھا۔

(v) انگریزی فوج کی قلت اور غیر یکساں تقسیم: جنگ کریمیا (1853-55) کے موقع پر انگریزی فوج ملک سے باہر جا چکی تھی۔ کچھ چین اور جاپان کے محاذوں پر تعینات تھی۔ 1856ء میں ہندوستان میں برطانوی فوج کی تعداد صرف 45322 رہ گئی تھی جبکہ دیسی فوج کی تعداد 233000 تھی۔ باقی ماندہ انگریز سپاہ کو یکساں طور پر تعینات نہ کیا گیا تھا۔ پنجاب کے الحاق کے بعد نصف فوج تو صرف پنجاب میں تعینات تھی۔ کلکتہ اور الٰہ آباد کے درمیان صرف ایک پلٹن جبکہ الٰہ آباد اور دہلی کے درمیانی علاقہ میں ایک بھی گورا سپاہی موجود نہ تھا۔ باغیوں کیلئے یہ حالات بڑے سازگار تھے۔

(vi) انگریزی فوج کے بھرم کا خاتمہ: ہندوستان میں پے در پے فتوحات کے باعث انگریزی فوج کو ناقابلِ شکست تسلیم کرلیا گیا تھا۔ لیکن سکھوں کے خلاف اس کی کامیابیاں مشکوک تھیں۔ جنگِ کریمیا

میں روس کے ہاتھوں برطانوی فوج کی دُرگت تو دیسی سپاہیوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لی تھی۔ افغان جنگ میں تو اس کا کچومر ہی نکل گیا۔ اس کی 16000 فوج میں سے صرف ایک فوجی زندہ واپس آسکا تھا۔ اس طرح انگریزی فوج کا طلسم ٹوٹ گیا اور ان کا رعب و دبدبہ جاتا رہا۔

علاوہ ازیں ایک بے بنیاد پیش گوئی زیر گردش تھی کہ جون 1857ء میں انگریزی راج کے سو سال مکمل ہونے پر ان کا اقتدار ختم ہو جائے گا۔ بغاوت کا لاوہ پھوٹنے والا تھا۔ دیسی سپاہی اپنے افسروں کے خلاف اجلاس کر رہے تھے۔ ایک شہر سے دوسرے شہر جنگ کی علامت کے طور پر کنول کے سرخ پھول اور ایک دیہہ سے دوسرے میں چپاتیاں بھیجی جارہی تھیں۔ 22 جون 1857ء کا دن ایک ساتھ حملہ کیلئے مقرر ہو چکا تھا۔ منصوبہ مکمل تھا، لیکن کمپنی کی بینائی اور سماعت سلب ہو چکی تھی۔

6- فوری وجہ...... چربی والے کارتوس: جنوری 1857ء کے اوائل میں فوج کو ایک نئی ساخت کی انفیلڈ رائفل دی گئی۔ اس میں استعمال ہونے والے کارتوس کا سرا دانتوں سے کاٹنا پڑتا تھا۔ بارود کو جس کاغذ میں لپیٹا جاتا تھا اس کو چکنا کرنے کے لئے چربی استعمال کی جاتی تھی۔ مشہور ہو گیا کہ یہ چربی گائے اور سور کی ہے۔ پی۔ ای رابرٹس اعتراف کرتا ہے کہ:

"یہ الزام درست تھا"

جے۔ اے۔ میرٹ کے الفاظ ہیں کہ

"چربی دار کارتوس کی کہانی حقیقت پر مبنی تھی"۔

مسلمان اور ہندو اس کارتوس کو استعمال کرنے کا تصور کر سکتے تھے اور نہ اسے برداشت کر سکتے تھے۔ سب سے پہلے 22 جنوری 1857ء کو ڈم ڈم کے دیسی سپاہیوں نے اس کی شکایت کی۔ متعلقہ افسر نے اس کی اطلاع حکومت کو دے دی۔ مختلف چھاؤنیوں میں اس خبر کے غلط ہونے کا یقین دلایا گیا لیکن افواہ بارود میں چنگاری کا کام کر چکی تھی۔ 19 فروری کی رات بہرام پور چھاؤنی کی 19 ویں رجمنٹ نے کارتوس کے خلاف مظاہرہ کیا لیکن کرنل نے سپاہیوں کو مطمئن کر دیا۔ 29 مارچ کو بارک پور چھاؤنی کی 34 ویں رجمنٹ کے ایک ہندو برہمن فوجی منگل دیش پانڈے نے مذہب کا نعرہ لگا کر اپنے ساتھیوں کو بغاوت پر اکسایا۔ سرجنٹ میجر آگے بڑھا لیکن منگل پانڈے نے اس پر گولی چلا دی۔ میجر بچ نکلا، اس نے منگل پانڈے کو نشانہ بنانا چاہا لیکن ایشوری پانڈے نے اسے گرا دیا۔ جنرل ہرسی نے یورپین دستہ کی مدد حالات پر قابو پالیا۔ گورنر جنرل کے حکم سے بارک پور چھاؤنی کی 19 ویں رجمنٹ توڑ دی گئی۔ سات کمپنیوں سے اسلحہ واپس لے لیا گیا۔ فوجی عدالت کے فیصلے کے تحت 26 سالہ منگل دیش پانڈے کو 18 اپریل کو اور جمعدار ایشوری پانڈے کو 21 اپریل کو سزائے موت دے دی گئی۔ یہ جنگِ آزادی کا نقطہ آغاز تھا۔

جنگِ آزادی کے واقعات

1- میرٹھ: جنگ آزادی کا آغاز دہلی سے چالیس میل دور میرٹھ چھاؤنی کے ہنگامے سے ہوا۔ 6 مئی 1857ء کو 49 مسلمان اور 36 ہندو فوجیوں نے نئے کارتوس استعمال کرنے سے انکار کر دیا۔ 9 مئی کو انہیں 10 سال تک قید یا مشقت کی سزا سنا کر جیل میں بند کر دیا گیا۔ اگلے دن اتوار کو ساری چھاؤنی نے بغاوت کر دی۔ 2000 باغی سواروں نے کرنل فینی اور دیگر انگریز افسر قتل کئے، ہتھیار لوٹے، جیل توڑ کر قیدی رہا کئے، گرجے سے واپس آنے والے انگریز، عورتوں اور بچوں کو قتل کیا اور آزادی کے نعرے لگاتے ہوئے دلی کی طرف چل دیئے۔

2- دہلی: 11 مئی کی صبح میرٹھ کی باغی فوج دلی پہنچی، دلی کے 3000 دیسی سپاہی بھی انگریزوں کو قتل کر کے ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔ بہادر شاہ ظفر کی بادشاہت کا اعلان کر دیا گیا۔ کرنل ریلے باغیوں کے مقابلے میں مارا گیا۔ لیکن انگریزوں نے گولہ بارود حریت پسندوں کے ہاتھ نہ لگنے دیا بلکہ اسے آگ لگا دی۔ شہزادہ مرزا مغل کو باغی فوج کا کمانڈر بنایا گیا لیکن وہ بڑا نااہل ثابت ہوا۔ ایک ماہ بعد جنرل بخت خاں چودہ ہزار فوج کے ساتھ دلی پہنچا۔ اس قابل جرنیل نے نظم و نسق درست کر کے امن وامان بحال کیا۔

8 جون کو جنرل برنارڈ فوج لے کر دلی پہنچا اور جنگ شروع ہو گئی۔ حریت پسندوں نے فصیل پر توپیں چڑھا دیں۔ بریلی، مرشد آباد اور شاہ جہان پور سے بھی باغی رجمنٹیں مدد کو آگئیں۔ لیکن جنگ اس وقت شروع ہوئی جب انگریزوں نے پنجاب سے توپ خانہ اور سکھ و گورکھا فوج منگوالی۔ جنرل نکلسن نے 8 اگست کو فوج کی کمان سنبھال لی۔ 6 ستمبر کو توپ خانہ پہنچا۔ 11 ستمبر تک انگریزوں نے اہم مقامات پر توپیں نصب کر لیں۔ بادشاہ کے مشیروں میں غداروں کی کمی نہ تھی۔ حکیم احسن اللہ، مولوی رجب علی اور مرزا الٰہی بخش نے نہ صرف مرزا مغل اور جنرل بخت خاں میں اختلافات پیدا کر دیئے بلکہ وہ پل پل کی خبریں انگریزوں کو پہنچاتے رہے۔ انگریز فوج نے شدید گولہ باری شروع کر دی۔ چار دن کی گولہ باری کے بعد کشمیری دروازہ ٹوٹ گیا۔ انگریزی فوج شہر میں داخل ہو گئی۔ اگلے چار دن گلی کوچوں میں دست بدست جنگ ہوتی رہی۔ اس دوران شہری اور حریت پسند دلی چھوڑ کر بھاگتے رہے۔ 19 ستمبر کو شہر پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا۔

مرزا الٰہی بخش کا بادشاہ پر جادو چل گیا۔ اس نے جنرل بخت خاں کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا اور مرزا الٰہی بخش کے مشورے سے اس نے ہمایوں کے مقبرے میں پناہ لی۔ بخت خاں اودھ کی جانب نکل گیا۔ پھر اس کا کچھ پتہ نہ چل سکا۔ الٰہی بخش نے میجر ہڈسن کو بلا کر بادشاہ کو گرفتار کرا دیا۔ ہڈسن

نے بہادر شاہ کے دو بیٹوں اور ایک پوتے کو گولی سے اڑا دیا۔ ان کا خون پیا، لاشیں کوتوالی میں لٹکا دیں اور ان کے سر کاٹ کر بادشاہ کے سامنے رکھ دیئے۔ اس کے بعد شہری آبادی کو بے دریغ قتل کیا گیا۔ گھر اور محلے لوٹ کر جلائے گئے۔ صدیوں کی جمع شدہ دولت کی لوٹ مار نے اہل انگلستان کو مالا مال کر دیا۔ آخری مغل تاجدار بہادر شاہ ظفر پر غداری کا مقدمہ چلا کر اسے رنگون میں قید کر دیا گیا۔ جہاں اس نے 7 نومبر 1862ء کو بے کسی کے عالم میں وفات پائی۔ 24 نومبر کو 24 مغل شہزادوں کو پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔

3- بنارس: 4 جون 1857ء کو بنارس چھاؤنی کے دیسی سپاہیوں نے اپنے انگریز افسروں پر حملہ کر کے آزادی کا پرچم لہرا دیا۔ انگریزی فوج اور باغی سپاہیوں میں جھڑپیں ہوتی رہیں۔ کرنل نیل وفادار دیسی سپاہیوں کے ہمراہ باغیوں پر حملہ آور ہوا۔ چند منٹوں میں 100 باغی مارے گئے اور 200 زخمی ہوئے۔ اس سے بغاوت کا جوش ٹھنڈا پڑ گیا۔

4- الٰہ آباد: 6 جون 1857ء کو دیسی فوج نے الٰہ آباد میں 17 انگریز افسر قتل کر دیئے۔ مولوی لیاقت علی نے حریت پسندوں کی قیادت کی۔ بپھرے ہوئے مجاہدین نے انگریزوں کے بنگلوں اور ریلوے سٹیشن کو نذرِ آتش کر کے کئی میل تک ٹیلیگراف کے تار اور ریل کی پٹڑی تباہ کر دی۔ البتہ سکھوں نے قلعہ کی حفاظت کی۔ مجاہدین نے انگریز عورتوں اور بچوں کو قتل کیا اور بینڈ بجاتے اور آزادی کے نعرے لگاتے ہوئے دلی کی جانب چل دیئے۔ 11 جون کو کرنل نیل عسکری طاقت لے کر الٰہ آباد پہنچا۔ اس نے حریت پسندوں کو گولی سے اڑا دیا اور الٰہ آباد پر قبضہ کر کے چھ ہزار شہریوں کو موت کی نیند سلا دیا۔

5- کانپور: 5 جون 1857ء کو کان پور کے دیسی سپاہیوں نے چھاؤنی کو آگ لگا دی، خزانہ لوٹا اور دہلی جانے کا ارادہ کیا۔ اگلے دن دھندو پنت عرف نانا فرنویس جو کہ مرہٹہ مذہبی پیشوا بالا جی باجی راؤ کا متبنّٰی تھا اور ابھی تک غیر جانبدار تھا، باغیوں کا سردار بن گیا۔ اس کا مصاحبِ خاص رام چندر پانڈورنگا عرف تانتیا ٹوپی اور عظیم اللہ خان بھی اس کے ساتھ شامل ہو گئے۔ نانا صاحب کے حکم سے غارت گری شروع ہو گئی۔ تانتیا ٹوپی نے ونڈھم (Wind Hem) کی فوج کو شکست دی۔ انگریز توپ خانہ نے ہتھیار ڈال دیئے۔ ان سب کو قتل کر دیا گیا۔ دیگر 221 انگریز قید کر لیے گئے۔ خندقوں میں محصور انگیزوں کو نانا صاحب نے جنگ میں شامل نہ ہونے کے وعدے پر الٰہ آباد جانے کی اجازت دے دی۔ جب ان کی کشتیاں دریا کے وسط میں پہنچیں تو انہیں گولیوں سے بھون ڈالا۔ نانا صاحب نے کسی انگریزی بولنے والے کو زندہ نہ چھوڑا۔ انگریز نواز دیسی لوگوں کا بھی وسیع پیمانے پر قتلِ عام کیا گیا۔

جنرل ہیولاک کو کانپور روانہ کیا گیا۔ کانپور سے 16 میل دور فتح پور میں مقابلہ ہوا۔ نانا صاحب نے

شکست کھا کر 221 انگریز قیدیوں کو قتل کر دیا۔ 7 جولائی کو ہیولاک کانپور میں داخل ہوا۔ اس نے نانا صاحب کے محل کو آگ لگا کر توپوں پر قبضہ کر لیا۔ کرنل نیل بھی کمک لے کر پہنچ گیا۔ کانپور کے دس ہزار بے گناہ شہری موت کے نیند سلا دیئے گئے۔ تانتیا نے کئی محاذوں پر مقابلہ کر کے انگریزوں کو کئی ماہ تک پریشان کیے رکھا تاہم وہ ہر دفعہ ناکام ہوا۔

ہیولاک اودھ کی بغاوت کا سُن کر لکھنؤ چلا گیا۔ نانا صاحب از سرِ نو تیاری کر کے دس ہزار فوج کے ساتھ پھر لکھنؤ پہنچ گیا۔ اودھ کے حالات نے ہیولاک کو واپس کان پور جانے پر مجبور کر دیا۔ آؤٹ رم بھی 15 ستمبر کو مدد کو پہنچا اور کیمپل جانسن بھی۔ زوردار لڑائی کے بعد نانا صاحب کو پھر شکست ہوئی۔ کانپور پر تو انگریز قابض ہو گئے لیکن حریت پسند ابھی قسمت آزمائی کے لیے میدان میں موجود تھے۔

6- لکھنؤ: حریت پسندوں نے 30 مئی 1857ء کو اودھ کے نواب واجد علی شاہ کے دس سالہ بیٹے برجیس قدر کو تخت پر بٹھا دیا۔ اس کی والدہ حضرت محل سرپرست مقرر ہوئی۔ مولوی احمد اللہ شاہ لکھنؤ میں آزادی کے روحِ رواں تھے۔ تھامس سیٹن (Thomas seaton) کے بقول

''وہ دو آہنی قوت کا مالک، لائق، بے باک اور جنگ آزادی کا بہترین سپاہی تھا۔''

میلےسن (Malleson) اسے ''سچا محبِّ وطن'' قرار دیتا ہے۔ آزادی پسندوں نے شاہجہان پور، فیض آباد اور ستیاپور پر قبضہ کرنے کے بعد جون کے اواخر میں لکھنؤ کا محاصرہ کر لیا۔ بقول ولیم ہنٹر ''فوجوں کی یہ بغاوت اودھ پہنچ کر قومی جنگ کی صورت اختیار کر گئی۔'' سارا اودھ انگریزوں کے خلاف اُٹھ کھڑا ہوا۔ 30 جون کو ہنری لارنس مقابلہ کرتے ہوئے زخمی ہو کر مارا گیا۔ حضرت محل اور احمد اللہ کی نااتفاقی کی وجہ سے انگریز ریذیڈنسی پر قبضہ نہ کیا جا سکا۔ جنرل ہیولاک اور آؤٹ رم فوج لے کر لکھنؤ آئے اور لڑتے بھڑتے ریذیڈنسی میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ تاہم وہ باغیوں کے سامنے بے بس ہو گئے۔ بعد ازاں سر کولن (Sir Colin) اپنی فوج کے ساتھ مسجدوں، محلّوں اور پارکوں کو مسمار کرتا ہوا ریذیڈنسی پہنچا۔ اس نے گورے زخمیوں عورتوں اور بچوں کو دل کشا باغ میں پہنچایا۔ پھر اس نے ایک ایسی فوجی چال سے ریذیڈنسی کو خالی کیا کہ حریت پسند خالی ریذیڈنسی پر گولے برساتے رہے۔

باغیوں کی تعداد 50 ہزار تھی انگریزوں کو ان پر غلبہ پانے کے لیے مزید کمک کی ضرورت تھی۔ کولن اور ہیولاک کو لکھنؤ چھوڑ کر کان پور جانا پڑا۔ کانپور کے معرکوں کے دوران 23 ہزار یورپی فوج برصغیر کے ساحلوں پر اتر چکی تھی۔ کولن اسے لے کر دل کشا باغ لکھنؤ پہنچا۔ 6 مارچ 1858ء کو جنگ شروع ہو گئی۔ 10 مارچ کو لکھنؤ کی پہلی دفاعی لائن ٹوٹ گئی۔ 14 مارچ کو انگریز فوج قیصر باغ میں داخل ہو گئی۔ شہری بھاگنے لگے۔ 15 مارچ کو آزادی پسندوں کی بڑی تعداد نے روہیل کھنڈ کا رُخ کیا۔ 17 مارچ کو شہر پر انگریز قابض ہو گئے۔ حسبِ سابق پھر لوٹ مار، قتل و غارت، آگ اور خون کی داستان رقم ہوئی۔

7- بریلی: بریلی، روہیل کھنڈ کا صدر مقام تھا۔ انقلابیوں نے حافظ رحمت خاں کے بیٹے بہادر خاں کو تخت پر بٹھا کر سارے علاقے پر قبضہ کر لیا۔ شاہ جہان پور، بدایوں، نجور اور تھانہ بھون میں جنگ کا جوش و خروش زوروں پر تھا۔ لکھنؤ کے فراری بھی رائے بریلی پہنچ گئے تھے۔ 2 مئی کو سرکولن شاہ جہانپور سے بریلی پہنچا۔ اس کے سامنے حریت پسند بے بس ہو گئے اور 7 مئی کو انہوں نے شہر خالی کر دیا۔

شاہ جہان پور سے سرکولن کی غیر حاضری میں احمد اللہ شاہ نے شہر پر قبضہ کر لیا۔ بیگم اودھ اور نانا صاحب بھی اپنی سپاہ سمیت یہاں پہنچ گئے۔ احمد اللہ شاہ کو ایک ہندو سردار نے دھوکے سے بلا کر شہید کر دیا۔ وہ ایک نیک دل انسان تھے۔ ان کا دامن بے گناہوں کے خون سے کبھی داغدار نہ ہوا۔ سرکولن کی آمد پر حریت پسند پھر منتشر ہو گئے۔

8- جھانسی: جھانسی کی رانی کی گود ہری نہ ہوئی تھی۔ اندر راؤ کو انگریزوں نے گنگا دھر راؤ کا متبنّٰی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ رانی لکشمی بائی کو مجبور کیا گیا کہ وہ اپنے چھ ہزار وظیفہ میں سے اپنے خاوند کا قرض ادا کرے۔ اسے اپنے خاوند کی ذاتی جائیداد کی نگرانی کرنے کی اجازت بھی نہ ملی۔ اسے جنگ پر مجبور کر دیا گیا۔ وہ ایک دلیر، قابل، مستعد اور جرأت مند خاتون تھی۔ جھانسی کی رانی تاریخ میں ایک افسانوی شخصیت بن گئی۔

کے (Kaye) کہتا ہے کہ "اس نے لوگوں کے دلوں پر حکومت کی"۔ 4 جون 1857ء کو جھانسی کی فوج نے کئی انگریز افسروں کو قتل کر کے آزادی کا پرچم بلند کر دیا۔ انگریزوں نے قلعہ بند ہو کر مقابلہ کرنے کی کوشش کی لیکن مقابلہ کی سکت نہ پا کر ہتھیار ڈال دیئے۔ ان سب کو عورتوں اور بچوں سمیت قتل کر دیا گیا۔ رانی لکشمی بائی کے پاس 20 ہزار فوج اکٹھی ہو گئی۔ رانی نے خود کمان سنبھال لی اور اپنی بہادری اور عقلمندی کا سکّہ بٹھا دیا۔ تانتیا توپی بھی اس کی مدد کو پہنچ گیا۔ ہیوروز انگریزی فوج کی کمان کرتا ہوا جھانسی روانہ ہو گیا۔ کھلے میدانوں میں کئی معرکوں کے بعد اس نے جھانسی کا محاصرہ کر لیا۔ اپریل 1858ء میں تانتیا توپی نے محاصرین پر کئی حلے کیے۔ توپ خانہ کے افسر غلام غوث نے جان توڑ کر دشمن کا مقابلہ کیا۔ لیکن انگریز ریلا آگے بڑھتا چلا گیا۔ یہ صورتحال دیکھ کر تانتیا بھاگ نکلا۔ رانی بھی 300 افغان سپاہیوں کی محافظت میں جھانسی سے نکل گئی۔ انگریز فوج جھانسی میں داخل ہو گئی۔ پھر وہی قتل وغارت اور لوٹ مار!

9- کالپی: تانتیا توپی جھانسی سے کالپی چلا گیا۔ اس نے پھر اپنے گرد دس ہزار فوج اکٹھی کر لی۔ 7 ہزار مسلمان اور 3 ہزار ہندو مرہٹے۔ لکشمی بائی بھی کالپی پہنچ گئی۔ دونوں نے مل کر ہیوروز کے کالپی کی طرف بڑھتے ہوئے قدم روکنے کی کوشش کی۔ لیکن دونوں نے شکست کھائی۔ تاہم یہ آخری مقابلہ نہ تھا۔ کالپی میں حریت پسندوں اور انگریزوں میں زبردست جھڑپیں ہوئیں۔ رات کی تاریکی میں حریت پسند کالپی چھوڑ کر گوالیار چلے گئے۔

10- گوالیار: گوالیار میں بھی جنگ شُعلے بھڑک اُٹھے۔ راجہ سندھیا انگریزوں کا وفادار رہا۔ لیکن کالپی کے جنگجوؤں نے گوالیار پر قبضہ کر کے سندھیا کو گدی سے اتار دیا اور خزانہ پر قبضہ کر لیا۔ ہیوروز اور حریت پسندوں میں زبردست معرکہ ہوا۔ 18 جون کو رانی لکشمی بائی مردانہ جنگی لباس پہنے مردانہ وار لڑتے ہوئے شدید زخمی ہو کر گھوڑے سے گر پڑی۔ مرنے سے قبل اس نے تانتیا توپی کو جنگ جاری رکھنے کی وصیت کی۔ اس نے وصیت پر حتی المقدور عمل کیا لیکن شکست سے دوچار ہو کر 800 سپاہی لے کر جے پور چلا گیا۔

مرکزیت ٹوٹنے کی وجہ سے ستمبر 1858ء کے بعد گوریلا طرز کی جنگیں ہوتی رہیں۔ کامیابی کے امکانات معدوم ہوتے چلے گئے۔ جس سے مایوس ہو کر نانا صاحب شکست کھا کر نیپال کے جنگلوں میں گم ہو گیا۔ پھر تاریخ اس کے انجام کے بارے میں کچھ نہ جان سکی۔ حضرت محل بھی نیپال کی اتر ائیوں میں چلی گئی۔ تانتیا توپی کئی محاذوں پر بہادری سے لڑتا رہا۔ آخر شکست کھا کر راجپوتانہ کی طرف نکل گیا۔ ایک ہندو سردار مان سنگھ نے اسے دھوکے سے گرفتار کر کے انگریزوں کے حوالے کر دیا۔ پھانسی نے اس کی زندگی کا خاتمہ کر دیا۔

11- پاکستانی علاقے: لاہور، امرتسر، سیالکوٹ، جہلم، ساہی وال، کراچی حیدر آباد، قلات، کوہاٹ، نوشہرہ اور خیبر میں بھی آزادی کی شمع روشن کرنے کی کوشش میں ہزاروں نے پھانسی کے رسّے کو چوما اور گولیوں کی بوچھاڑ کا سامنا کیا۔ لیکن آزادی کے متوالوں کی کوششیں انگریزوں کے وفادار جاسوسوں اور مراعات یافتہ غداروں کی وجہ سے یکسر ناکام ہو گئیں۔

لاہور: میرٹھ چھاؤنی کے ہنگامے کی خبریں میاں میر چھاؤنی میں پہنچیں تو دیسی سپاہیوں میں جوش و خروش پیدا ہو گیا۔ لیکن انگریز افسروں نے ان سے ہتھیار چھین کر ان کی نگرانی شروع کر دی۔ 30 جولائی کو پرکاش سنگھ نے میجر سپنسر کو قتل کر کے تلوار لہرا دی۔ دیسی سپاہی تیز آندھی کی آڑ میں فرار ہو گئے، ان کا تعاقب کیا گیا۔ جو پکڑے گئے انہیں توپ سے اڑا دیا گیا۔ ایک بڑی تعداد راوی پار کر کے ٹاپو میں پہنچ گئی۔ انگریز دستہ کو کشتیوں کے ذریعے آتے دیکھ کر فراری سپاہیوں نے ہاتھ کھڑے کر دیئے۔ ان کو گرفتار کر کے اجنالہ تھانہ لے جایا گیا۔ 50 سکھوں کے ایک دستے نے جلادوں کے فرائض انجام دیئے۔ 282 باغی سپاہی گولیوں کا نشانہ بن گئے۔

امرتسر: یہاں 500 مسلمان گھوڑوں سواروں نے آزادی کا نعرہ بلند کیا۔ ڈپٹی کمشنر کوپر نے ان پر قابو پالیا۔ یکم اگست کو عید الضحیٰ کے دن سکھ دستے کی گولیوں نے انہیں ہمیشہ کی نیند سلا دیا۔ اس کے بعد ممتاز مسلمان، ہندو اور سکھ لیڈر رتبہ میں گرفتار کر لئے گئے۔ سیالکوٹ میں عوام نے جیل پر حملہ کر کے قیدیوں کو

چھڑایا اور انگریزوں کے گھر اور دفاتر جلا دیئے۔ راولپنڈی اور جہلم کی دیسی سپاہ بھی سرکش ہوگئی۔ انہیں گرفتار کر لیا گیا۔ 108 مجاہدین کو فوجی اور 237 کو سول عدالتوں نے پھانسی کی سزا سنائی۔ ملتان اور گوگیرہ کی چھاؤنیوں میں بغاوت کی بھنک پا کر فوج کو غیر مسلح کر دیا گیا اور باغی موت کے حوالے کر دیئے گئے۔ ساہی وال میں احمد خاں کھرل نے آزادی کا نعرہ بلند کر دیا۔ انگریز فوج کا مقابلہ کرنے کے لئے وہ جنگل میں چلا گیا۔ فوج نے جنوری 1858ء میں جنگل کا محاصرہ کر لیا۔ کھرل نے جنگ جاری رکھی۔ کئی ماہ بعد احمد خاں کھرل اپنے بھتیجے اور ساتھیوں سمیت مارا گیا۔ کراچی، حیدرآباد، شکارپور اور قلات میں انگریزوں پر حملے کے منصوبے جاسوسوں اور غداروں کی وجہ سے قبل از وقت منکشف ہونے کی وجہ سے ناکام ہوگئے۔ ہر جگہ منصوبہ سازوں کو تختہ دار پر چڑھا کر جائیدادیں ضبط کر لی گئیں۔

کوہاٹ اور پشاور میں حریت پسند دیسی سپاہیوں کو حرکت میں آنے سے پہلے ہی دبوچ لیا گیا اور بالترتیب 270 اور 523 مجاہدین موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ ہزارہ کے مجاہدین نے مری پر قبضے کا منصوبہ بنایا۔ ان سب کو پھانسی کی سزا ملی۔ نوشہرہ چھاؤنی کی بغاوت پر وفادار قبائلیوں کی سرکشی پر پنجاب انفنٹری اور ملتانی رسالے کی مدد سے قابو پالیا گیا۔ یہاں مجموعی طور پر 695 افراد کو لٹکا یا گیا۔ مردان اور نوشہرہ کے باغی جو سوات چلے گئے تھے، انہیں والیٔ سوات نے پناہ دے کر دھوکے سے قتل کرا دیا۔ جبکہ سید احمد شہید کے بیٹے سید مبارک شاہ سوات سے بیدخل کر دیئے گئے۔

جنگ آزادی 1857ء کے نتائج، اثرات اور اہمیت

جنگ آزادی برصغیر کی تاریخ کا ایک اہم موڑ ہے۔ اس کے بے پناہ فوری اور دوررس اثرات مرتب ہوئے۔

1- مغل شاہی اور کمپنی کی حکومت کا خاتمہ: اس جنگ کا فوری نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ مغلوں کی ساڑھے تین سو سالہ پُرشکوہ حکومت کا خاتمہ ہوگیا۔ آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر پر غداری کا مقدمہ چلایا گیا۔ اسے زینت محل کے ساتھ جلاوطن کر کے رنگون کے قید خانے میں بھیج دیا گیا۔ جہاں کسمپرسی کے عالم میں 7 نومبر 1862ء کو اس کا انتقال ہوگیا۔ اس کے ساتھ ہی برصغیر میں مسلمانوں کی ہزار سالہ حکمرانی کا اہم باب ختم ہوگیا۔ مغلیہ حکومت کے ساتھ ساتھ یکم نومبر 1858ء کو ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت کو بھی ختم کر دیا گیا۔

2- تاجِ برطانیہ کی حکومت اور برصغیر کی غلامی: جنگ کے خاتمہ برطانیہ نے برصغیر کو اپنی تحویل میں لے لیا۔ لارڈ کیننگ جو کہ کمپنی کی طرف سے آخری گورنر جنرل تھا، تاجِ برطانیہ کے ماتحت پہلا گورنر

جنرل مقرر ہوا۔ حکومت برصغیر کو برطانوی پارلمنٹ کے سامنے جوابدہ قرار دیا گیا۔ وزیر امورِ ہند کا تقرر کیا گیا اور اس کی مدد کے لئے انڈیا کونسل قائم کی گئی۔ اس نظام کے تحت برصغیر باقاعدہ برطانیہ کا غلام بن گیا۔ جسے 90 سالہ لمبی جدوجہد کے بعد 1947ء میں آزادی نصیب ہوئی۔

3- قتلِ عام: جنگ آزادی کے نتیجہ میں 7000 انگریز قتل ہوئے۔ اس کے بدلے میں 5 لاکھ ہندوستانی قتل کئے گئے۔ حریت پسندوں کی مزاحمت ختم ہوتے ہی انگریزوں نے اپنی تلواروں اور بندوقوں کو جی بھر کر انسانی خون پلایا۔ شہری آبادیاں تہ تیغ کر دی گئیں۔ جو سامنے آیا قتل ہوگیا۔ جو بچ رہے وہ پھانسیوں پر چڑھا دیئے گئے یا توپوں سے اڑا دیئے گئے۔ عورتوں اور بچوں تک کو معاف نہ کیا گیا۔ رابرٹس کہتا ہے کہ "ہر طرف مُردے ہی مُردے تھے۔ زمین مُردوں کا بچھونا بنی ہوئی تھی"۔

4- دہلی کی بربادی: دہلی میں بہادر شاہ کے دو بیٹوں اور ایک پوتے کو میجر ہڈسن نے گولی سے اڑا کر ان کا خون پیا۔ وہ کہتا تھا کہ

"اگر میں مغل شہزادوں کا خون نہ پیتا تو پاگل ہو جاتا"۔

ہاتھ آنے والے کسی مغل شہزادے کو زندہ نہ چھوڑ گیا۔ دہلی کے قتل عام کے بعد دو لاکھ کی آبادی میں سے صرف 50 ہزار زندہ بچے۔ دہلی کے لوگوں کو سردی کا موسم شہر سے باہر کھلے آسمان تلے گزارنا پڑا۔ محلّے اور گھر لوٹ کر جلا دیئے گئے۔ ہزاروں کو قیدِ سخت، قیدِ تنہائی اور کالے پانی کی سزا دی گئی۔ دہلی کو تین دن تک جی بھر کے لوٹا گیا۔ دہلی سے لوٹے گئے سونا، چاندی، زیورات اور دیگر سامان سے انگلستان کے جوہریوں کی دکانیں بھر گئیں اور انگریز مالا مال ہوگئے۔

5- مسلمانوں پر ظلم وستم: جنگ میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد انگریزوں نے دیسی لوگوں کا بلا تمیز مذہب و ملّت قتل عام شروع کیا۔ لیکن سکھ فوج جلد ہی اسے فرقہ وارانہ رنگ دیتے ہوئے مسلمانوں کے قتل عام میں مصروف ہوگئی۔ سکھ، مغل بادشاہوں کا بدلہ مسلم عوام سے لینا چاہتے تھے جبکہ انگریزوں نے حکومت چونکہ مسلمانوں سے چھینی تھی اس لئے انہوں نے ان سے عبرتناک انتقام لینا ضروری سمجھا۔ 24 مغل شہزادوں سمیت تمام مسلمان راہنماؤں کو پھانسی یا جلاوطنی کی سزا دی گئی۔ مسلمان ہونا جرم قرار پایا۔ دہلی میں کسی مسلمان کو زندہ نہ چھوڑا گیا۔ 27000 مسلمانوں کو پھانسی دی گئی۔ ہزاروں کو توپوں سے اڑا دیا گیا۔ انہیں سور کی کھالوں میں سی کر دریا کی نذر کر دیا گیا۔ موت کی سزا سے پہلے ان کے جسموں پر سور کی چربی ملی جاتی، ان کے مُنہ میں زبردستی خنزیر کا گوشت ٹھونسا جاتا۔ ان کی لاشوں کو کتوں اور گِدھوں کے کھانے کے لئے چھوڑ دیا گیا۔ مسلمان بچے اور عورتیں بھی قتل کے حقدار ٹھہرے۔ ہزاروں باعصمت خواتین نے اپنی عزت کی خاطر خودکشی کر لی۔ ان کے گھر، محلّے اور بستیاں لُوٹ کر جلا

دیئے گئے۔ الغرض انہیں صفحہ ہستی سے مٹانے کی کوئی کسر نہ چھوڑ دی گئی۔ جی بھر کر انہیں لوٹا گیا۔ مسلمانوں کی عمارتوں سے بھی اسی طرح کا انتقام لیا گیا۔ شاہی مسجد دلی سکھوں کے حوالے کر دی گئی۔ جہاں سور پالے اور پکائے جاتے۔ لائبریریاں جلا دی گئیں یا کتابیں لوٹ کر یورپ پہنچا دی گئی۔ ان کے مدرسے بند کر دیئے گئے اور اوقاف پر قبضہ کر لیا گیا۔ ان کے اخبارات اور رسائل بند کر دیئے گئے اور ان کی جاگیریں، حویلیاں اور جائیدادیں ضبط کر لی گئیں۔

6-یورپین افواج میں اضافہ: جنگ کے بعد نصف کے قریب دیسی فوج برطرف کر دی گئی۔ 77 رجمنٹیں توڑ دی گئیں۔ بنگال کی فوج پنجاب کی فوج میں تبدیل کر دی گئی۔ یورپی افواج کی تعداد دیسی فوج سے زیادہ کر دی گئی۔ توپ خانہ مکمل طور پر یورپی فوج کے ہاتھ میں دے دیا گیا۔ فوجی نوعیت کے اہم مقامات پر صرف یورپی فوج تعینات کر کے اس کی تعداد دُگنی کر دی گئی۔ تمام اہم اور بڑے عہدوں پر صرف یورپی افسر مقرر کئے گئے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کی فوج کو برطانوی فوج میں مدغم کر دیا گیا۔ فوج کا کمانڈر ان چیف تاج برطانیہ کے ماتحت کر دیا گیا۔ دیسی افسروں کو برطرف کر دیا گیا۔ اعلیٰ ذات کے دیسی لوگوں اور اودھ، سندھ اور بنگال پر فوجی ملازمت کے دروازے بند کر دیئے گئے۔ مسلمان فوجیوں کو مختلف رجمنٹوں اور یونٹوں میں بانٹ دیا گیا۔

7-نوکر شاہی کا قیام: ہندوستان میں افسر شاہی (Beaurocracy) کا قیام عمل میں لایا گیا۔ نظم و نسق کے تمام تر اختیارات انگریز افسروں کے سپرد کر کے انہیں عوام کی تقدیر کا مالک بنا دیا گیا۔ افسر شاہی کا طبقہ جابر حکمران بن گیا۔ عوام پر ان کا رُعب چھا گیا اور بغاوت کے خدشات ختم ہو گئے۔ دفتری نظام پیچیدہ اور قوانین سخت کر دیئے گئے۔ نئے عدالتی نظام میں وکلاء کا نیا طبقہ وجود میں آ گیا۔ حصولِ انصاف مشکل اور مہنگا ہو گیا۔

8-نسلی تعصب میں اضافہ: انگریزوں نے نسلی تعصب اور امتیاز کی پالیسی پر زیادہ سختی سے عمل کرنا شروع کر دیا۔ دیسی لوگوں سے انہوں نے فاصلے بڑھا دیئے۔ وہ اپنی برتری جتانے کیلئے عام آبادیوں اور محلوں سے ہٹ کر سول لائنز میں بڑی بڑی کوٹھیوں اور بنگلوں میں رہنے لگے۔ یہاں سے کسی دیسی فرد کا گزر نہ ہو سکتا تھا۔ سول سروسز کے افسروں کی تنخواہ، مراعات اور گریڈ کئی گنا زیادہ ہوتے۔ کوئی دیسی فرد ان کے برابر نہ بیٹھ سکتا۔ بڑے سے بڑے دیسی شخص کو کسی گورے کے سامنے پیش ہونے سے پہلے اپنی ٹوپی، پگڑی اور جوتے کوٹھی کے احاطے کے باہر چھوڑنے پڑتے۔ ریلوے اسٹیشنوں عدالتوں اور دفاتر وغیرہ میں ان کی آمد و رفت کے راستے الگ کر دیئے گئے۔

9-عیسائیت کی تبلیغ: انگریزوں کی کامیابی اور ہندوستانیوں کی ناکامی کو پادریوں نے عیسائیت کی

فتح قرار دیا۔ اب عیسائیت کی تبلیغ کا طریق کار بدل دیا گیا۔ عیسائی مشنریوں نے اعلیٰ ترین معیار کے ہسپتال اور سکول و کالج قائم کیے۔ اب ان اداروں میں خدمتِ خلق کی آڑ میں عیسائیت کی تبلیغ کی جانے لگی۔ مذہبی امور کا محکمہ گورنر جنرل کے ماتحت کر دیا گیا۔ اس کے لیے مختص خفیہ فنڈز کا آڈٹ نہیں کیا جا سکتا تھا۔

10-غداروں کو انعامات: جن لوگوں نے اپنی مِلّت سے غداری کی، انگریزوں کے وفادار رہے اور دورانِ جنگ ان کے لیے سرگرمی سے جاسوسی کے فرائض سرانجام دیتے رہے تھے، انہیں بڑے بڑے نقد انعامات دیئے گئے۔ جو جاگیریں اور زمینیں مسلمانوں کی ضبط کی گئی تھیں، ان میں سے بڑی بڑی جاگیریں بطور انعام ان غداروں کو عطا کی گئیں۔ دیہاتوں میں ذیل داری اور نمبرداری نظام رائج کیا گیا۔ اپنے پٹھوؤں کو ان عہدوں سے نواز کر انہیں بھی زمینوں کے قطعات الاٹ کئے گئے۔ اس طرح دیہاتی لوگوں پر ان کو مسلّط کر کے حکومت کے شکنجے میں کس دیا گیا۔

11-ہندو مسلم اختلافات: جنگ آزادی کے بعد انگریزوں نے مسلمانوں سے ظالمانہ اور ہندوؤں سے مربّیانہ سلوک کی پالیسی اختیار کی۔ گو ہندو جنگ آزادی میں برابر کے شریک تھے۔ چونکہ یہ جنگ مسلمان بادشاہ کی حکمرانی کے نام پر لڑی گئی تھی اس لئے انگریز دانشوروں نے ہندوؤں کو محض مجبور تصور کر کے جنگ کی ساری ذمہ داری مسلمانوں پر ڈال دی۔ حکومت نے مسلمانوں کو کچلنے، دبانے اور ہر لحاظ سے پستی میں دھکیلنے اور ہندوؤں کو نوازنے، اوپر اٹھانے اور انہیں مسلمانوں پر مسلّط کرنے کی پالیسی پر سختی سے عمل کرنا شروع کیا۔ انگریز مورخین نے مسلم دورِ حکومت میں ہندوؤں پر فرضی مظالم کی داستانوں کو تاریخ کے صفحات کی زینت بنا کر دونوں قوموں میں نفرت کا بیج بو دیا۔ ہندوستان میں برطانوی جمہوری پارلیمانی نظام کی ترویج کیلئے لوکل باڈیز کا قیام عمل میں لایا گیا۔ ہندو اپنی عددی اکثریت کی وجہ سے ان اداروں میں نمائندگی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے جبکہ مسلمان مُنہ تکتے رہ گئے۔ اس سے دونوں قوموں میں حسد اور رقابت کے جذبات نے جنم لیا۔ دونوں قوموں میں پیدا ہونے والے اختلافات کی خلیج وقت کے ساتھ ساتھ وسیع ہوتی چلی گئی۔ یہ اختلاف کبھی ختم نہ ہو سکے۔ یہاں تک کہ ملک تقسیم ہو گیا۔

12-رعایا پروری کا وعدہ: یکم نومبر 1858ء کو ملکہ وکٹوریہ کا اعلان پڑھ کر سنایا گیا جس کے تحت تمام رعایا سے بلاتمیز مذہب و نسل یکساں سلوک کا وعدہ کیا گیا۔ سرکاری ملازمت اہلیت کی بنیاد پر دینے، مذہبی معاملات میں مداخلت نہ کرنے اور عوام بہبود کے لئے کوشش کرنے کا ذکر کیا گیا۔ اس اعلان کے باوجود بھی مسلمانوں سے ظالمانہ سلوک میں کمی نہ آسکی۔

13- دیسی ریاستوں کا تحفظ: دورانِ جنگ ریاستی حکمرانوں کی وفاداری اور خدمات کے پیشِ نظر انگریز سرکار نے دیسی ریاستوں کے بارے میں اپنی پالیسی یکسر تبدیل کر دی۔ انہیں پورا تحفظ فراہم کیا گیا۔ انہیں الحاق نہ کرنے، معاہدوں کی پاسداری کرنے اور متبنّی بنانے کی اجازت دینے کی یقین دہانی کرائی گئی۔ نوابوں اور راجاؤں کو سندیں، خطابات اور انعامات سے نوازا گیا۔ ان کے خراج میں کمی کر دی گئی اور قرضے معاف کر دیئے گئے۔

14- دستوری عمل کا آغاز: جنگ آزادی نے جہاں انگریز کی قابلیت اور جرأت کا ثبوت فراہم کیا وہاں اس کی برصغیر پر گرفت مضبوط کر دی۔ ہندوستان کے لوگ دوبارہ انگریزوں کے خلاف مسلح جدوجہد کا تصور بھی نہ کر سکے۔ تاہم برصغیر میں برطانیہ نے 1861ء سے دستوری عمل کا آغاز کر کر کے قسط وار آئینی اصلاحات نافذ کرنا شروع کیں جبکہ ہندوستانیوں نے آئینی حقوق کے لئے دستوری تحریک شروع کر دی۔ ہندوؤں اور مسلمانوں میں سیاسی بیداری کی کئی تحریکیں اٹھیں۔ حصول تعلیم کی جدوجہد شروع ہوئی۔ 1885ء میں آل انڈیا کانگرس اور اگلے سال محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس قائم ہوئیں۔ 1906ء میں آل انڈیا مسلم لیگ قائم ہوئی۔ نصف صدی کی سیاسی جدوجہد کے بعد مسلمانوں اور ہندوؤں کو آزادی ملی اور پاکستان کی شکل میں اسلامی ریاست ظہور پذیر ہوئی۔

جنگ آزادی میں ہندوستانیوں کی ناکامی اور انگریزوں کی کامیابی کے اسباب

1857ء کی جنگ آزادی میں عوام کو مکمل طور پر شکست اور انگریزوں کو کامل فتح حاصل ہوئی۔ اس کے اسباب مندرجہ ذیل ہیں۔

1- قبل از وقت جنگ کا آغاز: آزادی کے لئے باقاعدہ جدوجہد شروع کرنے کیلئے خفیہ تحریکیں جاری اور رمزیہ انداز میں پیغامات دیئے جا رہے تھے۔ بنگال میں سرخ کنول کا پھول اور یوپی میں چپاتیاں جنگ آزادی کی علامت کے طور پر گھوم رہی تھیں۔ جنگ کے لئے 22 جون 1857ء کا دن مقرر تھا۔ ابھی ایک ساتھ اور باقاعدہ جنگ شروع کرنے کا دن دور تھا کہ چربی والے کارتوسوں کی وجہ سے سپاہی اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکے اور بے وقت ہنگامہ شروع کر دیا۔ اس سے انگریزوں کو پیش بندی اور اپنے دفاع کی تکمیل کا وقت مل گیا۔ ولسن اور وہائٹ کہتے ہیں

''اگر جنگ مقررہ دن بیک وقت شروع ہو جاتی تو کمپنی اس پر قابو پانے میں کامیاب نہ ہو سکتی تھی۔''

2- منصوبہ بندی کا فقدان: جنگ کی منصوبہ بندی کی گئی نہ لوگوں کو تیار کیا گیا۔ کوئی پروگرام وضع کیا گیا نہ کوئی پالیسی مرتّب کی گئی۔ جنگ کا آغاز کب اور کہاں سے کیا جائے گا؟ فتح کیلئے کتنی فوج کی ضرورت ہوگی؟ یہ فوج کہاں سے آئے گی؟ اس کی تنخواہ، خوراک، رہائش اور نقل حرکت کا بندوبست، اسلحہ جات کی فراہمی اور تربیتی کیمپوں کا انتظام اور مختلف مقامات سے جنگی لیڈروں کے باہمی رابطے، کامیابی کے لیے اشد ضروری تھے۔ لیکن کوئی بھی انتظام نہ کیا گیا۔

3- باہمی اتحاد و اتفاق کی کمی: حریت پسندوں اور آزادی کے لیڈروں میں کوئی اتحاد تھا نہ اتفاق۔ دہلی میں بادشاہ اور جنرل بخت خاں متفق نہ تھے۔ لکھنؤ میں حضرت محل اور مولوی احمد اللہ میں کوئی ہم آہنگی نہ تھی۔ انگریز مخالف عناصر میں کوئی ہم رنگی نہ تھی۔ وہ سب ہندوستان کی آزادی کے لئے نہیں لڑ رہے تھے، بلکہ ان کے تحت الشعور میں اپنی اپنی عظمت اور حکمرانی کا جذبہ کام کر رہا تھا۔ مخالف عناصر وطنیت، قومیت اور وحدت کے تصور سے نا آشنا تھے۔ یہ آزادی حاصل کرنے کی بے ربط کوشش تھی جس کا کوئی نتیجہ نہ نکل سکتا تھا۔ دہلی کے لوگوں کو علم ہی نہ تھا کہ میرٹھ میں کیا ہوا۔ لکھنؤ والے پونا کے بارے میں لاعلم تھے۔ ایسی بے ربط اور بے جان کوششوں کی ناکامی یقینی تھی۔

4- قابل قیادت کا قحط: اس وقت ملکی سطح کا کوئی مسلّمہ لیڈر موجود نہ تھا اور نہ مطلوبہ سیاسی، عسکری اور انتظامی قابلیت کا حامل کوئی راہنما موجود تھا۔ حضرت محل، نانا صاحب، رانی لکشمی، احمد اللہ...... قومی قیادت ان کے بس کی بات نہ تھی۔ قوم بہادر شاہ ظفر پر متفق ہو سکتی تھی لیکن 82 سالہ مغل بادشاہ بوڑھا اور نااہل تھا۔ وہ اپنے اسلاف کی سی توانائیاں کھو چکا تھا۔ اس کے بیٹے احمق اور آرام پرست تھے۔ جنگ آزادی کی راہنمائی کے دعویداروں میں سے کسی میں بھی قیادت، موقع شناسی اور تنظیم و تحریک کی قابلیت موجود نہ تھی۔

5- بے مقصد جنگ: حریت پسندوں کی جدوجہد کا کوئی قومی مقصد نہ تھا۔ ہر گروہ کے پیشِ نظر اپنے مفاد اور مقاصد تھے۔ حضرت محل اودھ کی بادشاہت کی بحالی اور لکشمی بائی اپنی کھوئی ہوئی ریاست کی واپسی چاہتی تھی۔ نانا صاحب مذہبی پیشوائی کے خواب دیکھ رہا تھا۔ مجاہدین چربی دار کارتوسوں سے نجات چاہتے تھے۔ سارے لیڈر مٹتے ہوئے جاگیرداری نظام کی بحالی کے علمبردار تھے۔ گویا یہ جنگ آزادی نہ تھی بلکہ دم توڑتے ہوئے نظام کی انگڑائی تھی۔ برصغیر کا زوال پذیر معاشرہ اپنی عمر طبعی پوری کر چکا تھا۔ اس کے اندر کی توانائی دم توڑ چکی تھی۔ معاشرہ میں اخلاقی، دینی اور قومی کردار کی پستی گھر کر

چکی تھی۔ مجاہدین میں ملکی شعور تھا نہ قومی بیداری تھی۔ مجاہدین کو کمزور اور بوڑھے شاعر بادشاہ سے کیا دلچسپی ہو سکتی تھی۔ ہندوستان کی تمام قابل ذکر طاقتور اقوام مغلیہ شاہی پر کلہاڑے چلا چکی تھیں، اب انہیں تاج مغلیہ کے نام پر متحد نہیں کیا جاسکتا تھا۔ ہندوستان کے عوام کیلئے یکساں انسانی حقوق اور آزادی، اتحاد کی بنیاد بن سکتے تھے۔ لیکن حریت پسند انسانی حقوق اور آزادی کے مفہوم سے بے بہرہ تھے۔

6- تربیت کی کمی: مجاہدین آزادی میں جوش وخروش تو تھا لیکن وہ تربیت یافتہ نہ تھے۔ ان کے پاس انگریزوں جیسی فوجی تنظیم تھی اور نہ نظم وضبط تھا۔ مجاہدین کو انگریزوں کی طرح جنگوں اور فوجی مہمات کا کوئی تجربہ نہ تھا۔ انگریزوں کے پاس ہیولاک، آؤٹ ریم، ہنری لارنس، نکلسن، میجر ہڈسن، جنرل نیل، ہیو روز، سرکولن اور ایڈورڈز جیسے تجربہ کار جرنیل تھے۔ ان کی جنگ حکمت عملی بڑی عمدہ اور حالات کی نزاکت کے عین مطابق تھی۔ اس کے برعکس مجاہدین کو قابل، مستعد اور باصلاحیت جرنیل میسر نہ تھے، جوان میں یک جہتی پیدا کرتے، ان کو مہارت سے لڑاتے، جنگ کے موثر منصوبے بناتے اور بروقت ان پر عملدرآمد کرتے۔ اس کے مقابلے میں انگریز جرنیلوں نے ہر محاذ کو علیحدہ علیحدہ میدانِ جنگ بنایا اور رضا کاروں کی ٹولیوں کو الگ الگ شکست دی۔

7- محدود وسائل: مجاہدین کے پاس جنگ کیلئے بڑے محدود وسائل تھے۔ جنگ ان علاقوں میں لڑی گئی جن کے وسائل پر انگریز قابض تھے۔ مجاہدین کو شدید مالی مشکلات کا سامنا تھا۔ بہادر شاہ کو فوج کے لئے اپنی بچی کھچی نادر اشیاء فروخت کرنے کے علاوہ قرضہ بھی لینا پڑا۔ مجاہدین کے پاس بڑی تھوڑی مقدار میں پرانے اور فرسودہ ہتھیار تھے۔ ان کی طاقت ریاستوں کے معزول حکمران، مفلوک الحال شہزادے اور سابقہ جاگیردار تھے۔ اس کے برعکس انگریزوں کے پاس لوٹ کھسوٹ سے بھرا ہوا کمپنی کا خزانہ، سونا اگلتے ہندوستان کے بہترین زرعی علاقے، بہترین منظم فوج، جدید توپ خانہ اور وافر جدید فوجی اسلحہ، تیز رفتاری گاڑیاں، ریل اور ٹیلیگراف کا موثر مواصلاتی نظام، بحری قوت اور انگلستا ، مالدار ملک تھا۔ ان حالات میں حریت پسندوں کی کامیابی ناممکن تھی۔

8- ریاستی حکمرانوں اور بیرونی مدد سے محرومی: دورانِ جنگ ریاستوں کے حکمرانوں نے مجاہدین کے بجائے انگریزوں کی کھل کر فوجی اور مالی مدد کی۔ اودھ، پونا، جھانسی، پنجاب اور سندھ سمیت اکثر تخت باری باری ٹوٹ چکے تھے۔ وہ حریت پسندوں کی مدد کرنے کے قابل نہ رہے۔ جو بچ رہے وہ کمپنی کا دم بھرنے لگے۔ سکھ ریاستوں، نظام دکن اور دیگر نوابوں اور راجاؤں نے نہ صرف اپنی فوجیں ان کے حوالے کر دیں بلکہ خزانوں کے مُنہ کھول دیئے۔ ایران اور افغانستان نے بھی بے حسی کا مظاہرہ کیا اور مجاہدین کی مدد نہ کی۔

9- فاش غلطیاں: جنگ کے حوالے سے حریت پسندوں کی بڑی بڑی اور مہلک غلطیوں نے انہیں شکست سے ہمکنار کر دیا۔ قبل از وقت جنگ کا بے سوچے سمجھے آغاز کر دینا پہلی فاش غلطی تھی۔ میرٹھ جیسی چھاؤنی کا قبضہ چھوڑنا، جہاں سے دوسری چھاؤنیوں اور دہلی سمیت اہم علاقوں سے رابطہ رکھا جاسکتا تھا، اُن کی دوسری بڑی غلطی تھی۔ لاہور اور کلکتہ کے درمیان ریل اور تار کے نظام تباہ نہ کرنا اور اس پر قبضہ کر کے خود استعمال نہ کرنا ایک اور مہلک غلطی تھی جس کا ازالہ ناممکن تھا۔ کاشتکاروں، مزارعین اور دیہاتی طبقہ میں تحریک پیدا نہ کرنا اور انہیں جنگ میں شامل نہ کرنا حریت پسندوں کی بہت بڑی غلطی تھی۔

10- گورکھا فوج، سکھوں اور ہندوؤں کا رویہ: نیپال کے گورکھا سپاہیوں نے ہر محاذ پر انگریزوں کی کامیابی کے لئے بڑی وفاداری سے بنیادی کردار ادا کیا۔ یہ ہندو ہی تھے جنہوں نے بنگال کو انگریزوں کے لئے فتح کیا تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ جنگ میں حریت پسندوں کی کامیابی کا صاف مطلب مسلمانوں کی حکمرانی تھا۔ وہ مجموعی طور پر دل وجان سے اس جدوجہد میں شریک نہ ہوئے۔ ابھی آٹھ سال پہلے کمپنی نے سکھوں کو شکستیں دے کر اور حیلے بہانے کر کے پنجاب میں سکھ حکومت کا خاتمہ کیا تھا۔ اس کے باوجود سکھ فوج، سکھ ریاستوں اور عام سکھوں نے انگریزوں کی بھرپور مدد کی۔ شاید وہ اورنگزیب کے ہاتھوں گورو تیغ بہادر اور فرخ سیر کے ہاتھوں بندہ بیرگی کے قتل کو بھلا نہ پائے تھے۔

سکھوں کی مدد اور تعاون کے بغیر انگریز دہلی پر قبضہ نہ کر سکتے تھے۔ نہ وہ جنگ میں فتح حاصل کر سکتے تھے۔ پنجاب نے جنگ آزادی میں حصہ نہ لیا۔ اس صوبے سے تمام فوج دیگر جنگی علاقوں میں بھیج دینے کے باوجود بھی یہاں امن وامان رہا۔ اس لحاظ سے پنجاب کا کردار فیصلہ کن ثابت ہوا۔

11- جنگ کریمیا کا خاتمہ: 1857ء میں چین کے محاذ سے برطانوی فوجیں فارغ ہو چکی تھیں۔ روس کو شکست ہو چکی تھی۔ جنگ کریمیا ختم ہو چکی تھی۔ اس کے ساتھ ہی یورپ سے دھڑا دھڑ برطانوی فوجیں ہندوستان پہنچنا شروع ہو گئیں۔ جب سرکولن نے لکھنؤ کی طرف بڑھنا چاہا تو اس وقت 23 ہزار برطانوی سپاہ کلکتہ، مدراس اور بمبئی کے ساحلوں پر اتر چکی تھی۔ علاوہ ازیں سلطنت کے ہر حصے سے ایک لاکھ بارہ ہزار برطانوی فوج بلالی گئی اور تین لاکھ دس ہزار دیسی سپاہی بھرتی کیے گئے۔ اس سے انگریزوں کا پلّہ بھاری ہو گیا اور انہوں نے انقلابیوں کو ہر طرف سے گھیر لیا۔

12- مِلّت کے غدّاروں کا کردار: برصغیر میں انگریز کے وفاداروں جاسوسوں، ملت فروشوں اور بے ضمیروں کی کوئی کمی نہ تھی۔ سرونیکا راؤ اور سالار جنگ نے گوالیار اور دکن میں امن وامان قائم رکھا۔ اگر یہ دونوں انگریز وفاداری کا دم نہ بھرتے تو جنگ کا نتیجہ انگریزوں کے حق میں نہ ہوسکتا تھا۔ سرکاری ملازمین اور یورپی مصنوعات کے مقامی تاجر بھی سازشوں میں شریک رہے۔ جنگ آزادی کی ناکامی

میں مرزا الٰہی بخش، حکیم احسن اللہ اور مولوی رجب علی جیسے دوست نما دشمنوں کا بڑا ہاتھ تھا۔ انگریز جاسوس پل پل کی خبریں پہنچاتے اور مجاہدین کی کمزوریوں سے انگریزوں کو آگاہ کرتے رہے۔ ان غداروں سے انگریزوں کو جو مدد ملی وہ حریت پسندوں کیلئے تباہ کن ثابت ہوئی۔

13- شیخ الاسلام کا فتویٰ: ترکی کا سلطان عالمِ اسلام کا خلیفہ تھا۔ مسلمان اس سے قلبی لگاؤ اور عقیدت رکھتے تھے۔ وہ اپنے سیاسی وجود کی بقا کے لئے روس کے مقابلے میں برطانیہ کی فوجی مدد کا محتاج تھا۔ برطانیہ نے ترکی کے شیخ الاسلام سے فتویٰ حاصل کرلیا کہ ہندوستانیوں کا خلیفہ کے دوست برطانیہ سے لڑنا دینی مصلحت کے خلاف ہے۔ اس فتویٰ کی تشہیر سے سادہ لوح عوام میں غلط فہمیاں پیدا ہوگئیں اور انہوں نے مجاہدین کی مدد سے ہاتھ روک لیا۔

14- مجاہدین کا کردار: جنگ آزادی کے متوالے انقلابیوں جیسا کردار ادا کرنے سے قاصر رہے۔ میرٹھ سے دہلی پہنچ کر انہوں نے بہادر شاہ ظفر کی بادشاہت کا اعلان کردیا۔ جب بادشاہ نے ہچکچاہٹ محسوس کی تو انہوں نے کہا کہ:

''اگر یہ بڈھا نہیں مانتا تو نہ مانے، ہم جس کے سر پر جوتا رکھ دیں گے وہی بادشاہ ہوگا۔''

انہوں نے اہل دہلی کو اعتماد میں نہ لیا۔ عوام اس جنگ کو حکومت اور سپاہیوں کا ذاتی مسئلہ سمجھتے رہے۔ حریت پسندوں نے دہلی میں بنک اور دوکانیں لوٹیں۔ انگریز بچوں اور عورتوں کے علاوہ مقامی عیسائیوں اور ہر اس فرد کا قتل کیا جو انگریزی لباس پہنے ہوئے تھا۔ انگریزی زبان جانتا تھا یا جس پر انگریز جاسوس ہونے کا شُبہ گزرا۔ مجاہدین چار ماہ تک دلی پر قابض رہے لیکن اس عرصہ میں دہلی کو امن و سکون نصیب نہ ہوسکا۔ انہوں نے آزادی، اخوت اور مساوات سے لوگوں کے دلوں کو نہ گرمایا۔ اسلحہ سازی کے کارخانے نہ کھولے۔ رضا کار بھرتی کئے نہ قومی فوج تیار کی۔ بلکہ عوام کو جی بھر کر لوٹا۔ انقلابی پروگرام کی عدم موجودگی اور لوٹ مار کی گرم بازاری میں نہ تو مجاہدین کے لئے ہمدردی کے جذبات پرورش پاسکتے تھے نہ کامیابی حاصل ہوسکتی تھی۔

جنگ آزادی کے بعد مسلمانوں کی حالت

ماضی کی ایک جھلک: ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں نے اپنی ہزار سالہ حکمرانی میں اسلام کی اشاعت و تبلیغ کیلئے براہ راست کوئی اقدام نہ کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک میں جمہوریت کے نفاذ کے وقت جب سروں کی گنتی ہوئی تو وہ آبادی کا صرف 23 فیصد تھے۔ مسلم حکمرانوں نے ہندوؤں کے معاملہ میں اس قدر فیاضی کا مظاہرہ کیا کہ دیہاتوں میں تمام تر مالی اور زرعی نظام ہندو مُکھیوں اور چوہدریوں

کے ہاتھ میں دیئے رکھا۔ ہندوؤں کو صوبوں کا والی اور افواج کا کمانڈر بنایا۔ دربار میں انہیں عہدے عطا کیے۔ ان کے سودی کاروبار کو تحفظ دیا۔ ان پر صرف شرعی ٹیکس عائد کئے جو بہت ہلکے تھے۔ اس سے ان کی دولت ووقار اور اثر واقتدار میں بے حد اضافہ ہوا۔ ضیاءالدین برنی لکھتے ہیں کہ:

''دارالسلطنت میں ہندو ایسے مکان بناتے ہیں جیسے محل۔ وہ زری کے لباس پہنتے ہیں۔ عرب گھوڑوں پر سواری کرتے ہیں۔ جن کی زینوں پر نقرئی اور طلائی کام ہوتا ہے۔ وہ ایسے تمغے لگاتے ہیں جو عظمت کا نشان ہیں۔ وہ عیش وعشرت سے زندگی بسر کرتے ہیں۔ وہ مسلمانوں کو نوکر رکھتے ہیں جو ان کے گھوڑوں کے آگے آگے دوڑتے ہیں اور غریب مسلمان ان کے محلات کے دروازے پر بھیک مانگتے ہیں''۔ [2]

لیکن اس حُسن سلوک کے باوجود ہندو اپنے دل میں مسلمانوں کے خلاف حسد ورقابت کے جذبات پروان چڑھاتے رہے۔

انگریز کی مسلم کش پالیسی: ''جنگ پلاسی 1757ء کے بعد انیسویں صدی کے آخر تک انگریزوں نے جو بھی قدم اٹھایا وہ مسلمانوں کے لئے بدسے بدتر حالات پر منتج ہوا''۔ [3]

امین زبیری لکھتے ہیں کہ:

''1765ء میں کمپنی مغل بادشاہ سے تین صوبوں بنگال، بہار اور اڑیسہ کی دیوانی حاصل کر چکی تھی۔ لہٰذا اسے یہ اختیار حاصل تھا کہ چھوٹے بڑے ہر درجے کے زمیندار کی رقم مال گزاری معین کرے۔ 1818ء میں قانون بازگشت نافذ کیا گیا جس سے لاخراج زمینوں پر کمپنی کو تصرف حاصل ہوگیا۔ اس قانون کے نفاذ کے وقت بنگال میں 95% مسلمان زمیندار تھے لیکن اس کے نفاذ کے بعد دس سال کے عرصے میں تناسب بالکل برعکس ہوگیا اور مسلمان زمینداروں کی تعداد 5% رہ گئی''۔ [4]

''1793ء میں بنگال کے دوامی بندوبست نے ہندوؤں کو بڑے زمینداروں کے مقام پر فائز کردیا''۔ [5]

بنگال میں جاگیروں کی ضبطی کا یہ نتیجہ نکلا کہ ''ہماری ملت کے سینکڑوں شریف آدمی اور خوشحال خاندان نان شبینہ کے محتاج ہوگئے اور ہماری قوم کے ہزاروں افراد بے کسی و مفلسی میں دربدر پھرنے لگے۔ سینکڑوں گھرانوں نے شہروں کو خیرباد کہہ کر دیہاتوں میں سکونت اختیار کر کے کاشتکاری پر قناعت کرلی''۔ [6]

2- پاکستان ناگزیر تھا از حسن ریاض صفحہ 13
3- چوہدری محمد علی ظہور پاکستان صفحہ 15
4- سیاست ملّیہ امین زبیری صفحہ 28
5- ظہور پاکستان صفحہ 17
6- خطبہ صدارت عبدالرحیم اجلاس مسلم لیگ 1925ء، بحوالہ امین زبیری صفحہ 34,33

لارڈ میکالے نے اپنی تعلیمی یادداشت میں لکھا کہ نئے تعلیمی نظام کا مقصد ایسے افراد کا طبقہ پیدا کرنا ہے جو خون اور رنگ کے اعتبار سے ہندوستانی ہوں گے۔ لیکن ذوق اور فکر و نظر، اخلاق اور حکمت و دانش میں انگریز ہوں گے۔ [7]

لارڈ الّبرا گورنر جنرل 1842ء میں اس پالیسی کا آغاز کر چکا تھا کہ مسلمانوں کو ہرگز ابھرنے نہ دیا جائے۔.........اس نے ڈیوک آف ولنگٹن کو لکھا کہ

''ہندو ہماری فتح پر اظہارِ مسرت کر رہے ہیں۔ جب ہمیں مسلمانوں کی انگریز دشمنی کا یقین کامل ہے، جن کی تعداد 1/10 ہے تو پھر ہم کیوں نہ اس قوم کا ساتھ دیں جن کی تعداد 9/10 ہے اور ہماری وفادار ہے۔''

پھر 1843ء میں لکھتا ہے کہ.........

''میں اس عقیدے کے خلاف کیسے آنکھیں بند کرلوں کہ مسلمانوں کی یہ نسل دیوانہ وار ہماری دشمن ہے۔ اس لئے ہماری صحیح پالیسی یہ ہے کہ ہندوؤں کے ساتھ مہربانی کی جائے''۔ [8]

ہندو نئے نظام میں شامل: رام گوپال نے لکھا کہ

''ہندو نہایت مسرت کے ساتھ سرکاری ملازمت میں دھڑا دھڑ شامل ہونے لگے اور انہوں نے انگریزوں کو اپنا بہت بڑا محسن تسلیم کرلیا۔'' [9]

کامل استقلال کے ساتھ ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنی اس پالیسی کو جاری رکھا جس کا واحد مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کی حالت کو روز بروز بد سے بدتر بنایا جائے۔ یہ طرزِ عمل انیسویں صدی کے ابتدائی دور تک اپنی تمام مصیبتوں اور کوششوں کے ساتھ باقی رکھا گیا یہاں تک مسلمان بحیثیت قوم ملیامیٹ ہو گئے۔ [10]

جنگِ آزادی یا غدر

1857ء میں ہونے والی معرکہ آرائی کو انگریز نے غدر، بغاوت، سرکشی اور ہنگامہ قرار دیا جبکہ قوم پرستوں نے اسے جنگِ آزادی سے تعبیر کیا ہے۔

انگریزوں کا نقطہ نظر: سر جان لارنس کا خیال ہے کہ

''جنگ کا سبب سوائے چربی دار کارتوس کے اور کچھ نہ تھا۔''

7- ظہورِ پاکستان صفحہ 15   8- سیاست ملّیہ امین زبیری صفحات 29-30   9- ظہورِ پاکستان صفحہ 16

10- صدارتی خطبہ مولوی فضل الحق مجلس استقبالیہ اجلاس مسلم لیگ کلکتہ 1938ء امین زبیری صفحہ 28

جان سیلی کہتا ہے کہ

''یہ تمام تر غیر محبّ وطن اور خود غرض سپاہیوں کی بغاوت تھی.........عوام نے ان کا ساتھ نہ دیا۔''

آؤٹ رم کے بقول جنگِ آزادی مسلمانوں کی سازش کا نتیجہ تھی۔ انہوں نے ہندوؤں کی شکایات سے فائدہ اٹھایا.........یہ مقبول عام بغاوت کی شکل اختیار نہ کر سکی۔''

پروفیسر پی۔ ای۔ رابرٹس کی رائے ہے کہ ''غدر خاص طور پر فوجی نوعیت کا تھا۔''

بھاسن اور گیریٹ کہتے ہیں کہ

''پاک و ہند کے عوام کی جرأت اور قابلیت کی ہتک ہوگی اگر یہ کہا جائے کہ یہ غدر منظم تحریک تھی، کیونکہ اسے ایک معمولی سی فوج نے کچل دیا۔''

غدر نام دینے کی وجہ: انگریزوں نے اس جنگ کو غدر کا نام دیا۔ جنگ کے بعد اندھا دھند قتل و غارت، بربریت اور درندگی سے خوف اور دہشت کی فضا پیدا ہوگئی تھی۔ اس فضا میں سہمی ہوئی رعایا اس تحریک کی نوعیت کے بارے میں اپنی آزادانہ رائے کا اظہار نہ کر سکی۔ انگریزوں کے دبدبہ کے باعث انہوں نے بھی اسے غدر کہنے پر اکتفا کیا۔ لیکن جوں ہی خوف و جبر کی فضا تبدیل ہوئی اور آزادی کی منزل قریب آئی تو قوم پرستوں نے اسے اصرار کے ساتھ جنگِ آزادی کا نام دیا۔

غدر نہیں جنگِ آزادی: قوم پرستوں کے علاوہ کئی حقیقت پسند انگریز سیاستدان، دانشور اور مصنفین بھی اسے غدر کے بجائے آزادی حاصل کرنے کی کوشش قرار دیتے ہیں۔ اس تحریک کا تاریخی تناظر میں اگر بے لاگ مطالعہ اور تجزیہ کیا جائے تو درج ذیل تاریخی شہادتیں اس واقعہ کو بجا طور پر جنگِ آزادی ثابت کرتی ہیں۔

1- کمپنی کے وفادار غدار کہلائے: جن ہندوستانیوں نے بھی کمپنی کا ساتھ دیا، ان سے وفاداری کی یا اس کے لیے جاسوسی کی، انہیں ملت فروش اور غدارانِ وطن کا نام دیا گیا۔ انہیں نفرت و حقارت سے دیکھا گیا۔ بقول اشوک مہتہ

''وہ معاشرے میں ذلیل و خوار ہوئے۔''

2- عوام کی شرکت: یہ کہنا تاریخی حقائق سے صریحاً انحراف ہے کہ یہ ہنگامہ صرف دیسی سپاہ تک محدود تھا اور اس میں عوام نے حصہ نہ لیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ کروڑوں عوام نے نہ صرف اس میں پُرجوش حصہ لیا بلکہ بہت سے مقامات پر شہریوں نے سپاہیوں کو بغاوت پر اکسایا۔ لارڈ بسری نے دارالعوام میں کہا کہ:

"یہ کیسے تسلیم کرلیا جائے کہ اتنی وسیع اور زبردست تحریک صرف کارتوسوں کی وجہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔"

حقیقت کا انکشاف کرتے ہوئے لندن کے ایک اخبار نے لکھا کہ "اگر بے اطمینانی صرف سپاہیوں تک محدود ہے اور عوام ہمارے ساتھ ہیں تو سمجھ میں نہیں آتا کہ حکومت کیوں بار بار انگریزی فوج طلب کر رہی ہے اور تارپر تار کھڑکاتی ہے۔"

3-مذہبی اور قومی جنگ: اس جنگ کی نوعیت کا تعین کرتے ہوئے جسٹس کارتھی نے لکھا تھا کہ

"سچ تو یہ ہے کہ ہندوستان کے زیادہ تر حصے میں ہندوستانی قومیں انگریزی طاقت کے خلاف اٹھ کھڑی ہوئیں............وہ ایک مذہبی اور قومی جنگ تھی۔"

4- کمپنی سے عوام کا تعاون: ملک کے تقریباً تمام مقامات پر عوام نے کمپنی سے علیحدگی اختیار کئے رکھی اور بیشتر لوگوں نے کمپنی کی حکومت سے تعاون نہ کیا۔ جنرل ہیولاک کو دریا عبور کرنے کیلئے کشتیاں اور ملاح نہ مل سکے۔ کانپور کے مزدوروں پر انگریزوں نے دباؤ ڈالا لیکن وہ رات کی تاریکی میں فرار ہوگئے۔ اس کا صاف مطلب تھا کہ عوام انگریزوں سے بیزار ہیں۔

5- منظم جدوجہد: گو آزادی پسندوں میں باہم رابطہ کا موثر نظام قائم نہ ہوسکا لیکن بلاشبہ یہ ایک منظم جدوجہد تھی۔ جو ملک کے وسیع حصے کے طول و عرض میں پھیل گئی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اس آگ کو ٹھنڈا کرنے میں حکومت کو ڈیڑھ سال لگ گیا۔ خود وائسرائے ہند لارڈ کیننگ اس کو منتشر بغاوت کے بجائے منظم جدوجہد کہتا ہے۔

6- مسلمانوں اور ہندوؤں میں ہم آہنگی: جنگ کی قومی نوعیت کی یہ ایک بڑی شہادت ہے کہ اس کے ذریعے ہندوستان کی دونوں بڑی قوموں، مسلمانوں اور ہندوؤں نے باہم مل کر آزادی حاصل کرنے کی کوشش کی۔ دورانِ جنگ دونوں میں مکمل ہم آہنگی اور تعاون برقرار رہا۔ یہاں تک کہ فرنگیوں کی دونوں قوموں میں پھوٹ ڈالنے کی تمام کوششیں ناکام رہیں۔

7- مغل بادشاہ کی مصالحانہ کوشش: بہادر شاہ نے انگریزوں سے آزادی حاصل کرنے کیلئے ہندوؤں کے بارے میں کئی مصالحانہ اقدامات کیے۔ اس نے گائے کی قربانی کی ممانعت کردی۔ راجپوتانہ کے راجاؤں کو اس نے فرنگیوں کو ملک سے باہر نکال دینے کے بدلے شاہی اختیارات "ریاستی اور شاہی شہزادوں کے میثاق" کے حوالے کرنے کی پیشکش کی۔

8-بادشاہ سے اعلانِ وفاداری: باغی فوجوں کا مغل بادشاہ کو اپنا لیڈر تسلیم کرنا، تاج وتخت کی بحالی

کا اعلان، مسلمانوں اور نانا صاحب کے بادشاہ سے اعلانِ وفاداری، آزادی کے بیشتر لیڈروں کی دلی کے تاج کی بحالی کوششوں میں شرکت۔ یہ تمام حقائق اس بات کا ثبوت ہیں کہ یہ ایک قومی جنگ تھی، غدر نہ تھا۔

9-غیر ملکی اقتدار کے خاتمہ کی خواہش: مغل بادشاہ نے راجاؤں کے نام اپنے خط میں تحریر کیا کہ "میری پرجوش آرزو ہے کہ ملک بالکل آزاد ہوجائے"۔ اشوک مہتہ نے اپنے کتابچہ "1857ء کی عظیم بغاوت" میں لکھا ہے کہ:

"حریت پسندوں نے ان زنجیروں کو کاٹنے کی کوشش کی جنہوں نے پاک و ہند کو جکڑا ہوا تھا............انہوں نے ملک کو آزاد کرانے کیلئے جنگ آزادی میں حصہ لیا۔"

10- عوامی بے چینی اور انگریز سے نفرت: دیسی فوج اور عوام کو مذہبی معاشرتی، معاشی اور سیاسی حوالے سے کمپنی کی حکومت سے بے شمار شکایات تھیں۔ وہ بے حد بے چین اور مضطرب تھے۔ انہیں انگریزوں سے سخت نفرت تھی۔ بقول جسٹس کارتھی:

"چربی دار کارتوس کا جھگڑا صرف ایک چنگاری تھا جو اچانک سارے بارود پر آن گرا۔"

برطانوی وزیر اعظم ڈزرائیلی نے 27 جولائی 1857ء کو کہا کہ "مجھے یہ کہنے میں ذرا بھی تامل نہیں کہ مخصوص فوجی تکلیف کی بنا پر بغاوت نہیں ہوئی بلکہ فوجی در پردہ ملک کی عام سیاسی بے چینی کی حمایت میں اُٹھ کھڑے ہوئے تھے۔"

سرسید احمد خاں نے رسالہ اسباب بغاوت ہند میں لکھا کہ "کوئی خاص بات عام سرکشی کا باعث نہیں ہوسکتی۔ 1857ء کی سرکشی میں بھی یہی کچھ ہوا کہ بہت سی باتیں جو ایک مدت سے لوگوں کے دلوں میں جمع ہوتی جاتی تھیں اور بہت بڑا میگزین جمع ہوگیا تھا"۔

پی۔ ای۔ رابرٹس کہتا ہے کہ "یہ واقعہ ایسے وقت رُونما ہوا جب ملک میں مختلف اسباب کی بنا پر سیاسی اور معاشرتی بے چینی پھیلی ہوئی تھی۔"

11- قائد جنگ کمپنی کے ملازم نہ تھے: جنگ آزادی کے ہیرو مولانا احمد اللہ شاہ، مولوی لیاقت اللہ خان، غلام غوث، نانا فرنویس، تانتیا توپے، رانی لکشمی بائی اور ملکہ زینت محل، آزاد ملک کے آزاد شہری اور آزادی کی جدوجہد کے لیڈر تھے۔ وہ کمپنی کے ملازم نہ تھے کہ ان کی آزادی کی کوششوں اور غیر ملکی اقتدار کے خاتمہ کی جدوجہد کو بغاوت اور سرکشی کا نام دیا جائے۔

12- عوام کو سزائیں کس لئے: سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ صرف فوجی بغاوت تھی اور عوام کو اس سے کوئی سروکار نہ تھا تو کیوں پھر عوام کو سخت سزائیں دی گئیں؟ کیوں لاکھوں کی تعداد میں ان کا قتل

عام کیا گیا؟ گاؤں کے گاؤں کس جرم کی پاداش میں جلا دیئے گئے؟ کیوں جنگ کے حق میں فتویٰ دینے والے علماء کو سینکڑوں کی تعداد میں پھانسیاں دی گئیں؟

13- قابلِ فخر کارنامہ: عام روش یہ ہے کہ آزادی حاصل کرنے کی جدوجہد اگر کامیاب ہو جائے تو یہ مقدس جنگ قرار دی جاتی ہے۔اس کے قائدین کو ہیرو اور مقتولین کو شہداء کا درجہ دیا جاتا ہے۔لیکن ناکامی کی صورت میں فاتح اسے غدر اور شرکائے جنگ کو باغی ٹھہراتا ہے۔سوال یہ ہے کہ اگر ہندوستان کے لوگ برطانیہ جا کر تجارت کی آڑ میں مکاری اور عیاری سے برطانیہ پر قبضہ کر لیتے اور برطانیہ ان سے خلاصی پانے کیلئے جدوجہد کرتا تو انگریز اسے کیا نام دیتے؟ جنگ آزادی، غدر یا بغاوت؟

حسن ریاض "پاکستان ناگزیر تھا" کے صفحہ 22 پر لکھتے ہیں کہ:

"انگریزوں کے خلاف جنگ کرنے کیلئے عوام کو صرف یہ سبب کافی تھا کہ انگریزوں نے بدعہدی، سازش اور فریب سے ہندوستان پر قبضہ کیا اور ان کو حکومت، آزادی اور اختیار سے محروم کر دیا۔اپنی گئی ہوئی آزادی اور خودمختاری واپس لینے کے لئے اگر کوئی قوم ایسی طاقت کے خلاف جدوجہد کرے تو یہ قابلِ عذر یا بغاوت نہیں بلکہ قابلِ فخر (کارنامہ) ہے۔"

قانون حکومتِ ہند 1858ء

پس منظر: ہندوستان جیسے بڑے ملک کا نظم ونسق انڈیا کمپنی کے ہاتھ میں تھا،اس کے خلاف برطانوی عوام میں شدید ردِعمل کے پیش نظر 1853ء میں ایک ایکٹ نافذ کیا گیا جس کے تحت گورنر جنرل کی چھ رکنی کونسل (گورنر جنرل، کمانڈر انچیف اور کونسل کے چار ارکان) میں مزید چھ قانون ساز ارکان شامل کئے گئے۔(ان میں چار صوبوں کے نمائندے، ایک چیف جسٹس اور ایک جج ہوتا تھا)اس کے ساتھ ہی یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ برطانوی حکومت جب چاہے برصغیر کا انتظام سنبھال سکتی ہے۔

ایسٹ انڈیا کمپنی اپنے کارناموں پر فخر کرتی تھی کہ اس نے ہندوستان کو نہ صرف فتح کیا ہے بلکہ 1857ء کی خطرناک بغاوت کو کچل کر رکھ دیا ہے۔اس لئے برصغیر کا انتظام اسی کے ہاتھ میں رہنا چاہیئے۔لیکن برطانوی وزیراعظم لارڈ پامرسٹن نے پارلیمنٹ میں ایک مسودہ قانون پیش کرتے ہوئے کہا کہ:

"ہمارے سیاسی نظام کا اصول یہ ہے کہ نظم ونسق کے تمام امور وزراء کی ذمہ داری پر انجام دیئے جاتے ہیں جو پارلیمنٹ کے سامنے جوابدہ ہوتے ہیں۔"[11]

-11- کمپنی کی حکومت صفحہ 302

اہم خدوخال: وزیراعظم کا پیش کردہ بل پارلیمنٹ نے پاس کر دیا۔2 اگست کو اس پر شاہی دستخط ہو گئے۔ یہ قانون حکومت ہند 1858ء کہلاتا ہے۔اس کے اہم خدوخال مندرجہ ذیل ہیں:۔

1- کمپنی کی حکومت کا خاتمہ: اس ایکٹ نے کمپنی کے سارے اختیارات تاجِ برطانیہ کو منتقل کر کے ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت کا خاتمہ کر دیا۔

2- وائسرائے ہند کا تقرر: قانون 1858ء میں کہا گیا کہ کمپنی کے تمام مقبوضات پر ملکہ برطانیہ کی طرف سے وائسرائے حکومت کرے گا۔صوبوں کے لئے اس کی حیثیت گورنر جنرل اور دیسی ریاستوں کے لئے وائسرائے (نائب سلطنت) کی تھی۔

3- وزیر امور ہند: بورڈ آف کنٹرول اور کورٹ آف ڈائریکٹرز کو توڑ کر اس کی جگہ وزیر امور ہند (Sectratary of State for India) کا عہدہ قائم کیا گیا۔وزیر امور ہند برطانوی پارلیمنٹ اور کابینہ کا رکن ہوتا تھا۔اس کی مدد کیلئے ایک پارلیمانی انڈر سیکرٹری مقرر کیا گیا جو انڈیا آفس کا انچارج ہوتا تھا۔نیز اس کی معاونت کے لئے ایک انڈیا کونسل قائم کی گئی۔

4- انڈیا کونسل کا قیام: ایک 15 رکنی انڈیا کونسل تشکیل دی گئی۔اس کے آٹھ ارکان تاج برطانیہ اور سات ارکان سابق کورٹ آف ڈائریکٹرز نامزد کرتا تھا۔یہ سات تاحیات ارکان تھے، بعدازاں ان کی میعاد دس سال کر دی گئی۔ان میں سے کسی رکن کے استعفے یا موت کی صورت میں نئے رکن کا انتخاب کونسل کے باقی ارکان کرتے تھے۔کونسل کے ارکان کیلئے ضروری تھا کہ انہوں نے ہندوستان میں کم از کم دس سال قیام کیا ہوا اور انہیں اپنی تقرری کے وقت ہندوستان چھوڑے ہوئے دس سال سے زیادہ عرصہ نہ گزرا ہو۔یہ کونسل ریٹائرڈ سرکاری افسران پر مشتمل تھی۔

5- وزیر ہند کے اختیارات: وزیر ہند کو وسیع اختیارات حاصل تھے۔وہ کونسل کی صدارت کرتا تھا۔ اس کا اجلاس ہفتے میں دو بار ہوتا تھا۔وزیر ہند کا ووٹ فیصلہ کن ہوتا تھا۔بہتر نظم ونسق کیلئے وہ کونسل کے ارکان پر مشتمل کمیٹیاں بنا سکتا تھا۔مالی امور کے سوا اسے کونسل کے فیصلوں کو مسترد کرنے کا اختیار حاصل تھا۔وہ کونسل کو اعتماد میں لئے بغیر گورنر جنرل سے خفیہ طور پر پیغام رسانی کر سکتا تھا۔وزیر ہند برصغیر کی کل آمدن کا 20 فیصد انگلستان میں خرچ کرنے کا مجاز تھا۔

6- انڈیا کونسل کے اختیارات: انڈیا کونسل کی حیثیت ایک مشاورتی ادارے کی تھی۔پھر بھی پاک وہند کے مالی اور انتظامی امور پر اسے وسیع اختیارات حاصل تھے۔80 فیصد مالی امور پر وزیر ہند کو کونسل کے فیصلوں اور گورنر جنرل کے مشوروں پر عمل کرنا پڑتا تھا۔کونسل خزانے کی رقمیں مختلف امور کے لئے

مخصوص کرسکتی تھی۔ سرپرستی کرنے، سمجھوتے کرنے، پاک و ہند کی حکومت کی طرف سے خرید و فروخت کرنے اور حکومت ہند کی جائیداد کے متعلق تمام معاملات میں کونسل کی اکثریتی رائے پر عمل کرنا ضروری تھا۔ کونسل کو اعلیٰ انتظامی اور فوجی افسران کے تقرر کیلئے سروس کمشن کے قیام کا پورا اختیار دیا گیا۔ وہ ان افسران کی ترقی، تنزلی اور برطرفی وغیرہ کے متعلق قواعد و ضوابط وضع کرسکتی تھی۔ برطانوی حکومت کی تبدیلی کونسل پر اثرانداز نہ ہوسکتی تھی۔

7- تنخواہیں اور مراعات: کونسل کے ارکان کو 1500 پونڈ سالانہ تنخواہ ملتی تھی۔ انہیں پنشن بھی ملتی تھی۔ وزیر امور ہند اور اس کے تمام عملے کی تنخواہ ہیں اور انڈیا آفس کے جملہ اخراجات پاک و ہند کے خزانے سے ادا کیے جاتے تھے۔

8- سول سروسز: سول سروسز کے اعلیٰ افسران کے تقرر کیلئے ایک سول سروس کمشن تشکیل دیا گیا۔ اس کمشن کے تحت مقابلے کے امتحان ہوتے تھے۔ ابتداء میں یہ امتحان لندن میں ہوتے تھے۔ امیدوار کیلئے عمر کی حد زیادہ سے زیادہ 21 سال تھی۔ اعلیٰ سول و فوجی افسران پر وزیر ہند کو پورا کنٹرول حاصل تھا۔

9- دفاعی اخراجات: شدید ہنگامی صورتحال کے علاوہ پاک و ہند کے خزانے سے کوئی رقم برصغیر سے باہر فوجی مقاصد کے تحت استعمال نہیں کی جاسکتی تھی۔ اس کے لئے بھی برطانوی پارلیمنٹ کی اجازت ضروری قرار دی گئی۔

10- افواج کا انضمام: اس ایکٹ کے تحت ایسٹ انڈیا کمپنی کی تمام بری اور بحری افواج ملکہ برطانیہ کو منتقل کرکے برطانوی افواج میں ضم کردی گئیں۔

11- سالانہ رپورٹ: وزیر ہند سے کہا گیا کہ وہ ہر سال برطانوی پارلیمنٹ میں برصغیر کی معاشی اور اخلاقی ترقی کی رپورٹ پیش کرے۔

12- گورنر جنرل: قانون ہند 1858ء کی رُو سے برطانوی پارلیمنٹ ملکہ برطانیہ کے نام سے وائسرائے ہند (گورنر جنرل) کا تقرر کرنے لگی۔ اسے برصغیر کے انتظامی امور کے سلسلے میں وسیع اختیارات دیئے گئے۔ وہ برصغیر کا نظم و نسق اپنی چار رکنی انتظامی کونسل کی مدد سے چلاتا تھا۔ اس کی انتظامی کونسل کے ارکان کا تقرر وزیر ہند، انڈیا کونسل اور گورنر جنرل کے مشورے سے کرتا تھا۔

13- گورنر: بڑے صوبوں کے گورنروں کا تقرر بھی برطانوی پارلیمنٹ کرتی تھی۔ جبکہ چھوٹے صوبوں میں لیفٹیننٹ گورنر کا تقرر وزیر اعظم کے مشورے سے خود گورنر جنرل کرتا تھا۔ گورنروں کی انتظامی کونسلوں کے ارکان بھی وزیر ہند، انڈیا کونسل اور گورنر جنرل کی مشاورت سے نامزد کرتا تھا۔

تبصرہ: قانونِ ہند 1858ء کے تحت بھی برصغیر کے تمام تر اختیارات انگریزوں کو حاصل رہے۔ کورٹ آف ڈائریکٹرز کے صدر کی جگہ وزیر ہند نے اور کورٹ کے ارکان کی جگہ انڈیا کونسل لے لی جو کہ برطانوی پارلیمنٹ کو جوابدہ تھی۔ اب انڈیا کونسل اور گورنر جنرل کی کونسل کے وضع کئے جانے والے قوانین اور ضابطے منظوری کیلئے برطانوی پارلیمنٹ میں پیش کئے جانے لگے۔ وزیر ہند کو وسیع اختیارات حاصل تھے۔ گورنر جنرل، صوبائی گورنروں اور ان کی انتظامی کونسلوں اور اعلیٰ انتظامی افسران پر اس کو موثر کنٹرول حاصل تھا۔ سروس کمشن کے ذریعے انتہائی ذہین اور لائق انگریز افسر سول سروسز میں شامل ہو گئے۔ اس انتظام کے تحت وزیر ہند گورنر جنرل کی، گورنر جنرل اپنے گورنروں کی اور وہ اپنے ماتحت افسران کی حمایت کرتے تھے۔ ارکان پارلیمنٹ کی برصغیر کے امور میں عدم دلچسپی کی وجہ سے برطانوی پارلیمنٹ برصغیر پر موثر کنٹرول حاصل نہ کرسکی۔

اس ایکٹ کا مثبت پہلو یہ تھا کہ اس نے برصغیر میں دستوری ارتقاء کی بنیاد رکھ دی۔ اس کے بعد آنے والی آئینی اصلاحات کے تحت مقامی باشندوں کو انتظامی امور میں شرکت کا موقع دیا جانے لگا۔

ملکہ وکٹوریہ کا اعلان 1858ء

جنگ آزادی کے خاتمے پر ملکہ وکٹوریا کی جانب سے ایک اہم اعلان جاری کیا گیا۔ وائسرائے ہند لارڈ کیننگ نے یکم نومبر 1858ء کو الہ آباد میں دربار لگا کر ملکہ کا اعلان پڑھ کر سنایا۔ اس شاہی اعلان کے خاص خاص نکات درج ذیل ہیں:۔

1- تاج برطانیہ کا برصغیر پر کنٹرول: اعلان میں کہا گیا کہ کمپنی کی حکومت کا خاتمہ کر دیا گیا ہے اور اب پاک و ہند کے مقبوضات کی حکومت کی ذمہ داری ہم نے براہ راست خود سنبھالنے کا فیصلہ کیا ہے۔

2- وائسرائے کا تقرر: لارڈ کیننگ کو تاج برطانیہ کی طرف سے پہلا وائسرائے مقرر کیا گیا۔ اسے ہدایت کی گئی کہ وہ تاج برطانیہ کے نمائندے کی حیثیت سے وزیر امور ہند سے حاصل کردہ احکامات و ضوابط کے مطابق پاک و ہند کی حکومت کا نظم و نسق چلائے۔

3- عوام کو وفاداری کی تلقین: برصغیر کی رعایا کو تلقین کی گئی کہ وہ تاج برطانیہ اور حکومت کے وفادار رہیں۔ اعلان نے میں واضح کیا گیا کہ ہم اپنے حقوق اور اپنی حکومت پر کسی قسم کا حملہ برداشت نہیں کریں گے۔

4- توسیع پسندانہ پالیسی کا خاتمہ: واضح کیا گیا کہ حکومت اپنے مقبوضات میں مزید اضافہ نہیں کرے

گی، نہ وہ کسی پر حملہ کریگی اور نہ کسی دوسرے کا حملہ برداشت کرے گی۔

5-دیسی ریاستوں کا تحفظ: اعلان میں تمام دیسی ریاستوں کے حکمرانوں اور شہزادوں کیساتھ کئے گئے ایسٹ انڈیا کمپنی کے سمجھوتوں اور معاہدوں کی پابندی اور نوابوں اور راجاؤں کی شان و شوکت اور عزت وقار کے تحفظ کا وعدہ کیا گیا اور امید ظاہر کی گئی کہ وہ بھی ان معاہدوں کے پابند رہیں گے۔

6-مذہبی تحفظ: اس بات کا دوٹوک انداز میں اعلان کیا گیا حکومت کسی کے مذہبی معاملات وعبادات میں مداخلت نہیں کرے گی اور نہ ہی اپنے عقائد دوسروں پر مسلط کریگی۔

7-رسوم ورواج کا لحاظ: نئے قوانین بناتے اور ان کا نفاذ کرتے وقت ہندوستان کے قدیم رسوم ورواج کا خیال رکھا جائے گا۔

8-رعایا کے حقوق: اعلان میں یہ بھی کہا گیا کہ حکومت رعایا کے بارے میں اپنے فرائض دیانتداری سے ادا کرے گی۔ تمام رعایا مساوی اور غیر جانبدارانہ طور پر قانون کی حفاظت میں ہوگی۔ سب لوگوں کو مساوی قانونی حقوق حاصل ہوں گے۔ مذہبی عقائد ونظریات کی بنیاد پر کسی کو دوسرے پر ترجیح نہیں دی جائے گی۔

9-ملازمت کا حق: عوام کو تعلیمی قابلیت اور اہلیت کی بنیاد پر ملازمت حاصل کرنے کا حق ہوگا۔ نسلی اور مذہبی بنیادوں پر کسی سے امتیازی سلوک نہیں کیا جائیگا۔

10- عوامی بہبود: حکومت ملک میں امن وامان، صنعتی ترقی، سماجی بہبود اور عایا کی خوشحالی کیلئے کوشش کریگی۔ اعلان میں کہا گیا کہ عوام کی خوشحالی سے ہماری حکومت مستحکم ہوگی۔ ان کی قناعت واطمینان سے ہماری حفاظت ہوگی اور ان کا تشکر ہماری بہترین جزا ہوگی۔

11-عام معافی کا اعلان: اس اعلان کے مطابق سوائے قاتلوں کے، جنگ آزادی میں حصہ لینے والے تمام افراد کو عام معافی دے گئی۔

تبصرہ: 1858ء کا ملکہ وکٹوریہ کا اعلان برصغیر کی آئینی تاریخ میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس اعلان نے دیسی ریاستوں کے حکمرانوں کے خوف کو دور کردیا۔ انہیں متبنّی بنانے کی اجازت دے دی گئی۔ ان کے وقار کے تحفظ کا وعدہ کر کے ان کی پوزیشن مستحکم کردی گئی۔ سرکاری ملازمین اور افسران کو حکم دیا گیا کہ وہ کسی کے مذہبی معاملات میں مداخلت نہ کریں۔ قدیم رسوم رواج کو بھی تحفظ مل گیا۔ اہلیت کی بنیاد عوام کو ملازمتیں فراہم کرنے کا وعدہ بڑا خوش آئند تھا۔

لیکن عملی طور پر مسلمانوں کے نقطہ نظر سے رعایا پروری کے وعدے وفا نہ ہوسکے۔ مسلمان ملازمتوں اور انصاف سے بدستور محروم رہے۔ ان پر ظلم وجبر کا سلسلہ بھی حسب سابق جاری رہا۔ عیسائیت کی تبلیغ بھی جاری رہی گو اس کا طریقہ کار بدل دیا گیا۔ حکومت نے عیسائی مشنریوں کی مالی امداد اور ان کی حوصلہ افزائی کا کام بھی جاری رکھا۔

انڈین کونسلز ایکٹ 1861ء

سرسید احمد خاں نے 1858ء میں اپنے رسالہ بغاوت ہند میں بغاوت کا اصل سبب ان قوانین کے نفاذ کو قرار دیا تھا جو مقامی باشندوں کے مزاج، روایات، عقائد اور رسوم ورواج کے منافی تھے۔ انہوں نے انگریز سرکار کو مشورہ دیا کہ اگر وہ پاک وہند میں امن وامان قائم رکھنا چاہتے ہیں تو وہ عوام کے حقیقی نمائندوں کو قانون ساز کونسلوں میں شریک کریں۔ انگریزوں نے اس مشورے کو قبول کرتے ہوئے نئی پالیسی اختیار کی، جس کے تحت وائسرائے ہند لارڈ کیننگ نے ہندوستانیوں کو قانون سازی کے عمل میں شریک کرنے کے بارے میں اپنی سفارشات وزیر امور ہند کو بھیجیں۔ یکم اگست 1861ء کو سفارشات کی شاہی منظوری کے بعد اسے انڈین کونسلز ایکٹ 1861ء کا نام دیا گیا۔ اس ایکٹ کی اہم دفعات مندرجہ ذیل ہیں:

1-مرکزی انتظامی کونسل:

(i) وائسرائے کی انتظامی کونسل میں ایک قانونی رکن کا اضافہ کر کے اس کے ارکان کی تعداد چھ کردی گئی۔ قانون پیشہ رکن قانون کی تشریح کرتا اور قانونی مشورے دیتا تھا۔ کمانڈ ان چیف غیر معمولی رکن کی حیثیت سے کونسل میں شامل رہا۔

(ii) گورنر جنرل کو اختیار دیا گیا کہ وہ کونسل کا ایک صدر مقرر کرے جو اس کی عدم موجودگی میں کونسل کی صدارت کے فرائض سرانجام دے۔

(iii) گورنر جنرل کونسل میں فیصلے کرنے کے طریقہ کار کے بارے میں قواعد وضوابط بنانے کا اختیار دے دیا گیا۔

(iv) گورنر جنرل نے انتظامی کونسل کے ارکان کو مختلف محکموں کا سربراہ بنادیا۔ ہر ممبر کو اپنے محکمہ کے روز مرہ امور سرانجام دینے کا اختیار دیا دیا گیا۔ جبکہ اہم امور گورنر جنرل کے سامنے پیش کیے جاتے تھے۔

(v) کونسل کا کام پالیسی تیار کرنا اور محکموں کے درمیان تنازعات کا تصفیہ کرنا تھا۔

مرکزی قانون ساز کونسل:

(i) گورنر جنرل کی قانون ساز کونسل کے ارکان کی تعداد کم از چھ اور زیادہ سے زیادہ بارہ کردی گئی۔ان ارکان کو اضافی ارکان کہا جاتا تھا۔اضافی ارکان کی نصف تعداد کا غیر سرکاری ہونا ضروری قرار دیا گیا۔

(ii) اضافی ارکان کی معیاد دو سال مقرر کی گئی۔

(iii) مرکزی قانون ساز کونسل کے ارکان کو گورنر جنرل نامزد کرتا تھا۔

(iv) مرکزی قانون ساز کونسل کو برطانوی، مقامی اور غیر ملکی باشندوں، ملازمین اور ریاستی حکمرانوں کے لئے قوانین وضوابط بنانے کا اختیار دیا گیا۔

(v) قانون ساز کونسل پر بعض پابندیاں بھی عائد کی گئیں مثلاً (i) کونسل کو اہم امور یعنی قومی قرضہ جات، سرکاری خزانہ، پاک وہند کی مذہبی رسومات، فوجی نظم وضبط اور ریاستوں کے ساتھ پالیسی کے معالات پر قانون سازی سے قبل گورنر جنرل کی منظوری لینا پڑتی تھی۔(ii) کونسل کوئی ایسا قانون نہیں بنا سکتی تھی جو برطانوی حکومت کے اختیارات کی خلاف ورزی کرے یا برطانوی پارلیمنٹ کے بنائے ہوئے قانون کے منافی ہو (iii) کونسل کو اپنے پاس کردہ قانون کی گورنر جنرل اور برطانوی پارلیمنٹ سے منظوری لینا پڑتی تھی۔

(vi) قانون ساز کونسل کو قانون سازی کے علاوہ کوئی دوسرا کام کرنے کی اجازت نہ تھی۔گورنر جنرل کا اس کے اوپر پورا کنٹرول تھا۔

(vii) قانون ساز کونسل کے غیر سرکاری ارکان صرف مشورہ اور اپنی رائے دے سکتے تھے۔انہیں سوال پوچھنے، قرار اد پیش کرنے اور انتظامیہ پر دباؤ ڈالنے کی اجازت نہ تھی۔

3- گورنر جنرل کے اختیارات:

1861ء کے ایکٹ کے تحت گورنر جنرل حکومت کا سربراہ تھا۔ اسے وسیع انتظامی اختیارات حاصل تھے۔(1) وہ مرکزی اور صوبائی کونسلوں کے اضافی ارکان کو نامزد کرسکتا تھا۔(2) اپنی انتظامی کونسل کے لئے صدر نامزد کرسکتا تھا۔(3) گورنر جنرل انتظامی کونسل کے کام کا طریقہ کار طے کرسکتا تھا اور کونسل کے ممبران کو محکمہ جات تفویض کرسکتا تھا (4) قانون ساز کونسلیں اہم امور پر قانون سازی کے لئے اس کی پیشگی اجازت کی محتاج تھیں۔(5) اسے کونسلوں کے پاس کردہ قانون کو مسترد یا منظور کرنے کا اختیار حاصل تھا (6) وہ آرڈی نینس جاری کرسکتا تھا اور ہنگامی حالت میں عائلی قوانین بنا سکتا تھا۔(7) گورنر جنرل کو کسی پریذیڈنسی صوبے یا علاقے کی حدود میں ردّ و بدل کرنے، نئے صوبے بنانے اور ان میں نئی قانون ساز کونسلیں قائم کرنے کا اختیار تھا (8) وہ لیفٹیننٹ گورنر کا تقرر بھی کر سکتا تھا۔

4- صوبائی کونسلیں:

(1) اس ایکٹ کے تحت صوبے دو قسم کے تھے۔ پریذیڈنسی صوبے اور نان پریذیڈنسی صوبے۔ پریذیڈنسی صوبوں میں گورنر اور نان پریذیڈنسی صوبوں میں لیفٹیننٹ گورنر کا تقرر کیا جاتا تھا۔

(2) پریذیڈنسی صوبوں یعنی مدراس اور ممبئی میں بھی صوبائی کونسلیں قائم کی گئیں۔گورنر کو اپنی انتظامی کونسل میں کم از کم چار اور زیادہ سے زیادہ آٹھ اضافی ارکان نامزد کرنے کا اختیار دیا گیا۔ ایڈووکیٹ جنرل بھی صوبائی قانون ساز کونسل کا رکن ہوتا تھا۔

(3) اضافی ارکان کی نصف تعداد کا غیر سرکاری ہونا ضروری تھا۔یہ ارکان دو سال کے لئے مقرر کئے جاتے تھے۔

(4) صوبائی قانون ساز کونسل کو قانون سازی کے علاوہ کوئی دوسرا کام کرنے کی اجازت نہ تھی۔قانون سازی کے سلسلے میں صوبائی کونسل پر بھی وہی پابندیاں عائد کی گئیں جو مرکزی قانون ساز کونسل پر عائد کی گئی تھیں۔

(5) کونسل کے غیر سرکاری ارکان کو سوال پوچھنے اور قرار داد پیش کرنے کی اجازت نہ تھی۔

(6) گورنر، کونسل کے پاس کردہ قانون کو منظور یا مسترد کرسکتا تھا۔

(7) 1862ء میں صوبہ بنگال، 1882ء میں شمال مغربی صوبہ (یوپی) اور 1898ء میں صوبہ پنجاب کو بھی پریذیڈنسی صوبوں کا درجہ دے کر صوبائی کونسلیں قائم کردی گئیں۔

تنقیدی جائزہ: 1861ء کا کونسلز ایکٹ پاک وہند کی آئینی تاریخ میں اس نقطہ نظر سے اہم سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے کہ اس کے تحت مرکزی اور صوبائی قانون ساز کونسلوں میں پہلی مرتبہ غیر سرکاری ارکان کا اضافہ کر کے مقامی باشندوں کو قانون سازی کے عمل میں شرکت کا موقع دیا گیا۔ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کے بقول "یہ نمائندہ اداروں اور قانون سازی کا نقطہ آغاز تھا۔وقت کے ساتھ ساتھ ان (ارکان) کی تعداد اور اختیارات میں اضافہ ہوتا رہا۔یہاں تک کہ صوبوں کو مکمل خودمختاری حاصل ہوگئی۔ لیکن ان کونسلوں کے غیر سرکاری ارکان عوام کے نمائندے نہیں بلکہ مقامی اشرافیہ کے بڑے بڑے لوگ ہوتے تھے۔ان میں ریاستوں کے حکمران، شہزادے، دیوان، امیر تاجر، بڑے بڑے جاگیر دار اور ریٹائرڈ اعلیٰ افسران شامل تھے۔دیسی ارکان انگریزوں سے خائف رہتے تھے اور کونسلوں میں بولنے سے عام طور پر گریز کرتے تھے۔وہ حکومت کے کسی اقدام کی مخالفت نہ کرتے تھے۔مثلاً ورنیکلر پریس ایکٹ جیسے کالے قانون کی کسی ممبر نے مخالفت نہ کی بلکہ وہ ایک ہی نشست میں منظور ہوگیا۔[12] البتہ

12- حصول پاکستان صفحہ 93

سرسید احمد خاں جو 1878ء میں کونسل کے رکن نامزد ہوئے، دو سال بعد اگلی مرتبہ پھر انہیں نامزد کیا گیا، کھل کر اپنے جذبات کا اظہار کرتے تھے۔

کونسلوں کے اختیارات بڑے محدود تھے۔ ان پر حد سے زیادہ پابندیاں لگائی گئی تھیں۔ اس وجہ سے ارکان قانون سازی میں بھرپور دلچسپی نہ لیتے تھے۔ کونسلوں میں غیر سرکاری ارکان کی آواز غیر موثر تھی۔ فلپس کا کہنا ہے کہ ''اس ایکٹ کے تحت پارلیمانی روایات کے بجائے درباری روایات کا تاثر نمایاں تھا۔ ''عملاً یہ کونسلیں صرف سرکاری قوانین پر تصدیقی مہر لگانے والے ادارے بن کر رہ گئی تھیں۔

ان تمام خامیوں اور نقائص کے باوجود کونسلز ایکٹ 1861ء آئینی ارتقاء کی جانب بنیادی کڑی اور اہم قدم کی حیثیت کا حامل تھا۔ جی این سنگھ کے بقول ''یہ قانون دو اسباب کی بنا پر اہم ہے۔ ایک یہ کہ اس نے گورنر جنرل کو موقع دیا کہ وہ عوام کو قانون سازی کے طریقہ کار سے روشناس کرائے۔ دوسرے یہ کہ اس نے صوبوں میں قانون سازی کی ذمہ داری کی بنیاد رکھی، جس کے نتیجے میں 1937ء تک صوبوں کو اندرونی خود مختاری حاصل ہوگئی۔''

Objective معروضی

سوال نمبر 1: کثیر الانتخابی سوالات امتحان میں بیس آئیں گے جن کو حل کرنا لازمی ہوگا۔ ہر سوال کے چار (4) ممکنہ جواب C،B،A اور D سامنے دیئے گئے دائروں میں سے ایک دائرے کو پن یا مار کر کی سیاہی سے بھر دیں۔ (کل نمبر 20)

1- بکسر کی جنگ 1764ء میں انگریزوں کا مقابلہ کس سے تھا؟
(ا) فتح علی ٹیپو (ب) میر جعفر
(ج) سراج الدولہ (د) میر قاسم ✓

2- دہلی پر انگریزوں کا کب قبضہ ہوا کہ بادشاہ کمپنی کا وظیفہ خوار بن گیا؟
(ا) 1803ء ✓ (ب) 1837ء
(ج) 1856ء (د) 1841ء

3- برصغیر میں پہلی ریلوے لائن بمبئی اور تھانہ کے درمیان کب تعمیر کی گئی؟
(ا) 1850ء (ب) 1853ء ✓
(ج) 1855ء (د) 1854ء

4- میرٹھ سے کتنے سوار فوجی بغاوت کر کے دہلی پہنچے؟
(ا) 3000 (ب) 12000
(ج) 2000 ✓ (د) 5000

5- مغل بادشاہ کا نام سکوں سے ایسٹ انڈیا کمپنی نے کب نکالا؟
(ا) 1803ء (ب) 1835ء ✓ (ج) 1837ء (د) 1858ء

6- جنگ آزادی کے وقت بہادر شاہ کی کتنی عمر تھی؟
(ا) 82 سال ✓ (ب) 80 سال (ج) 60 سال (د) 90 سال

7- بخت خاں نے کتنا عرصہ انگریز اور سکھ فوج سے دہلی کی حفاظت کی؟
(ا) چھ ماہ (ب) $1\frac{1}{2}$ سال (ج) 4 ماہ ✓ (د) 15 دن

8- کس انگریز نے بہادر شاہ ظفر کے سامنے اس کے دو بیٹوں اور ایک پوتے کو گولی مار کر قتل کر دیا؟
(ا) ہنری لارنس (ب) میجر ہڈسن ✓
(ج) جنرل ہیولاک (د) جنرل نکلسن

9- بریلی کس صوبے کا دارالحکومت تھا؟
(ا) مہاراشٹر (ب) بندھیل کھنڈ
(ج) روہیل کھنڈ ✓ (د) حیدر آباد

10- دہلی میں انگریزوں نے کتنے مسلمانوں کو پھانسی پر لٹکایا؟
(ا) 27000 ✓ (ب) 40,000
(ج) 3000 (د) 6500

11- انگریزوں نے ریاست اودھ کا الحاق اپنی سلطنت سے کب کیا؟
(ا) 1856ء میں ✓ (ب) 1855ء میں
(ج) 1850ء میں (د) 1849ء میں

12- دہلی میں جنگ آزادی کے دوران شاہی لائبریری کی کتنی کتابیں جلا دی گئیں؟
(ا) 10,000 (ب) 25,000
(ج) 18,000 (د) 24,000

13- ایسٹ انڈیا کمپنی کا آخری گورنر جنرل اور تاج برطانیہ کا پہلا وائسرائے کون تھا؟
(ا) لارڈ ڈلہوزی (ب) لارڈ ہارڈنگ
(ج) لارڈ کیننگ ✓ (د) لارڈ ڈلٹن

14- انگریزوں نے چوبیس مغل شہزادوں کو کب پھانسی پر چڑھایا؟
(ا) 18 نومبر 1857ء (ب) 21 ستمبر 1857ء
(ج) 18 نومبر 1858ء (د) 3 اگست 1858ء ✓

15- آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کب تخت نشین ہوا؟
(ا) 1803ء میں (ب) 1836ء میں (ج) 1856ء میں (د) 1837ء میں ✓

16- انگریزوں کے قبضہ کے وقت بنگال میں کتنے مدرسے تھے؟
(ا) 8 ہزار (ب) 80 ہزار ✓ (ج) 50 ہزار (د) 5 ہزار

17- سر ہنری لارنس جنگ آزادی کے کس محاذ پر قتل ہوا؟
(ا) دہلی کے (ب) بریلی کے
(ج) لکھنؤ کے ✓ (د) کانپور کے

18- برطانوی پارلیمنٹ نے 1877ء میں شاہی خطاب کا قانون پاس کر کے ملکہ کو کون سا خطاب دیا؟
(ا) ملکہ معظمہ (ب) ملکہ برطانیہ
(ج) ملکہ ہند (د) قیصرہ ہند ✓

19- کون سے ایکٹ کے تحت وزیر ہند کا عہدہ قائم کیا گیا؟
(ا) ایکٹ 1861ء (ب) ایکٹ 1858ء ✓
(ج) ایکٹ 1892ء (د) ایکٹ 1909ء

20- کانپور کے عظیم مسلمان مجاہد کا نام کیا ہے؟
(ا) مولوی احمد اللہ شاہ (ب) عظیم اللہ خان ✓
(ج) غلام غوث خان (د) مولوی لیاقت علی

21- تحریک آزادی کا پہلا بڑا مرکز کون سا تھا؟
(ا) میرٹھ (ب) کانپور ✓ (ج) دہلی (د) لکھنؤ

22- بہادر شاہ ظفر کی حکومت کا دائرہ کہاں تک تھا؟
(ا) لال قلعہ ✓ (ب) دہلی شہر
(ج) آگرہ شہر (د) ہمایوں کے مقبرے

23- جنرل نکلسن ستمبر 1857ء میں کون سا دروازہ توڑ کر دہلی میں داخل ہوا؟
(ا) شاہی دروازہ (ب) بیگم شاہی دروازہ
(ج) ہاتھی دروازہ (د) کشمیری دروازہ ✓

24- سب سڈی ایری سسٹم کے تحت کس گورنر جنرل نے دیسی ریاستوں کو ہڑپ کیا؟
(ا) لارڈ ویلزلی ✓ (ب) لارڈ ڈلہوزی
(ج) لارڈ کلائیو (د) لارڈ کارنوالس

25- جنرل بخت خاں کتنی فوج لے کر دہلی پہنچا؟
(ا) 15000 (ب) 14000 ✓ (ج) 50,000 (د) 30,000

26- کانپور میں انگریزوں نے کتنے بے گناہ شہریوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا؟
(ا) 8000 (ب) 12000
(ج) 10,000 ✓ (د) 25000

27- میرٹھ میں کس انگریز نے سپاہیوں کو نیا کارتوس استعمال کرنے کا حکم دیا؟
(ا) جنرل نیل (ب) جنرل ہیولاک
(ج) جنرل سمائیتھ ✓ (د) میجر ہڈسن

28- کارنوالس نے 1793ء میں کونسا قانون بنایا؟
(ا) امدادی نظام (ب) الحاق
(ج) دوامی بندوبست ✓ (د) دوعملی

29- دہلی کے بارود خانے کو کس غدار نے آگ لگائی؟
(ا) مرزا الٰہی بخش (ب) مولوی رجب علی
(ج) حکیم احسن اللہ (د) ب اور ج دونوں ✓

30- 1858ء کے ایکٹ کی رو سے سب سے زیادہ با اختیار کون تھا؟
(ا) گورنر جنرل (ب) وزیر امور ہند ✓
(ج) برطانوی وزیر اعظم (د) ان میں سے کوئی نہیں

حصہ انشائیہ (Subjective Part - I) 25 × 2 = 50

نوٹ: سوال نمبر 3,2 اور 4 میں سے 25 (پچیس) مختصر سوالات کے جوابات تحریر کریں اور ہر سیکشن سے کم از کم 8 سوالات حل کرنا ضروری ہے۔ جواب تحریر کرتے وقت سوال کا نمبر ضرور تحریر کریں۔

سوال نمبر 2: (سیکشن "اے") مختصر سوالات کے جوابات تحریر کریں۔ (جوابات کیلئے صفحہ 150 پر دیکھیں)

حصہ دوم (Subjective Part II)

نوٹ: مندرجہ ذیل سوالات میں سے صرف تین کے جوابات تحریر کریں۔ 10 × 3 = 30

1۔ 1857ء کی جنگ آزادی کے اسباب بیان کیجئے۔ (سرگودھا بورڈ 2009ء)

2۔ 1857ء کے ہنگامہ ہند کی اصلی نوعیت کیا تھی؟ کیا آپ اسے غدر کہیں گے یا جنگ آزادی؟ وضاحت کیجئے۔

3۔ 1857ء کی جنگِ آزادی کے مشہور واقعات تحریر کیجئے۔

4۔ برصغیر پر جنگ آزادی کے اثرات بیان کیجئے۔ (لاہور بورڈ 2011ء)

5۔ مندرجہ ذیل پر نوٹ لکھئے:

(ا) جنرل بخت خان (ب) ناناصاحب (ج) جھانسی کی رانی لکشمی بائی

(د) مولوی احمد اللہ شاہ (ر) حضرت محل (س) تانتیا توپیا

(ص) ملکہ وکٹوریہ کا اعلان (ض) انڈین کونسلز ایکٹ 1861ء

6۔ 1857ء کی جنگِ آزادی کے سیاسی اور مذہبی اسباب تحریر کیجئے۔

7۔ 1857ء کی جنگِ آزادی کی ناکامی کی وجوہات تحریر کریں۔

(گوجرانوالہ بورڈ 2008ء، سرگودھا بورڈ 2010ء، بہاولپور 2007ء)



باب 3

سرسید احمد خاں اور تحریک گڑھ

سرسید احمد خاں اور تحریک علی گڑھ لازم وملزوم اور ایک ہی سکے کے دو رُخ ہیں۔ انہیں ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔

سرسید کے حالات زندگی: سرسید احمد کی زندگی کے حالات کا مختصر خاکہ حسب ذیل:۔

1-ولادت اور خاندانی حالات: تحریک علی گڑھ کے روح رواں سرسید احمد خاں 17 اکتوبر 1817ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ آپ حسینی سیّد ہیں۔ آپ کے والد کا نام سید میر متقی تھا۔ وہ اپنے زمانے کے مشہور نقشبندی بزرگ شاہ غلام علی کے مرید خاص تھے۔ شاہ صاحب نے ہی آپ کا نام احمد رکھا۔ آپ کی والدہ کا نام عزیز النساء تھا۔ سرسید کی تربیت زیادہ تر ان کی والدہ نے کی۔ وہ بڑی دانشمند اور باحوصلہ خاتون تھیں۔ آپ کے دادا سید ہادی مغل بادشاہ شاہ عالم کے عہد میں صوبہ شاہجہان کے محتسب اور قاضی لشکر تھے۔ شاہ عالم نے انہیں جواد الدولہ کا خطاب دیا تھا۔ سرسید کے نانا خواجہ فریدالدین احمد خان آٹھ سال مغل بادشاہ اکبر ثانی کے وزیر رہے۔ ان کو دبیر الدولہ، امین الملک اور مصلح جنگ کے خطابات ملے۔ وہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرف سے ایران اور برما کی سفارت پر بھی مامور رہے۔

سرسید احمد کے ننھیال کو شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے بیٹے شاہ عبدالعزیزؒ اور ان کے خانوادہ سے بڑی عقیدت تھی۔ جبکہ آپ کے والد شاہ غلام علیؒ کے مرید تھے۔ آپ کے ننھیال شاہ ولی اللہ مسلک کی پیروی کرتے تھے اور والد طریقہ نقشبندیہ مجددیہ کی۔ سرسید نے ان دونوں سے فیض حاصل کیا۔

2-ابتدائی تعلیم: سرسید کی عمر چار سال چار ماہ اور چار دن ہوئی تو شاہ غلام علیؒ نے آپ کی رسم بسم اللہ ادا کی۔ مروّجہ روایات کے مطابق سرسید نے گھر پر ہی قرآن پاک پڑھا۔ اپنے ماموں زین العابدین سے عربی اور فارسی کی مروجہ کتب پڑھیں اور ریاضی سیکھی۔ خاندانی حکیم غلام حیدر خاں سے طب کی تعلیم حاصل کی۔ انہوں نے شاہ ولی اللہؒ کے پوتے شاہ مخصوص اللہ اور شاہ عبدالعزیز کے نواسے شاہ محمد اسحٰق اور مولانا مملوک علی سے بھی فیض حاصل کیا۔

آپ کو مرزا غالب، شیفتہ اور نواب ضیاء الدین نیّر درخشاں سمیت دہلی کے تمام اہل کمال کی صحبتیں میسر رہیں۔

3-ملازمت: 1838ء میں آپ کے والد فوت ہوگئے تو اپنے خاندان کی کفالت کے لئے انہوں نے کچہری میں کام سیکھ کر ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت کر لی۔ 1838ء میں انہیں سررشتہ دار کی معمولی سی نوکری ملی۔ فروری 1839ء میں وہ کمشنر آفس میں نائب منشی ہوگئے۔ 1841ء میں مقابلے کا امتحان پاس کر کے مصنف مقرر ہوئے۔ 1850ء میں ترقی پا کر سب آرڈی نیٹ جج اور 1855ء میں صدر امین اور اگلے سال صدر الصدور کے عہدے پر فائز ہوئے۔ 1867ء میں سال کاز کورٹ (عدالتِ خفیفہ) کے جج مقرر ہوئے۔

جولائی 1876ء میں ریٹائر ہو کر علی گڑھ میں مقیم ہوگئے۔ دورانِ ملازمت آپ فتح پور سیکری، دہلی، رُہتک، بجنور، مرادآباد، غازی پور اور بنارس میں تعینات رہے۔

جنگ آزادی: آپ جنگ آزادی کے دوران بجنور میں تعینات تھے۔ آپ نے یہاں اپنی جان خطرے میں ڈال کر 20 انگریز عورتوں اور بچوں کی جان بچائی۔ آپ کی والدہ نے دہلی میں اپنے ایک ملازم کی کوٹھڑی میں چھپ کر جان بچائی۔ یہاں وہ خوف کے عالم میں مسلسل فاقہ کشی کا شکار رہیں۔ سرسید نے دہلی آ کر انہیں کوٹھڑی سے نکالا۔ کچھ ہی دنوں بعد وہ جوارِ رحمت میں پہنچ گئیں۔ اگلے سال آپ کی بیوی کا بھی انتقال ہوگیا۔

4-اعزازات: 1858ء میں سرسید کو ان کی خدمات کے صلے میں خلعت، دوپشت تک دو سو روپے ماہوار پنشن اور ڈیڑھ لاکھ روپے سالانہ آمدن کی جاگیر عطا کی گئی۔ سرسید کی ملی غیرت نے کسی مسلمان بھائی کی چھینی ہوئی جاگیر لینے سے انکار کر دیا۔ 1864ء میں رائل ایشیاٹک سوسائٹی لندن نے انہیں آنریری فیلو مقرر کیا۔ 1878ء سے 1882ء تک آپ امپیریل **لیجسلیٹو** کونسل کے رکن اور 1882ء میں ایجوکیشن کمشن کے ممبر رہے۔ 1886ء میں سرسید پبلک سروس سروس کمشن کے ممبر منتخب ہوئے۔ 1888ء میں انہیں سر (کے۔سی۔ایس) کا خطاب ملا۔ اور 1889ء میں انہیں اڈنبرا یونیورسٹی نے ایل ایل ڈی کی اعزازی عطا کی۔

5-ایم اے او کالج علی گڑھ: 10 اپریل 1869ء کو سرسید احمد انگلستان چلے گئے۔ وہاں سترہ ماہ قیام کیا اور کیمبرج اور آکسفورڈ یونیورسٹیوں کے طرزِ تعلیم کا بغور مشاہدہ کیا۔ اکتوبر 1870ء میں واپس آ کر تعلیمی کمیٹی قائم کی۔ 1875ء میں علی گڑھ میں ایم اے او ہائی سکول کی بنیاد رکھی۔ 1877ء میں انہوں نے اسے کالج کا درجہ دے دیا۔ وہ کالج کے منتظمِ اعلیٰ اور سیکرٹری رہے۔

سرسید احمد خان کی عمر کے آخری سال بڑے مایوسی کے تھے۔ 1889ء انہوں نے ٹرسٹی بل پیش کیا تو اس سے اختلاف کرتے ہوئے مولوی سمیع اللہ کالج سے علیحدہ ہوگئے۔ 1893ء میں سرسید کے

بیٹے سید محمود کو ملازمت سے جبری ریٹائر کر دیا گیا۔ کثرتِ شراب نوشی نے ان کا دماغ ماؤف کر دیا تھا۔ وہ باپ کو چھوڑ کر لکھنؤ چلے گئے۔ 1895ء میں کالج کے ہندو خزانچی نے ایک لاکھ پانچ ہزار روپے کا غبن کر کے ساری رقم خرد برد کر دی۔

اس باعث چندہ آنا بند ہوگیا اور کالج مقروض ہوگیا۔ جبکہ طلبا کی تعداد 565 سے کم ہو کر 349 رہ گئی۔ یہ دونوں صدمے سرسید احمد کے لیے جان لیوا ثابت ہوئے۔ 27 مارچ 1898ء کو 81 سال کی عمر میں وہ جوارِ رحمت میں چلے گئے۔ انہیں علی گڑھ کالج کی مسجد کے شمالی کونے میں دفن کیا گیا۔

سرسید احمد خاں کی خدمات

1857ء کی جنگ آزادی کے بعد مسلمان ہر لحاظ سے تباہ اور بے حیثیت ہو کر رہ گئے تھے۔ انگریز نے انہیں جنگ کا ذمہ دار ٹھہرا کر گردن زدنی قرار دے دیا تھا۔ ان پر زندگی کے راستے مسدود کر کے انہیں ذلت و پستی کی اتھاہ گہرائیوں میں پھینک دیا تھا۔ اس نازک ترین دور میں سرسید احمد خاں نے علی گڑھ کے نام سے ایک تحریک شروع کی۔ جس نے ہر پہلو سے ہندی مسلمانوں کی تعمیرِ نو کا فریضہ سرانجام دیا۔ ان کی خدمات کے پیشِ نظر شیخ محمد اکرام کہتے ہیں کہ:

> ''اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کی تاریخ میں سرسید سے بہتر دل و دماغ والا عملی راہنما ابھی تک پیدا نہیں ہوا......... انہوں نے اپنی ہمت، معاملہ فہمی اور چالیس سالہ مسلسل جدوجہد سے حالات کا نقشہ بدل دیا۔''[1]

سرسید کی تعلیمی خدمات: سرسید احمد نے برصغیر کے مسلمانوں کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کرنے کو اپنی زندگی کا نصب العین بنا لیا۔ آپ کی تعلیمی خدمات درج ذیل ہیں:۔

1-مدرسوں کا قیام: مراد آباد میں اپنے قیام کے دوران سرسید نے 1859ء میں یہاں ایک فارسی مدرسہ قائم کیا جو زیادہ عرصہ نہ چل سکا۔ بعد ازاں اسے سرکاری سکول میں ضم کر دیا گیا۔ 1863ء میں انہوں نے غازی پور میں ایک مدرسہ وکٹوریہ سکول کے نام سے قائم کیا۔ راجہ جے کشن کو اس کا نگران مقرر کیا گیا۔ اس اسکول میں انگریزی اور اردو کے علاوہ عربی، فارسی اور سنسکرت بھی پڑھائی جاتی تھی۔

2-سائنٹیفک سوسائٹی: غازی پور میں سرسید احمد نے 1863ء میں اس سوسائٹی کی بنیاد رکھی۔ آپ نے وزیر ہند ڈیوک آف آرگائل کو اس کا سرپرست مقرر کیا۔[2] انگریزوں کے علاوہ 107 مسلمان اور 82 ہندو اس کے ممبر تھے۔ اس سوسائٹی کا مقصد ہندوستانیوں کو مغربی علوم سے روشناس کرانا اور

1- ایس ایم اکرام موج کوثر صفحہ 138 -2 موج کوثر صفحہ 84

حاکم ومحکوم طبقوں میں میل جول بڑھانا تھا۔اس کے تحت تاریخ، اقتصادیات، زراعت، مکینیکل انجینئرنگ اور کیمسٹری کی نایاب اور نفیس کتب کا ترجمہ کر کے انہیں شائع کیا جاتا تھا۔ بعدازاں اس کا دفتر علی گڑھ منتقل کر دیا گیا۔سرسید نے اس کیلئے 30 ہزار روپے کی لاگت سے ایک عمدہ عمارت بنوائی۔

3- علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ: سرسید احمد نے سائنٹیفک سوسائٹی کے زیراہتمام 3 مارچ 1866ء کو ''انسٹی ٹیوٹ گزٹ'' کے نام سے ایک ہفت روزہ اخبار جاری کیا۔ جلد ہی اسے سہ روزہ کر دیا گیا۔اس کا مقصد انگریزوں کو ہندوستانیوں کے جذبات سے اور ہندوستانیوں کو انگریزوں کے نظام اور طور طریقوں سے آگاہ کرنا تھا۔ یہ اخبار سرسید احمد کی وفات تک مسلسل 32 سال جاری رہا۔اس اخبار کی مصدقہ خبروں، سنجیدگی، نفاست اور اعلیٰ اردو صحافت کی وجہ سے سرسید احمد کو جدید اردو صحافت کا باوا آدم کہا جاتا ہے۔

4- اردو کا تحفظ: مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان واحد مشترک علامت اردو زبان تھی۔ مسلمانوں کا سارا قیمتی مذہبی، ثقافتی، تاریخی اور علمی سرمایہ اسی زبان کے ذریعے محفوظ تھا لیکن فرانسیسی، دانشور گارساں دتاسی کے بقول:

''ہندوؤں اپنے تعصب کی بدولت ہر اس چیز کے خلاف مزاحمت کرتے تھے جو انہیں مسلمانوں کا زمانہ یاد دلائے''۔

لہٰذا 1867ء میں بنارس کے ہندوؤں نے اردو کی جگہ سنسکرت اور عربی رسم الخط کی جگہ دیوناگری رسم الخط کے نفاذ کیلئے تحریک چلائی۔ سرسید نے اپنے اثر ورسوخ اور جدوجہد سے ہندوؤں کی یہ کوشش ناکام دی۔ یہیں سے سرسید کے خیالات اور طرزِ فکر میں انقلابی تبدیلی رونما ہوئی۔اس کے بعد انہوں نے اپنی زندگی صرف مسلمانوں کی ترقی وتحفظ کیلئے وقف کر دی۔

5- علی گڑھ کالج کا منصوبہ: سرسید احمد کے دوسرے بیٹے سیّد حامد کو تعلیمی وظیفہ ملا تو اپنے دونوں بیٹوں کے ہمراہ اپریل 1869ء میں انگلستان گئے۔ وہاں اپنے قیام کے دوران انہوں نے کیمبرج اور آکسفورڈ یونیورسٹیوں کے نظام تعلیم کا بغور جائزہ لیا۔انہوں نے ہندوستان میں اسی طرز کی ایک اسلامی درسگاہ قائم کرنے کا فیصلہ کیا۔ اکتوبر 1870ء میں واپس آکر انہوں نے'' کمیٹی خواستگار ترقی تعلیم مسلمانان'' قائم کی۔ کمیٹی نے غور وخوض کے بعد علی گڑھ میں ''محمڈن اینگلو اورینٹل کالج'' کھولنے کا فیصلہ کیا۔ سرسید نے 1872ء میں اس کے تحت'' کالج فنڈ کمیٹی'' قائم کی۔

6- سرسید کی مخالفت: مسلمانوں کے ایک بڑے طبقے نے سرسید کے تعلیمی منصوبے کی سخت مخالفت کی۔ کیونکہ ایک تو وہ انگریزی زبان، یورپی علوم اور انگریزی لباس سے نفرت کرتے تھے۔ دوسرے انہیں

سرسید کے مذہبی نظریات سے سخت اختلاف تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ ایسے خیالات کے مالک شخص کے تعلیمی ادارے میں ہمارے بچوں کے عقائد خراب ہو جائیں گے۔

7- چندہ مہم: مسلمانوں کی مخالفت کی وجہ سے کالج فنڈ کمیٹی کو چندہ جمع کرنے میں سخت مشکلات پیش آئیں۔ بہرحال کمیٹی کے ارکان نے پورے خلوص اور محنت سے چندہ مہم شروع کی۔ خود سرسید نے اس کے لئے کئی لمبے لمبے کئی سفر کیے اور چندہ مانگنے کیلئے ہر انداز اپنایا۔ یہاں تک کہ اپنے بیٹے کی دعوت ولیمہ کے اخراجات پر اٹھنے والی رقم بھی کالج فنڈ میں دے دی۔

8- ایم اے او ہائی اسکول کا قیام: ابتدائی انتظامات کے بعد سرسید احمد خان نے 24 مئی 1875ء کو ملکہ وکٹوریہ کی سالگرہ کے دن ایم اے او ہائی اسکول علی گڑھ کا اجراء کیا۔ یو پی کے گورنر ولیم میور نے اسکول کا افتتاح کیا۔ آپ نے آکسفورڈ کے گریجوایٹ سرسڈنس (Sir Siddons) کو 400 روپے ماہوار پر بطور ہیڈ ماسٹر تعینات کیا۔ وہ 28 جون 1875ء تا 5 مئی 1883ء اس عہدے پر فائز رہے۔ سکول کے اساتذہ کی تعداد سترہ تھی۔

آغاز میں اسکول میں صرف چار طلبہ نے داخلہ لیا۔ چھ ماہ میں ان کی تعداد ستر 70 ہو گئی۔ یکم جون سے کلاسز کا اجراء ہوا۔ اسکول میں عربی، فارسی، انگریزی، حساب، تاریخ اور جغرافیہ کے مضمون پڑھائے جاتے تھے۔ کلکتہ یونیورسٹی سے اس کا الحاق کیا گیا۔ اسکول کے منتظم مولوی سمیع اللہ خاں تھے۔ ان کے حسنِ انتظام نے سکول کو چار چاند لگا دیئے۔

9- ایم اے او کالج علی گڑھ: جولائی 1876ء میں سرسید احمد خاں ریٹائر ہو کر علی گڑھ آ گئے۔ انہوں نے چندہ کے لئے زبردست جدوجہد کی۔ اس لئے جلد ہی اسکول کو کالج کا درجہ دے دیا گیا۔ 8 جنوری 1877ء کو وائسرائے لارڈ لٹن نے کالج کا افتتاح کیا۔ سرسڈنس کو کالج کا پہلا پرنسپل مقرر کیا گیا۔ یکم فروری 1885ء سے 2 ستمبر 1899ء تک مسٹر تھیوڈور بیک کالج پرنسپل تعینات رہے۔

10- کالج کی خصوصیات: سرسید احمد نے بیس سال میں 8 لاکھ روپے کی لاگت سے 174 ایکڑ اراضی پر کالج کیلئے خوبصورت، کشادہ، دیدہ زیب اور پرکشش عمارت تعمیر کرائی۔ اس کے اردگرد کھیل کے بڑے بڑے میدان اور سرسبز لان تھے۔

کالج اساتذہ: تدریسی عملہ کے انتخاب میں سرسید نے بڑی قابلیت کا ثبوت دیا۔ انگریزی کے پروفیسر والٹر ریلے، فلسفہ کے تھامسن آرنلڈ، فارسی کے مولانا شبلی اور ریاضی کے سرجادو ناتھ چکرورتی تھے۔ ان کے علاوہ آرچ بولڈ، تھیوڈور ماریسن اور مولانا عبداللہ انصاری کو بھی سٹاف میں شامل کیا گیا۔

کالج کے طلباء: کالج کے طلباء سیاہ شروانی، سفید پائجامہ، ترکی ٹوپی اور سیاہ بوٹ پہننے کے پابند تھے۔ کالج میں ایک کشادہ مسجد تعمیر کی گئی۔ مسلمان طلبا کو نماز اور روزے کی سخت پابندی کرنا پڑتی تھی۔ کالج کے نصاب میں درسِ قرآن، دینیات اور اسلامی تاریخ کو بھی شامل کیا گیا۔ کھیلوں پر پوری توجہ مرکوز کی جاتی تھی۔ تقاریر اور بحث مباحثوں میں طلباء اور اساتذہ دونوں حصہ لیتے تھے۔ طلباء میں نظم وضبط، پابندی وقت اور اساتذہ کی فرمانبرداری جیسی عادات پر خصوصی توجہ دی جاتی تھی۔ مستحق طلباء کی بڑی رازداری سے مالی امداد کی جاتی تھی۔

اقامت گاہ: طلباء کیلئے ہاسٹل تعمیر کیا گیا۔ جہاں طلباء کے ساتھ اساتذہ بھی قیام کرتے تھے۔ 1898ء میں 349 میں سے 250 طلباء ہاسٹل میں مقیم تھے۔ ہندو اور مسلم طلباء کے لئے کھانے اور پانی کا الگ الگ انتظام تھا۔ ہندو استاد چکرورتی کی تنخواہ سب سے زیادہ تھی۔

11- محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس: سرسید احمد جانتے تھے کہ تنہا علی گڑھ پورے برصغیر کے مسلمانوں کی تعلیمی ضروریات پوری نہیں کرسکتا۔ اس لئے انہوں نے محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کی بنیاد رکھی۔ سرسید کے رفقاء نے اسی کے پلیٹ فارم سے اپنی تقاریر اور نظموں کے ذریعے مسلمانوں میں تعلیم کے لئے لگن اور بیداری پیدا کی۔ کانفرنس کے زیر اہتمام ''انجمن ترقی اردو'' قائم ہوئی۔ جس نے واقعی اردو کی ترقی اور تحفظ کے لئے گرانقدر خدمات سرانجام دیں۔ ابوالکلام کو اعتراف ہے کہ اردو خطابت کی تربیت گاہ یہی کانفرنس تھی۔ کانفرنس کے پرزور اصرار پر ہی حکومت سرکاری اداروں میں مذہبی تعلیم کے اجراء پر رضا مند ہوئی۔ اسی کانفرنس کی تحریک پر مسلمانوں نے پورے ملک میں جابجا علی گڑھ کے طرز پر اپنے تعلیمی ادارے قائم کیے۔

12- کالج کی اہمیت: پہلے پہل مسلمانوں کی قابل ذکر تعداد نے کالج کی سخت مخالفت کی جو کہ سرسید کی مسلسل جدوجہد سے دم توڑ گئی۔ مسلمان طلباء کی تعداد رفتہ رفتہ بڑھنے لگی۔ ایک وقت ایسا آیا کہ پورے ملک میں مسلمان طلبہ کا 68 فیصد علی گڑھ میں زیر تعلیم تھا۔ یورپین سٹاف کی وجہ سے مسلمانوں کے انگریزوں سے خوشگوار تعلقات قائم ہوئے۔ علی گڑھ کالج کے فارغ التحصیل طلباء نے اپنی عملی زندگی میں سرکاری محکمہ جات میں بڑے بڑے عہدے سنبھالے۔ مسلم ایڈیٹروں، صحافیوں، وکلاء، سیاسی کارکنوں اور لیڈروں کی ایک کھیپ تیار ہوئی۔ اس سے مسلمان گھرانوں کی مالی حالت بہتر ہوئی۔ ان کے وقار میں اضافہ ہوا۔ مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی اور لیاقت علی خاں جیسے ہیرے اسی کالج نے تراشے۔

علی گڑھ کی تعلیمی خدمات سے متاثر ہو کر بنگال، پنجاب، صوبہ سرحد اور سندھ سمیت پورے ملک میں اس ادارہ کی طرز پر جابجا مسلمانوں کے تعلیمی ادارے قائم ہوئے۔ ایم۔اے او کالج علی گڑھ ہندی

مسلمانوں کی تعلیمی، ادبی، علمی، سماجی اور سیاسی سرگرمیوں کا مرکز بنا۔ عطاء اللہ شاہ بخاری علی گڑھ کے دورے پر روانہ ہوئے تو احباب نے مشورہ دیا کہ:

''علی گڑھ کے مسلمان شہریوں سے خطاب کرنا ہو تو جامع مسجد جانا اور اگر پورے ہندوستان کے مسلمانوں سے خطاب کرنا ہو تو علی گڑھ یونیورسٹی میں تقریر کرنا۔''

قائداعظم نے علی گڑھ یونیورسٹی کو مسلم لیگ کے ''اسلحہ خانہ'' سے تشبیہ دی۔ علی گڑھ کے طلباء تحریکِ پاکستان کا ہراول دستہ ثابت ہوئے۔

سرسید کی سیاسی خدمات: سرسید احمد کی خدمات کے اعتراف میں ڈاکٹر پنکر کہتے ہیں کہ

''سرسید کے متعلق یہ بات سچائی کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ انہوں نے نہ صرف مسلمانوں کے تنزل کو روک لیا بلکہ ایک ہی پشت کے اندر انہیں پھر سے جلیل القدر قوم بنا دیا۔''

(Survey of Indian History)

1- رسالہ اسباب بغاوت ہند: ''انگریزوں نے صرف مسلمانوں کو جنگ آزادی کا ذمہ دار قرار دے کر نہ صرف ان پر اپنا عتاب نازل کیا بلکہ زندگی کے تمام دروازے ان پر بند کر دیئے۔ اس وقت سرسید احمد نے اپنی ہمت، قابلیت اور خلوص سے کام لیتے ہوئے 1858ء میں ''اسباب بغاوت ہند'' کے نام سے ایک کتابچہ لکھا جو کہ 1863ء میں شائع ہوا۔''[3]

1872ء میں گراہم اور کول ون (Colvin) نے اس کا انگریزی ترجمہ کیا۔[4]

اس رسالہ میں سرسید نے ٹھوس دلائل سے ثابت کیا کہ جنگ کے اصل ذمہ دار خود انگریز تھے۔ جنہوں نے قانون سازی میں ہندوستانیوں کو شرکت کا موقع نہ دیا۔ اس وجہ سے عوام، حکومت کے احکامات کا مقصد سمجھنے سے قاصر رہے۔ نیز انگریزوں نے لوگوں کے مذاہب اور صدیوں پرانے رسوم ورواج میں بے جا مداخلت کی جس سے ان کے جذبات مشتعل ہوئے۔ اس رسالہ کی 500 کاپیاں چھپوا کر انہوں نے برطانیہ کی پارلیمنٹ کے ارکان کو بھیجیں۔ یہ رسالہ انہوں نے اس وقت لکھا جب وحشت وبربریت کے اس دور میں کورٹ مارشل کے شعلے چاروں طرف بلند ہو رہے تھے۔ اس رسالہ کے سبب خاصی حد تک انگریزوں کی غلط فہمیاں دور ہوئیں اور مسلمانوں کے بارے ان کے روّیے میں تبدیلی آئی۔ اسی رسالہ کے بیان کردہ حقائق کی بنا پر اے او ہیوم نے آل انڈیا نیشنل کانگرس کی بنیاد رکھی۔

2- لائل محمڈنز آف انڈیا: جنگ آزادی کے بعد انگریز مصنفین نے مسلمانوں کو متعصب، تنگ نظر اور

-3 ڈاکٹر وحیدالزمان Towards Pakistan P-5

-4 پروفیسر احمد سعید حصول پاکستان صفحہ 19

غدار ثابت کرنے کے لئے بڑے سخت مضامین لکھے۔ سرسید احمد نے اس اثر کو زائل کرنے کے لئے 1860ء-1861ء میں ''لائل محمڈنز آف انڈیا'' (ہندوستان کے وفادار مسلمانان) کے عنوان سے مسلسل مضمون لکھے۔ ان مضامین میں انہوں نے اُن ہندوستانی مسلمان خاندانوں کے نام، کوائف اور حالات تفصیل سے بیان کئے، جنہوں نے انگریزوں کے دفاع اور ان کی زندگیاں بچانے کے لئے اپنی جانیں لڑا دی تھی۔ اس طرح انہوں نے ثابت کیا کہ مسلمان حکومت کے وفادار رہے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے مسلمان جائیدادوں کی ضبطی اور سزاؤں سے بچ گئے۔

3- ہنٹر کی کتاب پر ریویو: ولیم ہنٹر نے وائسرائے ہند لارڈ میو کے ایما پر 1871ء میں Our Indian Muslims (ہمارے ہندوستانی مسلمان) کے عنوان سے ایک کتاب لکھی۔ اس کتاب میں اس نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ مسلمان عیسائیت کے پکے دشمن اور اپنے عقائد کی وجہ سے انگریزوں کے باغی ہیں۔ سرسید احمد نے اس کتاب پر اپنا ''ریویو'' لکھ کر انگریزوں پر واضح کیا کہ مسلمانوں کے مذہبی معاملات میں مداخلت اور ان سے غیر منصفانہ سلوک کا نتیجہ خوشگوار نہ ہوگا۔ بلکہ اس سے حکومت کی مشکلات میں اضافہ ہوگا۔ سرسید کا یہ ریویو پانیئر اخبار میں شائع ہوا۔

4- سیاست سے علیحدگی کا مشورہ: سرسید احمد چاہتے تھے کہ مسلمان سیاست سے دور رہیں تا کہ ① وہ اپنی پوری توجہ تعلیم پر مرکوز کر دیں اور وہ تعلیمی اور اقتصادی میدان میں ہندوؤں کے ہم پلّہ ہو جائیں۔ ② مسلمانوں کے متعلق انگریزوں کی بدگمانیاں اور غلط فہمیاں دور ہو جائیں اور ان سے مسلمانوں کے خوشگوار تعلقات قائم ہو جائیں۔ اس لئے انہوں نے مسلمانوں کو سیاست سے دور رہنے کا مشورہ دیا۔

5- کانگرس کی مخالفت: 1885ء میں ہندوؤں نے انگریزوں کے ایما پر انہی کی سرپرستی اور نگرانی میں ایک سیاسی جماعت ''آل انڈیا نیشنل کانگرس'' قائم کی۔ کانگرس نے متحدہ قومیت کا نظریہ اپنایا۔ یعنی برصغیر کے تمام افراد ایک قوم ہیں۔ اس نے مطالبہ کیا کہ یہاں برطانوی جمہوری پارلیمانی نظام قائم کیا جائے۔

سرسید احمد نے تین وجوہات کی بنا پر اس کی سخت مخالفت کی۔ اوّل یہ کہ آپ متحدہ قومیت کے سخت خلاف تھے اور مسلمانوں کو ہر لحاظ سے ایک علیحدہ قوم سمجھتے تھے۔ دوم یہ کہ جمہوری نظام کا صاف مطلب تھا اکثریت کی حکومت یعنی جب سروں کی گنتی کی باری آئے گی تو ہندو ہمیشہ اقتدار میں اور مسلمان اپنی تعداد کم ہونے کی وجہ سے ہمیشہ کیلئے اقتدار سے محروم رہ جائیں گے۔ سوم یہ کہ سرسید احمد کی دوربین نظروں نے بھانپ لیا تھا کہ ہندو اپنے سیاسی مفادات کی خاطر مسلمانوں کی جذباتی اور جوشیلی قوم کو

انگریزوں کے خلاف استعمال کر کے 1857ء کی طرح انہیں حکومت کے انتقام کا نشانہ بنا دیں گے۔ لہٰذا انہوں نے مسلمانوں کو سختی سے ہدایت کی کہ وہ کانگرس میں شامل نہ ہوں۔

6- محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس: سرسید احمد نے کانگرس میں مسلمانوں کی شمولیت کو روکنے اور ان کی سیاسی ضروریات پوری کرنے کے لئے 1886ء میں اس تنظیم کی بنیاد رکھی۔ اسی کے پلیٹ فارم سے انہوں نے کانگرس کے مطالبات کے خلاف اور جداگانہ انتخابات کے انعقاد کے حق میں تقریریں کیں۔ یہ تنظیم ایک حد تک مسلمانوں کی سیاسی ضروریات پورا کرتی رہی۔ یہاں تک کہ 1906ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کا قیام بھی اسی کے پلیٹ فارم سے عمل میں لایا گیا۔

7- دوقومی نظریہ اور جداگانہ الیکشن کا مطالبہ: سرسید احمد خاں نے 1867ء میں اردو ہندی تنازعہ کے موقع پر بنارس کے کمشنر شیکسپیئر کے سامنے یہ پیش گوئی کر دی تھی کہ مستقبل میں ہندو اور مسلم باہم مل کر کسی مشترکہ مقصد کے لئے کام نہ کر سکیں گے اور نہ ہی اکٹھے رہ سکیں گے۔ جب انگریزوں نے برصغیر میں برطانوی طرز حکومت نافذ کرنے کی قسط وار ابتدا کرتے ہوئے انتخاب اور نامزدگی کا طریقہ رائج کیا تو سرسید احمد نے اس کی سخت مخالفت کی۔ انہوں نے تاریخی حقائق سامنے رکھتے ہوئے کہا کہ برصغیر کے حالات برطانیہ جیسے نہیں ہیں۔ یہاں بہت سی قومیں اور نسلیں آباد ہیں۔ جن میں مسلمان اور ہندو دو بڑی قومیں ہیں۔ ان کے مفادات ایک دوسرے سے ٹکراتے ہیں۔ اس لئے پارلیمانی جمہوری نظام برصغیر کے لئے سخت نقصان اور تباہی کا موجب ہوگا۔ سرسید احمد پہلے مسلمان لیڈر ہیں جنہوں نے برصغیر میں دوقومی نظریہ کی عملی صورت رائج کرنے کا باقاعدہ مطالبہ کیا۔ انہوں نے انتخابات کے مروّجہ طریقہ کار اور نامزدگیوں کی مخالفت کرتے ہوئے حکومت کو تجویز پیش کی کہ یہاں جداگانہ الیکشن کا طریقہ اختیار کیا جائے۔ مسلمان ووٹرز کے رجسٹر اور حلقے الگ کر دیئے جائیں تا کہ مسلمان اپنے نمائندوں کا خود انتخاب کر سکیں۔

سرسید احمد کی مذہبی اور معاشرتی خدمات: سرسید احمد خاں نے برصغیر کے مسلمانوں کیلئے ہمہ جہت خدمات سرانجام دیں۔ اسی لئے ایک ڈچ مورخ انہیں خراج تحسین پیش کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ:

''قابلیت اور ٹھوس اسلامی خدمات کے لحاظ سے سرسید انیسویں صدی کے سب سے بڑے مسلمان ہیں۔''[5]

1- خطبات احمدیہ: ولیم میور نے اپنی کتاب The Life of Muhammad میں حضور اکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس پر بہت سے اعتراضات کئے۔ سرسید کو اس سے بہت رنج ہوا۔ اس کتاب نے اُن کی

5- بحوالہ موج کوثر شیخ محمد اکرام صفحہ 137-138

روح کو زخمی کر دیا۔ انہوں نے اس کے جواب میں ''خطبات احمدیہ'' لکھ کر ولیم میور کے ایک ایک اعتراض کا مدلل جواب دیا۔ اپنی کتاب کے مواد کیلئے انہوں نے انگلستان کی لائبریریاں کھنگال ماریں۔ اس کی اشاعت کے لئے انہوں نے قرض پر روپیہ حاصل کرنے کی کوشش کی۔ پھر بھی بات نہ بنی تو انہوں نے اپنے گھر کا ساران سامان بیچ ڈالا۔

2- قرآن پاک کی تفسیر: سرسید احمد نے قرآن پاک کی تفسیر کی سات جلدیں لکھیں۔ اس میں انہوں نے اسلامی عقائد و نظریات کو عقل اور سائنس کے مطابق ثابت کرنے کی کوشش کی تا کہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ کو مطمئن کیا جا سکے۔

3- رسالہ راہِ سنت در ردِّ بدعت اور کلمۃ الحق: یہ دونوں رسالے سرسید احمد نے سید احمد شہید کی اسلامی اصلاحی تحریک کی حمایت میں لکھے۔ ان کی اشاعت کا مقصد مختلف فرقوں کے درمیان اتحاد پیدا کرنا تھا۔

4- تہذیب الاخلاق: انگلستان سے واپسی پر سرسید احمد نے لندن کے رسالہ ''Spectator'' کی طرز پر ''تہذیب الاخلاق'' کے نام سے ایک رسالہ جاری کیا۔ اس کی اشاعت کا سلسلہ 24 دسمبر 1870ء سے شروع ہوا۔ یہ رسالہ مسلمانوں کی اصلاح کے سلسلے میں سرسید احمد کے نظریات و افکار کا ترجمان تھا۔ اس میں مسلمانوں کی معاشرتی اصلاح کے مقصد کے پیش نظر مضامین شائع ہوتے تھے۔ ان مضامین میں کئی ایسی مذہبی باتوں کا ذکر ہوتا تھا جو عام مسلمانوں کو ناگوار گزرتیں۔ اس رسالہ کے ذریعے سرسید نے مسلمانوں میں اسلامی اخوت کے جذبات پیدا کرنے اور انہیں مغربی تعلیم کی طرف راغب کرنے کی کوشش کی۔

5- انگریز مسلم دشمنی کا تدارک: سرسید نے انگریزوں اور مسلمانوں کے درمیان پیدا شدہ باہمی نفرت اور دشمنی ختم کرنے کے لئے مختلف اقدامات کئے۔

(1) اس سلسلے میں انہوں نے ''تبین الکلام'' کے نام سے انجیل کی تفسیر لکھی۔ اس مقصد کیلئے انہوں نے ایک یہودی سے عبرانی زبان سیکھی۔ اس تفسیر کے ایک صفحہ پر انجیل کا عبرانی زبان میں متن اور ساتھ اردو ترجمہ ہوتا تھا جبکہ دوسرے صفحہ پر قرآن پاک کی آیات اور ان کا انگریزی اور اردو کا ترجمہ۔ اس تفسیر میں انہوں نے ثابت کیا کہ عیسائیت کے وہی عقائد ہیں جنہیں اسلام درست سمجھتا ہے

(2) اس کے علاوہ انہوں نے ''رسالہ احکام طعام در اہل کتاب'' لکھا۔ اس میں انہوں نے قرآن و حدیث کے مستند حوالوں سے ثابت کیا کہ اگر شراب اور دیگر حرام اشیاء شامل نہ ہوں تو عیسائیوں

کے ساتھ کھانا کھانا اور ان کے ہاتھ کا ذبیحہ کھانا جائز ہے۔

(3) چونکہ یہودی عیسائیوں کو ازراہ نفرت ناصری کہتے تھے اس لئے جب مسلمان انگریزوں کو نصرانی کہتے تو انگریز اسے اپنی سخت توہین سمجھتے تھے۔ سرسید نے 1959ء میں ''تحقیق لفظ نصاریٰ'' کے نام سے ایک رسالہ لکھا۔ اس میں انہوں نے ثابت کیا کہ لفظ ''نصرانی'' کا لفظ ''ناصری'' سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ نصرانی کی جمع نصاریٰ ہے جو لفظ ''نصر'' سے نکلا ہے۔ نصر کے معنی ہیں ''مددگار''۔ اسلام میں یہ لفظ بڑا باعزت اور معزز سمجھا جاتا ہے۔

سرسید کی علمی و ادبی خدمات:

''ادبی نقطۂ نظر سے علی گڑھ کے سارے پھل میٹھے تھے۔ جدید اردو ادبیات کا آغاز یہیں سے ہوتا ہے۔''[6]

سرسید نے 1840ء میں تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع کیا اور آخری دم تک جاری رکھا۔ آپ نے اپنی زندگی میں 42 کتابیں لکھیں۔ جدید اردو ادبیات کا آغاز تحریک علی گڑھ سے ہوا۔ سرسید احمد اور ان کے ساتھیوں نے ایک نئے طرز تحریر کو رائج جو اظہار مطلب میں مفید اور سمجھنے میں آسان تھا۔ نئی اردو شاعری کے امام الطاف حسین حالی تھے۔ جبکہ مولانا شبلی نعمانی نے تاریخ اسلام اور فارسی کو مقبول بنایا۔ علی گڑھ نے نثر نگاری کو ایک نیا اسلوب دیا۔ سرسید کی چند اہم تصانیف درج ذیل ہیں۔

1- آثار الصنادید: 1847ء میں سرسید احمد نے گہری تحقیق کے بعد ''آثار الصنادید'' کے عنوان سے ایک کتاب لکھی۔ اس میں انہوں نے دہلی اور اس کے قرب و جوار کی 232 قدیم تاریخی عمارات کی تاریخ اور ہمعصر مشاہیر کا حال لکھا ہے۔ اسی کتاب کی وجہ سے سرسید کو ''ماہر آثارِ قدیمہ'' سمجھا جاتا ہے۔ 1861ء میں گارسین دتاسی نے اس کتاب کا فرانسیسی زبان میں ترجمہ کیا۔ اس پر رائل ایشاٹک سوسائٹی لندن نے آپ کو آنریری فیلو کا خطاب دیا۔

2- تاریخ سرکشی بجنور: سرسید 1857ء کی جنگ آزادی کے چشم دید گواہ تھے۔ جنگ کے دوران آپ بجنور میں تعینات تھے۔ انہوں نے مئی 1857ء تا اپریل 1858ء جنگ کے حوالے سے ضلع بجنور کی تاریخ لکھی۔

3- جام جم: اس کتاب میں سرسید نے امیر تیمور سے لے کر بہادر شاہ ظفر تک 43 مسلمان بادشاہوں کا مختصر تذکرہ لکھا ہے۔ جام جم 1840ء میں لکھی گئی۔

6- موج کوثر صفحہ 140

4- جلاء القلوب بذکر المحبوب: یہ حضور اکرم ﷺ کی مختصر سوانح حیات ہے جو کہ 1842ء میں لکھی گئی۔

5- تاریخی کتب کی درستگی: 1855ء میں آپ نے ابوالفضل کی شہرہ آفاق کتاب آئین اکبری کی درستگی کر کے اس کے مشکل مقامات کی وضاحت کی۔ نیز اس میں بے شمار تصاویر کا اضافہ کیا۔ 1862ء میں انہوں تاریخ فیروز شاہی کے چار نسخوں کا موازنہ کر کے اس کی تصحیح کی اور اسی طرح تزک جہانگیر کے تصحیح شدہ ایڈیشن شائع کئے۔

6- تہذیب الاخلاق: سرسید احمد نے مسلمانوں کی مذہبی اور معاشرتی اصلاح کیلئے رسالہ تہذیب الاخلاق جاری کیا۔ اس کے 302 مضامین میں سے 145 سرسید نے لکھے۔ اس رسالے نے اردو لٹریچر کو لفاظی، جھوٹ اور خوشامد سے پاک کیا۔ اس کے مضامین خشک اور متین ہوتے تھے۔ اس کے بعض مضامین مسلمانوں کو مذہبی نقطہ نظر سے بڑے ناگوار گزرتے تھے۔ یہی نظریات سرسید احمد سے مسلمانوں کی مخالفت کی وجہ بنے۔ سرسید خود لکھتے ہیں کہ "اس رسالہ کا نکالنا بھی ایک ولولہ تھا۔ جیسے بند سڑے پانی کو ہلانے سے بدبو اٹھتی ہے لیکن بالآخرہ خوشگوار ہو جاتا ہے۔ اس رسالہ کی ادبی اہمیت کا تذکرہ کرتے ہوئے ابوالکلام آزاد کہتے ہیں کہ:

"اس دور کا کوئی ادیب نہ تھا جو تہذیب الاخلاق کے حلقہ ادب سے متاثر نہ ہوا ہو"۔ سرسید احمد کی انہی خدمات کے پیش نظر اڈنبرا یونیورسٹی نے آپ کو "ڈاکٹر آف لاز" کی اعزازی ڈگری پیش کی۔

تحریک علی گڑھ کی ملی خدمات

سرسید احمد خان نے ایک تعلیمی ادارہ قائم کیا لیکن وہ ایک تحریک بن گیا جس نے برعظیم کے مسلمانوں کی تعلیمی، معاشرتی، معاشی، ادبی، سیاسی اور مذہبی میدان میں گراں قدر خدمات انجام دیں۔ اس تحریک نے شکست خوردہ قوم کو سنبھالا دیا۔ سرسید احمد خان نے قوم کے مرض کا علاج تعلیم سے شروع کیا اور اسے سیاست سے مکمل پرہیز کا مشورہ دیا۔ اس نسخے سے مریض نے ایک نئی کروٹ لی۔

تحریک علی گڑھ کا مقصد قوم کو اپنے پاؤں پر کھڑا کرنا تھا اور مسلم نونہالوں کی اس انداز سے تربیت کرنا تھی کہ ان کے ایک ہاتھ میں قدیم علوم اور دوسرے ہاتھ میں جدید علوم ہوں۔ اور سر پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا تاج ہو۔ اگرچہ جدیدیت اس مقصد پر غالب آ گئی اور سرسید احمد خان اور ان کے ساتھیوں کو اس پر تشویش لاحق رہی۔ تاہم اس سے انکار ممکن نہیں کہ تحریک علی گڑھ نے قومی زندگی پر ان مٹ نقوش چھوڑے۔

قائداعظم نے تحریک پاکستان میں تحریک علی گڑھ سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ آپ کا کہنا درست ہے کہ ہم نے پاکستان کی جنگ علی گڑھ کے میدان میں جیتی ہے۔ تحریک علی گڑھ کی خدمات کا جائزہ مندرجہ ذیل عنوانات میں دیا جاتا ہے:

① دوقومی نظریے کا تحفظ ② اردو زبان کا دفاع
③ انگریز سے مصالحت ④ مغربی تعلیم کی اشاعت
⑤ کانگریس سے لاتعلقی ⑥ سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کا حصہ
⑦ سیاسی قیادت کی فراہمی ⑧ جداگانہ انتخاب کا مطالبہ
⑨ مسلم لیگ کا قیام ⑩ معاشرتی اصلاح
⑪ مادی ترقی و خوش حالی ⑫ علمی ترقی
⑬ دُنیائے اسلام کے معاملات میں دلچسپی ⑭ تحریک پاکستان

① دوقومی نظریے کا تحفظ: دوقومی نظریہ ایسی حقیقت ہے جس سے کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا۔ دونوں قومیں اپنے مخصوص معاشرتی طور طریقوں کی وجہ سے ہمیشہ ایک دوسرے سے الگ تھلگ رہیں۔ مغلوں کے دور میں مسلمانوں کو قومی تشخص کے تحفظ کی اس وقت ضرورت پیش آئی جب ہندوؤں نے اکبر بادشاہ سے رشتے ناطے کر کے مسلم اقلیت کو ہندو اکثریت میں ضم کرنے کی کوشش کی۔ اس کے بعد مغلوں کے دور زوال میں مرہٹوں نے مسلمانوں کو زیر کر کے رام راج قائم کرنے کی کوشش کی۔ 1857ء کی جنگ آزادی میں ناکامی نے مسلمانوں کو آسمان سے زمین پر پٹخ دیا۔ ایسے میں سرسید احمد خان کی تحریک علی گڑھ نے مسلمانوں کو متحدہ قومیت کے سحر سے بچایا۔

② اردو زبان کا دفاع: اردو زبان نے مسلمانوں کے لشکروں میں جنم لیا اور فوجی چھاؤنیوں میں اس کی ترقی ہوئی۔ اس لشکری زبان کی یلغار کے سامنے ہندوستان کی قدیم زبانوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور اس کا سکہ ہر طرف چل گیا۔ ہندوؤں نے اسے مسلمانوں کی زبان قرار دے کر اسے ختم کر کے ہندی رائج کرنے کی کوشش کی تو سرسید احمد خان نے اردو زبان کا کامیاب دفاع کیا۔ ان کے بعد محسن الملک نے اردو ڈیفنس ایسوسی ایشن قائم کر کے اردو کی حمایت میں زبردست تحریک چلائی۔ اردو زبان کا دفاع علی گڑھ کی بہت بڑی قومی خدمت ہے۔

③ انگریز سے مصالحت: جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد مسلمانوں سے نہ صرف اقتدار چھین لیا گیا بلکہ انگریز ہندوؤں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کو مختلف حربوں سے تباہ و برباد کرنے پر تل گیا۔ مسلمان انگریز کے زخم خوردہ تھے اس لئے اس کی طرف دوستی کا ہاتھ کیسے بڑھا سکتے تھے؟ سرسید احمد خان نے

تحریک علی گڑھ کے ذریعے ایسے عملی اقدامت کیے جس سے مسلمان انگریزوں سے نفرت کم کرنے پر مجبور ہو گئے اور انگریزوں کا بھی جوش انتقام ٹھنڈا ہو گیا۔

④ مغربی تعلیم کی اشاعت: سرسید احمد خان سمجھتے تھے کہ مغربی تعلیم وقت کی ضرورت ہے۔ چنانچہ سرسید احمد خان نے علی گڑھ کا ادارہ قائم کر کے ایک علمی تحریک کا آغاز کیا جس سے دوررس نتائج مرتب ہوئے۔ مسلمانوں میں مغربی علوم نے ایک طرف خود اعتمادی پیدا کی اور دوسری طرف مسلمانوں کا ایک ایسا طبقہ وجود میں جسے حکومت اپنا وفادار سمجھتی تھی۔ انگریزوں نے تعلیمی ترقی میں ان کا ہاتھ بٹایا۔

⑤ کانگریس سے لاتعلقی: سرسید احمد خان کا خیال تھا کہ مسلمانوں کو فی الحال سیاست میں حصہ نہیں لینا چاہیے۔ وہ یہ چاہتے تھے کہ مسلمان پہلے تعلیم حاصل کر لیں اور پھر سیاست میں حصہ لیں۔ چنانچہ جب انڈین نیشنل کانگریس قائم ہوئی تو سرسید احمد خان نے مسلمانوں کو اس سے لاتعلق رہنے کا مشورہ دیا۔ ان کا کہنا تھا کہ نمائندہ حکومت جس کا مطالبہ کانگریس کر رہی ہے، برصغیر پاک و ہند کے لئے موزوں نہیں ہے۔ اس سے ہندو راج قائم ہوگا اور مسلمان محکوم بن کر رہ جائیں گے۔ سرسید کا یہ استدلال بڑا درست تھا اور آگے چل کر یہ دو قومی نظریے اور قیام پاکستان پر منتج ہوا۔

⑥ سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کا حصہ: جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد مسلمانوں کو باغی قرار دے کر انہیں سرکاری اداروں سے دور رکھنے کی کوشش کی گئی۔ سرسید احمد خان نے تحریک علی گڑھ کے ذریعے انگریز کے غم و غصے اور جوش انتقام کو ٹھنڈا کیا اور مسلمانوں کو مغربی تعلیم سے آراستہ کر کے انہیں ہندوؤں کے مقابلے میں لا کھڑا کیا۔ مغربی تعلیم نے مسلمانوں میں خود اعتمادی پیدا کی اور وہ ملازمتوں میں اپنے لئے متناسب حصے کا تقاضا کرنے لگے۔

⑦ سیاسی قیادت کی فراہمی: تحریک علی گڑھ نے مغربی علوم کے ذریعے ایک جدید تعلیم یافتہ طبقہ پیدا کیا جس نے مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کے لئے آواز اٹھائی۔ محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس نے مسلم اکثریت کے علاقوں میں علی گڑھ کی طرز پر ادارے قائم کئے۔ طلبہ انگریزی سیکھ کر حکمران کی زبان میں اپنی بات سمجھانے کے لائق ہوئے۔ تعلیم یافتہ طبقے کا یہ انداز حکمرانوں کو اپیل کرنے لگا اور وہ مسلمانوں کی ترقی کے لئے بھی سوچنے پر مجبور ہو گئے۔

⑧ جداگانہ انتخاب کا مطالبہ: تحریک علی گڑھ نے مسلمانوں کو اپنے قدموں پر کھڑا کر دیا۔ سرسید کی وفات کے ساتھ ہی مسلمانوں نے سیاسی سرگرمیاں شروع کر دیں۔ چنانچہ ایم۔ اے۔ او کالج علی گڑھ کے پرنسپل مسٹر بیک کی وساطت سے مسلمانوں کا ایک وفد یکم اکتوبر 1906ء کو شملہ میں لارڈ منٹو سے ملا۔ مسلمانوں کے قائدین نے جداگانہ انتخاب کا مطالبہ کیا۔ لارڈ منٹو نے اس پر ہمدردانہ غور کرنے کا وعدہ

کیا اور 1909ء کے منٹو مارلے اصلاحات میں یہ مطالبہ تسلیم کر لیا گیا۔

⑨ مسلم لیگ کا قیام: سرسید احمد خان نے مسلمانوں کو باقاعدہ سیاست سے الگ رہنے کا مشورہ دیا تھا۔ بیسویں صدی عیسوی کے آغاز میں ہی ملکی حالات بتدریج ایسی صورت اختیار کر گئے کہ مسلمان ایک ملک گیر سیاسی تنظیم کی ضرورت شدت سے محسوس کرنے لگے۔ شملہ وفد کی کامیابی کے بعد انہوں نے ایک سیاسی جماعت قائم کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ چنانچہ 30 دسمبر 1906ء کو محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے سالانہ اجلاس ڈھاکہ میں مسلمانوں کی سیاسی تنظیم آل انڈیا مسلم لیگ قائم کر دی گئی۔

⑩ معاشرتی اصلاح:

طرز کہن پہ اڑنا آئین نو سے ڈرنا
منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں

تحریک علی گڑھ نے توہم پرستی اور قدیم بے بنیاد عقائد پر کاری ضرب لگائی۔ سرسید احمد خان نے رسالہ ''تہذیب الاخلاق'' میں مسلمانوں کی معاشرت اور رسم و رواج کے موضوعات پر متعدد مضامین لکھے جن کا مقصد مسلمانوں کی معاشرتی اصلاح اور مغربی طرز معاشرت کو عام کرنا تھا۔

⑪ مادی ترقی و خوشحالی: تحریک علی گڑھ کا مقصد تعلیم کے ذریعے مسلمانوں کے لئے مادی ترقی کی راہیں ہموار کرنا تھا۔ مسلمان پڑھ لکھ کر نہ صرف اعلیٰ عہدوں تک پہنچے بلکہ صنعت اور تجارت میں بھی ہندوؤں کے ساتھ قدم ملا کر چلنے لگے۔ تحریک علی گڑھ نے تعلیم کے ذریعے مسلمانوں کو حوصلہ دیا اور وہ مادی ترقی کی دوڑ میں شریک ہو گئے۔

⑫ علمی ترقی: تحریک علی گڑھ نے مسلمانوں کی ترقی کی بنیاد تعلیم پر رکھی۔ ابتدا میں تحریک علی گڑھ خالص علمی تحریک تھی۔ تحریک علی گڑھ سرسید کی وفات تک اپنے اس مقصد پر بڑی سختی سے عمل کرتی رہی۔ تعلیمی میدان میں علی گڑھ کے اجراء سے بھی اہم کام سرسید احمد خان کا 1886ء میں محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا قائم کرنا تھا۔ اس کانفرنس کے سالانہ اجلاس برصغیر کے مختلف مقامات پر منعقد ہوتے اور اس کی کوششوں سے ملک کے مختلف حصوں میں سکول اور کالج کھولے گئے۔

⑬ دُنیائے اسلام کے معاملات میں دلچسپی: تحریک علی گڑھ نہ صرف برعظیم کے مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لئے سرگرم تھی بلکہ عالم اسلام کے تمام مسلمانوں کے مسائل بھی زیر غور آتے تھے۔ ایران میں مداخلت ہو، بلقان یا طرابلس کی جنگیں، برصغیر کے مسلمانوں کے دل عالم اسلام کے مسلمانوں کے ساتھ دھڑکتے تھے۔ علی برادران نے تحریک خلافت کی جنگ برصغیر میں لڑی اور انگریزوں

کو احساس دلایا کہ ترکی اکیلا نہیں ہے بلکہ اس کی پشت پر برصغیر کے مسلمان ہیں۔

⑭ **تحریک پاکستان:** سرسید پہلے مسلمان رہنما تھے جنہوں نے اپنے سیاسی نظریات میں برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کو ایک الگ قوم ثابت کر کے دوقومی نظریہ کی بنیاد رکھی اور اسی بنیاد پر جداگانہ انتخاب کا مطالبہ اور اس کے تقریباً نصف صدی بعد اسی سیاسی نظریے یعنی دوقومی نظریے کی بنیاد پر برصغیر کے مسلمانوں کو اپنا الگ وطن مملکت خداداد پاکستان ملا۔ اس لئے سرسید احمد خان کو پاکستان کا حقیقی بانی کہا جاتا ہے۔

تحریک علی گڑھ نے برعظیم کے مسلمانوں کو نہ صرف نظریاتی طور پر تحریک پاکستان کے لئے تیار کیا بلکہ سیاسی قائدین بھی تیار کر کے دیئے جن کی قیادت میں مسلمان اپنی منزل مملکت پاکستان تک پہنچے۔

مسلم یونیورسٹی کا قیام: نواب وقار الملک کے دور میں ہی کالج کو یونیورسٹی کا درجہ دینے کی کوشش زوروں پر تھی اور حکومت سے بار بار اس کا مطالبہ کیا جارہا تھا۔ حکومت نے بیس لاکھ روپے فنڈ کو یونیورسٹی کی منظوری کے لئے ضروری قرار دیا۔ اس وقت کالج کے پاس صرف چھ سات لاکھ روپے کی رقم تھی۔ سر آغا خان نے اس معاملے میں گہری دلچسپی لی اور چندہ کی فراہمی کے لئے ملک بھر کا دورہ کیا۔ اس کے باوجود جب مطلوبہ رقم مہیا نہ ہوسکی تو انہوں نے باقی رقم اپنے پاس سے جمع کرادی مگر حکومت نے بعض اور شرائط عائد کردیں۔ مثلاً یونیورسٹی کے نام کے ساتھ مسلم کے لفظ کا اضافہ نہ کیا جائے۔ اسے الحاقی درجہ نہ دیا جائے۔ چنانچہ یونیورسٹی کے قیام کا مسئلہ بار دیگر معرض التواء میں پڑ گیا۔ اس اثنا میں ہندوؤں نے پنڈت مدن موہن مالویہ کی قیادت میں حکومت کی شرائط کے مطابق 1920ء میں بنارس میں ہندو یونیورسٹی قائم کرلی۔ اب مسلم یونیورسٹی کے قیام میں مزید تاخیر مناسب نہ تھی اس لئے مسلمانوں نے بھی حکومت کی شرائط قبول کرتے ہوئے جنوری 1921ء میں علی گڑھ میں اپنی یونیورسٹی کا آغاز کیا۔ اس طرح سرسید احمد خان کی زندگی کا مشن بہت حد تک پورا ہوگیا۔

غرضیکہ تحریک علی گڑھ مسلمانوں کی تعلیمی تحریکوں میں سب سے زیادہ کامیاب، مؤثر اور نتیجہ خیز تحریک ثابت ہوئی۔ اس تحریک نے مسلمانان ہند کو جدید علوم سے آگاہ کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ مجموعی طور پر علی گڑھ تحریک کا مطمع نظر یہ تھا کہ مسلمان طلبہ میں ذہنی چستی اور بیدار مغزی پیدا ہوتا کہ وہ ملکی کاموں پر زیادہ سے زیادہ دخیل ہوسکیں اور مختلف پیشوں اور سرکاری ملازمتوں میں پیچھے نہ رہیں۔ خود سرسید کے الفاظ میں ان کی تعلیمی پالیسی کا مقصد یہ تھا کہ:

''ہمارے دائیں ہاتھ میں سائنس ہوگی بائیں ہاتھ میں فلسفہ اور ہمارے سر پر لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا تاج ہوگا۔''

سرسید کے تمام اندازے اور پیش گوئیاں حرف بہ حرف صحیح ثابت ہوئیں اور مسلمانوں نے تعلیمی میدان میں ان کی توقع کے عین مطابق ترقی کی۔

مسلم علاقوں میں تعلیم کا فروغ

① **بنگال:** بنگال کے مسلمانوں کو خوش قسمتی سے نواب عبداللطیف کی صورت میں ایک بلند ہمت اور بالغ نظر شخص کی مخلصانہ خدمات میسر آگئیں۔ وہ 1828ء میں ضلع فرید پور میں پیدا ہوئے تھے۔ حصول تعلیم کے بعد پروفیسر اور پھر پریذیڈنسی مجسٹریٹ کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ انہوں نے بنگال کے مسلمانوں کے تعلیمی اور سماجی حالات کو سدھارنے کی انتھک کوشش کی۔ انہوں نے سرسید کی سائنٹیفک سوسائٹی کے نمونہ پر کلکتہ میں 1893ء میں محمڈن لٹریری سوسائٹی کی بنیاد رکھی جس کا مقصد مسلمانوں میں مغربی علوم وفنون کے لئے دلچسپی پیدا کرنا، مسلمانوں کی تعلیمی اور قانونی مسائل کی حکومت کو اطلاع دینا اور مغربی اقوام کی طرح مسلمانوں کو ترقی سے آشنا کرنا تھا۔ سوسائٹی کی کوششوں سے مغربی تعلیم کے بارے میں بنگال مسلمانوں کی غلط فہمیاں بہت حد تک دور ہوگئیں اور انہوں نے اپنے بچوں کو زیور تعلیم سے آراستہ کرنا شروع کیا۔ نواب عبداللطیف کا ایک اور بڑا کارنامہ محسن ٹرسٹ کو، جو نادار مسلمان طلبہ کی تعلیمی ترقی کے لئے قائم ہوا تھا، 1873ء میں بحال کرانا تھا۔ اس کی آمدنی سے ڈھاکہ، چٹا کانگ اور راجشاہی میں سکول کھولے گئے اور بنگال کے تمام مسلمان طلبہ کے دو تہائی تعلیمی اخراجات اس فنڈ سے پورے ہونے لگے۔ نواب عبداللطیف کی تحریک کا مشرقی پاکستان کے مسلمانوں پر گہرا اثر ہوا اور ان کے افکار واحساسات کا رخ متعین ہوا۔ نواب موصوف کی کوششوں سے بنگالی مسلمانوں میں اردو زبان سے دلچسپی پیدا ہوئی نیز انہوں نے مسلمان طلبہ کے لئے مسلمان اساتذہ کے تقرر کی کامیاب جدوجہد کی۔ کلکتہ مدرسہ جو غیر مسلموں کی تعلیم کے لئے وقف ہوکر رہ گیا تھا، محسن ٹرسٹ کی بحالی کے بعد دوبارہ مسلمانوں کا عظیم تعلیمی مرکز بن گیا۔ نواب عبداللطیف کے بعد جن شخصیتوں نے بنگالی مسلمانوں کی تعلیمی ترقی کے لیے کوششیں کیں ان میں نواب علی چودھری، سرشمس الہدیٰ، مولوی اے کے فضل الحق، سر عبدالرحیم اور خواجہ ناظم الدین کے نام قابل ذکر ہیں۔

② **پنجاب:** پنجاب مغل دور میں علم وثقافت کا گہوارہ تھا اور اس نے بڑے بڑے یگانہ روزگار عالم پیدا کئے ہیں لیکن جہاں سکھوں نے اپنے دور میں مسلمانوں کی تہذیبی اور ثقافتی آثار کو مٹانے میں سرگرمی دکھائی وہاں انگریزوں نے اپنے عہد میں غیر مسلموں کی پشت پناہی کر کے مسلمانوں کو جاہل اور پسماندہ

رکھنے کی کوشش کی۔ چنانچہ جب سرسید احمد خان نے برصغیر کے مسلمانوں میں مغربی تعلیم کی اشاعت کے لئے تحریک چلائی تو اہل پنجاب ہی نے ان کی سب سے زیادہ عملی اور اخلاقی حمایت کی۔ اسی بنا پر سرسید احمد خان یہاں کے مسلمانوں کو زندہ دلان پنجاب کہا کرتے تھے۔

خان بہادر برکت علی، سردار محمد حیات (سرسکندر کے والد) اور ریاست پٹیالہ کے وزیر خلیفہ محمد حسین کی خدمات نے سرسید کی تحریک کو تقویت پہنچائی۔ ان حضرات نے پنجاب کے مسلمانوں کی حالت سدھارنے کی طرف بھی توجہ مبذول کی۔ 1884ء میں ان کی کوششوں سے انجمن اسلامیہ پنجاب کا قیام عمل میں آیا۔ اس انجمن نے سب سے پہلے شاہی مسجد لاہور کو واگزار کرایا جو سکھوں کے عہد میں اصطبل اور بارود کے گودام میں تبدیل ہو چکی تھی۔ اس عظیم مسجد کی مرمت اور دیکھ بھال کا کام اسی انجمن کی نگرانی میں رہا۔ 1888ء میں اس انجمن کے زیر اہتمام لاہور میں محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا اجلاس ہوا۔ 1884ء میں انجمن حمایت اسلام لاہور قائم ہوئی جس میں پنجاب کے مسلمانوں کی کثرت تھی جب کہ انجمن اسلامیہ پر متمول مسلمانوں کا قبضہ تھا۔

انجمن حمایت اسلام کو بہت جلد عوامی حلقوں میں مقبولیت حاصل ہوئی۔ شروع میں چندہ کے طور پر مسلمان گھرانے سے ایک مٹھی آٹا روزانہ کے حساب سے برتنوں میں جمع کیا جاتا اور اسے بیچ کر اخراجات پورے کئے جاتے۔ اس کے ابتدائی ایام میں سالانہ آمدنی 754 روپے اور خرچ صرف 344 روپے تھا۔ اس انجمن نے متعدد اسکول کھولے اور 1892ء میں اسلامیہ کالج ریلوے روڈ لاہور کی بنیاد رکھی۔ اس طرح مسلمان بچوں کو تعلیم جدید سے آراستہ کرنے کا اہتمام ہوا۔ دینی اقدار کا تحفظ کرنا مسلمانوں کی سماجی اور ثقافتی ترقی کی کوشش کرنا اور اسلام کے خلاف عیسائی مشنریوں اور آریہ سماج پنڈتوں کے حملوں کا سدباب کر کے اسلام کی حقانیت ثابت کرنا انجمن کے بڑے مقاصد تھے۔ اس کی مرتب کردہ نصابی کتب میں اسلام کے مختلف پہلوؤں پر معلومات فراہم کی گئیں۔ ملک کے متعدد سکولوں میں یہ کتب پڑھائی جاتی تھیں۔ مسلمان یتیم بچوں کو عیسائی پادریوں کے چنگل میں گرفتار ہونے سے بچانے کے لئے انجمن نے دو یتیم خانے اور ایک دارالاطفال اور بے سہارا مسلم خواتین کے لئے دارالامان قائم کیا۔ اس کے قائم کردہ تعلیمی اداروں میں دو مردانہ ڈگری کالج، ایک زنانہ ڈگری کالج کوپر روڈ، ایک طبیہ کالج، چھ ہائی سکول لڑکوں کے لئے اور ایک لڑکیوں کے لئے، تعلیم بالغاں کے دو مراکز اور تین جونیئر ماڈل سکول شامل تھے۔ انجمن کی ملکیت میں اس وقت بھی ایک پریس، ہفت روزہ رسالہ، کتب خانہ، یتیم خانے اور دارالامان ہیں۔ اس انجمن نے دینی اور تعلیمی معاملات میں رہنمائی کرنے کے علاوہ سیاسی میدان میں بھی قابل قدر خدمات انجام دیں۔ اس کے سالانہ جلسوں میں سرسید، حالی، محسن الملک، سر عبدالقادر، سر محمد شفیع اور حکیم الامت علامہ اقبال جیسے سر برآوردہ افراد نے خطاب فرمایا اور

مسلم عوام کے دلوں کو گرمایا۔ اس کے تعلیمی اداروں بالخصوص اسلامیہ کالج ریلوے روڈ لاہور کے طلبہ نے تحریک پاکستان میں جوش و خروش سے حصہ لیا اور گھر گھر قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا پیغام پہنچایا۔

پنجاب میں محکمہ تعلیم کا قیام 1856ء میں ہوا۔ 1860ء میں طبیہ کالج اور 1864ء میں گورنمنٹ کالج لاہور قائم ہوئے۔ ابتدا میں طالب علموں کو وظیفے دیئے جاتے تھے۔ علوم شرقیہ کی تجدید، علاقائی زبانوں کی ترقی اور ثقافتی، سیاسی اور سائنسی دلچسپی کے امور پر بحث کے لئے انجمن پنجاب کا قیام عمل میں آیا جس کے صدر گورنمنٹ کالج کے پہلے پرنسپل اور مشہور ماہر تعلیم ڈاکٹر جے ڈبلیو لٹز تھے۔ اس انجمن نے امتحانوں کے سلسلے میں 88 کلکتہ یونیورسٹی کی اجارہ داری کے خلاف تحریک چلائی۔ اس کی کوششوں سے جنوری 1870ء میں پنجاب میں یونیورسٹی کالج قائم ہوا جو 1882ء میں مکمل یونیورسٹی بن گیا۔ ڈاکٹر لٹز اس کے پہلے رجسٹرار مقرر ہوئے۔ پنجاب کے تمام تعلیمی اداروں کا اس سے الحاق عمل میں آیا۔ اس کے اپنے اہتمام میں لاء کالج، کامرس کالج اور اورینٹل کالج قائم ہوئے۔ پنجاب یونیورسٹی کو پاکستان کی قدیم اور اہم ترین دانش گاہ ہونے کا شرف حاصل ہے۔

③ **سندھ:** لارڈ ایلن برا کے عہد میں سندھ کی آزادی کا خاتمہ کر کے اس کی انفرادی حیثیت مٹانے کی غرض سے اسے صوبہ بمبئی میں مدغم کر دیا گیا۔ صوبہ بمبئی کی ہندو اکثریت کسی طور پر بھی مسلمانوں کی تعلیمی ترقی کی روادار نہ تھی لیکن علی گڑھ کا پیغام سرزمین سندھ تک پہنچ چکا تھا۔ خان بہادر حسن علی آفندی نے جو سید امیر علی کی قائم کردہ سنٹرل محمڈن ایسوسی ایشن کراچی برانچ کے صدر تھے اور سرسید کی تعلیمی کوششوں کے بہت بڑے مداح تھے، کراچی میں سندھ مدرسۃ الاسلام قائم کیا۔ اس مدرسے کا آغاز بولٹن مارکیٹ کی ایک قدیم عمارت کے حصول سے ہوا لیکن بہت جلد اس میں توسیع عمل میں آئی اور مسجد، ہوسٹل اور کھیل کے میدان تعمیر کئے گئے۔ اس مدرسے کی ترقی کے لئے خیر پور کے نواب نے بھاری رقوم عطا کیں۔ اس کے پہلے دو انگریز پرنسپل پرسی نائیڈز اور پروفیسر وائز جن کا انتخاب علی گڑھ کی وساطت سے ہوا تھا، اس ادارے کی ترقی کے بہت حد تک ذمہ دار تھے۔ 1896ء میں حسن آفندی کی وفات پر ان کے صاحبزادے ولی محمد نے انتظامی اختیارات سنبھال لئے اور اس کی ترقی کے لئے کوشاں رہے۔ ان کے دور سے مدرسے کی سرکاری سرپرستی کا آغاز ہوا۔ سندھ کے ریونیو کمشنر اس کی انتظامیہ کے صدر اور کراچی کے کلکٹر جنرل سیکرٹری ہوا کرتے تھے۔ 1938ء میں حسن علی عبدالرحمان نے سیکرٹری شپ کے اختیارات سنبھال کر اس مدرسے پر سرکاری دباؤ ختم کر دیا۔ اس کے اساتذہ میں شمس العلماء عمر بن داؤد پوتا جیسے افراد شامل تھے۔ جن افراد نے اس مدرسے میں تعلیم پائی ان میں بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ اور سندھ کے سابق وزیر اعلیٰ سر غلام حسین ہدایت اللہ قابل ذکر ہیں۔ سندھ مدرسۃ الاسلام

بعد میں سندھ مسلم کالج بن گیا۔ قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی وصیت میں اپنی جائیداد کا بہت بڑا حصہ اس ادارے کے نام چھوڑا۔

④ صوبہ سرحد: پنجاب کی طرح صوبہ سرحد بھی سکھوں اور انگریزوں کا زخم خوردہ تھا۔ جنہوں نے یہاں کے غیور عوام کو پسماندگی اور جہالت کا شکار رکھنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ مسلمان سرسید کی تعلیمی تحریک سے بہت متاثر تھے لیکن مالی مشکلات اور سرکاری حکمت عملی ان کی راہ میں حائل تھی۔ ادھر عیسائی مشنریوں کو سرکاری سرپرستی میں جگہ جگہ اپنے مراکز قائم کرنے کی کھلی چھٹی تھی اور وہ فرزندان توحید کو عیسائیت کی آغوش میں دینے کی کوششوں میں سرگرم عمل تھے۔ جدید تعلیم کو صوبہ سرحد میں پھیلانے کے عیسائی مشنری ہی ذمہ دار تھے اور تعلیم کے لئے مخصوص کی جانے والی ساری گرانٹ انہیں دے دی جاتی تھی۔ 1868ء میں کلارک نامی ایک پادری نے مشن ہائی سکول قائم کیا۔ بعد میں ایڈورڈ کالج قائم ہوا۔ 1888ء میں میونسپل ہائی سکول پشاور کی بنیاد رکھی گئی جو بعد میں گورنمنٹ ہائی سکول بن گیا۔ 1927ء میں اس کے پرنسپل علامہ عنایت اللہ خان المشرقی بنے جو بہت بڑے فاضل اور مشہور عسکری تنظیم خاکسار تحریک کے بانی تھے۔ مسلمانوں میں دینی تعلیم اور جدید علوم کے ساتھ ساتھ تعلیم کی ترقی کی غرض سے بابو غلام حیدر اور میاں عبدالکریم جیسے دردمند افراد نے پشاور میں انجمن حمایت اسلام کی بنیاد رکھی جس نے 1890ء میں پرائمری سکول قائم کیا جو 1902ء میں اسلامیہ ہائی سکول بن گیا۔ اس کا ایک ہوسٹل بھی تعمیر کیا گیا جس کے ساتھ اسلامیہ کلب، کتب خانہ، دارالمطالعہ اور وسیع ہال بھی بنایا گیا۔

صوبہ سرحد میں جدید تعلیم کے فروغ کے سلسلے میں سرحد کے سرسید، صاحبزادہ سر عبدالقیوم کی کوششیں سب سے زیادہ قابل ذکر ہیں۔ انہوں نے 1913ء میں پشاور سے پانچ میل کے فاصلے پر دارالعلوم اسلامیہ کی بنیاد رکھی۔ ابتدا میں یہ ہائی سکول تھا جسے 1914ء میں کالج کا درجہ دے دیا گیا۔ اس کی عمارات بڑی خوبصورت اور شاندار تھیں۔ یہ بانی کا خلوص تھا جس نے سرحد جیسے پسماندہ علاقے کے عوام میں تعلیمی لگن پیدا کردی اور ملک کے دور دراز حصوں سے طلبہ کشاں کشاں چلے آئے اور اسلامیہ کالج پشاور تعلیم کا بہت بڑا مرکز بن گیا۔ طلبہ کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیش نظر منتظمین نے سرکاری سرپرستی کی درخواست کی لیکن سرکاری امداد کے باوجود اس کے انتظامی معاملات بہت حد تک صاحبزادہ عبدالقیوم کے ہاتھ میں تھے جو اس کے لائف سیکرٹری تھے۔ ان کے حسن انتظام اور فہم و فراست کی بدولت اس ادارے نے بہت ترقی کی۔ تعلیمی خدمات کی وجہ سے وہ 1925ء میں آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے صدر منتخب ہوئے۔ اسلامیہ کالج پشاور نے پٹھانوں کی تعلیمی اور سیاسی بیداری میں نمایاں کردار انجام دیا ہے جو تاریخ کے اوراق میں سنہری حروف میں لکھنے کے قابل ہے۔

سرسید احمد خان کے قریبی ساتھی

❶ نواب محسن الملک

حالات زندگی: نواب محسن الملک کا اصلی نام سید مہدی علی خان تھا۔ وہ 9 نومبر 1837ء کو بھارت کے صوبے یو۔ پی کے ایک شہر اٹاوہ میں پیدا ہوئے۔ ان کا تعلق سادات بارہہ سے تھا۔ انہوں نے اسلامی روایتی اداروں میں تعلیم حاصل کی اور اپنی زندگی کا آغاز بطور کلرک کیا اور ان کی تنخواہ دس روپے ماہوار تھی۔ بعد میں وہ ترقی کر کے تحصیلدار بن گئے۔ 1867ء میں پی۔ سی۔ ایس کے امتحان میں اول آئے، ان کو ڈپٹی کلکٹر بنادیا گیا۔ 1873ء میں وہ ریاست حیدر آباد کی ملازمت میں چلے گئے۔ جہاں انھیں انسپکٹر جنرل ریونیو کا عہدہ دیا گیا۔ ان کی خداداد لیاقت، ایمانداری اور اعلیٰ کارکردگی سے متاثر ہو کر نظام نے ان کو نہ صرف انعامات سے نوازا بلکہ محسن الملک کا خطاب بھی دیا۔ ملازمت سے فارغ ہو کر وہ علی گڑھ میں مقیم ہو گئے اور خود کو قوم کی خدمت کے لئے وقف کردیا۔

علی گڑھ کالج کے سیکرٹری: 1898ء میں سرسید احمد خان کی وفات کے بعد انہوں نے کالج ٹرسٹ کے سیکرٹری کا عہدہ سنبھالا اور اپنی وفات اکتوبر 1907ء تک یہ خدمات انجام دیتے رہے۔ ان کے دور میں کالج نے بڑی ترقی کی۔ کالج کے طلبہ کی تعداد 343 سے 800 تک پہنچ گئی، آمدنی دوگنی ہوگئی، کالج کی عمارتیں مکمل ہوگئیں۔ مسلم یونیورسٹی کے قیام کی تحریک بڑے زور و شور سے چلی اور اس کے لئے چھ لاکھ روپے جمع ہوئے۔ ان کی نرم مزاجی اور محتاط رویے نے ایسے لوگوں کو بھی اپنی گرویدہ بنالیا جو اس سے پہلے کالج کے مخالف تھے۔ علمائے کرام نے بھی کالج کی حمایت شروع کردی۔

اردو کا تحفظ: اپریل 1900ء میں اردو ہندی جھگڑا پھر شروع ہوگیا۔ انہوں نے اس کے خلاف سخت احتجاج کیا اور اردو ڈیفنس ایسوی ایشن قائم کر کے اردو کی حمایت میں زبردست تحریک چلائی۔ گورنر نے ناراض ہو کر کالج کو نقصان پہنچانے کی دھمکی دی اس پر وہ کالج کے سیکرٹری کے منصب سے مستعفی ہوگئے مگر عوام اور خواص کے دباؤ پر اپنا استعفیٰ واپس لے لیا۔

سیاسی خدمات: وہ مسلمانوں کی سیاسی سرگرمیوں میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ موجودہ صدی کے آغاز میں ہندوؤں کی انتہا پسند تحریکوں کے سبب انہوں نے مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت میں مثبت

قدام کرنے کا فیصلہ کیا۔ جب وزیر ہند لارڈ مارلے نے بجٹ تقریر میں آئینی اصلاحات نافذ کرنے کے ارادے کا اعلان کیا تو نواب محسن الملک نے مسلمانوں کا ایک نمائندہ وفد تیار کیا جو شملہ وفد کے نام سے مشہور ہے۔ اس وفد نے یکم اکتوبر 1906ء کو لارڈ منٹو وائسرائے ہند کے سامنے ایک سپاسنامہ پیش کیا جس میں جداگانہ انتخابات کا مطالبہ کیا گیا۔ اس کے بعد انہوں نے مسلم لیگ کے قیام میں اہم کردار ادا کیا۔ بعد میں ان کو مسلم لیگ کا جوائنٹ سیکرٹری چنا گیا انہوں نے مسلم لیگ کے دستور کی تیاری میں بھی بھرپور حصہ لیا۔ 1907ء میں ان کی وفات کے بعد مولانا الطاف حسین حالی نے ان کو اس طرح خراج عقیدت پیش کیا۔

وہ ملک کا محسن، مسلمانوں کا غم خوار
سرکردہ قوم سے کام آ گیا آخر

نواب وقار الملک

حالات زندگی: نواب وقار الملک کا اصل نام مولوی مشتاق حسین تھا۔ وہ 1841ء میں بھارت کے صوبے یو۔پی کے ضلع مراد آباد کے ایک گاؤں امروہہ میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی میں ان کے باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ ان کی باہمت ماں نے ان کی پرورش کی اور اسلامی علوم کے علاوہ انگریزی سکول مراد آباد میں داخل کرا دیا۔ وہ دس روپے ماہوار پر اسسٹنٹ ٹیچر بن گئے۔ 1861ء میں مراد آباد میں قحط پڑ گیا۔ حکومت نے قحط زدوں کے لئے امدادی کام کی ذمہ داری سرسید احمد خان کے سپرد کی۔ انہوں نے امروہہ میں امدادی کام ان کے سپرد کیا اور ان کے کام سے اس قدر خوش ہوئے کہ ان کو عدالتی محکمہ میں لے لیا۔ اس دن سے ان کا سرسید سے جو تعلق قائم ہوا، وہ ساری زندگی برقرار رہا۔ 1875ء میں وہ ریاست حیدر آباد چلے گئے جہاں وہ ترقی پا کر جوڈیشنل منسٹر بنے۔ نظام نے ان کو نواب وقار الملک کا خطاب دیا۔ 1892ء میں وہ ملازمت سے استعفیٰ دے کر امروہہ چلے آئے۔ وہ عزم کے پکے، طبیعت کے کھرے، سخت مزاج اور پرجوش قومی کارکن تھے۔ وہ سرسید کے دیرینہ رفیق اور ساتھی تھے۔ کالج کے یورپین سٹاف اور دوسرے قومی معاملات میں ان کا سرسید سے اختلاف رہا لیکن اس سے قومی کاموں کو نقصان نہ پہنچا۔

مسلم پولیٹیکل آرگنائزیشن کا قیام: 1901ء میں اردو کی حمایت میں تحریک جس طرح کچلی گئی اس کا ان پر بہت برا اثر پڑا وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ اس کی وجہ مسلمانوں کی سیاسی جماعت نہ ہونا ہے۔ چنانچہ

انہوں نے اس کی تحریک شروع کی۔ مسلمان لیڈروں کو خطوط لکھے اور ان کو ایک سیاسی جماعت قائم کرنے کی ترغیب دی۔ اس معاملے میں علی گڑھ کالج نے ان کا ساتھ نہ دیا۔ وہ لکھنؤ پہنچے اور اکتوبر 1901ء میں مسلم پولیٹیکل آرگنائزیشن نامی ایک سیاسی جماعت قائم کی۔ اس کو پروان چڑھانے کی بڑی کوشش کی۔ حالات سازگار نہ تھے اس لئے وہ جماعت نہ چل سکی۔

تشکیل مسلم لیگ: نواب وقار الملک نے مسلم لیگ کی تشکیل میں نمایاں حصہ لیا اور 30 دسمبر 1906ء کو اس کے تاسیسی اجلاس کی صدارت میں انہوں نے قیام مسلم لیگ کی ضرورت کو ان الفاظ میں بیان کیا:

''مسلمان ہندوستان میں ہمسایہ قوموں سے خمس (پانچواں حصہ) کے قریب ہیں۔ یہ ایک بہت صاف مضمون ہے کہ اگر خدانخواستہ برٹش حکومت ہندوستان میں قائم نہ رہے تو اس ملک پر وہی قوم حکمران ہوگی جو تعداد میں ہم سے چار حصے زیادہ ہے اور اب ہر صاحب ہر شخص کو چاہئے کہ اپنے دل میں اس بات پر غور کرے کہ اس وقت ہماری حالت کیا ہوگی۔ ہماری جان، ہمارا مال، ہماری عزت، ہمارا مذہب سب خطرے میں ہوگا۔ آج جب کہ برٹش گورنمنٹ بزور اپنی رعایا کی محافظ ہے ہمیں مشکلات پیش آتی ہیں۔ اوقات ہم کو اپنے ہمسایہ دوستوں سے پیش آتی رہتی ہیں ... ان مظالم (مثالیں) کی ... جو صوبے میں موجود ہیں۔ تو وائے اس وقت پر جب ہم کو ان لوگوں کا محکوم ہونا پڑے ... عالمگیر کا بدلہ صدہا برس کے بعد آج ہم سے لینا چاہتے ہیں۔''

مسلم لیگ کا قیام عمل میں آیا تو نواب محسن الملک کے ساتھ آپ کو بھی مسلم لیگ کا جوائنٹ سیکرٹری بنایا گیا۔ اس عہدے پر وہ مارچ 1908ء تک کام کرتے رہے۔

سیکرٹری علی گڑھ کالج: نواب محسن الملک کی وفات کے بعد 15 دسمبر 1907ء کو نواب وقار الملک کو کالج کا نیا سیکرٹری مقرر کیا گیا۔ اس وقت ان کی عمر 66 برس تھی۔ اس عہدے پر انہوں نے تقریباً ساڑھے چار برس کام کیا اور 1912ء میں خرابی صحت کی بنا پر عہدے سے استعفیٰ دے دیا۔ اس دوران کالج نے خوب ترقی کی۔ وہ یورپین سٹاف کے حد سے زیادہ وسیع اختیارات کے خلاف تھے جو انہوں نے کم کر دیئے۔ اس سے ناخوش ہو کر کالج کے پرنسپل اور دوسرے انگریز افسروں نے استعفیٰ دے دیا۔ انہوں نے طلبہ کی مذہبی تربیت کا بڑا خیال رکھا اور نماز با جماعت سے غائب رہنے والے طلبہ کے خلاف کارروائی کی۔ دینیات کا پرچہ لازمی قرار دیا۔ اس سے کالج کے بارے میں علمائے کرام کی بدظنی دور ہوگئی اور انہوں نے اپنے بچے کالج میں داخل کرائے۔ اس دوران کالج کے وقار اور مالی حالت میں اضافہ ہوا۔ ان کی خواہش تھی کہ کالج کو یونیورسٹی کا درجہ دے دیا جائے۔ اس مقصد کے لئے چندہ بھی اکٹھا کیا لیکن حکومت مسلمانوں کی شرائط سے متفق نہ ہوئی اس لئے یہ مسئلہ التوا میں پڑ گیا۔

دوقومی نظریہ: نواب وقار الملک دوقومی نظریے کے حامی تھے۔ اس کا نمایاں اظہار ان کی اس تقریر سے بخوبی ہو جاتا ہے جو انہوں نے مسلم لیگ کے تاسیسی اجلاس میں کی تھی۔ ہندوؤں کی انتہا پسند تحریکوں اور تقسیم بنگال کے خلاف ان کی تحریک سے نواب وقار الملک نے محسوس کیا کہ مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ نہایت ضروری ہے۔ چنانچہ انہوں نے جداگانہ انتخاب کی تحریک کو جاری رکھا۔ اس کے حق میں مضامین لکھے۔ حتیٰ کہ انگریزوں کو جداگانہ انتخاب کا اصول تسلیم کرنا پڑا۔

دیگر خدمات: حکومت اور مسلمانوں کے درمیان خوشگوار تعلقات کے قیام خواہاں تھے لیکن تقسیم بنگال کی تنسیخ سے حکومت پر ان کا اعتماد اٹھ گیا۔ انہوں نے علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ کے شمارے 30 دسمبر 1911ء میں مسلمانوں کے مستقبل کی سیاسی پالیسی کے بارے میں ایک مضمون لکھ کر مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ وہ حکومت پر بھروسا کرنا چھوڑ دیں اور صرف اپنی قوت بازو پر اعتماد کریں۔ کانگریس سے الگ رہ کر ملی مفادات کے تحفظ کے لئے اپنی سیاسی تنظیم کے ذریعے جدوجہد جاری رکھیں۔ اس طرح نواب وقار الملک نے مسلمانوں میں خود اعتمادی پیدا کر کے انہیں سیاسی جدوجہد کی ایک نئی راہ پر ڈال دیا۔

وفات: نواب وقار الملک نے 27 جنوری 1917ء کو وفات پائی۔ اس وقت ان کی عمر 76 برس تھی۔ وہ اپنے آبائی شہر امروہہ میں دفن ہوئے ان کی موت پر مولانا شوکت علی نے کہا کہ:

"ہندوستان آج اپنے فرزند بزرگ اور ہم اپنے باپ سے جدا ہو گئے ہیں۔"

3 مولوی سمیع اللہ خان

حالات زندگی: مولوی سمیع اللہ خان نے دہلی کے ایک معزز دینی گھرانے میں آنکھ کھولی اور روائتی اسلام کی تعلیم حاصل کی۔ ان کی سرسید احمد خان کے ساتھ رشتہ داری بھی تھی۔ ان کا گھرانہ شاہ عبدالعزیز کا معتقد تھا۔ انہوں نے ان کے شاگرد مولانا مملوک علی نانوتوی سے بھی فیض حاصل کیا۔ 1858ء میں انہوں نے انگریزی ملازمت حاصل کی لیکن چار برس بعد ہی استعفیٰ دے دیا اور ہائی کورٹ میں وکالت کرنے لگے۔ اس کے بعد انہوں نے ایک بار انگریزی ملازمت میں سب جج کا عہدہ قبول کر لیا۔ 1875ء میں جب علی گڑھ میں ایم۔ اے۔ او سکول کا آغاز ہوا تو مولوی سمیع اللہ خان اسی شہر میں تعینات تھے اس لئے ابتدا میں سکول کا انتظام انہوں نے ہی سنبھالا۔ 1884ء میں گورنر جنرل لارڈ نارتھ بروک نے جب مصر کا دورہ کیا تو وہ اپنے ساتھ مولوی سمیع اللہ خان کو بطور مترجم لے گیا۔ سرکاری ملازمت میں وہ ڈسٹرکٹ اور سیشن جج کے عہدے پر پہنچے اور 1892ء میں ملازمت سے ریٹائر ہو گئے۔ آپ نے اپریل 1908ء میں وفات پائی۔

قومی خدمات: مولوی سمیع اللہ خان سرسید احمد خان کے ابتدائی ساتھیوں میں قریب ترین تھے۔ علی گڑھ کالج کی سب سے زیادہ خدمات انہوں نے ہی انجام دیں۔ 1875ء میں جب علی گڑھ میں ابتدائی سکول قائم ہوا تو اس کی نگرانی کا کام ان کے سپرد ہوا۔ انہوں نے یہ فرض بڑی تندہی سے پورا کیا اس کے بعد وہ علی گڑھ کالج کی ترقی اور بہبود کے ہر کام میں تن من دھن سے شریک رہے۔

آپ سرسید احمد خان کی تمام باتوں سے متفق تھے۔ وہ انگریزی زبان میں تاریخی کتابوں کے من و عن ترجمہ کے خلاف تھے۔ وہ کالج کے پرنسپل اور انگریز پروفیسروں کو حد سے زیادہ بااختیار بنانے کو قومی نقطہ نظر سے نقصان دہ تصور کرتے تھے۔ وہ سرسید احمد خان کے مذہبی خیالات سے بھی اختلاف کرتے تھے۔ علی گڑھ کالج کو وہ ایک قومی خدمت کا درجہ دیتے تھے اس لئے اس کے مفاد کی خاطر سرسید احمد خان سے مخالفت کو درست نہ تصور کرتے تھے لیکن 1889ء میں ان کا سرسید احمد خان سے اختلاف ہو گیا۔ اس کی وجہ ٹرسٹی بل تھا۔ اب تک کالج ضابطوں کے بغیر چل رہا تھا۔ سرسید کو خیال آیا کہ ان کو قانون کی شکل دے دی جائے۔ چنانچہ انہوں نے ان تجاویز کو ایک بل کی صورت میں چھپوایا اور اس کی کاپیاں علی گڑھ کالج ٹرسٹ کے تمام ارکان کو بھیج دیں۔ مولوی سمیع اللہ خان کو بل کی اس شق سے شدید اختلاف تھا کہ سرسید احمد خان کے بعد ان کے بیٹے سید محمود کو ان کی جگہ کالج کا سیکرٹری بنا دیا جائے۔ انہوں نے اس کی زبردست مخالفت کی اور جب بل پاس ہو گیا تو مولوی سمیع اللہ خان اور ان کے ساتھیوں نے کالج سے قطع تعلق کر لیا۔ اس کے بعد انہوں نے الٰہ آباد میں مسلم ہوسٹل قائم کیا جو ان کا دوسرا بڑا کارنامہ تھا۔ اس ہوسٹل نے مسلمان طلبہ کی بڑی خدمت کی۔

4 مولانا الطاف حسین حالی

حالات زندگی: مولانا الطاف حسین حالی 1837ء میں مشرقی پنجاب کے شہر پانی پت میں پیدا ہوئے۔ ان کا تعلق ایک غریب دین دار گھرانے سے تھا۔ ابتدائی تعلیم فارسی اور عربی میں حاصل کی۔ 1852ء میں مزید مذہبی تعلیم حاصل کرنے کے لیے دہلی چلے گئے جہاں مرزا غالب سے ان کی ملاقات ہوئی۔ 1857ء کی جنگ آزادی کے بعد انہوں نے نواب مصطفیٰ خان شیفتہ کی ملازمت اختیار کر لی جو مرزا غالب کے دوست اور ایک اچھے شاعر تھے۔ 1871ء میں وہ گورنمنٹ بک ڈپو لاہور میں ملازم ہو گئے۔ ان کے ذمہ انگریزی سے اردو میں ترجمہ ہونے والی کتابوں کی تصحیح کرنا تھا۔ ان کتابوں سے وہ

بہت متاثر ہوئے اور ان کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اردو شاعری بھی انگریزی شاعری کی طرح حقیقت پسندانہ ہونی چاہئیے۔ مالی مشکلات نے گھیرا تو نظام حیدر آباد نے وظیفہ مقرر کردیا اور حالی دل و جان سے قومی خدمت میں مصروف ہوگئے۔

قومی خدمات: سرسید احمد خاں کے ساتھیوں میں جس شخص نے قوم کی روحانی، اخلاقی اور ادبی اصلاح میں سب سے زیادہ حصہ لیا وہ مولانا الطاف حسین حالی ہیں۔ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اردو شاعری کا رخ قومی خدمت کی طرف موڑا۔ اس سلسلے میں ان کے کارناموں میں سرفہرست ان کی نظم مثنوی مدو جزر اسلام ہے، جو مسدس حالی کے نام سے مشہور ہے۔ یہ مسدس مولانا حالی نے سرسید احمد خان کی فرمائش پر لکھی اور 1879ء میں شائع ہوئی۔ اس کے 456 بند ہیں۔ یہ ایک دکھی دل کی پکار ہے اور بڑی آسان فہم زبان میں لکھی گئی ہے۔ اس نظم نے مسلمانوں کی بیداری اور سرسید احمد خان کے مشن کو آگے بڑھانے میں نمایاں کردار ادا کیا اور 1880ء کے بعد ان کی تعلیمی کوششوں کو مسلمانوں میں قبول عام بنا دیا۔ انہوں نے عورتوں کی فلاح و بہبود کے بارے میں بھی کئی نظمیں لکھیں۔ جس میں اپنے اثر کے لحاظ سے "چپ کی داد" سرفہرست ہے۔ وہ مسلمانوں کی علیحدہ قومیت کے بھی علم بردار تھے۔ انہوں نے قوم کو بتایا کہ ان کا وجود ہندو سے جداگانہ ہے اور مغربی جمہوریت ان کے قومی مفاد کے لئے نقصان دہ ہے۔

وفات: مولانا الطاف حسین حالی نے ایک انتھک مجاہد کی طرح تمام زندگی قوم کی خدمت میں گزار دی۔ انہوں نے نظم و نثر کی بہت سی کتابیں لکھیں جن میں انہوں نے مسلمانوں کی گزشتہ عظمت اور موجودہ حالت کا بے حد موثر انداز میں اظہار کیا۔ وہ 1914ء میں اپنے خالق حقیقی سے جاملے۔

5 مولانا شبلی نعمانی

حالات زندگی: مولانا شبلی 1858ء میں بھارت کے صوبہ یوپی کے شہر اعظم گڑھ کے پاس ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد علاقے کے بڑے زمیندار اور صنعت کار تھے۔ وہ سرسید کے مداح تھے۔ انہوں نے اپنے بچوں کو انگریزی تعلیم دلائی۔ ان کا ایک بیٹا اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے انگلستان بھی گیا لیکن مولانا شبلی نے اسلامی علوم میں مہارت حاصل کی۔ 1883ء میں وہ علی گڑھ کالج میں پروفیسر ہوگئے اور سولہ برس درس و تدریس میں مشغول رہے۔ انہوں نے اپنے ایک ساتھی پروفیسر آرنلڈ سے فرانسیسی زبان سیکھی۔ وہ سرسید احمد خان کے بہت قریب تھے۔ قیام علی گڑھ کے دوران انہوں نے ایک طویل نظم "صبح امید" لکھی جس میں کالج تحریک علی گڑھ اور سرسید احمد خان کو خراج عقیدت پیش کیا گیا لیکن علی

[illegible] 1914ء [illegible]

قومی خدمات: [illegible] ندوۃ العلماء لکھنؤ کی تنظیم کی [illegible] 1904ء [illegible] ندوہ سے منسلک ہوگئے [illegible] اصلاحات کیں [illegible] طلبہ کو جدید اور قدیم دونوں [illegible] فراہم کئے۔ تاہم داخلی اختلافات کے سبب انہوں نے 1913ء میں ندوہ چھوڑ دیا [illegible] اعظم گڑھ میں دار المصنفین قائم کیا [illegible] نے بڑا تحقیقی کام کیا اور بہت سی کتابیں [illegible] سیرت النبی [illegible] الفاروق، المامون، الغزالی اور سیرت النعمان جیسی اعلیٰ کتابیں تصنیف کیں۔ یہ کتابیں پڑھنے والے ان [illegible] دعائے خیر کرتے رہیں گے۔

Objective معروضی

سوال نمبر 1: کثیر الانتخابی سوالات امتحان میں [illegible] گے جن کو حل کرنا [illegible] ہوگا۔ ہر سوال کے چار (4) ممکنہ جواب A، B، C اور D سامنے دیئے گئے دائروں میں سے ایک دائرہ [illegible] یا مارکر کی سیاہی سے بھر دیں۔ (کل نمبر 20)

1- سرسید احمد خان کی والدہ محترمہ کا نام کیا تھا؟

(ا) مہر النساء (ب) زیب النساء

(ج) عزیز النساء (د) خیر النساء

2- سرسید احمد خان کب پیدا ہوئے؟

(ا) 17 اکتوبر 1817ء (ب) 17 اکتوبر 1718ء

(ج) 10 اکتوبر 1817ء (د) 27 اکتوبر 1817ء

3- سرسید کی کتاب آثار الصنادید [illegible] قدیم عمارتوں کا تذکرہ ہے؟

(ا) 332 (ب) 112

(ج) 288 (د) 232

4- جنگ آزادی 1857ء کے وقت سرسید کہاں تھے؟

(ا) [illegible]

(ب) [illegible]

-5 سرسید احمد خان سرکاری ملازمت سے کس مقام سے ریٹائر ہوئے؟

(ا) غازی پور (ب) بنارس ✓

(ج) علی گڑھ (د) دہلی

-6 سرسید کو مرکزی قانون ساز کونسل کا رکن کب بنایا گیا؟

(ا) 1888ء (ب) 1884ء

(ج) 1893ء (د) 1878ء ✓

-7 کس دوست نے سرسید کو رسالہ اسباب بغاوت ہند کی کاپیاں جلا دینے کا مشورہ دیا؟

(ا) رائے شنکر داس ✓ (ب) راجہ کشن داس

(ج) نواب وقار الملک (د) مولوی سمیع الحق

-8 آل انڈیا نیشنل کانگریس کا بانی کون تھا؟

(ا) گاندھی (ب) نہرو

(ج) اے او ہیوم ✓ (د) بدرالدین طیب جی

-9 سرسید کی کون سی کتاب حضور اکرم ﷺ سے سرسید کے عشق کا زندہ ثبوت ہے؟

(ا) قرآن پاک کی تفسیر (ب) خطبات احمدیہ ✓

(ج) راہ سنت ورد بدعت (د) لائل محمڈنز آف انڈیا

-10 غازی پور سائنٹفک سوسائٹی کا سرپرست کس کو بنایا گیا؟

(ا) یو۔پی کے گورنر (ب) ہندوستان کے گورنر جنرل

(ج) وزیر ہند ✓ (د) وزیر اعظم برطانیہ

-11 سرسید احمد خان کو اردو صحافت کا باوا آدم کیوں کہا جاتا ہے؟

(ا) رسالہ تہذیب الاخلاق کی وجہ سے (ب) اردو یونیورسٹی کی تجویز کی

(ج) علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ کی وجہ سے ✓ (د) اردو زبان کے تحفظ کی وجہ سے

-12 خطبات احمدیہ کی اشاعت پر سرسید نے کتنی رقم خرچ کی؟

(ا) 6000 روپیہ (ب) 10,000 روپیہ

(ج) 2500 روپیہ (د) 4000 روپیہ ✓

-13 علی گڑھ کالج کے کس پروفیسر کی تنخواہ سب سے زیادہ تھی؟

(ا) جادو ناتھ چکرورتی ✓ (ب) آرنلڈ

(ج) مولانا شبلی نعمانی (د) پروفیسر رالے

-14 ٹرسٹی بل کی منظوری کی وجہ سے کس نے علی گڑھ کالج سے علیحدگی اختیار کر لی؟

(ا) شبلی نعمانی (ب) کالج کے پرنسپل

(ج) مولوی سمیع الحق ✓ (د) سرسید کے بیٹے سید محمود

-15 سرسید کے بعد علی گڑھ کالج کے سیکرٹری کون بنے؟

(ا) نواب محسن الملک (ب) نواب وقار الملک

(ج) مولوی سمیع الحق (د) سید محمود ✓

-16 محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کی بنیاد کب رکھی گئی؟

(ا) 1880ء (ب) 1886ء ✓

(ج) 1866ء (د) 1876ء

-17 پاکستان کے اولین معمار کون ہیں؟

(ا) سرسید احمد خانؒ ✓ (ب) علامہ اقبالؒ

(ج) چوہدری رحمت علیؒ (د) قائداعظمؒ

-18 سرسید نے لدھیانہ میں طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے یہ کب کہا کہ ''مسلمان ہر لحاظ سے ایک قوم ہیں''؟

(ا) 1880ء (ب) 1884ء

(ج) 1886ء (د) 1882ء ✓

-19 تہذیب الاخلاق کا پہلا شمارا کب جاری ہوا؟

(ا) 24 دسمبر 1872ء (ب) 24 دسمبر 1870ء ✓

(ج) 24 دسمبر 1858ء (د) 24 دسمبر 1876ء

-20 سر ولیم میور نے لائف آف محمد ﷺ کتنی جلدوں میں لکھی؟

(ا) دو (ب) چار ✓ (ج) آٹھ (د) ایک

-21 نئی اردو شاعری کا امام کس کو کہا جاتا ہے؟

(ا) غالب (ب) علامہ اقبال

(ج) مولانا حالی ✓ (د) مولانا شبلی

-22 آثار الصنادید کی وجہ سے سرسید کو کیا سمجھا جاتا ہے؟

(ا) ماہر آثار قدیمہ ✓ (ب) تاریخ دان

(ج) سوشل ریفارمر (د) دانشور

CamScanner

23- سرسید نے جنگِ آزادی کے بعد مسلمانوں کی ترقی کے لئے کون سی تحریک چلائی؟
(الف) دیو بند کی تحریک (ب) علی گڑھ تحریک
(ج) مجاہدین کی تحریک ✓ (د) [illegible] تحریک

24- سائنٹفک سوسائٹی کا مقصد [illegible]
(الف) [illegible] (ب) انگریزوں کی غلط فہمیاں دور کرنا
(ج) [illegible] (د) مسلمانوں کے عقائد کی اصلاح کرنا

25- [illegible] کب قائم کیا گیا؟
(الف) 1864ء (ب) 1870ء ✓
(ج) 1874ء (د) 1872ء

26- سرسید نے تصنیف و تالیف کا سلسلہ کب شروع کیا؟
(الف) 1858ء سے (ب) 1840ء سے ✓ (ج) 1860ء سے (د) 1864ء سے

27- سرسید نے اسباب بغاوت ہند میں جنگ آزادی کے ذمہ دار تھے
(الف) ہندو (ب) [illegible] (ج) انگریز ✓ (د) مسلمان

28- رسالہ تہذیب الاخلاق میں سب سے زیادہ مضامین کس نے لکھے؟
(الف) ڈپٹی نذیر احمد (ب) [illegible]
(ج) نواب محسن الملک (د) سرسید احمد خان ✓

29- سرسید نے متواتر کتنے برس [illegible]
(الف) 20 سال (ب) 40 سال ✓
(ج) 15 سال (د) 35 سال

30- سید محمود کی ناکامی کے بعد [illegible]
(الف) نواب وقار الملک (ب) [illegible]

31- [illegible] علی گڑھ [illegible]
(الف) 1907ء (ب) 1912ء (د) 1921ء

32- محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے [illegible]
(الف) مولوی سمیع اللہ ✓ (ب) [illegible]
(ج) مولانا شبلی نعمانی (د) [illegible]

حصہ انشائیہ (Subjective Part - I) 25 × 2 = 50

نوٹ: سوال نمبر 3,2 اور 4 میں سے 25 (پچیس) مختصر سوالات کے جوابات تحریر کریں اور ہر سیکشن سے کم از کم 8 سوالات حل کرنا ضروری ہے۔ جواب تحریر کرتے وقت سوال کا نمبر ضرور تحریر کریں۔

سوال نمبر 2: (سیکشن "اے") مختصر سوالات کے جوابات تحریر کریں۔ (جوابات کیلئے صفحہ 154 پر دیکھیں)

حصہ دوم (Subjective Part II)

نوٹ: مندرجہ ذیل سوالات میں سے صرف تین کے جوابات تحریر کریں۔ 10 × 3 = 30

1- سرسید کی علمی و ادبی خدمات تحریر کریں۔ (بہاولپور 2007ء)

2- ایم۔اے۔او کالج علی گڑھ کے قیام کا حال بیان کیجئے۔ اس نے مسلمانوں کی تعلیمی ترقی میں کیا کردار ادا کیا؟

3- آپ اس رائے سے کہاں تک متفق ہیں کہ سرسید پاکستان کے معمار اول اور دو قومی نظریہ کے بانی تھے؟

4- سرسید کے کردار و سیرت پر روشنی ڈالئے۔

5- بنگال، پنجاب، سندھ اور سرحدی صوبہ میں مسلمانوں کی تعلیمی ترقی کا جائزہ لیجئے۔

6- مندرجہ ذیل پر نوٹ لکھئے۔

① سائنٹفک سوسائٹی علی گڑھ ② محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس

③ رسالہ اسباب بغاوت ہند ④ نواب عبداللطیف

⑤ مولوی اے کے فضل الحق ⑤ صاحبزادہ سر عبدالقیوم

7- تحریک علی گڑھ میں سرسید کی تعلیمی خدمات کی وضاحت کیجئے۔ (گوجرانوالہ بورڈ 2008ء)

8- سرسید احمد خان کی تعلیمی خدمات تحریر کریں۔ (آزاد کشمیر بورڈ 2010ء) (سرگودھا بورڈ 2009ء)

9- سرسید احمد خان کو تحریک پاکستان کا بانی کہا جاتا ہے۔ کیوں؟ (بہاولپور بورڈ 2007ء)

10- تحریک علی گڑھ میں سرسید احمد خان کی سیاسی خدمات کی وضاحت کریں۔ (بہاولپور بورڈ 2001ء)

■❖◆❖■



باب 4

مذہبی اور سیاسی تحریکیں

برصغیر پاک و ہند میں اسلام کے فروغ سے ہندوؤں کو پہلی بار ایک ایسی مذہبی تحریک کا مقابلہ کرنا پڑا جس نے سابقہ روایات کے برعکس ہندو سوسائٹی میں ضم ہونے سے انکار کر دیا۔ اسلام نے اپنی منفرد حیثیت کو برقرار رکھتے ہوئے توحید اور معاشرتی مساوات کی تعلیم کو پیش کیا اور ذات پات اور چھوت چھات کو خلاف انسانیت قرار دیا۔ اس سے ہندو عوام جو ہزار ہا سال سے تفرقات اور امتیازات کا شکار چلے آ رہے تھے، بے اختیار اسلام کی طرف مائل ہو کر جوق در جوق حلقہ بگوش اسلام ہونے لگے۔

برصغیر پاک و ہند میں یورپی اقوام کی آمد اور عیسائی مشنریوں کی تبلیغی سرگرمیوں سے ہندومت کو ایک دوسری ایسی مذہبی تحریک سے پالا پڑا، جو ہندو تہذیب میں ضم ہونے کے بجائے اپنی منفرد حیثیت کو برقرار رکھنے پر مصر تھی۔ چارٹر ایکٹ مجریہ 1813ء کی رو سے برطانوی حکومت نے پادریوں کو برعظیم میں آنے اور یہاں آباد ہونے کی اجازت دے کر عیسائیت کی تبلیغ میں ایک نیا جوش پیدا کر دیا۔ یہ مشنری پادری بہت تنگ نظر اور متعصب واقع ہوئے تھے۔ انہوں نے عیسائیت کی تعلیم پر مشتمل کتابچے لکھ کر تقسیم کرنے، مختلف تقریبات اور میلوں میں پہنچ کر کھلم کھلا مسیحیت کا پرچار کرنے اور دیگر مذاہب پر ناروا تنقید کرنی شروع کر دی۔ ان تبلیغی سرگرمیوں میں انہیں باقاعدہ حکومت کے کارندوں کی امداد و حمایت حاصل ہوتی تھی۔

ان حالات میں برعظیم کے ہندوؤں کو اپنے مذہب کی بقاء کے لئے سوچنا پڑا۔ اس عالم میں ہندو تہذیب مختلف مکاتب فکر میں بٹ کر رہ گئی تھی۔ ایک مکتب فکر کے پیروکار مشرق و مغرب میں ہم آہنگی کے خواہاں تھے اور مغرب کے جدید علوم و افکار کو اپنانا چاہتے تھے۔ دوسرے مکتبہ فکر کے حامی جدید افکار کی مذمت کے حامی تھے۔ تاہم ایک اعتدال پسند طبقہ بھی موجود تھا جو مغرب کے جدید علوم و افکار سے متاثر تو تھا مگر اپنی قدیم روایات اور مذہبی نظریات کو چھوڑنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ جدید دور کے اثرات اور نظریات کے تحت ہندو معاشرے میں متعدد مذہبی تحریکیں ابھریں جن کا اجمالی جائزہ ذیل میں دیا جاتا ہے:

برہموسماج: ہندوؤں میں جدید مغربی اثرات کے تحت جن تحریکوں نے جنم لیا، ان میں برہموسماج

سب سے نمایاں ہے۔ برہموسماج کو برہما سبھا بھی کہا جاتا ہے جس کے معنی ہیں ایسے لوگوں کی سبھا (مجلس) جنہوں نے بت پرستی کو ترک کر کے خدا کی وحدانیت پر یقین کیا۔ برہموسماج کا بانی راجا رام موہن رائے بنگال کے ایک اونچے برہمن خاندان کا چشم و چراغ تھا۔ راجہ رام موہن رائے 1772ء میں رادھا نگر کے مقام پر پیدا ہوا۔ اس نے ابتدائی تعلیم مسلم طرز پر عظیم آباد کے مدرسہ میں حاصل کی۔ اس نے عربی اور فارسی زبانوں پر اس قدر عبور حاصل کر لیا کہ اس کا نام مولوی رام موہن رائے پڑ گیا۔

1828ء میں راجا رام موہن رائے نے ہندو معاشرے کی سماجی و مذہبی اصلاح کے لئے برہموسماج کے نام سے ایک جماعت کی بنیاد ڈالی۔ اس نے ہندوؤں کے لئے انگریزی تعلیم کے حصول پر بہت زور دیا اور اس مقصد کے لئے عیسائی مشنریوں سے مل کر کلکتہ میں ہندو کالج کے نام سے ایک کالج قائم کیا۔ اس نے ہندو معاشرے کو رسم ستی، ذات پات، بچپن کی شادی ایسی خرابیوں سے پاک کرنے کی کوشش کی۔ برہموسماج کے پیروکار سنیچر کے روز جمع ہو کر عبادت کرتے اور اس میں بنگالی اور سنسکرت میں دعائیں پڑھتے تھے۔ اس کی مذہبی تعلیمات کا خلاصہ حسب ذیل تھا:

> ”خدا ایک ہے۔ اس کی پرستش کرنی چاہئے اور اس سے اپنی حاجتیں طلب کرنی چاہئیں۔ بت پرستی نہیں کرنی چاہئے۔ روح انسانی غیر فانی ہے اور خدا کے سامنے جواب دہ ہے۔ نجات کا ذریعہ صرف نیک اعمال ہیں۔ کوئی کتاب الہامی نہیں ہے اور نہ ہی جنت دوزخ کی کوئی حقیقت ہے۔ ذات پات اور چھوت چھات کے تصورات غلط ہیں۔ خدا سب کا باپ ہے اور سب لوگ آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ توبہ کے لئے ندامت اور آئندہ کے لئے گناہ سے اجتناب نہایت ضروری ہے۔ رسم ستی اور ایک سے زیادہ شادیاں کرنا ممنوع ہے۔“

1830ء میں راجا رام موہن رائے، مغل بادشاہ اکبر ثانی کے نمائندے کی حیثیت سے انگلستان گیا جہاں اس نے 27 ستمبر 1833ء کو وفات پائی۔ بعد ازاں رابندر ناتھ ٹیگور کے والد دیوندر ناتھ ٹیگور کو سماج کا سربراہ تسلیم کیا گیا جس نے سماج کی ترقی کے لئے مبلغین کی باقاعدہ تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا اس ضمن میں اس نے ٹیٹوابودھنی سکول قائم کیا۔ اس نے تعلیمی و سماجی میدان میں برہموسماج کے مشن کو جاری رکھا۔

برہموسماج نے بنگال کی سماجی زندگی پر گہرا اثر ڈالا۔ اس نے عیسائیت کے خلاف ہندوؤں کے تعصب کو کم کیا جس کے نتیجے کے طور پر بنگال کے ہندوؤں کی ایک بڑی تعداد نے مذہب عیسائیت قبول کر لیا۔ برہموسماج کے پیروکاروں کی تعداد میں کوئی خاص اضافہ نہ ہو سکا۔ 1901ء کی مردم شماری کے مطابق ان کی تعداد صرف چار ہزار تھی۔

پرارتھنا سماج: انیسویں صدی کے وسط میں احاطہ بمبئی مہاراشٹر میں برہموسماج کے خطوط پر ایک اور ہندو تحریک پرارتھنا کے نام سے عالم وجود میں آئی جس کی تعلیمات اور اصول برہموسماج سے بہت ملتے جلتے تھے۔ اس کا بانی ڈاکٹر آتمارام ہندو رنگ (1823ء تا 1898ء) تھا۔ جو ایک پروٹسٹنٹ مشنری ڈاکٹر ولسن کا دوست تھا۔ پرارتھنا سماج نے بھی ہندو معاشرے کی اصلاح میں نمایاں کردار ادا کیا۔ تعلیم بالغاں اور تعلیم نسواں کا اہتمام کیا۔ یتیم خانے قائم کئے اور بت پرستی کے خلاف آواز بلند کی۔ اس سماج نے ذات پات کی اتنی شدت سے مخالفت نہیں کی۔ اس وجہ سے یہ ہندومت کے زیادہ قریب تھا۔ تاہم سماج عیسائیت سے بھی بہت زیادہ متاثر تھا۔ اس کے پیروکار عبادت میں مرہٹہ بھگتوں تکارام دیو کی مناجات استعمال کرتے اور مرہٹی اور گجراتی زبانوں میں دعائیں پڑھتے تھے۔ اتوار ان کی عبادت کا دن تھا۔

دیوسماج: 1882ء میں لاہور کے مقام پر دیوسماج نامی ایک اور ہندو تحریک کی بنیاد پڑی۔ جس کا بانی ستیا نند اگنی ہوتری تھا جو برہموسماجیوں ہی کے ایک گروہ سے تعلق رکھتا تھا۔ دیوسماج کی تعلیمات پر الحاد کا رنگ غالب تھا اس لئے اس کے پیرو خدا کی ذات کے منکر اور سائنس کے مداح تھے۔ یہ لوگ سائنسی تحقیقات پر ایمان لانے کے حامی تھے۔ اس سماج نے جدید تعلیم کے حصول پر زور دیا اور اس سلسلے میں لاہور میں سکول اور کالج قائم کئے۔ اس سماج نے اعلیٰ اخلاق اور کردار کے فروغ پر خاص توجہ دی۔

آریا سماج: ہندومت میں جو تحریکیں انیسویں صدی عیسوی کے دوران رونما ہوئیں، ان میں آریا سماج سب سے زیادہ اہم ہے۔ اس کا بانی سوامی (دیانند سرسوتی 1824ء تا 1883ء) گجرات کاٹھیاواڑ کے ایک برہمن خاندان کا چشم و چراغ تھا۔ اس کا اصلی نام مول شنکر تھا۔

دیانند سرسوتی عیسائیت اور اسلام کے خلاف جارحانہ اقدامات کا حامی تھا۔ اس کا نعرہ تھا کہ ہندوستان صرف ہندوؤں کے لئے ہے اس لئے دیگر تمام مذاہب کے پیروکاروں بالخصوص مسلمانوں کو یہاں سے نکل جانا چاہئے اور ایسے ہندوؤں کو جو مسلمان ہو گئے ہیں، شدھی کے ذریعے ہندومت میں دوبارہ شامل کرنا چاہئے۔ پانچ ہزار سالہ پرانے ویدک دھرم کے احیاء کے لئے آریا سماج نے ہندوؤں میں مروج کئی ایک رسوم مثلاً بت پرستی، ذات پات کی تمیز، بچپن کی شادی، ہندو بیواؤں کی دوسری شادی پر پابندی، عورتوں کے لئے ویدک تعلیم کے حصول پر پابندی کی سخت مخالفت کی اور ان پابندیوں کو ہندو تعلیمات کے خلاف قرار دیا۔ آریا سماج تحریک نے لڑکوں اور لڑکیوں کی جدید تعلیم کی پرزور حمایت کی۔ البتہ نیوگ جیسی بدرسم اور گائے کے مقدس جانور ہونے کو درست قرار دیا۔ 1882ء میں آریا سماج نے گئور کھشا سبھا قائم کی جس کا مقصد گائے کا تحفظ تھا۔

ویدوں سے [illegible] تمام جدید سائنسی علوم کا ذکر موجود ہے۔ [illegible] کا شرف بھی حاصل ہے۔

تھیوسوفیکل سوسائٹی: 1875ء میں [illegible] اور کرنل ایچ۔ ایس اولکاٹ نے امریکہ میں تھیوسوفیکل سوسائٹی کی بنیاد رکھی۔ 1879ء میں [illegible] برصغیر میں آ گئے۔ 1882ء میں انہوں نے مدراس کے قریب اڈیار میں [illegible] برصغیر میں تھیوسوفیکل سوسائٹی کی ترقی و کامیابی مسز اینی بیسنٹ کی مرہون منت ہے جو 1889ء میں [illegible] سوسائٹی کی ممبر بنی اور جس نے 1893ء میں چھیالیس سال کی عمر میں برصغیر میں آ کر [illegible] سوسائٹی کے فروغ کے لئے اپنی زندگی وقف کر دی۔

مسز بیسنٹ اپنی طویل حیات میں [illegible] ہندوستان میں [illegible] سوسائٹی کا نصب العین یہ ہے کہ سب سے پہلے ہندوستان کے قدیم مذاہب (ہندومت، جین مت، بدھ مت اور مذہب زرتشت) کا احیاء اور ان کو مربوط کرنا [illegible] اپنے ماضی پر فخر اور مستقبل پر اعتماد اپنے [illegible] اور اس [illegible] انقلاب اور ایک قوم کی تعمیر کا آغاز [illegible] جو برصغیر سے اسلام کے اخراج کی متمنی تھی۔

سیاسی بیداری کے اسباب

انیسویں صدی کے [illegible] میں برصغیر پاک و ہند کے عوام میں سیاسی بیداری کا آغاز ہوا۔ جس کے نتیجے میں سیاسی تحریکیں عالم وجود میں آئیں اور عوام نے اپنے حقوق منوانے کی خاطر سیاسی جدوجہد کا آغاز کیا۔ اس سیاسی بیداری میں کئی ایک عوامل کارفرما تھے جنہوں نے ملک میں سیاسی تصور کو فروغ دیا۔ ذیل میں ان عوامل کا اجمالی تذکرہ پیش کیا جاتا ہے۔

① **سیاسی وحدت:** برطانوی حکومت کے قیام سے کشمیر سے راس کماری اور پشاور سے چاٹگام تک سارا برصغیر ایک مرکزی حکومت کے ماتحت آ گیا۔

سارے ملک میں ایک ہی قسم کے قوانین وضوابط نافذ ہوئے۔ پورے ملک کی عدالتوں میں ایک ہی تعزیرات کا نفاذ ہوا۔ ان حالات میں برصغیر کے مختلف النسل باشندوں میں پہلی مرتبہ قومی وحدت کا احساس وشعور پیدا ہوا اور جذبہ قومیت نے جنم لیا۔ اس کا قدرتی اثر یہ ہوا کہ برصغیر میں سیاسی بیداری کی فضا پیدا ہوئی۔

②مغربی تعلیم: مغربی تعلیم اور مغربی فلسفے نے برصغیر کے لوگوں پر غور وفکر کے نئے دروازے کھول دیئے۔ مغرب کے فلسفے اور سیاسی نظریات کے مطالعے نے تعلیم یافتہ طبقے میں آزادی، مساوات، قومیت، جمہوریت اور خودمختاری کے تصورات واضح کر دیئے۔ مغربی تعلیم کا ایک اثر یہ بھی ہوا کہ انگریزی زبان میں تبادلہ خیال آسان ہوگیا۔ وہ ایک دوسرے کے مسائل کو آسانی سے سمجھنے لگے۔ اس سے باہمی مفاہمت اور اپنے مطالبات کے حصول کے لئے لائحہ عمل مرتب کرنے کی فضا پیدا ہوگئی۔

③ذرائع آمدورفت کی ترقی: برطانوی حکومت کے قیام سے برصغیر میں رسل ورسائل اور آمدورفت میں خوب ترقی ہوئی۔ سارے ملک میں سڑکوں اور ریلوں کا جال بچھا دیا گیا۔ ڈاک اور ٹیلی فون کے تار کے محکمے قائم ہوئے۔ اس سے ملک کے دور دراز علاقوں کے لوگ ایک دوسرے کے قریب ہوگئے۔ چنانچہ ان میں باہمی مفاہمت پیدا ہوئی اور جذبہ قومیت نے فروغ دیا۔

④معاشی بدحالی: صنعت وحرفت اور تجارت کی ترقی کے باوجود برصغیر کے لوگ معاشی بدحالی کا شکار تھے۔ برطانوی حکومت عوام کی فلاح وبہبود کی بجائے دفاع پر زیادہ خرچ کرتی تھی۔ معاشی بدحالی کے ساتھ ساتھ قحط اور دیگر ناگہانی آفات نے عوام کی کمر توڑ کر رکھ دی تھی۔ برصغیر کے تعلیم یافتہ طبقے کو حکومت کی بے حسی اور عدم دلچسپی کا شدید احساس تھا۔ وہ اکثر وبیشتر حکومت پر سخت تنقید کر رہے تھے لیکن برصغیر میں کوئی واضح سیاسی تنظیم موجود نہ تھی۔ اس سے ایک طرف تو عوام میں سیاسی شعور پیدا ہوا اور دوسری طرف تعلیم یافتہ طبقے کو یہ احساس ہوا کہ ملک میں ایسی سیاسی تنظیم ہونی چاہیے جس کے ذریعے وہ ملکی مسائل پر اپنے خیالات کا اظہار کرسکیں اور اپنے مطالبات حکومت کے سامنے پیش کرسکیں۔

⑤انیسویں صدی کی تحریکیں: برصغیر میں کئی تحریکوں نے جنم لیا۔ سرسید احمد خان نے مسلمانوں کی تمام تر توجہ علی گڑھ تحریک کی طرف مبذول کروائی اور ہندو معاشرے میں برہمو سماج، پرارتھنا سماج، آریا سماج، رام کرشن مشن اور تھیوسوفیکل سوسائٹی ایسی تحریکوں نے جنم لیا جنہوں نے جہاں ایک طرف ہندو مت کی اصلاح اور اس کی عظمت کو سربلند کرنے کی کوشش کی وہاں ہندوؤں میں سیاسی بیداری بھی پیدا کردی۔

⑥پریس کا فروغ: برطانوی حکومت میں علاقائی زبانوں میں اخبار شائع کرنے کی ابتدا انگریز پادریوں نے کی تھی جن کا مقصد درحقیقت اپنے نظریات کی اشاعت کرنا تھا لیکن ان کی دیکھا دیکھی مقامی لوگوں نے بھی اخبار نکالنے شروع کر دیئے۔ مقامی پریس کے عالم وجود میں آنے سے برصغیر کے عوام میں سیاسی فہم وشعور کا پیدا ہونا ایک لازمی امر تھا۔ اخباروں اور رسالوں کی اشاعت سے ایک ایسا

ذریعہ میسر آگیا جس کی وساطت سے عوام نہ صرف اپنے خیالات کا اظہار کرسکتے ہیں بلکہ حکومت کی توجہ نہایت اہم امور کی طرف بھی مبذول کروا سکتے تھے۔ اس طرح پریس نہ صرف عوام کے خیالات کا ترجمان بن گیا بلکہ اس نے برصغیر کے عوام میں سیاسی شعور پیدا کرنے میں بھی اہم کردار ادا کیا۔

⑦انگلستان اور برصغیر کے درمیان مسافت کی کمی: نہر سویز نے برصغیر اور انگلستان کے درمیان مسافت کو کم کر دیا۔ فاصلے کا کم کیا ہونا تھا کہ انگریز افسروں کی ذہنیت ہی بدل گئی۔ اب ان کا جسم برصغیر اور ذہن ولایت میں رہنے لگا۔ وہ حتی الامکان مقامی لوگوں سے الگ تھلگ رہنے لگے۔ عوام کے ساتھ ان کا سلوک حاکمانہ ہوتا تھا۔ اس سبب سے بھی عوام سیاسی طور پر بیدار ہوگئے۔

⑧امتیازی قوانین کا اجراء: وائسرائے ہند لارڈ لٹن کے دور اقتدار میں ایسے متعدد امتیازی قوانین منظور کئے گئے جن سے برعظیم کے عوام میں بے چینی کی لہر دوڑ گئی۔ لارڈ لٹن نے سب سے پہلے سول سروس کے امتحان کی زیادہ سے زیادہ عمر اکیس سال سے گھٹا کر انیس سال کر دی۔ چونکہ یہ امتحان صرف لندن میں ہوتا تھا اس لئے انیس سال کی چھوٹی عمر میں ولایت جا کر امتحان میں حصہ لینا برصغیر کے نوجوان کے لئے بہت مشکل ہوگیا۔ علاوہ ازیں ورینکلر پریس ایکٹ منظور کرکے، علاقائی زبانوں میں شائع ہونے والے تمام اخبارات پر مختلف قسم کی پابندیاں عائد کردی گئیں جبکہ انگریزی اخبار ان پابندیوں سے مستثنیٰ رہے۔ اس طرح قانون اسلحہ کی رو سے اہل پاک وہند کے لئے بغیر لائسنس اسلحہ رکھنا ممنوع قرار دیا۔ حالانکہ یورپین ان پابندیوں سے یکسر آزاد تھے۔ ان امتیازی قوانین کے نفاذ کے نتیجے میں عوام میں تنظیمی شعور اور سیاسی بیداری پیدا ہوئی۔

⑨نسلی امتیاز: وائسرائے لارڈ رپن کے زمانے میں 1883ء میں البرٹ بل پاس ہوا جس کی رو سے ہندوستانی مجسٹریٹ یورپین کے مقدمات سننے کے اہل قرار دیئے گئے۔ وائسرائے کی کونسل کے ایک ممبر البرٹ نے نسلی امتیاز کو ختم کرنے کا یہ بل پیش کیا تھا، جو البرٹ بل کہلایا۔ اس بل سے یورپین بالخصوص انگریز بہت سیخ پا ہوئے اور انہوں نے اس بل کی شدید مخالفت کی۔ لارڈ رپن کو یہ بل منسوخ کرنا پڑا۔ اس سے ہندوستانیوں میں شدید ردعمل پیدا ہوا۔

انڈین نیشنل کانگریس

انڈین نیشنل کانگریس کی بنیاد برطانوی حکومت کے ایک ریٹائرڈ افسر مسٹر ایلن ایکٹوین ہیوم (Allan Actavian Hume) نے رکھی۔ مسٹر ہیوم نے سوچا کہ ملک میں کسی ایسے ادارے کی اشد

ضرورت ہے کہ جس کے ذریعے عوام اپنے خیالات کا اظہار کر کے اپنے جذبات کی بھڑاس نکال سکیں۔ اس نے یہ بھی منصوبہ بنایا کہ ملک کی نمایاں شخصیات کو سال میں کم از کم ایک بار اکٹھے ہو کر ملک کے معاشرتی مسائل پر غور کرنا چاہئے۔ حکومت کی رضامندی اور سرپرستی حاصل کرنے کے بعد 1883ء میں مسٹر اے-او-ہیوم نے کلکتہ یونیورسٹی کے پچاس سرکردہ گریجوایٹوں کو ایک کھلا مراسلہ بھیجا، جس میں ایک قومی تنظیم کے قیام پر زور دیا گیا۔ مسٹر ہیوم نے خط لکھا کہ عوام سے عدم رابطہ کی بنا پر حکومت ملک کے معاشی مسائل حل نہیں کر سکتی۔ بدیں وجہ اہل برعظیم کو قومی تعمیر کا کام خود سنبھالنا چاہئے۔ آپ کو چاہئے کہ انگریزی حکومت کے خلاف یہ شکایت کرنا چھوڑ دیں کہ وہ کلیدی عہدے دینے میں ہندوستانیوں سے امتیازی سلوک کرتی ہے۔ آپ لوگوں کو ذاتی آسائش اور ذاتی مقاصد کو قربان کر کے ملک کے لئے آزادی اور بہتر آئین حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

مسٹر ہیوم کی اپیل رنگ لائی اور دسمبر 1885ء میں متعدد صوبوں سے اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ آگے بڑھے اور کرسمس کے دوران بمبئی کے مقام پر اکٹھے ہوئے اور 28 دسمبر 1885ء کو انڈین نیشنل کانگریس کی بنیاد رکھی۔ کانگریس کے پہلے اجلاس کی صدارت ایک اینگلو انڈین مسٹر ڈبلیو۔سی بنیز جی نے کی۔ اس نے اپنے خطبہ صدارت میں انگریزی راج کی تعریف اور برکتیں گنواتے ہوئے مغربی علوم کی ترقی اور اعلیٰ حکمرانی پر انگریزوں کی خدمات کو سراہا اور ساتھ ہی یقین دلایا کہ کانگریس کے ممبر ہمیشہ انگریزوں کے وفادار رہیں گے۔

کانگریس کے ابتدائی مقاصد:

1۔ برصغیر کی تمام آبادی کو ایک قومیت میں منسلک کرنا۔
2۔ سماجی، سیاسی، ذہنی اور اخلاقی میدان میں عوام کی تعمیر نو۔
3۔ حب الوطن افراد میں براہ راست دوستانہ تعلقات سے تمام نسلی اور صوبائی تعصبات کو ختم کرنا۔
4۔ برصغیر کے عوام کے خلاف ناانصافیوں کا ازالہ کر کے برطانیہ اور برصغیر کے اتحاد کو مستحکم بنانا۔
5۔ مفاد عامہ کے لئے ذرائع کا تعین کرنا۔

کانگریس کے ابتدائی مطالبات: کانگریس کے پہلے صدر ڈبلیو۔سی بنیز جی نے برعظیم میں پارلیمانی جمہوریت کے نفاذ کے علاوہ یہ مطالبہ بھی کیا کہ ہر قسم کی سرکاری ملازمت میں بھرتی مقابلے کے امتحان کے ذریعے کی جائے۔ یہ مطالبہ مسلمانوں کے مفاد کے خلاف تھا کیونکہ وہ ابھی تعلیم میں بہت پیچھے تھے۔ اگلے سال کانگریس نے مطالبہ کیا کہ مرکزی اور صوبائی کونسلوں کے اراکین کا انتخاب الیکشن کے اصول پر کیا جائے۔ علاوہ ازیں حکومت پر زور دیا گیا کہ کونسل ہند کو ختم کیا جائے اور وائسرائے کی قانون ساز

کونسل اور صوبائی قانون ساز کونسلوں کی اصلاح اور ان میں توسیع کی جائے۔ کونسل کے اراکین کی کم از کم نصف تعداد منتخب شدہ ہونی چاہئے اور بجٹ کو کونسلوں کے سامنے پیش کیا جائے۔ سول سروس کے امتحانات انگلستان اور پاک و ہند میں ایک ساتھ لئے جائیں۔ فوجی اخراجات کو کم کیا جائے اور آرمز ایکٹ کو منسوخ کیا جائے۔

حکومت کا رویہ: کانگریس کے ابتدائی سالوں میں اسے برطانوی حکومت کی حمایت اور سرپرستی حاصل تھی۔ اس امر کا اثر کانگریس کے سالانہ جلسوں میں منظور کردہ قراردادوں پر بھی تھا۔

مگر جوں جوں کانگریس کے مطالبات اور اس کی سیاسی سرگرمیوں میں تبدیلی رونما ہوتی رہی برطانوی حکومت کا رویہ بھی بدلتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ 1890ء میں حکومت کو کانگریس کے اجلاس میں سرکاری ملازمین کی شرکت پر پابندی لگانا پڑی۔ تاہم 1905ء تک کانگریس اعتدال پسندوں کی جماعت تھی۔

کانگریس اور مسلمان: کانگریس کا اگرچہ یہ دعویٰ تھا کہ وہ سارے برصغیر کی واحد نمائندہ جماعت ہے اور اس نے برطانوی حکومت کو بھی یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ کانگریس کو تمام ہندوستانی قوموں کی حمایت حاصل ہے لیکن درحقیقت یہ پارٹی ہندوؤں کے سیاسی ذہن کی عکاسی کرتی تھی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اور کانگریس کے مطالبات سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ وہ صرف ہندو مفادات کی ترجمان ہے۔ کانگریس کے یہ مطالبات کہ سوائے چپڑاسیوں کے تمام سرکاری ملازمتوں کے تقرر مقابلے کے امتحان سے کیا جائے اور گورنر جنرل اور صوبائی کونسلوں میں نامزدگی ختم کر کے انتخابی طریقہ اختیار کیا جائے، صریحاً ہندو مفاد کو پیش نظر رکھ کر کئے گئے تھے کیونکہ زیادہ تعلیم یافتہ ہونے کی وجہ سے مقابلہ صرف ہندو ہی جیتتے اور مجموعی طور پر اکثریت میں ہونے کی بنا پر کونسلوں کی نشستوں پر بھی انہی کا قبضہ ہوتا۔ چنانچہ سرسید احمد خان کو جب یہ یقین ہوگیا کہ کانگریس کی پالیسیاں مسلمانوں کے مفاد کے سراسر منافی ہیں تو آپ نے علی الاعلان کانگریس کی مخالفت شروع کر دی۔ آپ کے اس رویے سے کچھ ہندو ناراض ہوگئے لیکن انہوں نے بالکل پروا نہ کی اور برملا یہ اعلان کیا کہ مسلمانوں کا کانگریس سے کوئی تعلق نہیں اور وہ اس میں شامل نہیں ہوں گے۔ سرسید احمد خان کا خیال تھا کہ مسلمانوں کو فی الحال سیاست سے علیحدہ رہنا چاہئے کیونکہ اس سے حکومت وقت کے دل میں مسلمانوں کے خلاف غلط فہمی پیدا ہوں گی اور مسلمانوں کو جنگ آزادی کے بعد جن مصائب کا شکار ہونا پڑا تھا ان سے انہیں دوبارہ دوچار ہونا پڑے گا۔ اس کے برعکس سرسید احمد خان کا کہنا تھا کہ ملکی سیاست میں حصہ لینے سے قبل ضروری ہے کہ مسلمان اپنی معاشرت، تعلیم و تربیت، مذہب اور اخلاق کی ضروری اصلاح کریں اور بطور ایک قوم اپنی اہمیت کا احساس دلائیں۔

سرسید احمد خان نے ایسی نمائندہ حکومت کی مخالفت کی جس کی بنیاد اکثریت کے ووٹوں پر ہو اور یہ

واضح کیا کہ یہ اصول صرف ایسے ملک میں ہی قابل عمل ہے جہاں صرف ایک قوم آباد ہو۔ چونکہ برصغیر میں کئی قومیں آباد ہیں۔ جن کے مفادات ایک دوسرے سے متصادم ہیں اس لئے ظاہر ہے کہ اس ملک کے لئے اکثریتی حکومت موزوں نہیں کیونکہ اس طرح اکثریت کی حامل قوم اقلیتی قوم کے حقوق کو پامال کرے گی۔ سرسید کی اس دوراندیشی کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمان ہندو کے فریب میں نہ آئے اور وہ کانگریس سے الگ تھلگ رہے لیکن ڈاکٹر عبدالحمید قمطراز ہے کہ:

''سرسید کے سیاسی خیالات کو قبول کرنے سے مسلمانوں کو کچھ فوری اور کچھ دوررس فوائد حاصل ہوئے۔ تاہم اس کے نقصان دہ نتائج بھی برآمد ہوئے کیونکہ مسلمان اس زمانے میں بھی حکومت وقت کی اطاعت شعاری پر قائم رہے جبکہ حالات اس کی اجازت نہ دیتے تھے کیونکہ ہر معاملہ میں حکومت پر انحصار کی پالیسی نے ان سے قوت عمل چھین لی۔ چنانچہ مسلمانوں کی معاشی اور تعلیمی خرابیوں کے ساتھ سیاسی پسماندگی بھی شامل ہوگئی۔''

کانگریس کی تاریخ کو تین مرحلوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ پہلا مرحلہ 1885ء تا 1905ء تک کا ہے یہ اعتدال پسندی اور قوم پرستی کا دور ہے۔ اس دور میں کانگریس ایک اعتدال پسند جماعت ہی نہیں بلکہ حکومت برطانیہ سے وفاداری کی دعوے دار تھی۔ دوسرا دور 1906ء تا 1918ء تک کا ہے۔ اس دور میں کانگریس نے انتہا پسندی اختیار کی۔ نیز متعصب ہندوؤں کے گروہ کی شمولیت نے مسلمان کانگریس سے علیحدہ ہوگئے۔ کانگریس کا تیسرا دور 1919ء تا 1947ء تک کا ہے۔ یہ دور انڈین ایکٹ 1919ء کے پاس ہونے کے ساتھ شروع ہوکر 1947ء کی تحریک آزادی کی کامیابی تک چلتا ہے۔ اس کو گاندھی دور بھی کہا جاتا ہے۔ اس دور میں اعتدال پسند اراکین کانگریس سے الگ ہوگئے۔ یہ وہ دور ہے جس میں کانگریس نے ہندومہاسبھا کے زیراثر مسلم کش پالیسی اختیار کی۔ 1920ء میں کانگریس نے مسٹر گاندھی کی رہنمائی میں عدم تعاون کی تحریک چلائی اور اپنے مطالبات منوانے کے لئے تشدد کا طریقہ اپنایا۔ اسی دور میں پاکستان کا تصور پیش کیا گیا جس کی کانگریس نے پرزور مخالفت کی۔ اسی دور میں مسلم لیگ نے قوت پکڑی اور قائداعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ کی سرکردگی میں 1947ء میں سلطنت خداداد پاکستان حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئی۔

اس کے علاوہ علماء کرام کا ایک ایسا طبقہ بھی موجود تھا جو نظریات کی تقلید کا سدباب کرنے اور اسلام کے صحیح نظریات اور اعمال سے قوم کو روشناس کرنے کے لئے دینی مدارس کے قیام کو مسلمانوں کے مسائل کا حل تصور کرتا تھا۔ چنانچہ ان کی کوششوں سے دارالعلوم دیوبند، ندوۃ العلماء لکھنؤ، انجمن حمایت اسلام لاہور اور جامع ملیہ اسلامیہ دہلی ایسے ملی ادارے عالم وجود میں آئے جنہوں نے رفتہ رفتہ ایک تعلیمی تحریک کی شکل اختیار کرلی۔

دارالعلوم دیوبند

دارالعلوم دیوبند کی بنیاد مولانا شبیر احمد عثمانی کے والد مولوی فضل الرحمٰن اور شیخ الہند محمود حسن کے والد مولوی ذوالفقار علی کے ہاتھوں پڑی جن کی کوششوں سے 30 مئی 1867ء بروز جمعرات کو دیوبند کی مسجد چھتہ میں انار کے درخت کی ٹہنیوں کے سائے میں اس عظیم دارالعلوم کا افتتاح ہوا۔ سب سے پہلے استاد مولانا محمد محمود صاحب تھے جنہیں پندرہ روپے ماہوار پر استاد مقرر کیا گیا تھا۔ سب سے پہلے طالب علم جو اس دارالعلوم میں داخل ہوئے، وہ مولانا محمود حسن تھے۔ دارالعلوم کے پہلے مہتمم حاجی سید عابد حسین مقرر ہوئے جنہیں سب سے پہلے قصبہ دیوبند میں دینی مدرسہ کے قیام کا خیال پیدا ہوا جو دارالعلوم دیوبند کی شکل میں پروان چڑھا۔ مولانا نانوتوی اس کے سرپرست بنے۔

دارالعلوم دیوبند کی ابتدا بہت معمولی تھی۔ بس ایک شاگرد اور ایک استاد۔ شاگرد بھی محمود اور استاد بھی محمود اور قیام کی ساعت بھی محمود۔ خوش قسمتی سے دارالعلوم کو ایسے اساتذہ میسر آگئے جنہوں نے قوم کی نظروں میں اس کے وقار کو بلند کیا۔ اس کے صدر مدرس مولانا یعقوب نانوتوی صرف جامع العلوم کے ایک بزرگ ہی نہ تھے بلکہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے دور اقتدار میں محکمہ تعلیم میں ڈپٹی ایجوکیشن انسپکٹر کے عہدے پر بھی مامور رہ چکے تھے اور جدید تعلیم کے نظام اور طریق کار سے بخوبی واقف تھے۔ دارالعلوم دیوبند میں بیس روپے ماہوار کی مدرسی قبول کرکے اپنی زندگی کو دینی وملی خدمت کے لئے وقف کردیا۔ دارالعلوم کی ترقی وتوسیع میں مولانا ذوالفقار علی کو بہت دخل حاصل ہے جو سرکاری مدارس کے انسپکٹر تھے۔ انہی کے سبب دارالعلوم میں انگریزی سکولوں کی بعض خصوصیات موجود تھیں مثلاً طلبہ کی باقاعدہ جماعتیں، حاضری رجسٹر اور تحریری امتحان۔

دارالعلوم کے حقیقی بانی مولانا محمد قاسم نانوتوی تھے جو اپنی وفات 15 اپریل 1880ء تک اس کی توسیع وترقی کے لئے کوشاں رہے۔ دارالعلوم کے ابتدائی قواعد وضوابط کے مرتب کرنے میں آپ کو بڑا دخل حاصل ہے۔ مولانا محمد قاسم ایک زبردست مناظر تھے۔ ان کے اخلاص عمل کا اندازہ اس امر سے ہوسکتا ہے کہ دارالعلوم نے ان کی تنخواہ پچاس روپے مقرر کی مگر وہ صرف دس روپے ماہوار لیتے تھے اور اگر کوئی ملاقاتی ان سے ملاقات کے لئے آجاتا تو گھڑی سامنے رکھ لیتے اور اس طرح مہینے میں جتنا وقت صرف ہوتا اسے اپنے حساب میں لگالیتے انہی کے نام پر یہ دارالعلوم قاسم العلوم کہلایا۔

مولانا محمد قاسم نانوتوی نے دارالعلوم کے لئے آٹھ اصول وضع کئے تھے، جن میں ایک اہم اصول یہ تھا کہ دارالعلوم کے لئے کوئی مستقل آمدنی قبول نہیں کی جائے گی مثلاً کوئی جاگیر یا کسی امیر کا وعدہ

کیونکہ اس صورت میں امداد غیبی موقوف ہوجائے۔ مولانا محمد قاسم کے بعد مولانا رشید احمد گنگوہی (1880ء تا 1905ء) سرپرست رہے۔ ان کے استعفیٰ کے بعد کسی کو سرپرست نہ بنایا گیا۔

صدر مدرس کے عہدے پر مولانا محمد یعقوب نانوتوی نے 1886ء سے 1889ء تک کام کیا۔ 1889ء میں شیخ الہند مولانا محمود حسن نے مدرس کا منصب سنبھالا۔ مدرسہ کو سب سے زیادہ ترقی ان ہی کے دور میں ہوئی جو 1920ء تک رہی۔ مولانا محمود حسن اصرار کے باوجود پچاس روپے سے زیادہ ماہانہ مشاہرہ لینا پسند نہیں فرماتے تھے۔ مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری بارہ سال تک صدر مدرس بنے رہے۔ وہ شادی سے قبل تنخواہ نہیں لیا کرتے تھے۔ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی نے کبھی تنخواہ وصول نہ کی۔ ان کے بعد مولانا سید حسین احمد مدنی 1958ء تک اس عہدے پر فائز رہے۔

دارالعلوم کی ترقی: دارالعلوم دیوبند کا آغاز مسجد کے ایک درخت کے نیچے ہوا۔ جب طلبہ کی کثرت ہوئی تو قریب ہی ایک مکان کرایہ پر لیا گیا۔ جب یہ بھی ناکافی ہوا تو ایک وسیع قطعہ اراضی خرید کر دارالعلوم کی اپنی عمارت کا سنگ بنیاد رکھا گیا اور کئی لاکھ روپے کی لاگت سے شاندار عمارت تعمیر کی گئی۔ تیس کلاس روم، آٹھ ہوسٹل اور تقریباً چار سو حجرے ہیں۔ مطالعہ کے لئے ایک عظیم الشان لائبریری ہے۔ [1]

دینی خدمات: دارالعلوم دیوبند نے مسلمانان برصغیر کی بڑی دینی خدمات انجام دیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک بین الاقوامی ادارہ تھا۔ اس دارالعلوم نے اپنی خدمات سے شمال میں سائبیریا سے لے کر سماٹرا اور جاوا تک اور مشرق میں برما سے لے کر عرب اور افریقہ تک مذہبی علوم کی روشنی پھیلا دی جس سے پاکیزہ اخلاق کی شاہراہیں صاف نظر آنے لگیں۔ اس کی بین الاقوامی حیثیت کا اندازہ اس امر سے ہوسکتا ہے کہ 1931ء میں اس کے طلبہ میں 26 آسام اور برما کے 17 چینی ترکستان کے، 10 بدخشاں کے اور 26 طالب علم بخارا کے تعلیم پا رہے تھے۔ اس کے علاوہ جزائر مالدیپ، لنکا، روسی، ترکستان، اور ایران کے طلبہ بھی شامل درس تھے۔ سو برسوں میں چودہ مختلف ممالک کے 431 طلبہ نے سند فضیلت حاصل کی۔ اس عرصے میں فاضلین اور طلبہ کی مجموعی تعداد جنہوں نے دارالعلوم سے استفادہ کیا 65727 تک جا پہنچی ہے۔

دارالعلوم دیوبند نے بغیر کسی شور وغل کے تھوڑی ہی مدت میں جو اعتبار و مرتبہ حاصل کرلیا، وہ اس کے منتظمین کی قابلیت اور نیک نیتی کا واضح ثبوت ہے اور انہیں اس پر فخر کا جائز حق ہے لیکن ہمیں یہ نہ بھولنا چاہئے کہ دیوبند کی کامیابی علمی فتوحات کی وجہ سے کم اور روحانی پاکیزگی کی وجہ سے زیادہ ہوئی ہے۔

دارالعلوم کے قیام کے بعد برعظیم میں تقریباً ایک ہزار مدارس عربیہ جاری ہوئے۔ ان میں سے بہت سے مدارس مثلاً جامعہ ملیہ نواکھلی (بنگلہ دیش) یا مدرسہ قاسم العلوم مراد آباد (یوپی بھارت) ایسے ہیں

1- ایس ایم اکرام موج کوثر 205

جن کے امتحانات اور کارگزاری کی نگرانی دارالعلوم ہی کے ذمہ رہی۔ نیز پاکستان اور دیگر ممالک میں بے شمار ایسے ادارے کام کر رہے ہیں جو دارالعلوم دیوبند کی درخشاں روایات پر کاربند ہیں۔

علی گڑھ کالج اور دارالعلوم دیوبند: دیوبند اور علی گڑھ کے بانیوں کا آخری سرچشمہ فیض شاہ ولی اللہ کے خاندان کی تعلیمات تھیں۔ سرسید احمد خان بانی علی گڑھ کالج اور مولانا محمد قاسم نانوتوی دونوں مولانا مملوک علی نانوتوی کے شاگرد تھے۔ مولانا مملوک علی نانوتوی دہلی کالج میں شعبہ عربی کے سربراہ تھے اگرچہ دونوں کے مقاصد اور طریقہ کار میں زمین و آسمان کا فرق تھا لیکن سرسید مرحوم کو کسی دینی مدرسے سے اختلاف نہیں تھا اور خاص طور پر مدرسہ دارالعلوم دیوبند کے حامی تھے اور اس کی کامیابی چاہتے تھے۔ چنانچہ جب مدرسہ دیوبند کی سالانہ رپورٹ سرسید کے پاس پہنچی جس میں مدرسے کی طرف سے مسلمانوں کی غفلت کا ذکر تھا، تو اس کو پڑھ کر سرسید کے دل پر بہت اثر ہوا اور رسالہ "تہذیب الاخلاق" میں انہوں نے مولانا محمد قاسم اور مولانا محمد یعقوب نانوتوی کے بارے میں محبت آمیز الفاظ استعمال کئے۔ جب علی گڑھ سکول کی ابتدا ہوئی تو اس کی مشاورتی کمیٹی میں ہر دو صاحبان کے نام کو شامل کیا گیا لیکن انہوں نے انکار کیا۔ آخر عمر تک سرسید احمد کے بزرگان دیوبند کی نسبت جو خیالات رہے اس کا اندازہ اس واقعے سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب مولوی عبداللہ صاحب دیوبندی نے جو مولانا مملوک علی نانوتوی کے نواسے اور مولانا محمد قاسم نانوتوی کے داماد تھے، علی گڑھ کالج میں ملازمت کی درخواست دی تو سرسید احمد خان نے اس پر لکھا کہ "میں ان کا مدرسہ میں تشریف لانا اور رہنا باعث برکت سمجھتا ہوں۔" ان کو شعبہ دینیات کا ناظم مقرر کیا گیا۔ اس کے باوجود دونوں میں اختلاف تھا۔ سرسید احمد خانؒ کے مذہبی خیالات دارالعلوم دیوبند کے لئے ناقابل برداشت تھے۔ سرسید احمد خان اور مولانا محمد قاسم نانوتوی کے درمیان اس پر مضمون اور جوابی مضمون کا سلسلہ بھی شروع ہوا تھا۔

علی گڑھ کالج اور دیوبند کے درمیان اختلافات کی خلیج کو ملکی سیاست کے بارے میں متضاد نقطہ نظر نے بڑا وسیع کیا۔ بانیانِ دیوبند نے جنگ آزادی میں انگریزوں کے خلاف جہاد میں عملی حصہ لیا تھا اور زخم کھائے تھے جس کی پاداش میں ان کو سخت مصائب کا سامنا کرنا پڑا تھا اس لئے دیوبند پر انگریز دشمن ماحول چھایا رہا۔ سرسید انگریزوں کے خیر خواہ رہے تھے اور مسلمانوں اور انگریزوں کے درمیان خیرسگالی کی فضا پیدا کرنا چاہتے تھے۔ صوبہ یوپی کے گورنر نے ایک بار دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس شیخ الہند مولانا محمود حسن کے بارے میں کہا:

"اگر اس شخص کی بوٹی بوٹی کردی جائے تو ہر بوٹی سے انگریزوں سے عداوت ٹپکے گی۔"

جب سرسید احمد خان نے انڈین نیشنل کانگریس کی مذمت کی اور مسلمانوں کو اس میں شرکت کرنے سے منع کیا تو جنگ آزادی کے ایک مجاہد مولانا رشید احمد گنگوہی نے اس نقطہ نظر کی بڑی شدت سے مخالفت کی۔

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن کے زمانے میں علی گڑھ اور دیو بند کے درمیان جو کشیدگی تھی، وہ بڑی حد تک رفع ہوگی۔ علی گڑھ کالج میں ناظم دینیات مولوی عبداللہ صاحب دیو بندی تھے۔ جہاد کے متعلق جو اختلافات علی گڑھ اور دیو بند میں تھا، اس میں علی گڑھ کتب فکر کے شبہات بے بنیاد نہ تھے۔ اس کے علاوہ شیخ الہند کو اس بات کا احساس تھا کہ ان کے ہم خیال لوگ سکولوں اور کالجوں میں بھی اس طرح ہیں جس طرح مدرسوں اور خانقاہوں میں ہیں۔ چنانچہ آپ نے علی گڑھ کی طرف دست تعاون بڑھایا انہوں نے 1909ء میں جمیعت الانصار نامی تنظیم قائم کی جس کے جلسوں میں علی گڑھ کالج کے صاحبزادہ آفتاب احمد خان بھی شامل ہوا کرتے تھے، ان کے ذریعے علی گڑھ کالج سے یہ معاہدہ ہوا کہ تبلیغ کے شوقین انگریزی خواندہ طلبہ دار العلوم میں داخل ہو کر علوم اسلامیہ کی تحصیل کریں۔ اسی طرح علی گڑھ کالج ان طلبہ کی انگریزی تعلیم کا بندوبست کرے جو دار العلوم دیو بند سے فارغ التحصیل ہو کر علی گڑھ کالج جائیں۔ اس سلسلے میں شیخ الہند کا سب سے بڑا کارنامہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کا 29 اکتوبر 1920ء کو سنگ بنیاد رکھنا ہے۔ یہ ادارہ علی گڑھ اور دیو بند کے درمیان مل جل کر کام کرنے والوں کا مرکز بن گیا۔

اس موقع پر آپ نے فرمایا:

''جب میں نے دیکھا کہ میرے اس درد کے غم خوار مدرسوں اور خانقاہوں میں کم اور اسکولوں اور کالجوں میں زیادہ ہیں تو میں نے ایک قدم علی گڑھ کی طرف بڑھایا اور اس طرح ہم نے ہندوستان میں دو تاریخی مقاموں دیو بند اور علی گڑھ کا رشتہ جوڑا۔''

بد قسمتی سے ان کی کوششوں میں سیاسی الجھنیں حائل رہیں اور 1947ء تک علی گڑھ اور دیو بند کی سیاسی روایات ایک دوسرے سے مختلف رہیں۔ تاہم ایک مرکزی دار العلوم کے قیام سے مسلمانوں میں احساس یک جہتی پیدا ہوا۔ دار العلوم دیو بند کے مایہ ناز فرزندوں میں مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا محمد شفیع، قاری محمد طیب اور دیگر حضرات نے تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور حضرت قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو بھر پور امداد فراہم کی۔

ندوۃ العلماء لکھنؤ

علی گڑھ کالج مادیت کے پرستار اور دار العلوم دیو بند روحانیت کے شیدائی پیدا کر رہا تھا۔ قدیم و جدید کی یہ دوری مسلمان قوم کو تنزل سے چھٹکارا دلا کر ترقی و خوشحالی کی راہ پر گامزن نہ کر سکتی تھی۔ خود علماء کی جماعت میں ایسے اصحاب پیدا ہوئے جنہوں نے اس ضرورت کا احساس کیا کہ اسلامی مدارس کا نصاب ضروریات زمانہ کے مطابق بنایا جائے۔ چند مذہبی خیالات کے حامل مسلمان سرکاری عہدیدار، علماء اور صوفی چاہتے تھے کہ علمائے اسلام ایک جگہ اکٹھے ہو کر گروہی اختلافات ختم کر دیں۔

قیام اور مقصد: 1894ء میں بھارت کے صوبہ اتر پردیش کے شہر لکھنؤ میں ندوۃ العلماء قائم کیا گیا اس کے بانی مولوی سید محمد علی کانپوری تھے۔ وہی اس کے پہلے ناظم اعلیٰ بنے۔ شبلی نعمانی اور مولوی عبدالحق دہلوی صاحب تفسیر حقانی نے اس کے قواعد و ضوابط مرتب کئے۔ ندوۃ العلماء کے مقاصد حسب ذیل قرار پائے:

1۔ نصاب تعلیم کی اصلاح، علوم دین کی ترقی، تہذیب اخلاق اور شائستگی اطوار۔
2۔ علماء کے باہمی نزاع کا رفع اور اختلافی مسائل کے ردو کد کا پورا انسداد۔
3۔ عام مسلمانوں کی اصلاح و فلاح اور اس کی تدابیر مگر سیاسی اور ملکی معاملات سے علیحدہ رہنا۔
4۔ ایک عظیم الشان اسلامی دار العلوم کا قیام جس میں علوم و فنون کے علاوہ عملی صنائع کی بھی تعلیم ہو۔
5۔ محکمہ افتاء کا قیام۔

سر سید احمد خان، نواب محسن الملک اور نواب وقار الملک جیسے اکابرین قوم نے ندوہ اسلام کے اغراض و مقاصد کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا اور تحریر و تقریر سے اس کا خیر مقدم کیا۔ سر سید احمد خان نے سید محمد علی کانپوری ناظم اعلیٰ ندوۃ العلماء کو ایک خط میں لکھا کہ:

''ایک عمدہ کام شروع ہوا ہے۔ اس کو چلنے دینا چاہئے۔ خدا اس کا نیک نتیجہ پیدا کرے''۔

ابتدائی حالات: 1889ء میں ندوۃ العلماء کی ابتدائی کلاسیں جاری کی گئیں۔ بہت سے اُمراء اور رؤساء نے بڑی فراخ دلی سے ندوۃ کے نام جائیدادیں وقف کر دیں اور ایک عظیم الشان لائبریری کی داغ بیل پڑ گئی لیکن اس زمانے میں ندوۃ پر دو اطراف سے حملے شروع ہو گئے۔ صوبائی گورنر سرانٹونی میکڈانلڈ مسلمانوں اور اردو زبان کی دشمنی میں بڑا بدنام تھا۔ اس نے نہ صرف صوبہ بہار میں اردو کا قلع قمع کیا بلکہ اپریل 1900ء میں یوپی میں ہندی کو سرکاری زبان کا درجہ دے دیا۔ وہ ندوہ کو سیاسی سازشوں کا آلہ کار سمجھ کر شک وشبہ کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ جہاں بھی مسلمان معززین جمع ہوں گے امن عامہ خطرے میں پڑ جائے گا۔ لہٰذا ندوہ کے ارباب اقتدار پر خفیہ پولیس کی سخت نگرانی کر دی گئی۔ دوسری طرف اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی نے ندوۃ کے خلاف تنقیدی مضامین لکھنے شروع کئے۔[2] اس سے ندوۃ العلماء موت اور زندگی کی کشمکش میں مبتلا ہو گیا۔ مولانا شبلی نعمانی کے ندوۃ سے منسلک ہو جانے پر ندوۃ کی تحریک میں از سر نو جان پڑ گئی۔

مولانا شبلی نعمانی کی آمد: برصغیر کی علمی کہکشاں کے روشن ستارے مولانا شبلی نعمانی (1857ء تا 1914ء) سر سید احمد خان کے رفیق کار تھے۔ انہوں نے علی گڑھ کالج میں سولہ سال تک درس و تدریس کا فریضہ انجام دیا۔ وہ ندوہ کے سالانہ اجلاسوں میں بڑے جوش و خروش سے حصہ لیتے تھے۔ اپنے آپ کو ندوۃ

2- ایس ایم اکرم، موج کوثر ص 201

کیلئے وقف کردینے کی غرض سے انہوں نے 1898ء میں علی گڑھ کالج سے استعفیٰ دے دیا لیکن صوبائی گورنر کی مخالفانہ روش کی بنا پر آپ کو ریاست حیدرآباد میں پناہ لینا پڑی۔ نئے گورنر کی رضامندی سے انہوں نے ستمبر 1904ء میں ندوۃ کا بندوبست سنبھالا اور ندوۃ کی تاریخ میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ ندوۃ کے متعلق برطانوی حکام کی غلط فہمیاں دور کی گئیں۔ مولانا شبلی کی قدآور علمی شخصیت کے سبب ندوۃ کی مالی حالت سنبھلنے لگی۔ سرآغا خان، نواب بہاول پور اور نواب بھوپال نے سالانہ مالی امداد مقرر کی۔ حکومت نے ایک وسیع قطعہ اراضی ندوۃ کو دیا اور سالانہ امداد بھی دینا منظور کی۔ 28 نومبر 1908ء کو سرجان ہیوٹ گورنر یو۔ پی نے دارالعلوم کی شاندار عمارت کا سنگ بنیاد رکھا جس کے اخراجات نواب بہاول پور نے برداشت کئے۔ مولانا شبلی کے دور میں اس دارالعلوم کو بڑی شہرت اور عظمت حاصل ہوئی۔

مولانا شبلی کی علیحدگی: مولانا شبلی نعمانی کا دور ندوۃ العلماء کا سنہری زمانہ کہلاتا ہے۔ مگر ان میں اور ندوۃ کے دوسرے اراکین کے درمیان شدید اختلافات رونما ہوگئے۔ 1913ء میں ندوۃ کے ایک استاد مولوی عبدالکریم نے مسئلہ جہاد پر ایک مضمون لکھ ڈالا جو مولانا شبلی کو پسند نہ آیا اور انہوں نے مولوی عبدالکریم صاحب کو اس مضمون کے لکھنے کی پاداش میں معطل کر دیا۔ مسلمانوں کا دور وفاداری اب قصہ پارینہ بن چکا تھا۔ چنانچہ مولانا شبلی کے اس اقدام کے خلاف مخالفت کا ایک طوفان کھڑا ہوگیا۔ ان کے مخالفین نے یہ تحریک شروع کی کہ ان کو ندوۃ سے جبراً الگ کر دیا جائے۔ چنانچہ جولائی 1913ء میں ان کو ندوۃ سے علیحدہ ہونا پڑا۔

ندوہ سے علیحدگی کے بعد مولانا شبلی نے ندوۃ کی مخالفت شروع کر دی۔ مولانا ابوالکلام آزاد کے اخبار ''الہلال'' نے اس کے خلاف کئی مضامین شائع کئے۔ ایک انجمن ''اصلاح ندوۃ'' قائم ہوئی لیکن مولانا ابوالکلام آزاد اور حکیم اجمل خان کی کوششوں سے انجمن ''اصلاح ندوۃ'' اور منتظمین ندوۃ کے درمیان سمجھوتہ ہوگیا اور اس طرح یہ تکلیف دہ جھگڑا ختم ہوگیا۔

ندوۃ کے کارناموں کا تنقیدی جائزہ: ندوۃ العلماء کا تجربہ اسلامیان برعظیم کی زندگی میں بڑا اہم تھا لیکن یہ تجربہ پوری طرح کامیاب نہ ہوا۔ اس کی وجہ اس کے مقاصد کی دشواری یا قوم کی بے توجہی نہیں بلکہ شخصی نفاق اور اتفاقی حادثات تھے۔ مولانا شبلی کے بعد ندوۃ کو کوئی ایسی مشہور ہستی نہ ملی جو ندوۃ کی وقعت اور قدر بڑھا سکتی۔ گویا باہمی نفاق کی وجہ سے ندوۃ نے اپنے ابتدائی وعدے پورے نہیں کئے۔ تاہم وہ بالکل ناکام نہیں رہا۔ ندوۃ نے مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا عبدالسلام ندوی، سید نجیب اشرف ندوی اور مولوی ابوظفر ندوی جیسی نامور ہستیاں پیدا کیں۔ مولانا ابوالکلام آزاد بھی ندوۃ العلماء کے خوشہ

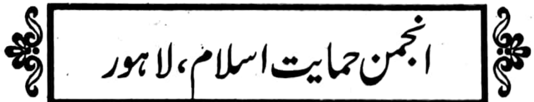
چینیوں میں سے تھے۔ مشہور اسلامی رسالہ ''معارف'' ندوۃ کے قدیم طلبہ نے چلایا۔ مولانا ابوالکلام آزاد کے اخبار ''الہلال'' کا سٹاف ندویوں سے بھرا پڑا تھا۔ ندوۃ سے علیحدگی کے بعد مولانا شبلی نعمانی نے دارالمصنفین اعظم گڑھ کی بنیاد رکھی جو قدیم اسلامی علوم کی اشاعت کا اہم مرکز بنا، اس کو بھی ندوہ نے بےلوث کارکنوں کی ایک کھیپ فراہم کی۔ جتنا علمی اور تحقیقی کام ندوۃ العلماء کے فارغ التحصیل افراد نے چند سال میں کیا، علی گڑھ کالج کا دامن اس سے خالی نظر آتا ہے۔ ارباب ندوۃ کے علمی وادبی احسانات علی گڑھ کے ''ورق سادہ'' کے مقابلے میں بہت نمایاں تھے۔

سرسید احمد خان نے مذہب اسلام کے مغربی معترضین کے جواب میں اپنی کوششیں صرف اردو زبان تک محدود نہ رکھیں بلکہ انگریزی زبان میں بھی کتابیں شائع کیں لیکن ندوۃ میں انگریزی زبان کی تعلیم نہیں دی جاتی تھی۔ ابتدائی درجہ کی جماعتوں میں تاریخ، جغرافیہ یا سائنسی مضامین کی تدریس کا کوئی انتظام نہ تھا۔ ندوۃ کا یہ دعویٰ کہ قدیم اور جدید یا بالفاظ دیگر دیوبند اور علی گڑھ کا مجموعہ ہوگا لیکن اس میں نہ علی گڑھ کی پوری خوبیاں آئیں نہ دیوبند کی۔ ندوۃ العلماء دیوبند کی عظمت کے سامنے ماند پڑ گیا۔

دیوبند، علی گڑھ اور ندوۃ: ندوۃ کے ارباب بست وکشاد مدعی تھے کہ ان کا ادارہ مسلمانان برصغیر کے دو عظیم تعلیمی اداروں یعنی دارالعلوم دیوبند اور علی گڑھ کالج سے اشتراک عمل کرے گا لیکن ندوۃ میں دونوں کی مخالفت ہوتی رہی۔ ندوۃ اور علی گڑھ کے درمیان ابتداء میں بہت خوشگوار مراسم رہے لیکن جب ندوۃ کی بنیادیں ذرا گہری ہوئیں تو وہ علی گڑھ اور دیوبند کا حریف بن گیا۔ دیوبند کی نسبت مولانا شبلی نعمانی ایک خط میں لکھتے ہیں:

''کیا ندوہ کا یہی دعویٰ تھا کہ دیوبند کی فرسودہ عمارت کو کعبہ بنائیں گے۔''

مولانا شبلی نعمانی علی گڑھ مسلک کے بھی خلاف تھے۔ انہوں نے علی گڑھ کالج کو ایک ایسے ادارے سے تشبیہ دی جہاں غلامی کی تربیت دی جاتی ہے لیکن انہوں نے اس بات کا احساس نہ کیا کہ علی گڑھ کے لئے انگریزوں کی وفاداری منزل نہیں بلکہ منزل تک رسائی کا وسیلہ ہے۔ جب مسلم مفادات اس پالیسی کی تبدیلی کے متقاضی ہوئے۔ ارباب علی گڑھ نے اس کو لبیک کہا۔ مولانا محمد علی جوہر، شوکت علی اور مولانا ظفر علی خان جو انگریزوں کے خلاف تحریک کے روح رواں تھے، علی گڑھ کے ہی طالب علم تھے۔



انجمن حمایت اسلام، لاہور

انیسویں صدی ظاہری طور پر مسلمانان برصغیر کے لئے مایوسی اور ناکامی کا دور نظر آتی ہے لیکن اس صدی میں احیائے مذہب اور علمی ترقی کی تحریکیں رونما ہوئیں۔ یہ تحریکیں برصغیر کے مسلمانوں کی حیات نو

کا باعث بنیں۔ احیائے مذہب اور علمی ترقی کی تحریکوں میں اہم ترین علی گڑھ کی تحریک ہے۔ جس نے سر سید احمد خان جیسے محسن قوم کو جنم دیا اور جس کی بدولت برصغیر کے مسلمانوں نے مغربی علوم سیکھ کر سائنسی ترقی سے بھی استفادہ کیا۔ مسلمانان برصغیر پاک و ہند کی معاشرتی اور تعلیمی ترقی کی دوسری اہم تحریک لاہور میں انجمن حمایت اسلام کی شکل میں نمودار ہوئی۔

انجمن کا قیام: انجمن حمایت اسلام کے قیام کا خیال سب سے پہلے ایک دردمند قوم پرست مسلمان منشی چراغ دین کے ذہن میں آیا تھا اور انہوں نے ہی اس کے قیام کے بعد اس کے لئے سخت تگ و دو کی۔ سر سید احمد خان کی تحریک سے حصول تعلیم اور خدمت خلق کا جو جذبہ پیدا ہوا، اس سے لاہور کے چند اہل دل مسلمان بہت متاثر ہوئے اور انہوں نے ایک جگہ جمع ہو کر پنجاب کے مسلمانوں کو غیر مسلموں کی ریشہ دوانیوں سے بچانے کے لئے غور و فکر کیا اور سر سید کی اٹھائی ہوئی آواز کو کہ ''قوم کی پستی کا علاج دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ مروجہ علوم کے حصول میں مضمر ہے۔'' پر بھی غور کیا۔ اس مجلس مشاورت کا اجلاس 24 ستمبر 1884ء کو مسجد بکن خان اندرون موچی دروازہ لاہور میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس کے نتیجے میں ایک جماعت کی تشکیل ہوئی۔ جس کا نام انجمن حمایت اسلام لاہور رکھا گیا۔ ان اہل دل لوگوں میں منشی چراغ دین، قاضی حمید الدین، غلام اللہ قصوری، منشی پیر بخش اور منشی عبدالرحیم کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اس انجمن کے اغراض و مقاصد حسب ذیل قرار پائے:

1۔ مسلمان بچوں کو جدید تعلیم سے آراستہ کرنا اور انہیں عیسائی مشنریوں اور آریا سماجیوں کی یلغار سے محفوظ کرنا۔
2۔ عیسائیوں کی تبلیغ کا سدباب کرنا۔ ان کی طرف سے اسلام کے خلاف کئے جانے والے پروپیگنڈے کا تحریری اور تقریری تحریکوں سے جواب دینا اور اسلام کی حقانیت ثابت کرنا۔
3۔ مسلمانوں کی تعلیم کے لئے ایسے ادارے قائم کرنا جن میں قدیم اور جدید دونوں قسم کے علوم کی تعلیم دی جائے۔
4۔ مسلمانوں کی یتیم اور لاوارث بچوں کے لئے ایسے ادارے قائم کرنا جن میں پرورش کے علاوہ ان کی تعلیم و تربیت کا بھی مناسب انتظام ہو۔
5۔ مسلمانوں کی سماجی اور ثقافتی ترقی کے لئے کوشش کرنا۔
6۔ اسلامی لٹریچر کی اشاعت، اسلامی اقدار کا تحفظ اور اس کی اشاعت و ترویج۔

انجمن کے پہلے صدر خلیفہ حمید الدین، سیکرٹری مولوی غلام اللہ قصوری، نائب سیکرٹری منشی چراغ

دین اور خازن منشی عبدالرحیم خان منتخب ہوئے۔ انجمن کا دفتر حویلی سکندر خان میں اڑھائی روپے ماہوار پر ایک کمرہ لے کر قائم کیا گیا۔ اس تنظیم کی سالانہ آمدن سات سو چون (754) اور خرچ صرف تین سو چوالیس (344) روپے تھا۔

پنجاب کے غریب مسلمانوں نے انجمن کے مقصد کی تکمیل کے لئے بڑی دریا دلی اور فیاضی کا ثبوت دیا۔ ابتدا میں بانیان انجمن ماہواری چندے کے علاوہ ہر ایک جلسہ میں کچھ نہ کچھ یکمشت عطیات کی شکل میں نقد دیا کرتے تھے۔ بعد ازاں یہ طے ہوا کہ مسلمان گھرانوں سے مٹھی مٹھی بھر آٹا اکٹھا کیا جائے۔ اس آٹے کو جمع کرنے کے لئے کوئی ملازم نہ تھا بلکہ منتظمہ کمیٹی کے چند ممبروں نے یہ کام اپنے ذمے لیا۔ یہ نیک دل لوگ ہفتہ وار بوریاں اٹھائے ہر گھر پر پہنچتے اور وہ آٹا جو نیک دل خواتین مٹی کے برتن میں گوندھنے سے پہلے ہر روز مٹھی بھر ڈال دیا کرتی تھیں، اکٹھا کر کے اور اسے بیچ کر انجمن کے مقاصد کی تکمیل کرتے۔ بعض مخیر حضرات نے تو اپنی جائیدادیں انجمن کے لئے وقف کر دیں۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا انجمن مستحکم سے مستحکم ہوتی گئی۔ چودھری محمد علی سابق وزیر اعظم پاکستان نے انجمن کو ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا ہے:

''اس انجمن کے قائم کرنے والے کتنے سچے اور مخلص مسلمان تھے کہ ان کے کام نے پاک زمین میں مضبوط جڑیں پکڑیں اور ان کا لگایا ہوا پودا بڑھا تن آور ہوا اور برگ و بار لایا اور لاتعداد انسان اس سے مستفید ہوئے۔''

تعلیمی و سماجی خدمات: انجمن حمایت اسلام نے اپنی تعلیمی خدمات کا آغاز 1886ء میں تیس طلبہ کی تعداد کے ساتھ ''مدرسۃ المسلمین'' کے قیام سے کیا۔ یہ مدرسہ دو سال بعد مڈل، 1889ء میں ہائی اور 1892ء میں کالج کے درجہ تک پہنچ گیا۔ سال اول کے گیارہ طلبہ کے ساتھ 1892ء میں اسلامی ہائی سکول شیرانوالہ ہی کے دو کمروں میں اسلامیہ کالج کا افتتاح کیا گیا۔ 1900ء میں اس کالج کو بی۔ اے کے درجے تک بڑھانے کی تجویز منظور کی گئی۔ 1905ء میں ریلوے روڈ اور برانڈرتھ روڈ (موجودہ نشتر روڈ) کے درمیان انجمن حمایت اسلام نے پچاس کنال اراضی خریدی اور 1907ء میں اس اراضی پر اعلیٰ حضرت حبیب اللہ خان امیر افغانستان نے اسلامیہ کالج ریلوے روڈ کی موجودہ عمارت کا سنگ بنیاد رکھا۔ 1913ء میں کالج کی موجودہ عمارت تعمیر ہوگئی۔

انجمن نے اپنی تعلیمی سرگرمیوں میں بتدریج اضافہ کرتے ہوئے ماہ جون 1939ء میں کوپر روڈ پر ایک اعلیٰ درجے کا ڈگری کالج برائے خواتین قائم کیا۔ انجمن نے 1885ء میں تعلیم نسواں کے لئے پانچ مدرسے کھولے۔ جن کی تعداد 1894ء میں پندرہ تک جا پہنچی۔ ان مدرسوں میں مروجہ تعلیم کے علاوہ قرآن شریف پڑھانے کا بندوبست بھی کیا گیا۔ ان مدارس میں سے ایک کو پہلے مڈل پھر ہائی سکول کا

درجہ دیا گیا۔ اس سکول کے لئے عظیم سٹریٹ میں ایک شاندار عمارت بنوائی گئی۔ آج وہ اسلامیہ کالج برائے خواتین کے نام سے قوم کی خدمت کر رہا ہے۔ بعد ازاں ایک دار الامان، ایک لاء کالج، تین جونیئر سکول اور ایک کتب خانہ، ایک پرنٹنگ پریس قائم کیا گیا۔ ایک ہفتہ وار رسالہ "حمایت اسلام" جاری کیا گیا۔

قومی وسیاسی خدمات: انجمن حمایت اسلام نے مسلمانان برعظیم کی جدوجہد آزادی میں نمایاں کردار ادا کیا۔ انجمن کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے جلسوں سے سرسید احمد خان، مولانا حالی، نواب محسن الملک، سرمحمد شفیع، شیخ عبدالقادر اور علامہ اقبال جیسے نامور مسلم رہنماؤں نے خطاب کیا اور قوم کے دلوں میں تعمیر و ترقی کی لگن اور تڑپ پیدا کی۔ انجمن کے سالانہ جلسے زبردست قومی اہمیت کے حامل ہوتے تھے۔ یہ جلسے مسلمانوں میں قومی شعور بیدار کرتے تھے۔

انجمن کے زیر اہتمام تعلیمی اداروں خصوصاً اسلامیہ کالج ریلوے روڈ کے طلبہ نے قیام پاکستان کے سلسلے میں گرانقدر خدمات انجام دیں۔ پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کی ابتداء اسلامیہ کالج لاہور سے ہوئی اور اس فیڈریشن کے زیر اہتمام جتنے بھی کارنامے انجام دیئے گئے وہ بالواسطہ اسلامیہ کالج لاہور ہی کا حصہ ہیں۔ مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن نے جس کے روح رواں حمید نظامی مرحوم تھے، انہوں نے دوقومی نظریہ کے پھیلانے میں گرانقدر خدمات انجام دیں۔ مارچ 1940ء میں جب خاکسار مسلم لیگ کا سالانہ جلسہ ناکام بنانے پر تلے ہوئے تھے تو اسلامیہ کالج کے طلبہ ہی تھے، جنہوں نے قائداعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ کو اپنی حفاظت میں ایک شاندار جلوس کی شکل میں اقبال پارک (منٹو پارک) تک پہنچایا جہاں قرارداد پاکستان پاس کی گئی۔

انجمن حمایت اسلام کو یہ بھی اعزاز حاصل ہے کہ اس کے اسلامیہ کالج ریلوے روڈ کے گراؤنڈ میں قائداعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ نے پاکستان کے مجوزہ پرچم کو لہرانے کی ولولہ انگیز رسم ادا کی۔ 1945ء میں پنجاب کے انتخابات میں مسلم لیگ اور پاکستان کے حق میں عوام نے جو فیصلہ دیا اس میں اسلامیہ کالج ریلوے روڈ کے طلبہ کا حصہ قیام پاکستان کے سلسلے میں ایک فعال اور منفرد حیثیت رکھتا ہے۔

تصور پاکستان کا خالق چودھری رحمت علی اسی مادر علمی کا گوہر آبدار تھا۔ یہ اسلامیہ کالج کی خوش نصیبی تھی کہ قائداعظم کی ہر آواز پر اسلامیہ کالج کے جانباز طلبہ نے لبیک کہا۔ قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کو اسلامیہ کالج کے طلبہ پر اس قدر ناز اور اعتماد تھا کہ آپ نے اپنی جان کی حفاظت کے لئے انہی کو مامور فرمایا۔

1937ء سے 1947ء تک اسلامیہ کالج تحریک پاکستان کا مرکز بنا رہا اور اس کے نامور فرزندوں نے برطانوی سامراج کے خلاف جہاد کیا، ہندو وسطائیت کا مقابلہ کیا اور پاکستان کے قیام کو حقیقت کی شکل دے کر سرخروی اور سرفرازی پائی۔

سیّد امیر علی اور سنٹرل محمڈن ایسوسی ایشن کلکتہ

حالات زندگی: سیّد امیر علی 6 اپریل 1849ء کو بنگال کے ایک معزز گھرانے میں ہگلی کے پاس چنسورہ کے مقام پر پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام سید سعادت علی تھا۔ جو ایک علم دوست انسان تھے۔ ابھی بچے ہی تھے کہ ان کے والد کا انتقال ہوگیا۔ زمانہ طالب علمی میں ان کا شمار ذہین طلبہ میں ہوتا تھا۔ 1867ء میں انہوں نے بی۔ اے کی ڈگری حاصل کی اور کلکتہ یونیورسٹی سے ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی کا امتحان پاس کیا۔ 1870ء میں سرکاری وظیفہ پر قانون کی تعلیم کے لئے انگلستان گئے۔ وہاں اسلامی تاریخ اور مغربی تمدن کا گہرا مطالعہ کیا اور انگریزوں کی متعدد نامور علمی اور سیاسی شخصیتوں سے ذاتی تعلقات قائم کئے۔ 1873ء میں واپس کلکتہ آ کر وکالت شروع کی اور بہت جلد ایک قانون دان کی حیثیت سے مشہور ہو گئے۔ 1874ء میں ان کو کلکتہ یونیورسٹی کا فیلو بنایا گیا۔ اگلے برس وہ پریزیڈنسی کالج میں اسلامی قانون کے لیکچرار مقرر ہوئے۔ 1876ء میں انہیں پریذیڈنسی مجسٹریٹ کا عہدہ دیا گیا۔ تین برس کے بعد انہوں نے استعفیٰ دے کر دوبارہ وکالت اختیار کر لی۔ 1890ء میں ان کو کلکتہ ہائی کورٹ کا جج مقرر کیا گیا۔ وہ اس عہدے پر 1904ء تک کام کرتے رہے اس کے بعد انہوں نے انگلستان میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ 1909ء میں ان کو پریوی کونسل کا جج مقرر کیا گیا جو برطانوی سلطنت کی اعلیٰ ترین عدالت تھی۔ وہ پہلے ہندوستانی تھے جن کو یہ اعزاز ملا۔ یہ خدمت وہ اپنی وفات 1928ء تک کرتے رہے۔

سنٹرل محمڈن ایسوسی ایشن: سید امیر علی برصغیر کے پہلے مسلمان لیڈر تھے جنہوں نے مسلمانوں کی سیاسی جماعت کی ضرورت کو سب سے پہلے محسوس کیا اور ان کے سیاسی مفادات کے تحفظ کے لئے جدوجہد کا آغاز کیا۔ 1857ء کی جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد برصغیر کے مسلمان تعلیمی، معاشی اور معاشرتی لحاظ سے بدحالی کا شکار ہو گئے تھے۔ حکومت کے ہر شعبہ میں ان کے ساتھ ناانصافی ہو رہی تھی۔ انہوں نے مسلمانوں کو اس ناخوشگوار ماحول سے بچانے کے لئے دن رات کوشش کی۔ وہ مسلمانوں کو منظم کر کے بدلے ہوئے حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار کرنا چاہتے تھے۔ سیاسی جماعت بنانے اور سیاست میں حصہ لینے کے بارے میں ان کے اور سرسید احمد خان کے خیالات میں اختلاف تھا۔ امیر علی کی خواہش تھی کہ مسلمان سیاسی میدان میں اتریں کیونکہ اس میدان کو ہندوؤں کے ہاتھ میں چھوڑ

دینے سے مسلمانوں کو نقصان ہوگا۔ اس خیال کے پیش نظر انہوں نے 1877ء میں سنٹرل محمڈن نیشنل ایسوسی ایشن کی بنیاد رکھی اس کا صدر مقام کلکتہ تھا۔ اس کا مقصد مسلمانوں کے سیاسی حقوق کی حفاظت تھی۔ سید امیر علی خود اس کی روح رواں تھے۔ وہ 25 برس اس کے سیکرٹری رہے۔ 1888ء تک اس ایسوسی ایشن کی 53 شاخیں برصغیر کے مختلف مقامات پر قائم ہو چکی تھیں۔ انہوں نے تجویز پیش کی کہ اس کی تمام شاخوں کا سالانہ اجتماع ایک مقام پر ہوا کرے۔ اگر ایسا ہو جاتا تو مسلمانوں کی ملک گیر سیاسی جماعت جو 1906ء میں قائم ہوئی، اس سے بہت عرصہ پہلے قائم ہو جاتی۔

مسلمانوں کے ساتھ جو برا سلوک ہو رہا تھا یہ ایسوسی ایشن اس کے بارے میں حکومت کو یادداشتیں بھیجا کرتی تھی۔ سید امیر علی نے انگلستان کے اخباروں اور رسالوں میں مضامین لکھے۔ فروری 1882ء میں لارڈ رپن کو ایک عرضداشت پیش کی گئی جس میں برصغیر کے مسلمانوں کے سیاسی اور معاشی حقوق کے تحفظ کی ضرورت پر زور دیا گیا اور یہ بھی مطالبہ کیا گیا کہ حکومت مسلمانوں اور ہندوؤں کی سرپرستی مساوی طور پر کرے۔ مسلم اوقات کی آمدنی صرف مسلمانوں کی تعلیمی ترقی پر صرف کی جائے۔ صوبہ بہار کی عدالتوں میں ناگری رسم الخط کے استعمال کو منسوخ کر کے حسب سابق فارسی رسم الخط کو اپنایا جائے اور یہ کہ اسلامی شریعت پر عبور رکھنے والے مسلمانوں کو عدالتوں میں جج مقرر کیا جائے۔ گورنر جنرل نے اس عرضداشت کا نوٹس لیا اور اس کو جو جواب ارسال کیا، وہ بہت اہم تھا۔

سید امیر علی کے انگلستان روانہ ہو جانے کے بعد ایسوسی ایشن تو 1904ء میں ختم ہو گئی لیکن کراچی میں جو اس کی شاخ قائم ہوئی، اس نے سندھ میں مسلمانوں کی بیداری میں نمایاں کردار ادا کیا۔ اس کے صدر حسن علی آفندی تھے جنہوں نے کراچی میں مدرسۃ الاسلام قائم کیا جو 1943ء میں کالج بن گیا اور آج ایس-ایم-کالج کہلاتا ہے۔ اس مدرسے میں قائداعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ اور سندھ کے دوسرے مسلمان لیڈروں نے تعلیم حاصل کی۔ سندھ میں یہ ایسوسی ایشن 1935ء تک کام کرتی رہی اور پھر اس کی جگہ مسلم لیگ نے لے لی۔ سنٹرل محمڈن نیشنل ایسوسی ایشن کے اغراض و مقاصد درج ذیل تھے:

1۔ مسلمانان برصغیر کی ترقی اور فلاح و بہبود کے لئے تمام جائز اور آئینی طریقے اختیار کرنا۔

2۔ اپنے شاندار ماضی کی روایات سے اکتساب فیض کرتے ہوئے عصر حاضر کے ارتقائی رجحانات اور مغربی ثقافت کے پسندیدہ عناصر سے ہم آہنگی پیدا کرنا۔

3۔ مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے ساتھ برصغیر کی دیگر اقوام کے حقوق کا تحفظ کرنا۔

Objective معروضی

سوال نمبر 1: کثیر الانتخابی سوالات امتحان میں بیس آئیں گے جن کو حل کرنا لازمی ہوگا۔ ہر سوال کے چار (4) ممکنہ جواب C,B,A اور D سامنے دیئے گئے دائروں میں سے ایک دائرے کو پین یا مارکر کی سیاہی سے بھر دیں۔ (کل نمبر 20)

-1 ہندوؤں کی پہلی اصلاحی تحریک کون سی تھی؟

(ا) آریہ سماج (ب) برہمو سماج ✓

(ج) دیو سماج (د) پرارتھنا سماج

-2 راجہ رام موہن رائے کے پیروکار ہفتے کے کس دن عبادت کرتے تھے؟

(ا) ہفتہ کو ✓ (ب) منگل کو

(ج) بدھ کو (د) اتوار کو

-3 1901ء کی مردم شماری کے مطابق برہمو سماجیوں کی تعداد کتنی تھی؟

(ا) 40ہزار (ب) 60ہزار

(ج) 20ہزار (د) 4ہزار ✓

-4 آریہ سماج کی بنیاد کس نے رکھی؟

(ا) آتمارام (ب) رام کرشن پرم

(ج) مول شنکر ✓ (د) راجہ رام موہن رائے

-5 ستیارتھ پرکاش کا مصنف کون تھا؟

(ا) راجہ رام موہن رائے (ب) دیانند سرسوتی ✓

(ج) مدن موہن مالویہ (د) بال گنگا دھر تلک

-6 1877ء میں آریہ سماج کا ہیڈ کوارٹر کس شہر میں بنایا گیا؟

(ا) کلکتہ میں (ب) بمبئی میں

(ج) لاہور میں ✓ (د) بنارس میں

-7 آریہ سماجیوں کی تعداد کس صوبے میں زیادہ تھی؟

(ا) بنگال (ب) پنجاب

(ج) یوپی ✓ (د) ب اور ج دونوں

8- شدھی تحریک کس تنظیم نے شروع کی؟
(ا) آریہ سماج ✓ (ب) برہمو سماج
(ج) دیو سماج (د) پرارتھنا سماج

9- ستیارتھ پرکاش میں اسلام دشمنی پر مبنی چودھویں باب کے کتنے صفحات ہیں؟
(ا) 20 (ب) 40
(ج) 15 (د) 100 ✓

10- مسز اینی بیسنٹ کا تعلق کس ملک سے تھا؟
(ا) ڈنمارک (ب) آئرلینڈ ✓
(ج) سوئٹزرلینڈ (د) سویڈن

11- ہندو قومیت کا وجود کس وائسرائے کی پالیسی کا نتیجہ ہے؟
(ا) لارڈ ڈلہوزی (ب) لارڈ کیننگ
(ج) لارڈ رپن ✓ (د) لارڈ لٹن

12- سب سے پہلے انگریزی عدالتیں کون سے صوبے میں قائم ہوئیں؟
(ا) صوبہ بمبئی (ب) صوبہ بنگال ✓
(ج) صوبہ مدارس (د) صوبہ پنجاب

13- برصغیر کی سیاسی بیداری کا سبب کون سا طبقہ بنا؟
(ا) جاگیردار (ب) تاجر
(ج) وکلاء ✓ (د) الف اور ب دونوں

14- ضابطہ تعزیرات ہند کس سن میں نافذ ہوا؟
(ا) 1850ء (ب) 1860ء ✓
(ج) 1870ء (د) 1883ء

15- برصغیر میں دیسی باشندوں کو سول سروس کے مقابلے کے امتحان میں بیٹھنے کی اجازت کب ملی؟
(ا) 1858ء (ب) 1861ء ✓
(ج) 1870ء (د) 1877ء

16- برصغیر میں جدید صحافت کی ابتداء کس شہر سے ہوئی؟
(ا) کلکتہ سے ✓ (ب) دہلی سے
(ج) لاہور سے (د) بمبئی سے

17- آل انڈیا نیشنل کانگریس کا بانی کون تھا؟
(ا) گاندھی (ب) نہرو
(ج) لارڈ ڈفرن (د) اے۔او۔ہیوم ✓

18- 1883ء میں اے او ہیوم نے کانگریس کے قیام کے لیے کس یونیورسٹی کے گریجوایٹس کو درد بھرا خط لکھا؟
(ا) بمبئی (ب) کلکتہ ✓ (ج) بنارس (د) علی گڑھ

19- آل انڈیا کانگریس کس سن میں قائم ہوئی؟
(ا) 1875ء (ب) 1880ء
(ج) 1892ء (د) 1885ء ✓

20- اسیر مالٹا کس کو کہا جاتا ہے؟
(ا) مولانا محمد یعقوب (ب) مولانا محمود حسن ✓
(ج) مولانا اشرف علی تھانوی (د) مولانا محمد قاسم نانوتوی

21- جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کی بنیاد کس نے رکھی؟
(ا) مولانا حسرت موہانی (ب) مولانا ابوالکلام آزاد
(ج) مولانا محمد علی جوہر ✓ (د) مولانا ظفر علی خان

22- انجمن حمایت اسلام لاہور کب قائم ہوئی؟
(ا) 1874ء (ب) 1864ء
(ج) 1882ء (د) 1884ء

23- کون سے ادارے نے قرآن پاک کا غلطیوں سے پاک نسخہ شائع کیا؟
(ا) انجمن حمایت اسلام ✓ (ب) علی گڑھ
(ج) دار العلوم دیوبند (د) جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

24- پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کا آغاز کہاں سے ہوا؟
(ا) گورنمنٹ کالج لاہور (ب) پنجاب یونیورسٹی
(ج) ایم اے او کالج لاہور (د) اسلامیہ کالج ریلوے روڈ ✓

25- برصغیر کے پہلے مسلمان گریجوایٹ کون ہیں؟
(ا) سرسید احمد خان (ب) ابوالکلام آزاد
(ج) سید محمود (د) سید امیر علی ✓

26- مسلمانوں کی پہلی سیاسی تنظیم کس نے قائم کی؟
(ا) سرسید (ب) سید امیر علی ✓
(ج) نواب وقار الملک (د) نواب سلیم اللہ

27- مسلم لیگ کی لندن شاخ کے پہلے صدر کون تھے؟
(ا) سید امیر علی ✓ (ب) قائداعظمؒ
(ج) سید حسن بلگرامی (د) مولانا محمد علی جوہر

28- 1910ء تک کانگریس کے کتنے صدر انگریز تھے؟
(ا) دو (ب) تین
(ج) پانچ ✓ (د) نو

حصہ انشائیہ (Subjective Part - I)	25 × 2 = 50

نوٹ: سوال نمبر 3,2 اور 4 میں سے 25 (پچیس) مختصر سوالات کے جوابات تحریر کریں اور ہر سیکشن سے کم از کم 8 سوالات حل کرنا ضروری ہے۔ جواب تحریر کرتے وقت سوال کا نمبر ضرور تحریر کریں۔

سوال ❷: مختصر سوالات کے جوابات تحریر کریں۔ سیکشن "اے" میں سے کم از کم آٹھ سوالات حل کرنا ضروری ہیں۔

باب نمبر 1: جنوبی ایشیاء میں دوقومی نظریہ

سوال 1: نظریات کی بنیادی طور پر کونسی دو اقسام ہیں؟
جواب: ① الہامی نظریات ② انسانی نظریات

سوال 2: ابتداء میں مالابار ساحل کے کن دو راجاؤں نے اسلام قبول کیا؟
جواب: ① ریاست کرنگانور کا راجہ سامری ② ریاست کالی کٹ کا راجہ زیمورن

سوال 3: حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ پیدائش اور وفات لکھیں؟
جواب: پیدائش 26 جون 1564ء وفات 10 دسمبر 1624ء

سوال 4: اکبر کا دین الہٰی کن کن مذاہب کا ملغوبہ تھا؟
جواب: اسلام، ہندومت، جین مت اور عیسائیت کا۔

سوال 5: حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے کن موضوعات پر کتابیں لکھیں؟
جواب: قرآن، حدیث، فقہ، تفسیر اور تصوف کے موضوعات پر۔

سوال 6: حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے جو معاشرتی اصلاح کی اس کے پہلوؤں کی نشاندہی کریں؟
جواب: قبر پرستی، موت کا ماتم اور بین، قل، ساتواں، نواں، چہلم کی رسومات، بے جا اسراف اور حد سے زیادہ حق مہر سے منع کیا۔ جعلی پیروں سے بچنے کی تلقین کی۔ بیوہ سے شادی کی ترغیب دی۔

سوال 7: البیرونی کا سن پیدائش اور سن وفات بتائیں؟
جواب: پیدائش 973ء وفات 1048ء عمر 75 سال۔

سوال 8: البیرونی کن علوم کا ماہر تھا؟
جواب: علم فلکیات، ریاضی، نجوم، طبیعات، کیمیا اور جغرافیہ کا۔

سوال 9: اسلام کی تبلیغ واشاعت روکنے کے لیے ہندوؤں کے کن راہنماؤں نے اصلاحی تحریکیں چلائیں؟
جواب: بھگت کبیر، رامانند، رامانج اور گرونانک نے۔

سوال 10: رام کون تھا؟
جواب: جسرتھ کا بیٹا، لچھمن کا بھائی اور سیتا کا شوہر۔

سوال 11: شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے کس مجموعہ حدیث کے مداح تھے؟ آپ نے کس نام سے اس کی عربی شرح لکھی اور فارسی ترجمہ کیا؟
جواب: مجموعہ حدیث موطا، عربی شرح مستوئی، فارسی ترجمہ مصفوئی۔

سوال 12: البیرونی کو کون کون سی زبانوں پر عبور حاصل تھا؟
جواب: عربی، فارسی، عبرانی، سریانی اور سنسکرت پر۔

سوال 13: البیرونی، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے اصل نام القاب اور کنیتیں بیان کریں؟
جواب: البیرونی: اصل نام محمد بن احمد۔ کنیت ابوریحان لقب البیرونی۔
حضرت مجدد الف ثانیؒ: اصل نام شیخ احمد، والد کا نام عبدالاحد، کنیت ابوبرکات، لقب بدرالدین۔
حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ: اصل نام قطب الدین، والد کا نام شاہ عبدالرحیم لقب امام الہند

سوال 14: حضرت شاہ ولی اللہؒ کب اور کہاں پیدا ہوئے؟ انہوں نے کب اور کہاں وفات پائی؟
جواب: پیدائش 21 فروری 1703ء بمطابق 2 شوال 1114 ہجری بمقام دہلی، وفات 20 ستمبر 1762ء بمطابق 1176 ہجری دہلی۔

سوال 15: حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کب حج پر گئے؟ کب واپس آئے اور کتنی دیر عرب میں قیام کیا؟
جواب: روانگی 1730ء واپسی 1732ء قیام 14 ماہ

سوال16: پانی پت کی تیسری لڑائی کب، کس نے، کس کے خلاف اور کس کی تحریک پر لڑی؟
جواب: 14 جنوری 1761ء کو احمد شاہ ابدالی نے مرہٹوں کے خلاف حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک پر
سوال17: 712ء میں سندھ کس مسلم جرنیل نے کس خلیفہ کے زمانے میں فتح کیا؟
جواب: محمد بن قاسم نے خلیفہ مروان بن عبدالملک کے زمانے میں۔

باب نمبر 2: جنگ آزادی 1857ء

سوال1: جنگ آزادی کا آغاز اور خاتمہ کب ہوا؟
جواب: آغاز 10 مئی 1857ء خاتمہ اکتوبر 1857ء
سوال2: انگریزوں نے فوج کو کون سے احکامات جاری کیے جن کو مقامی فوجیوں نے اپنے مذہب میں مداخلت سمجھا؟
جواب: ڈاڑھی رکھنے، تلک لگانے، پگڑی باندھنے، کانوں میں بالیاں پہننے اور سمندری سفر سے انکار کو جرم قرار دیا۔
سوال3: نظریہ الحاق کے تحت انگریزوں نے کن ریاستوں اور علاقوں کو اپنی عملداری میں شامل کرلیا؟
جواب: ریاست اودھ، سندھ اور پنجاب کو، ناگپور، ستارہ، جھانسی، سنبھل، بگھاٹ، اودے پور کو۔
سوال4: بارک پور کی چھاؤنی کے کن دو سپاہیوں کو 18 اپریل 1857ء کو پھانسی دی گئی؟
جواب: منگل پانڈے اور ایشوری پانڈے کو۔
سوال5: جنگ آزادی کے نامور مجاہدوں کے نام لکھیں؟
جواب: جنرل بخت خان، مرزا مغل، مولوی احمد اللہ، غلام غوث، لکشمی بائی، نانا صاحب، عظیم اللہ خان حضرت محل، تانتیا ٹوپی، بہادر شاہ ظفر، خان بہادر خان، مولوی لیاقت علی۔
سوال6: جنگ آزادی کے ملت فروشوں کے نام لکھیں؟
جواب: مرزا الٰہی بخش، حکیم احسن اللہ، مولوی رجب علی۔
سوال7: ریاست اودھ کے نواب، ملکہ اور ولی عہد کے نام لکھیں۔
جواب: نواب واجد علی شاہ، ملکہ حضرت محل، ولی عہد برجیس قدر۔
سوال8: بنگال اور یو۔پی میں تحریک آزادی کے نشان کیا تھے؟
جواب: بنگال میں سرخ کنول کا پھول۔ یو۔پی میں نمکین چپاتی۔

سوال9: آخری مغل بادشاہ نے کب اور کہاں وفات پائی؟
جواب: 1862ء میں برما کے دارالحکومت رنگون کے قید خانے میں۔
سوال10: مقامی لوگوں میں سے کس کس طبقے نے انگریزوں کا ساتھ دیا؟
جواب: (i) سکھوں نے (ii) گورکھوں نے (iii) دولت مند طبقے نے (iv) دیسی ریاستوں کے حکمرانوں نے۔
سوال11: رانی لکشمی بائی نے کون کون سے محاذوں پر انگریزوں کے خلاف جنگ لڑی؟
جواب: جھانسی، کالپی، گوالیار۔
سوال12: جنگ آزادی کی فوری وجہ بیان کریں۔
جواب: چربی دار کارتوسوں کے استعمال سے مقامی فوجیوں کا انکار۔
سوال13: چربی دار کارتوسوں میں کون کون سے جانوروں کی چربی استعمال کی گئی تھی؟
جواب: گائے اور سور کی چربی۔
سوال14: جنگ آزادی نے کون کون سی دو حکومتوں کا برصغیر سے خاتمہ کردیا؟
جواب: (i) مغلیہ حکومت کا (ii) ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت کا
سوال15: چوبیس مغل شہزادوں کو کب اور کہاں پھانسی دی گئی؟
جواب: 18 نومبر 1857ء کو دہلی میں۔
سوال16: جنگ آزادی میں کن دو مشہور عورتوں نے شرکت کی؟
جواب: حضرت محل (ملکہ اودھ) لکشمی بائی (رانی جھانسی)
سوال17: جنگ کریمیا کب شروع ہوئی اور اس کا خاتمہ کب ہوا؟
جواب: آغاز 1853ء اختتام 1855ء
سوال18: مسلمانوں کا برصغیر میں زوال کب شروع اور کب اپنے طبعی انجام کو پہنچا؟
جواب: اورنگ زیب کی وفات 1707ء سے شروع ہو کر ڈیڑھ صدی میں 1857ء کو انجام کو پہنچا۔
سوال19: مغلیہ حکومت کمزور ہونے پر کن عناصر نے طاقت پکڑنا شروع کی؟
جواب: سکھوں، جاٹوں اور مرہٹوں نے۔
سوال20: پانی پت کی تیسری جنگ میں مسلمانوں کی گونج دار فتح کا فائدہ کس نے اٹھایا؟
جواب: انگریزوں نے۔
سوال21: جنگ پلاسی کے فریقین کون تھے؟ یہ جنگ کب لڑی گئی؟ اس میں کس کو فتح حاصل ہوئی؟ اس کا فوری نتیجہ کیا نکلا؟
جواب: فریقین بنگال کا نواب سراج الدولہ اور انگریز۔ 23 جون 1757ء کو لڑی گئی۔ انگریزوں کو

میر جعفر کی غداری کی وجہ سے فتح حاصل ہوئی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ بنگال انگریزوں کے قبضے میں چلا گیا۔

سوال 22: انگریزوں نے برصغیر پر کن طریقوں سے قبضہ کیا؟

جواب: ناانصافی، بدعہدی، سازش، جھوٹ اور لالچی غداروں کے ذریعے، مکروفریب، دغابازی، دھاندلی سے۔

سوال 23: انگریزوں نے برصغیر کے لوگوں کو عیسائی بنانے کے لیے کیا کیا اقدامات کیے؟

جواب: مقامی مذاہب پر کیچڑ اچھالا۔ 1813ء سے پادریوں کی سرکاری سرپرستی کی، انہیں مالی امداد دی۔ سرکاری ملازمین کو ان کے وعظ سننے پر مجبور کیا۔ عیسائی لٹریچر تقسیم کیا۔ قحط زدہ بچوں کو عیسائی مشنریوں کے حوالے کیا۔ جابجا گرجے تعمیر کیے۔ سرکاری مراسلے بھیجے کہ لوگ عیسائیت قبول کرلیں۔ قانون وراثت تبدیل کیا۔ انگریزی اسکول کھولے۔ طلباء کو بائیبل کی تعلیم دی۔

سوال 24: انگریزوں نے معاشرتی اصلاح کے نام پر کون کون سے خلاف مذہب احکامات جاری کیے؟

جواب: 1829ء میں رسم ستی پر پابندی لگا دی۔ 1856ء میں ہندو بیواؤں کو دوسری شادی کی اجازت دے دی اور بچپن کی شادی ممنوع قرار دے دی۔ ایک ہی باورچی کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا کھانے پر مجبور کیا۔ اس سے ہندوؤں کو شکایات پیدا ہوئیں۔ زنا کاری کو فوجداری کی بجائے دیوانی جرم قرار دیا۔ اس سے مسلمانوں کو ٹھیس پہنچی۔ 1856ء میں نیا قانون وراثت بنایا جس کی رو سے تبدیلی مذہب سے کسی کو وراثت سے محروم نہیں کیا جا سکتا تھا۔

سوال 25: 1857ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی فوج میں انگریزوں اور مقامی لوگوں کی تعداد کتنی تھی اور ان کا خرچہ کس حساب سے تھا؟

جواب: انگریزوں کی تعداد 45,332 ، مقامی لوگوں کی تعداد 2,33000

انگریز فوج کا خرچہ 56 لاکھ پونڈ سالانہ، دیسی سپاہ کا خرچہ 4 لاکھ پونڈ سالانہ

سوال 26: میرٹھ چھاؤنی کے کتنے مسلمان اور غیر مسلم سپاہیوں نے کب چربی دار کارتوس کے استعمال سے انکار کیا؟ نیز ان کو کب اور کتنی کتنی سزا دی گئی؟

جواب: کل 85 سپاہیوں (مسلمان 49، غیر مسلم 36) نے 24 اپریل 1857ء کو انکار کیا۔ 9 مئی 1857ء کو دس دس سال قید بامشقت کی سزا ملی۔

سوال 27: جنگ آزادی میں کل کتنے انگریز اور مقامی لوگ قتل ہوئے؟

جواب: 7000 انگریز 5 لاکھ مقامی

سوال 28: آخری بادشاہ بہادر شاہ ظفر نے کب اور کس کے آگے ہتھیار ڈال دیئے؟

جواب: 21 ستمبر 1857ء کو جنرل ہڈسن کے آگے۔

سوال 29: بہادر شاہ ظفر پر کس الزام میں کب مقدمہ چلایا گیا اور مقدمہ کا کب اور کیا فیصلہ ہوا؟

جواب: غداری کے الزام میں۔ 27 جنوری 1858ء کو مقدمہ شروع ہوا۔ 9 مارچ 1858ء کو فیصلہ ہوا۔ جلاوطنی کی سزا ملی۔

سوال 30: بہادر شاہ ظفر کی وفات کب اور کہاں ہوئی؟

جواب: 27 نومبر 1862ء کو برما کے شہر رنگون کے قید خانے میں

سوال 31: ملکہ وکٹوریہ کا اعلان کس نے کب اور کہاں پڑھ کر سنایا؟

جواب: وائسرائے لارڈ کیننگ نے یکم نومبر 1858ء کو دربار الہ آباد میں۔

سوال 32: جنگ آزادی سے پہلے برصغیر میں مسلمانوں کی تہذیب وثقافت کے مراکز کون سے تھے؟ جنگ کے بعد کونسا شہر مرکز بنا؟

جواب: جنگ سے پہلے دہلی اور لکھنؤ جنگ کے بعد لاہور

سوال 33: 1865ء میں ایم۔اے اور بی۔اے میں کل کتنے طلباء کامیاب ہوئے؟ ان میں مسلمان کتنے تھے؟

جواب: کل 51 مسلمان ایک

سوال 34: 1875ء میں کلکتہ، بمبئی اور مدراس یونیورسٹیوں کے گریجوایٹس میں کتنے ہندو اور کتنے مسلمان تھے؟

جواب: ہندو 846 اور مسلمان 17

سوال 35: 1880ء اور 1881ء میں پورے برصغیر کے انگریزی ہائی سکولوں میں کتنے مسلمان اور کتنے ہندو طلباء تھے؟

جواب: مسلمان 363 اور ہندو 36,686

سوال 36: قانون ہند 1858ء کے تحت قائم کی گئی وزیر ہند کی کونسل (انڈیا کونسل) کے کتنے ارکان تاج برطانیہ اور کتنے ارکان سابق بورڈ آف ڈائریکٹرز نامزد کرتا تھا؟

جواب: کل تعداد 15 تاج برطانیہ 8 اور بورڈ آف ڈائریکٹرز 7 ارکان۔

سوال 37: 1861ء میں برصغیر میں کون کون سی ہائی کورٹس قائم ہوئیں؟

جواب: کلکتہ، بمبئی اور مدراس۔

سوال 38: بنگال، یو۔پی اور پنجاب میں صوبائی قانون ساز کونسلیں کب قائم ہوئیں؟

جواب: بنگال 1862ء میں ، یو۔پی 1886ء میں ، پنجاب 1898ء میں۔

سوال 39: مسلمانوں میں مرکزی قانون ساز کونسل کا رکن پہلے کون بنا؟ پھر ان کے بعد کون بنا؟

جواب: پہلے سرسید احمد خان 1878ء میں پھر سید امیر علی 1883ء میں۔

سوال 40: جنگ آزادی سے پہلے دہلی کی آبادی کتنی تھی؟ انگریزوں کی دہلی میں قتل وغارت کے بعد کتنی رہ گئی؟

جواب: جنگ آزادی سے پہلے 2 لاکھ جنگ آزادی کے بعد 50 ہزار۔

سوال 41: بہادر شاہ ظفر کے ساتھ اور کس کو رنگون بھیجا گیا؟

جواب: ملکہ زینت محل اور مرزا جواں بخت کو۔

سوال 42: ہندوؤں اور مسلمانوں نے جنگ آزادی مل کر لڑی۔ اس کی مثالیں دیجیے۔

جواب: جھانسی کی رانی لکشمی بائی کے ساتھ مولوی احمد اللہ شاہ اور توپخانہ کا افسر غلام غوث۔ کانپور میں نانا صاحب کے ساتھ عظیم اللہ خاں۔ بریلی میں بہادر خاں کے ساتھ رام۔

سوال 43: جنگ آزادی کے کن دو راہنماؤں کے انجام کا پتہ نہ چل سکا؟

جواب: جنرل بخت خاں اور نانا صاحب کا۔

سوال 44: دہلی، لکھنؤ کے محاذ پر کون کون سے انگریز افسر مارے گئے؟

جواب: دہلی میں کرنل ریلے لکھنؤ میں سر ہنری لارنس۔

سوال 45: بہادر شاہ ظفر کے جن دو بیٹوں اور ایک پوتے کو جنرل ہڈسن نے قتل کیا؟ ان کے نام کیا تھے؟

جواب: بیٹے مرزا مغل اور مرزا خضر سلطان۔ پوتا مرزا ابوبکر۔

سوال 46: جنگ آزادی میں انگریزی فوج کے نمایاں کمانڈر کون کون تھے؟

جواب: جنرل سر برنارڈ۔ جنرل ولسن۔ جنرل نکلسن۔ میجر ہڈسن۔ لیفٹیننٹ رابرٹس۔ کرنل نیل۔ میجر رینالڈ۔ جنرل ویلر۔ جنرل ہیولاک۔ میجر جنرل آؤٹ رم۔ ہنرل لارنس۔ سر کولن۔ سر ہیوروز۔

باب نمبر 3: سرسید احمد خاں اور علی گڑھ تحریک

سوال 1: دہلی پر 1857ء میں انگریزوں کے قبضہ کے وقت سرسید کے اہل خاندان سے کیا سلوک کیا گیا؟

جواب: سرسید کا گھر لوٹ لیا گیا۔ رشتہ دار قتل کر دیئے گئے۔ آپ کی والدہ نے اپنے نوکر کی کوٹھڑی میں چھپ کر اور تین دن بھوک کے پیاسے رہ کر جان بچائی۔

سوال 2: انگریز سرکار نے سرسید کو ایک جاگیر دینے کی منظوری دی اس کی سالانہ آمدن کتنی تھی؟ سرسید نے وہ جاگیر کیوں نہ لی؟

جواب: جاگیر کی آمدن $1\frac{1}{2}$ لاکھ روپیہ سالانہ تھی۔ کسی مسلمان بھائی کی چھینی ہوئی جاگیر لینا سرسید کی غیرت کو گوارا نہ ہوا۔

سوال 3: سرسید کو کون کون سے اعزازات ملے؟

جواب: (i) 1864ء میں آثار الصنادید کی تصنیف پر رائل ایشاٹک سوسائٹی آف لندن کے اعزازی فیلو بنے۔
(ii) 1878ء میں امپریل کونسل کے ممبر بنے۔ (چار سال ممبر رہے)
(iii) 1882ء میں ایجوکیشن کمیشن کے ممبر بنے۔
(iv) 1888ء میں پبلک سروس کمیشن کے رکن بنے۔
(v) 1889ء میں ''سر'' کا خطاب ملا۔
(vi) ایڈنبرا یونیورسٹی نے 1889ء میں ایل۔ ایل۔ ڈی کی اعزازی ڈگری دی۔

سوال 4: علی گڑھ کالج کے کون سے خزانچی نے کالج فنڈز سے کب غبن کیا؟ غبن کی رقم کتنی تھی؟

جواب: ہندو خزانچی شیام لال بہاری۔ ایک لاکھ پانچ ہزار کا غبن۔ 1895ء میں

سوال 5: مسلمانوں کو ان کے پاؤں پر کھڑا کرنے کے لیے سرسید نے تین طرح کی کوششیں کیں کون کون سی؟

جواب: (i) انگریزوں اور مسلمانوں کے درمیان باہمی اعتماد بحال کرنا۔
(ii) مسلمانوں کو جدید مغربی علوم اور انگریزی زبان کی طرف راغب کرنا۔
(iii) سیاست سے دور رکھنا۔

سوال 6: اسباب بغاوت ہند میں سرسید نے جنگ کی کیا وجوہات بیان کیں؟

جواب: (i) حکومت کے انتظامی اقدامات سے عوام کا مطمئن نہ ہونا۔
(ii) حکومت کے قوانین اور عوام کی روایات میں عدم مطابقت۔
(iii) حکومت اور عوام میں رابطہ کا فقدان۔
(iv) عوام کے مذہبی جذبات مجروح کرنا۔
(v) فوج کے انتظامی ڈھانچے میں بے چینی پیدا کرنے والے اقدامات۔

سوال 7: سرسید نے رسالہ اسباب بغاوت ہند کی کتنی کاپیاں چھپوائیں۔ کب اور کس کس کو ارسال کیں؟

جواب: 502 کاپیاں۔ ایک کاپی گورنر جنرل کو۔ ایک پاس رکھی۔ 500 کاپیاں برطانوی پارلیمنٹ کے ارکان اور بڑے بڑے انگریز افسران کو برطانیہ بھیجیں۔ رسالہ 1858ء میں لکھا اور 1863ء میں شائع کرایا۔

سوال 8: لائل محمڈنز آف انڈیا میں سرسید نے کیا ثابت کیا؟

جواب: انہوں نے ثابت کیا کہ بیشتر مسلمان انگریزوں کے وفادار ہیں۔ انہوں نے ایسے مسلمان

خاندانوں کے کوائف بیان کیے جنہوں نے جانیں خطرے میں ڈال کر انگریزوں کو بچایا اور خود ہجوم اور انگریز عتاب کا شکار ہو گئے۔ اہل کتاب ہونے کے ناطے مسلمان عیسائیوں کے دوست ہیں۔

سوال 9: بائبل کی تفسیر کی کیا خوبیاں تھیں؟

جواب: (i) اس کے ایک صفحہ پر بائبل کا اصل عبرانی متن اور اس کا اردو ترجمہ۔
(ii) دوسرے صفحہ پر قرآن پاک کی آیات اور ان کا اردو انگریزی ترجمہ۔
(iii) انہوں نے اسلام اور عیسائیت کو ایک ہی سکے کے دو رخ ثابت کرنے کی کوشش کی۔

سوال 10: سرسید کے دور میں مسلمان کیوں مغربی تعلیم کے خلاف تھے؟

جواب: (i) مغربی تعلیم کو اسلامی تعلیمات سے کم تر سمجھتے تھے۔
(ii) یہ تعلیم ان پر غیر ملکی طاقت مسلط کر رہی تھی۔
(iii) انہیں خدشہ تھا کہ عیسائیت میں رچی بسی تعلیم ان کے عقائد خراب کر دے گی۔

سوال 11: غازی پور سائنٹفک سوسائٹی کے تحت کس قسم کی کتابوں کا ترجمہ کیا گیا؟

جواب: تاریخ، اقتصادیات، زراعت، کیمسٹری وغیرہ کی انگریزی کتب کا۔

سوال 12: اردو ہندی تنازع کب اور کہاں شروع ہوا؟ سرسید پر اس کا کیا اثر ہوا؟

جواب: 1867ء میں۔ بنارس سے۔ سرسید کی سوچ اور کوششوں کا رخ بدل گیا۔

سوال 13: سرسید کے خیال میں مسلمان اپنے بچوں کو سرکاری اداروں میں تعلیم کے لیے کیوں نہیں بھیجتے تھے؟

جواب: (i) سرکاری سکولوں میں اخلاقی اور مذہبی تعلیم کا بندوبست نہ تھا۔
(ii) اپنی تعلیمی ضروریات کے لیے حکومت پر بھروسہ نہ کر سکتے تھے۔

سوال 14: علی گڑھ سکول و کالج کھولنے کے لیے کس کس نے چندہ دیا؟

جواب: وائسرائے لارڈ نارتھ بروک نے دس ہزار، سر ولیم میور نے ایک ہزار، نظام حیدر آباد نے نو ہزار اور چھ ہزار روپے سالانہ دینے کا وعدہ، مہاراجہ پٹیالہ اٹھاون روپے حکومت کی سالانہ گرانٹ بارہ ہزار روپے۔

سوال 15: علی گڑھ کالج کی نمایاں خوبیاں کیا تھیں؟

جواب: (i) اس کی عمارت مشرق و مغرب فن تعمیر کا حسین امتزاج تھی۔
(ii) طلبہ کے ساتھ اساتذہ بھی کالج احاطے میں رہتے تھے۔
(iii) ہاسٹل کا خرچہ معمولی اور غریب طلبا کی مالی امداد۔
(iv) اساتذہ بڑے لائق تھے۔

(v) کھیلوں کا انتظام اور یونین کی سماجی سرگرمیاں۔
(vi) اخلاق اور کردار سازی پر بھرپور توجہ۔
(vii) اسلامی تاریخ اور دینیات کی تعلیم۔
(viii) نماز، روزے اور دینی شعائر کی پابندی۔
(ix) اساتذہ کا احترام۔ (x) کالج یونیفارم کی پابندی۔

سوال 16: برصغیر میں 1875ء میں مسلمانوں کی آبادی کتنی تھی؟ اس وقت کتنے مسلمان بی۔ اے اور ایم۔ اے تھے؟

جواب: آبادی چھ کروڑ۔ گریجوایٹ مسلمان 17 اور ایم۔ اے 3

سوال 17: علی گڑھ کی طرز پر برصغیر میں کون کون سے تعلیمی ادارے قائم ہوئے؟

جواب: اسلامیہ کالج ریلوے روڈ لاہور۔ اسلامیہ کالج سول لائن لاہور۔ اسلامیہ کالج پشاور۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی۔ اسلامیہ کالج برائے خواتین لاہور۔

سوال 18: سرسید احمد خاں کی تصانیف کون کون سی ہیں؟

جواب: رسالہ اسباب بغاوت ہند۔ ہندوستان کے وفادار مسلمان۔ رسالہ تحقیق لفظِ نصاریٰ۔ رسالہ احکام طعام در اہل کتاب۔ رسالہ راہ سنت ورد بدعت۔ رسالہ حکمۃ الحق۔ تبین الکلام۔ ہنٹر کی کتاب پر ریویو 1871ء۔ علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ۔ خطبات احمدیہ۔ رسالہ تہذیب الاخلاق۔ قرآن پاک کی تفسیر۔ آثار الصنادید۔ تاریخ سرکشی بجنور۔ آئین اکبری کی درستگی۔ تاریخ فیروز شاہی اور ترک جہانگیری کی تصحیح۔

سوال 19: سرسید نے کون کون سی تنظیمیں اور ادارے بنائے؟

جواب: ایم۔ اے۔ او کالج علی گڑھ 1877ء۔ برٹش انڈین ایسوسی ایشن 1866ء۔ فارسی مدرسہ مراد آباد۔ مدرسہ غازی پور، غازی پور سائنٹفک سوسائٹی۔ کمیٹی خواستگار ترقی تعلیم مسلمانانِ ہند۔ کالج فنڈ کمیٹی۔ محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس۔ انڈین پیٹریاٹک ایسوسی ایشن۔ محمڈن ڈیفنس ایسوسی ایشن۔ محمڈن ایسوسی ایشن آف اپر انڈیا۔ اردو ڈیفنس سوسائٹی۔

سوال 20: محمڈن مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے مقاصد کیا تھے؟

جواب: (i) مسلمانوں میں مغربی تعلیم کو مقبول بنانا
(ii) مسلم تعلیمی اداروں میں مذہبی تعلیم (iii) قدیم مسلم طریقہ تعلیم کی اصلاح
(iv) اسلامی علوم پر تحقیقاتی کتب کی اشاعت
(v) دینی مدارس کی حفاظت (vi) مسلمانوں کی سیاسی ضروریات کو پورا کرنا

(vii) پورے ملک میں علی گڑھ کی طرز پر تعلیمی ادارے قائم کرنا

سوال 21: ٹرسٹی کی وہ دو دفعات جن کی وجہ سے شدید اختلافات پیدا ہو گئے؟

جواب: (i) جوائنٹ سیکرٹری کا عہدہ پیدا کر کے سید محمود کو اس پر فائز کرنا۔

(ii) سیکرٹری کی وفات کے بعد جوائنٹ سیکرٹری کو اس کی جگہ دینا۔

سوال 22: انگریزوں نے مسلمانوں کو کمزور کرنے کی جو تدبیریں کیں ان میں سے صرف دو بیان کریں۔

جواب: (i) انڈین نیشنل کانگریس قائم کی تاکہ ہندوؤں کو معاشی اور سیاسی طور پر اس قدر مضبوط کر دیا جائے کہ مسلمان ان سے خوف کھاتے رہیں۔

(ii) مسلمانوں کی اردو زبان ختم کر دی جائے تاکہ مسلمانوں کو ملازمت نہ ملے اور وہ معاشی طور پر مفلوج ہو جائیں۔

سوال 23: آل انڈیا نیشنل کانگریس نے ابتدائی طور پر کون سے دو مطالبات کیے؟

جواب: (i) برطانوی طرز کی نمائندہ حکومت کا قیام

(ii) اعلیٰ سرکاری ملازمتوں کے لیے مقابلے کے امتحان

سوال 24: سرسید اور قائداعظمؒ کے کاموں میں کون سی مشابہتیں ہیں؟

جواب: (i) دونوں کی تقریروں میں یکسانیت۔ (ii) دونوں کے نقطۂ نظر مشترک۔

(iii) دونوں نے مسلمانوں کو بیداری کے لیے مرکزی کردار ادا کیا۔

(iv) تجربے کے بعد دونوں علیحدہ قومیت کے قائل ہوئے۔

(v) دونوں کی تعلیمات کی مسلمانوں نے مشعل راہ بنایا۔

(vi) سرسید کا پیش کردہ دو قومی نظریہ تحریک پاکستان کی بنیاد بنا۔

(vii) سرسید کا دو قومی نظریہ قائداعظمؒ کے نظریہ پاکستان کی شکل میں ڈھل کر برصغیر کے مسلمانوں کی منزل قرار پایا۔

(viii) تحریک علی گڑھ کا نتیجہ تحریک پاکستان تھا۔

سوال 25: سرسید نے زندگی کے کون کون سے شعبوں میں مسلمانوں کی راہنمائی کی؟

جواب: تعلیمی، معاشرتی، سیاسی، ادبی و علمی شعبوں میں۔

سوال 26: رسالہ تہذیب الاخلاق کے مضامین کی نوعیت کیا تھی؟

جواب: تعلیمی، مذہبی اور اصلاحی۔

سوال 27: تہذیب الاخلاق میں مضامین لکھنے والوں کے نام؟

جواب: سرسید، مولانا الطاف حسین حالی، ڈپٹی نذیر احمد، مولوی ذکاءاللہ، مولوی چراغ علی، نواب محسن الملک، نواب وقار الملک۔

سوال 28: سرسید احمد خاں کے مسلم رفقائے کار کون کون تھے؟

جواب: نواب محسن الملک، نواب وقار الملک، سید محمود، مولوی سمیع الحق، ڈپٹی نذیر احمد، مولانا الطاف حسین حالی، مولانا شبلی نعمانی، مولوی ذکاءاللہ، مولوی چراغ علی، سید حسن بلگرامی المعروف عماد الملک۔

سوال 29: مدو جزر اسلام کا تعارفی خاکہ بیان کریں۔

جواب: مولانا الطاف حسین حالی نے لکھی۔ اس کو مسدس حالی کہا جاتا ہے۔ اردو کی طویل ترین نظم ہے۔ اس کے 456 بند ہیں۔ ہر بند میں چھ مصرعے ہیں۔ یہ سرسید کی فرمائش پر لکھی گئی۔ مسدس کا آغاز ایام جاہلیت سے ہوتا ہے۔ مسلمانوں کی بیداری میں مسدس نے نمایاں حصہ لیا۔ نیز اس نے سرسید کی مخالفت کی شدت کو کم کر دیا۔

سوال 30: مولانا الطاف حسین حالی کی اہم تصانیف؟

جواب: حیات سعدی۔ یادگار غالب۔ حیات جاوید۔

سوال 31: علی گڑھ سے فارغ التحصیل کون کون سے طلباء نے تحریک پاکستان میں نمایاں کردار ادا کیا؟

جواب: مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی جوہر، مولانا حسرت موہانی، خان لیاقت علی خان، سردار عبدالرب نشتر، مولانا ظفر علی خان۔

سوال 32: مدرسہ غازی پور میں کون کون سی زبانیں پڑھائی جاتی تھیں؟

جواب: انگریزی، اردو، عربی، فارسی، سنسکرت۔

سوال 33: 1869ء میں سرسید کی انگلستان میں کن دو بڑی شخصیات سے ملاقات ہوئی؟

جواب: وزیر ہند ڈیوک آف آرگائیل اور ملکہ وکٹوریہ سے۔

سوال 34: پنجاب یونیورسٹی لاہور کے اپنے اہتمام میں کون کون سے ادارے تھے؟

جواب: لاء کالج۔ کامرس کالج۔ اور اینٹل کالج۔

سوال 35: سندھ مدرسۃ الاسلام میں تعلیم حاصل کرنے والے دو اہم ترین نام؟

جواب: قائداعظمؒ، سر غلام حسین ہدایت اللہ۔

سوال 36: سرسید نے انگلستان میں کون کون سی یونیورسٹیوں کا دورہ کیا؟

جواب: کیمبرج یونیورسٹی، آکسفورڈ یونیورسٹی۔

سوال 37: نواب محسن الملک اور نواب وقار الملک کے اصل نام بتائیں؟

جواب: نواب محسن کا اصل نام سید مہدی علی خان۔ نواب وقار الملک کا مولوی مشتاق حسین۔

باب نمبر 4: مذہبی اور سیاسی تحریکیں

سوال 1: ہندوؤں کی اصلاحی تحریکیں کون کون سے تین حصوں میں تقسیم ہوئیں؟

جواب: ایک حصہ جدید مغربی علوم کا دلدادہ تھا۔ دوسرا حصہ قدیم ویدک دھرم کو زندہ کرنا چاہتا تھا جبکہ تیسرا حصہ قدیم اور جدید میں ہم آہنگی کا طلبگار تھا۔

سوال 2: برہمو سماج کون کون سے مذاہب کا ملغوبہ تھا؟

جواب: ہندومت، عیسائیت اور اسلام کا۔

سوال 3: برہمو سماج کی تعلیمات کیا تھیں؟

جواب: خدا ایک ہے، بت پرستی بری چیز ہے۔ ذات پات بے معنی ہے، نجات کا ذریعہ نیک اعمال ہیں۔ وید اور بائبل الہامی کتب ہیں، خدا سب کا باپ ہے، تمام لوگ بھائی بھائی ہیں۔

سوال 4: برہمو سماج نے عورت کو کیا مقام دیا؟

جواب: برہمو سماج نے رسم ستی، بچپن کی شادی اور ایک سے زیادہ شادیوں کی مخالفت کی۔ بیوہ کو دوسری شادی اور وراثت کا حق دار قرار دیا۔

سوال 5: پرارتھنا سماج کے مقاصد کیا تھا؟

جواب: عیسائیت کے پھیلاؤ کو روکنا، سماجی اصلاح، چھوت چھات سے چھٹکارا، بیوہ کی شادی، عورتوں کی تعلیم، نچلی ذاتوں کی بھلائی، مغربی تعلیم کا حصول۔

سوال 6: پرارتھنا سماج نے کون کون سے ادارے قائم کیے؟

جواب: بچہ گھر، یتیم خانہ، دارالامان، کئی سکول، کالج، مہاجن سبھا، دکن ایجوکیشن سوسائٹی۔

سوال 7: آریہ سماج کی تعلیمات کیا تھیں؟

جواب: ہندو دھرم کا احیاء، اسلام اور عیسائیت کی مخالفت، بت پرستی کی مخالفت، ہندوستان صرف ہندوؤں کا، ذات پات اور بچپن کی شادی کی مخالفت، ویدوں میں جدید علوم اور سائنس موجود ہے۔ سمندری سفر کی حمایت، عورتوں کی تعلیم اور بیوہ کی شادی پر زور۔

سوال 8: آریہ سماجیوں کی زیادہ تعداد کن صوبوں میں تھی؟

جواب: یو۔ پی اور پنجاب میں

سوال 9: آریہ سماج کن دو حصوں میں تقسیم ہو گئی؟

جواب: مہاتمائی گروپ، ویدک عہد کا خواہش مند اور سبزی خور تھا۔

کالجی گروپ۔ جدید مغربی علوم کے حصول پر زور دیتا تھا۔

سوال 10: رام کرشن مشن کے مقاصد کیا تھے؟

جواب: بت پرستی پر زور، ویدک کا احیاء، تمام مذاہب سچے ہیں، کالی دیوی کی پوجا، خدمت خلق، سماجی اصلاح۔

سوال 11: تھیوسوفیکل سوسائٹی کے بانی کون تھے؟

جواب: کرنل الکاٹ اور میڈم بلاواٹسکی۔

سوال 12: تھیوسوفیکل سوسائٹی کے مقاصد تحریر کریں؟

جواب: قدیم ویدک مذہب کو زندہ کرنا۔ اسلام کو ملک سے نکالنا۔ قدیم ہندومت، بدھ مت اور آتش پرستی کو زندہ کرنا۔ ماضی پر فخر اور مستقبل پر اعتماد کرنا۔

سوال 13: تھیوسوفیکل سوسائٹی نے کون کون سے ادارے قائم کیے؟

جواب: سنٹرل ہندو کالج بنارس جو 1916ء میں ہندو یونیورسٹی بنا۔ فرگوسن کالج پونا۔ ولنگٹن کالج سانگلی۔

سوال 14: اصلاحی تحریکوں کے نتیجہ میں ہندو شخصیتوں کو مغربی پیمانے سے ناپا جانے لگا مثلاً؟

جواب: کالی داس کو ہندوستان کا شیکسپیئر اور بنکم چیٹر جی کو والٹر سکاٹ کا نام دیا گیا۔

سوال 15: 1856ء میں کون کون سی یونیورسٹیوں کی بنیاد رکھی گئی؟

جواب: کلکتہ، بمبئی اور مدارس۔

سوال 16: مغربی تعلیم کے فروغ سے کون کون سے نعرے ہندوؤں میں مقبول ہوئے؟

جواب: قومیت، آزادی اور مساوات۔

سوال 17: 1877ء سے 1878ء تک کون سے قوانین نے عوامی جذبات کو مجروح کیا؟

جواب: سول سروس کا نیا قانون 1877ء۔ ورنیکلر پریس ایکٹ 1877ء۔ انڈین آرمز ایکٹ 1878ء

سوال 18: بنگالی ہندو نابھ گوپال مترا نے 1867ء میں جو سالانہ میلہ شروع کیا، اس کے کیا مقاصد تھے؟

جواب: ہندوؤں میں احساس قومیت، حب الوطنی اور خود اعتمادی ابھارنا۔

سوال 19: کانگریس کے بانی اے او ہیوم کا پورا نام کیا تھا؟

جواب: ایلن اوکٹیوین ہیوم۔

سوال 20: اے۔ او۔ ہیوم نے وائسرائے لارڈ ڈفرن سے کانگریس کے قیام کی منظوری لینے کے بعد کن علاقوں کا دورہ کیا؟

جواب: کلکتہ، مدراس اور بمبئی کا۔

سوال 21: تقسیم بنگال کے سوال پر کانگریس کن دو طبقوں میں تقسیم ہوگئی؟

جواب: اعتدال پسند طبقہ اور انتہا پسند طبقہ میں۔

سوال 22: کانگریس کے ابتدائی مقاصد کیا تھے؟

جواب: متحدہ قومیت کی تشکیل، عوام کی ذہنی، اخلاقی اور سیاسی تعمیر نو، برصغیر کے خلاف ناانصافیوں کا خاتمہ اور انگلستان اور برصغیر کے اتحاد کو مضبوط بنانا۔

سوال 23: کانگریس نے ابتدائی سالوں میں کون کون سے تین مطالبات کیے؟

جواب: 1۔ برطانیہ کی طرز پر نمائندہ حکومت اور مکمل بااختیار پارلیمنٹ کا قیام۔

2۔ سرکاری دفاتر میں مقامی لوگوں کا زیادہ حصہ۔

3۔ تمام سرکاری ملازمتوں کی مقابلے کے امتحان کے ذریعے بھرتی۔

سوال 24: 1910ء تک کانگریس کے صدر بننے والے پانچ انگریزوں میں سے کسی دو کے نام لکھیے؟

جواب: چارلس بریڈلا۔ سر ولیم ویڈرن۔

سوال 25: 1887ء کے کانگریس اجلاس کے صدر دادا جی نورو بھائی نے انگریز وفاداری کا اظہار کن لفظوں میں کیا؟

جواب: ہم ریڑھ کی ہڈی تک انگریزوں کے وفادار ہیں۔

سوال 26: کانگریس پر چھائے رہنے والے ہندو لیڈر جو اسلام اور مسلمانوں کے پکے دشمن تھے؟

جواب: بال گنگا دھر تلک، پنڈت مدن موہن مالویہ، سوامی شردھانند، لالہ لاجپت رائے، گاندھی اور نہرو۔

سوال 27: 1905ء تک کانگریس کے بائیس اجلاسوں میں سے صرف دو کی صدارت مسلمانوں نے کی کس کس نے؟

جواب: بدرالدین طیب جی۔ ایم۔ آر شائی۔

سوال 28: 1936ء میں کانگریس کمیٹی کے کل کتنے ارکان تھے اور ان میں مسلمان کتنے تھے؟

جواب: کل ارکان 136 مسلمان 86 صرف صوبہ سرحد کو نمائندگی حاصل تھی۔

سوال 29: دارالعلوم دیوبند کب اور کہاں قائم کیا گیا؟

جواب: 30 مئی 1867ء کو۔ قصبہ دیوبند کی چھتہ مسجد کے انار کے درخت کے نیچے۔

سوال 30: دارالعلوم دیوبند کن شخصیتوں نے قائم کیا؟

جواب: پہلے مہتمم حاجی سید عابد علی کو اس کا خیال آیا۔ مولوی فضل الرحمن اور مولوی ذوالفقار علی کے ہاتھوں بنیاد رکھی گئی۔ پہلے صدر مدرس مولانا محمد یعقوب نانوتوی۔ پہلے سرپرست مولانا محمد قاسم نانوتوی۔

سوال 31: دارالعلوم دیوبند میں انگریزی سکولوں کی کون کون سی خصوصیات تھیں؟

جواب: باقاعدہ جماعتیں، طلباء کے حاضری رجسٹر اور تحریری امتحان۔

سوال 32: دارالعلوم دیوبند کے پہلے استاد اور پہلے طالب علم کون تھے؟

جواب: پہلے استاد مولانا محمد محمود اور پہلے طالب علم محمود حسن۔

سوال 33: دارالعلوم دیوبند کی اہم شخصیات؟

جواب: مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا محمد احمد نانوتوی، مولانا محمد یعقوب نانوتوی، مولانا محمود حسن، مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا شبیر احمد عثمانی اور مولانا عبیداللہ سندھی۔

سوال 34: دارالعلوم دیوبند کی عمارت کا تعارفی خاکہ تحریر کریں؟

جواب: دارالحدیث 1912ء، دارالتفسیر 1939ء، مسجد 1874ء، کلاس رومز 30، ہوسٹل 8، حجرے 440۔

سوال 35: 1931ء میں دارالعلوم دیوبند میں کون کون سے ممالک کے طلباء زیر تعلیم تھے؟

جواب: برما 26، چینی ترکستان 17، بخارا 26، مالدیپ، سری لنکا اور ایران کے۔

سوال 36: مولانا عبیداللہ سندھی کیوں ننگے سر رہا کرتے تھے؟

جواب: کہتے تھے "میری ٹوپی تو اس دن اتر گئی تھی جب یہ لال قلعہ میرے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔ جب تک مجھے یہ واپس نہیں مل جاتا میری غیرت اجازت نہیں دیتی کہ ٹوپی سر پر رکھوں"۔

سوال 37: کن شخصیتوں نے ندوۃ العلما لکھنؤ کی سالانہ مالی امداد مقرر کی؟

جواب: سر آغا خاں، نواب بھوپال اور نواب بہاولپور نے۔

سوال 38: ندوۃ العلما کی نامور ہستیاں؟

جواب: مولانا سلیمان ندوی، مولانا عبدالسلام ندوی، سید نجیب اشرف ندوی اور مولانا ابوظفر ندوی۔

سوال 39: مولانا شبلی نعمانی کی تصانیف کون کون سی ہیں؟

جواب: المامون، سیرت النعمان، حیات امام ابوحنیفہ، الفاروق، الغزالی، الکلام، شعر العجم، سیرت النبی ﷺ پہلی جلد، سفر نامہ روم وشام، کتب خانہ اسکندریہ، اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر، الجزیہ اور معتزلہ۔

سوال 40: جامعہ ملیہ اسلامیہ کے تین اہم سربراہ کون کون تھے؟

جواب: حکیم اجمل خان، ڈاکٹر مختار احمد انصاری، ڈاکٹر ذاکر حسین۔

سوال 41: انجمن حمایت اسلام کے جلسوں میں کن اہم لیڈروں نے خطاب کیا؟

جواب: سرسید، مولانا حالی، محسن الملک، میاں محمد شفیع، شیخ عبدالقادر اور علامہ اقبالؒ۔

سوال 42: انجمن حمایت اسلام لاہور نے کون کون سے ادارے قائم کیے؟

جواب: دو یتیم خانے، دو بوائز کالج، ایک گرلز کالج، ایک طبیہ کالج، چھے بوائز ہائی اسکول، ایک گرلز ہائی اسکول، ایک ایس وی گرلز سنٹر، تین جونیئر ماڈل اسکول، دو تعلیم بالغاں کے مراکز، ایک کتب خانہ، ایک پریس اور ایک ہفت روزہ۔

سوال 43: سید امیر علی کی تصانیف؟

جواب: اے شارٹ ہسٹری آف سارا سنز، محمڈن لاء، قانون شہادت، ضابطہ دیوانی کی تشریح، بنگال کا قانون لگانداری اور دی سپرٹ آف اسلام۔

حصہ دوم (Subjective Part II)

نوٹ: مندرجہ ذیل سوالات میں سے صرف تین کے جوابات تحریر کریں۔ 10 × 3 = 30

1۔ ہندوؤں اور مذہبی اور اصلاحی تحریکوں کا حال مختصراً بیان کیجئے۔

2۔ ان عوامل کا ذکر کیجئے جنھوں نے برعظیم پاک وہند میں سیاسی بیداری پیدا کی۔

3۔ انڈین نیشنل کانگریس کیسے وجود میں آئی؟ اس کے ابتدائی مطالبات بیان کرتے ہوئے اس کے بارے میں حکومت اور مسلمانوں کے رویے پر روشنی ڈالئے۔

4۔ مندرجہ ذیل پر نوٹ لکھیے۔

1۔ راجا رام موہن رائے	2۔ برہمو سماج
3۔ آریا سماج	4۔ دیانند سرسوتی
5۔ تھیوسوفیکل سوسائٹی	6۔ بال گنگا دھر تلک

5۔ مندرجہ ذیل پر مفصل نوٹ لکھیے۔

1۔ دارالعلوم دیوبند	2۔ ندوۃ العلماء لکھنؤ
3۔ انجمن حمایت اسلام، لاہور	4۔ جسٹس امیر علی

6۔ انڈین نیشنل کانگریس کے قیام کے اسباب تحریر کریں۔ (بہاولپور 2011ء)

7۔ آل انڈیا نیشنل کانگریس کیوں قائم کی گئی؟ اس کے اغراض و مقاصد بیان کریں۔

(بہاولپور 2010ء)



سیکشن "بی"

باب 5: تقسیم بنگال (1905ء)

(i) تقسیم بنگال کے اسباب (ii) ہندوؤں کا ردعمل
(iii) مسلمانوں کا ردعمل (iv) تقسیم بنگال کی تنسیخ

باب 6: وفد شملہ اور آل انڈیا مسلم لیگ 1906ء

باب 7: (i) گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1892ء
(ii) منٹو مارلے اصلاحات 1909ء (iii) میثاق لکھنؤ 1916ء
(iv) گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1919ء (v) تحریک خلافت
(vi) نہرو رپورٹ (vii) قائداعظمؒ کے چودہ نکات
(viii) آل پارٹیز مسلم کانفرنس

باب 8: علامہ اقبالؒ اور خطبہ الٰہ آباد 1930ء

باب 9: چودھری رحمت علی اور ان کا تحریک پاکستان میں حصہ

باب 10: گول میز کانفرنسیں اور گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935ء

(i) پہلی گول میز کانفرنس (ii) دوسری گول میز کانفرنس
(iii) تیسری گول میز کانفرنس (iv) کمیونل ایوارڈ
(v) گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935ء (vi) صوبہ سندھ کا قیام

نوٹ: نئے امتحانی پیپرن کے مطابق نمبروں کی تقسیم درج ذیل ہے۔	کل نمبر 100
سوال نمبر 1: (حصہ معروضی) کثیر الانتخابی سوالات پوری کتاب میں سے آئیں گے۔	20
سوال نمبر 2: (حصہ انشائی، حصہ اول) مختصر سوالات کے جوابات سیکشن "اے" سے لیے جائیں گے۔ (کوئی سے آٹھ سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں)	8×2=16
سوال نمبر 3: (حصہ انشائی، حصہ اول) مختصر سوالات کے جوابات سیکشن "بی" سے لیے جائیں گے۔ (کوئی سے آٹھ سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں)	8×2=16
سوال نمبر 4: (حصہ انشائی، حصہ اول) مختصر سوالات کے جوابات سیکشن "سی" سے لیے جائیں گے۔ (کوئی سے نو سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں)	9×2=18
سوال نمبر 9,8,7,6,5 (حصہ انشائی، حصہ دوم) کوئی سے تین سوالات کے جوابات تحریر کریں۔ (یہ سوالات تمام کتاب میں سے آئیں گے)	10×3=30

باب 5

تقسیم بنگال 1905ء

16 اکتوبر 1905ء کو حکومت برطانیہ کی منظوری سے صوبہ بنگال کو دو حصوں، مشرقی بنگال اور مغربی بنگال میں تقسیم کر دیا گیا۔

تقسیم کے اسباب: اس کے اسباب وجوہات مندرجہ ذیل تھے۔

1-بنگال کی انتظامیہ پر بوجھ: انگریز سب سے پہلے بنگال پر قابض ہوئے۔ یہاں سے ہی انہوں نے برصغیر کی فتوحات کا آغاز کیا۔ جوں جوں ان کے فتوحات کا دائرہ وسیع ہوتا گیا بنگال کی انتظامیہ پر بوجھ بڑھتا چلا گیا۔ کلکتہ سے اتنے وسیع علاقے کے حکومتی امور چلانا انتظامیہ کیلئے بہت بڑا بوجھ تھا۔

2-بنگال کی وسعت: بنگال ایک وسیع و عریض صوبہ تھا۔ اس میں بنگال، بہار، اڑیسہ اور آسام کے علاقے شامل تھے۔ اس کا رقبہ ایک لاکھ نواسی ہزار (189000) مربع میل اور آبادی سات کروڑ اسی لاکھ نفوس پر مشتمل پر تھی۔ اتنے بڑے صوبے کا انتظام سنبھالنا ایک گورنر کی بساط سے باہر تھا۔

3-اڑیسہ کا قحط: اس صوبہ کی غیر معمولی وسعت کی وجہ سے قدرتی آفات، سیلاب، زلزلہ، قحط اور موسی بیماریوں سے نمٹنا ناممکن تھا۔ 1866ء میں بنگال، اڑیسہ اور آسام کے علاقوں میں قحط پھیل گیا۔ اڑیسہ کے قحط کے سلسلے میں تحقیقات کرنے والی کمیٹی نے صوبے کی بے پناہ وسعت کا بطور خاص تذکرہ کرتے ہوئے۔ صوبے کی حدود میں ضروری ردّ بدل کرنے کی تجویز پیش کی۔

4-صوبائی حدود میں ردّ و بدل کی تجاویز: 1853ء میں سر چارلس گرانٹ نے اور 1854ء میں لارڈ ڈلہوزی نے بنگال کی تقسیم کی تجویز دی۔ 1865ء میں شمال مغربی صوبہ تشکیل پایا جسے 1901ء میں یو پی کا نام دیا گیا۔ 1872ء میں لیفٹیننٹ گورنر نے اپنی رپورٹ میں لکھا کہ:

''اتنے بڑے صوبے کا انتظام چلانا اکیلے فرد کے بس میں نہیں ہے''۔ [1]

1874ء میں آسام، سلہٹ کچھار اور گولپاڑہ کو بنگال سے الگ کر کے چیف کمشنری کا درجہ دیا گیا۔ 1892ء میں لوشائی کا پہاڑی علاقہ بھی آسام میں شامل کر دیا گیا لیکن بنگال اب بھی بہت بڑا صوبہ تھا۔

1- پروفیسر محمد اسلم تحریکِ پاکستان صفحہ 91-92

5-لسانی مسائل: آسام میں شامل کئے جانے والے سلہٹ، کچھار اور گولپاڑہ، تینوں اضلاع کے بنگالی عوام اس صورتحال سے بہت پریشان تھے۔ بنگال، آسام، سی پی اور اڑیسہ کے لوگوں کی خواہش تھی کہ ان کا علاقہ علیحدہ انتظام کے تحت ہو جبکہ انتظامیہ اس بات پر پریشان تھی کہ انہیں اپنے ہاں اڑیہ زبان میں دفتری کارروائی کا بندوبست کرنا پڑتا ہے۔

6-انتظامی دشواریاں: آسام چیف کمشنری تھی۔ اس کی اپنی سول سروس نہ تھی۔ دوسرے صوبوں سے آنے والے انتظامی افسران یہاں اپنی تقرری کو سزا سمجھتے تھے۔ انہیں علاقائی مسائل سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اس بدانتظامی کی وجہ سے لارڈ کرزن نے آسام کا رقبہ بڑھانے کا فیصلہ کر لیا۔ بنگال کے گورنر اور اس کی کابینہ کے لئے ایک صدر مقام سے اتنے وسیع و عریض صوبے کا انتظام سنبھالنا عملاً ناممکن تھا۔ گورنر اپنی پانچ سالہ معیاد حکومت میں ڈھاکہ اور چٹاگانگ جیسے بڑے شہروں کا ایک بار سے زیادہ دورہ نہ کر پاتا تھا۔ متحدہ بنگال کے گورنر ولیم گرے نے انتظامی مسائل پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ:

''گورنر کے کندھوں پر اتنا بوجھ ہے کہ نہ وہ اپنی ذمہ داریوں سے احسن طریقے سے عہدہ براء ہو سکتا ہے اور نہ صوبے کے تمام طبقات سے انصاف کر سکتا ہے۔''

7-محدود ذرائع آمدورفت: مشرقی بنگال مسلم اکثریت کا خطہ تھا جہاں دریائی، گندرگاہوں، دلدلوں اور جنگلات کی وجہ سے ذرائع آمدورفت انتہائی محدود تھے۔ سڑکوں کی حالت انتہائی خراب اور ریلوے کا نام و نشان تک نہ تھا۔ دریاؤں پر پُل نہ تھے۔ ''ڈھاکہ سے کلکتہ کا فاصلہ 264 میل تھا لیکن یہ فاصلہ 24 گھنٹے میں طے ہوتا تھا۔ کلکتہ سے پوسٹ کیا جانے والا خط تیسرے روز چٹاگانگ پہنچتا تھا''۔ [2] مشرقی بنگال کے کسی بھی اہم شہر کو جانے کے لئے پہلے کلکتہ آنا پڑتا تھا۔ ایک یورپی سیاح نے مشرقی بنگال کا دورہ کرتے ہوئے لکھا کہ:

''دریاؤں پر زندگی اور جائیداد اتنی غیر محفوظ ہے کہ کوئی مہذب حکومت اسے برداشت نہیں کر سکتی''

8-جرائم اور عوامی اضطراب: وسعت رقبہ اور ناقص ذرائع آمدورفت کی وجہ سے انتظامیہ کی گرفت بڑی کمزور تھی۔ حکومت کا عوام سے موثر رابطہ تھا نہ اس کے کارندے بروقت پہنچ پاتے تھے۔ جرائم خطرناک حد تک بڑھ چکے تھے جس سے عوام کی بے چینی میں اضافہ ہو رہا تھا۔ ان حالات میں بدنظمی اور لاقانونیت نے لوگوں کا جینا حرام کر رکھا تھا۔

9-زرعی پسماندگی: مشرقی بنگال کے بڑے بڑے قطعات اراضی کے مالک ہندو تھے۔ جو کلکتہ میں

2- احمد سعید صفحہ 60

رہتے تھے اور اپنے کارندوں کے ذریعے مسلمان مزارعین سے سختی سے اپنا حصہ وصول کرتے تھے۔ کاشکار دو وقت کی روٹی کے محتاج تھے۔ ان کسانوں کو سزا دینے کیلئے ان کی اپنی عدالتیں اور جیلیں تھیں۔ غریب کسانوں کا کوئی پرسان حال نہ تھا۔

10- صنعتی بدحالی: پٹ سن، چاول اور دیگر خام مال کی وافر پیداوار مشرقی بنگال میں ہوتی تھی جبکہ اس کے سارے کارخانے کلکتہ میں تھے۔ ڈھاکہ اور چٹا گانگ کی منڈیاں بے رونق تھیں۔ اس لئے بے روزگاری عام اور افلاس و جہالت کا دور دورہ تھا۔

11- چٹا گانگ سے غفلت: کلکتہ کی موجودگی میں چٹا گانگ کی بندرگاہ عدم توجہ کا شکار تھی۔ اسے اندرونی علاقوں سے ملانے کیلئے ریلوے لائنوں اور سڑکوں کا کوئی معقول انتظام نہ تھا۔ اس وجہ سے آسام کی چائے اور مشرقی بنگال کی پٹ سن کی برآمد بری طرح متاثر ہو رہی تھیں۔ مال پڑا پڑا گل سڑ جاتا تھا۔ تاجر اور کسان اس صورتحال سے بہت پریشان تھے۔

12- کلکتہ نوازی اور ڈھاکہ کی محرومی: مغربی بنگال میں ہندوؤں کی اکثریت تھی۔ ان میں تعلیم کی شرح بہت زیادہ تھی۔ کلکتہ نہ صرف صوبائی بلکہ پورے ملک کا دارالخلافہ تھا۔ چھوٹی بڑی تمام ملازمتوں پر اور عدالتوں میں وکالت پر ہندوؤں کی اجارہ داری تھی۔ اخبارات کے تمام مالکان جبکہ یونیورسٹی، کالجز اور سکولز میں ہندو اساتذہ تعینات تھے۔ منڈیوں اور بازاروں پر ہندو تاجروں کا غلبہ تھا۔ اس لئے حکومت کی تمام تر توجہ کلکتہ اور مغربی بنگال کی ترقی پر مرکوز تھی۔ ڈھاکہ میں کوئی یونیورسٹی تھی نہ کوئی اعلیٰ درجے کا کالج تھا۔ تمام تر ترقیاتی اور رفاہی فنڈ مغربی بنگال پر خرچ کر دیئے جاتے تھے۔[3] مشرقی بنگال، حکومت کی غفلت اور عدم دلچسپی کا شکار تھا۔ اس خطے کے نصیب میں صرف غربت، جہالت، بے روزگاری اور محرومی رہ گئی تھی۔

تقسیم بنگال کی منظوری: 1899ء میں لارڈ کرزن وائسرائے ہند بن کر آیا۔ اس وقت تقسیم [illegible] کی کئی اسکیمیں زیرِ غور تھیں۔ 1902ء میں اس نے اعلیٰ حکام کو تقسیم کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لینے کی ہدایت کی۔ فروری 1904ء میں اس نے پورے بنگال کا دورہ کر کے لوگوں کی شکایات و مسائل سُنے اور تقسیم بنگال کی مجوزہ سکیم پر اعتراضات کے مدلل جوابات دیئے۔ فروری 1905ء میں اس کے سامنے تقسیم کی کئی اسکیمیں پیش کی گئیں۔ ان میں سے سب سے زیادہ قابل عمل اور مفید اسکیم کو اس نے منظوری کیلئے حکومت برطانیہ کو بھیج دیا۔ جون 1905ء میں وزیر ہند جان براڈرک کی منظوری کے بعد 2 جولائی کو نئے صوبے کی تشکیل کا اعلان کیا گیا۔ ستمبر میں شاہی فرمان جاری ہونے کے بعد 16 اکتوبر 1905 کو بنگال کو تقسیم کر کے مشرقی بنگال اور مغربی بنگال کے نام سے دو صوبے قائم کر دیئے گئے۔

3- ڈاکٹر عبدالحمید، مسلم سپرٹ از م صفحہ 49

نئے صوبے کا قیام: نئے صوبے کا نام مشرقی بنگال رکھا گیا۔ ڈھاکہ اس کا صدر مقام قرار پایا۔ اس کا رقبہ ایک لاکھ ساڑھے چھ ہزار مربع میل اور آبادی تین کروڑ دس لاکھ تھی۔ جس میں ایک کروڑ اسی لاکھ مسلمان اور ایک کروڑ بیس لاکھ ہندو تھے۔ جبکہ مغربی بنگال جس میں بہار اور اڑیسہ شامل تھے، کا رقبہ ایک لاکھ بیالیس ہزار مربع میل اور آبادی پانچ کروڑ چالیس لاکھ تھی۔ اس میں چار کروڑ بیس لاکھ ہندو اور 90 لاکھ مسلمان تھے۔ ڈھاکہ میں ہائیکورٹ، ریونیو بورڈ اور قانون ساز اسمبلی قائم کر کے مسٹر بیمپ فیلڈ فلر (Bemp Fylde Fuller) کو اس کا لیفٹیننٹ گورنر مقرر کیا گیا۔

مسلمانوں کو نئے صوبے کے فوائد: تقسیم بنگال سے بنگالی مسلمانوں کے خوش کن دور کا آغاز ہوا۔ انہوں نے حکومت کے اس فیصلے کی بے حد تعریف کی۔ نئے صوبے کے قیام سے مسلمانوں کو درج ذیل فوائد حاصل ہونے کی توقع ہوگئی۔

1- محرومیوں کا ازالہ: بنگالی مسلمانوں کو امید پیدا ہوگئی کہ اب وہ اپنے صوبے کے وسائل سے خود استفادہ کر سکیں گے۔ اس سے ان کی ماضی کی ناانصافیوں اور محرومی کا ازالہ ہو جائیگا۔

2- ہندو سامراج سے نجات: مسلمان خوش تھے کہ انہیں ہندو جاگیرداروں اور ساہوکاروں کے ظلم اور معاشی استحصال سے نجات مل جائیگی۔ نئے گورنر نے مزارعین کے تحفظ کے لئے بعض اقدامات کئے جس سے انہوں نے سکھ کا سانس لیا۔

3- صوبائی دفاتر کا قیام: صوبے میں عدلیہ، ریونیو بورڈ اور ایجوکیشن سمیت دیگر انتظامی دفاتر قائم ہو گئے تو طلبہ، وکلاء اور عوام کو کلکتہ جانے کی ضرورت نہ رہی۔ اس سے وقت اور اخراجات کی بچت ہوئی۔

4- ڈھاکہ کی اہمیت میں اضافہ: ڈھاکہ میں نئے دفاتر کے قیام اور اخبارات کے اجراء سے شہری چہل پہل، رونق اور عوامی شعور میں اضافہ ہوا۔ ڈھاکہ مسلمانوں کی سیاسی، سماجی، معاشی اور تعلیمی سرگرمیوں کا مرکز بننے لگا۔ ایک ہی سال بعد اسی شہر میں مسلمانوں کی ملک گیر سیاسی جماعت مسلم لیگ کی بنیاد رکھی گئی۔

5- ذرائع آمد و رفت میں بہتری: حکومت کی دلچسپی بڑھی تو ذرائع آمد و رفت کی حالت بہتر ہونے لگی سڑکوں اور راستوں کی تعمیر شروع ہوئی۔ 1911ء تک 200 میل لمبی ریلوے لائن اور 140 میل لمبی برانچ لائنیں بچھائی گئیں۔ ڈاک و تار کا نظام بہتر ہوا۔ اس سے زراعت، تجارت، صنعت اور تعلیم کو فروغ حاصل ہوا۔

6- تجارت کو فروغ: ذرائع آمدورفت میں بہتری سے اشیائے ضرورت منڈیوں اور بازاروں میں باآسانی پہنچنے لگیں۔ چٹاگانگ کی حالت میں بہتری آنے سے پٹ سن اور چائے کی برآمدات میں خاطر خواہ اضافہ ہوا۔ اس سے زراعت، تجارت اور صنعت کو فروغ حاصل ہوا۔

7- پسماندہ علاقوں کی ترقی: اب حکومت کے لئے ممکن ہوگیا کہ وہ پسماندہ علاقوں کی بہتری اور ترقی کے لئے اقدامات کر سکے۔ نئے گورنر نے ہندوؤں کی ذاتی عدالتیں اور جیلیں ختم کردیں اور مزارعین کی بہتری کے لئے ضروری اقدامات اٹھائے۔ دریائی پولیس میں اضافہ کیا اور نئی سٹیم سروس قائم کی۔ اس سے جرائم میں کمی آئی۔ امن وسکون قائم ہوا اور کسانوں، تاجروں، ہنرمندوں اور طلباء سمیت عوام میں ترقی کی تحریک پیدا ہوئی۔

8- تعلیمی ترقی: موجودہ تعلیمی اداروں میں بہتری اور نئے اسکولوں اور کالجوں کے قیام سے 5 سالوں میں مسلمان طلباء کی تعداد میں 30% اور اساتذہ کی تعداد میں 34% اضافہ ہوا۔ ڈھاکہ کالج کے اساتذہ کی تعداد 12 سے بڑھ کر 30 اور چٹاگانگ میں 5 سے 14 ہوگئی نیز سائنس کی تعلیم کے اجراء سے ترقی کے امکان روشن ہوئے۔

9- روزگار میں اضافہ: صوبہ مشرقی بنگال کے قیام سے مسلمانوں پر ملازمتوں کے دروازے کھل گئے۔ تعلیمی اداروں میں مسلم طلباء اور عدالتوں میں وکلاء کی تعداد بڑھنے لگی۔ تجارت وصنعت اور کاروباری میدانوں میں بھی مسلمانوں کو روزگار کے وافر مواقع میسر آنے لگے۔ اس سے خوشحالی اور آسودگی ان کے صحنوں میں قدم رکھنے لگی۔

10- مسلم اکثریتی صوبہ: یہ محض اتفاق تھا کہ نئے صوبے میں مسلمانوں کو 60% سے زیادہ عددی اکثریت حاصل ہوگئی۔ اب یہ بات یقینی ہوگئی کہ برطانوی پارلیمانی نظام کے تحت صوبے میں مسلمانوں کی ہی حکومت قائم ہوگی۔

تقسیم بنگال پر مسلمانوں کا ردعمل: مسلمانوں نے حکومت کے اس اقدام کا جوش وخروش سے خیر مقدم کیا اور لارڈ کرزن کو مبارکباد کے تار ارسال کئے۔ انہوں نے نئے گورنر کا پرجوش استقبال کیا۔ نواب سلیم اللہ خاں نے 16 اکتوبر 1905ء کو منشی گنج ڈھاکہ میں تقریر کرتے ہوتے ہوئے کہا کہ:

> ''تقسیم بنگال نے ہمیں خواب غفلت سے جگایا ہے اور ہماری بے عملی رفع کر کے ہمیں جدوجہد کی طرف متوجہ کر دیا ہے''[4]

4- ... احمد سعید صفحہ 64

22 اکتوبر کو مسلمانوں نے ڈھاکہ میں ایک بڑا جلسہ منعقد کیا جس میں مسلمان قائدین نے تقسیم کو اپنے لئے ایک نعمت اور رحمت خداوندی قرار دیا۔ 24 اکتوبر 1905ء کو شکرانے کے طور پر پھر جلسہ منعقد کیا گیا۔[5] نواب سلیم اللہ خان نے تقسیم کی پائیداری اور مسلمانوں کو ترقی کی راہ دکھانے کے لئے سیاسی جماعت محمڈن پراونشل یونین کی بنیاد رکھی۔ 16 اکتوبر 1906ء کو مسلمانوں نے تقسیم بنگال کی سالگرہ پر خوشی کا جشن منایا۔ ایک موقع پر نواب سلیم اللہ نے قانون ساز کونسل میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ:

> ''اس تقسیم سے نہ بنگالیوں میں کوئی دوری ہوئی ہے اور نہ کوئی کمزوری پیدا ہوئی ہے بلکہ اس سے دونوں صوبوں کو ترقی کے مواقع ملے ہیں۔''[6]

بنگال کے نواب علی چوہدری نے اپنے تبصرے میں کہا کہ

> ''اس سے بنگالی مسلمانوں میں جان پڑ گئی ہے۔ انہیں محسوس ہوا ہے کہ.......... پہلے کی نسبت ہماری اہمیت بڑھ گئی ہے''، تقسیم کے خلاف ہندوؤں نے جو شورش برپا کی تھی مسلمانوں نے اس کی سخت مذمت کی۔[7]

محمڈن لٹریری سوسائٹی کلکتہ کے لیڈروں نے کہا کہ اس تقسیم سے نظم ونسق بہتر ہوگا اور اس کے مسلمانوں پر مفید اور دور رس اثرات مرتب ہوں گے۔ انہوں نے مسلمانوں کو تقسیم کے خلاف کسی جلسے جلوس میں شریک ہونے سے منع کیا۔ ایک اور بنگالی مسلم راہنما سردار علی نے ہندوؤں کی احتجاجی تحریک کی مذمت کرتے ہوئے کہا کہ:

> ''یہ تمام شوروغل اس لئے مچایا جارہا ہے کہ.......... جہاں ہندوؤں کی اقلیت ہے وہاں بھی ان کی طبقاتی برتری کو برقرار رکھا جائے۔''

حکومت برطانیہ نے ہندو شورش کو نظرانداز کرتے ہوئے تقسیم کو ایک ''طے شدہ حقیقت'' قرار دیا۔ مسلمان تاجروں نے غیر ملکی مصنوعات کے بائیکاٹ کی سخت مخالفت کی۔ انہوں نے کسی ہڑتال میں حصہ لینے سے انکار کیا تو مسلمانوں کی دوکانیں نذر آتش کی گئیں اور مسلمان دوکانداروں پر حملے کئے گئے۔

ہندوؤں کا ردعمل: ہندوؤں نے تقسیم بنگال کی سخت مخالفت کی۔ ہندو لیڈروں نے کہا کہ اس فیصلے نے بنگالی قومیت کے ٹکڑے کر دیئے ہیں اور کالی دیوی کی توہین کی ہے۔ انہوں نے اسے مسلمانوں کی بالادستی قائم کرنے کی گہری سازش قرار دیا۔

سریندرناتھ بینرجی نے اسے ''بم کا گولہ'' پھٹنے سے تشبیہ دی۔ ہندو قائدین نے الزام لگایا کہ

5- آئی ایچ قریشی صفحہ 37   6- حصول پاکستان احمد سعید صفحہ 64

7- مانچسٹر گارڈین 23 تا 27 اکتوبر 1905ء بحوالہ آئی ایچ قریشی صفحہ 37

انگریز حکومت Devide and Rule (تقسیم کرو اور حکومت کرو) کی پالیسی پر گامزن ہے۔ انہوں نے خیال ظاہر کیا کہ اس سے ہندو مسلم اتحاد کو نقصان پہنچے گا۔ یہ نقطہ بڑا اہم ہے کہ ہندوؤں کی احتجاجی تحریک کی راہنمائی وہ کانگرس کر رہی تھی جس کا دعویٰ تھا کہ وہ سارے ملک کے ہندوستانی عوام کی نمائندہ اور ترجمان ہے۔

ہندو مخالفت کے اصل اسباب: ہندوؤں کا تقسیم کے خلاف احتجاج دراصل معاشی مفادات کی جنگ تھی۔ نئے صوبے میں مسلم اکثریت کی وجہ سے ہندوؤں کو اپنی اجارہ داری کا خاتمہ نظر آیا۔

بقول حسن ریاض ''ہندوؤں نے تقسیم بنگال پر اپنے شدید ردعمل کا اظہار محض اس لئے کیا کہ اس سے مسلمانوں کو نفع پہنچ رہا تھا اور ہندوؤں سے انصاف کی بنا پر وہ کچھ چھینا جا رہا تھا جو ناانصافی کی بنا پر ان کو حاصل تھا۔''[8]

1- ہندو وکلاء: تقسیم بنگال کیخلاف تحریک کا آغاز کلکتہ کے ہندو وکلاء نے کیا۔ شریف الدین پیرزادہ فریزر (Fraser) کے حوالے سے کہتے ہیں کہ ''ہندو وکلاء کو ڈھاکہ ہائی کورٹ کے قیام سے اپنا پیشہ بری طرح متاثر ہوتا نظر آ رہا تھا۔''

2- اخباری مالکان: کلکتہ کے اخبارات کے مالک تمام تر ہندو تھے۔ انہیں تشویش تھی کہ ڈھاکہ سے شائع ہونے والے مسلم اخبارات کی وجہ سے ان کے اخبارات کی اشاعت محدود ہو جائے گی۔ ''دی بنگالی'' اخبار کا ایڈیٹر سریندر ناتھ بینرجی اور ''امرت بازار پتریکا'' کا ایڈیٹر ایس کے گھوش اس مخالفت میں پیش پیش تھے۔

3- ہندو جاگیردار: ہندو زمیندار جن کی جاگیریں مشرقی بنگال میں تھیں اور وہ خود کلکتہ میں عیش کی زندگی بسر کرتے تھے، اس وجہ سے خوفزدہ تھے کہ غریب کسان جنہیں انہوں نے زر خرید غلام بنا رکھا تھا، ان کے چنگل سے آزاد ہو جائیں گے۔

4- ہندو ساہوکار اور تاجر: ہندو ساہوکاروں اور مہاجنوں کو اپنا سودی کاروبار خطرے میں نظر آ رہا تھا۔ جبکہ بڑے بڑے تاجروں، صنعتکاروں اور دوکانداروں کو مسلمان تاجروں سے کاروباری سرگرمیوں سے مقابلے کا خوف لاحق تھا۔

5- ہندو سیاسی قائدین: ہندو لیڈروں کیلئے یہ اقتدار کی جنگ تھی۔ کیونکہ نئے صوبے میں مسلمانوں کو دو تہائی اکثریت حاصل ہو گئی تھی۔ اس لئے انہیں اپنا سیاسی اقتدار دم توڑتا نظر آ رہا تھا۔ اسی خطرے کی نشاندہی کرتے ہوئے مہندر اچندر نے کہا کہ:

8- پاکستان ناگزیر تھا صفحہ 49

''اس نئے صوبے میں مسلمانوں کی اکثریت ہوگی اور بنگالی ہندو اقلیت میں رہ جائیں گے۔ ہم اپنے ہی شہر میں اجنبی ہو جائیں گے۔ میں اس لحاظ سے اپنی قوم کے بارے میں بڑی تشویش محسوس کرتا ہوں۔''

6- معاشی جنگ: ہندو مشرقی بنگال میں بدستور اپنی اجارہ داری برقرار رکھنے پر بضد تھے۔ وہ قطعی طور پر اپنے دیرینہ اثر و رسوخ، معاشی مفادات اور سیاسی اقتدار میں مسلمانوں کو حصہ دار بنانے کو تیار نہ تھے۔ ان کی احتجاجی تحریک کا مقصد صرف یہ تھا کہ صوبے کے وسائل سے خود ہی مفاد حاصل کریں اور مسلمانوں کو پستی کی حالت سے باہر نہ نکلنے دیں۔ اس لئے ہر شعبہ زندگی کے ہندو میدان میں آ گئے۔

مشہور اچھوت لیڈر ڈاکٹر امبید کر نے سچ کہا تھا کہ:

''بنگالی ہندوؤں نے پورے بنگال، اڑیسہ، آسام بلکہ یو پی تک کو اپنی چراگاہ بنا رکھا تھا۔ وہ ان صوبوں کی تمام سول سروس پر قابض تھے۔ بنگال کی تقسیم کا مطلب تھا کہ ان کی چراگاہ کا رقبہ کم ہو جائے گا۔''[9]

ہندوؤں کی احتجاجی تحریک: ہندوؤں نے تقسیم بنگال کے خلاف اپنے شدید ردعمل کا اظہار کیا اور پوری طاقت سے اس کے خلاف احتجاجی تحریک چلائی۔

1- یوم سیاہ: ہندوؤں نے 16 اکتوبر کو یوم سیاہ، (Black day) یوم ماتم اور قومی المیہ کا دن قرار دیا۔ سرخ راکھی باندھی، کالے کپڑے پہنے، سر پر راکھ ملی، گنگا اشنان کیا اور ننگے پاؤں جلوس نکالے۔

2- جلسے جلوس: کانگرس اور دیگر ہندو تنظیمیں روزانہ جلسے کرتیں اور جلوس نکالتیں۔ ہندو لیڈران میں اشتعال انگیز تقریریں کرتے، تقسیم کے خلاف قراردادیں منظور کی جاتیں۔ حکومت اور مسلمانوں کے خلاف سخت نعرے بازی کی جاتی۔ ہڑتالیں کی جاتیں اور کاروبار زندگی معطل کیا جاتا۔ ہندو وکلاء عدالتوں کا بائیکاٹ کر کے احتجاج میں شریک ہوتے۔

3- تعلیمی بائیکاٹ: ہندو طلباء کلاسز کا بائیکاٹ کر کے جلسے جلوسوں اور ہڑتالوں میں شرکت کرتے۔ سرکاری تعلیمی اداروں کا بائیکاٹ کر کے نجی ادارے کھولے گئے۔ ہندو لیڈروں نے قومی تعلیم کا نظریہ پیش کیا۔

4- کانگرس کا کردار: کانگرس نے تقسیم کی شدید مذمت کی اور احتجاجی تحریک کی کمان سنبھال کر کرشن گوپال گوکھلے کی قیادت میں پندرہ رکنی وفد اس کی تنسیخ کیلئے لندن بھیجا۔ لاہور کا لالہ لاجپت رائے اور بمبئی کا بال گنگا دھر تلک بنگالی ہندوؤں کے راہنما بن گئے۔

9- بی۔ امبید کر۔ پاکستان یا ہندوستان کی تقسیم صفحہ 111

5-مذہبی رنگ: ہندو لیڈروں اور پنڈتوں نے اس خالص انتظامی مسئلہ میں مذہبی رنگ بھر دیا۔ ہندو پنڈتوں نے کہا کہ بنگال کی تقسیم نے دھرتی ماتا اور کالی دیوی کے ٹکڑے کر دیئے ہیں۔ ہندوؤں کا فرض ہے کہ اپنے دھرم کا دفاع کریں۔ گئو رکھشا، گنگا اشنان، ارتھی کا جلوس اور نماز کے وقت مساجد کے سامنے باجے بجانے کی رسمیں اس تحریک میں شامل کر دی گئیں۔ مکروفریب اور دھوکہ بازی کے ماہر شیواجی مرہٹہ کو ہندوؤں کا قومی ہیرو، گن پتی کو قومی تہوار اور بنکم چیٹر جی کے گیت ''بندے ماترم'' کو قومی ترانہ قرار دیا گیا۔ کالی دیوی کی پوجا کی تلقین کی گئی۔ ہندو اس دیوی کے سامنے تقسیم کی مخالفت کرنے کی قسمیں اٹھاتے۔ ایک بنگالی ہندو این۔ سی چوہدری کہتا ہے کہ:

> ''تقسیم بنگال کیخلاف تحریک میں مذہب نے سب سے زیادہ کردار ادا کیا''
>
> جواہر لال نہرو نے اعتراف کیا ہے کہ ''اس وقت کی سودیشی تحریک مذہبی قوم پرستی کا مظاہرہ تھی۔''[10]

6-ہندو پریس: ہندو اخبارات نے تقسیم کے خلاف آسمان سر پر اٹھالیا۔ اس کے خلاف ہندو لیڈروں کے بیانات اور جلسے، جلوسوں، ہڑتالوں اور مظاہروں کی خبروں کو نمایاں طور پر شائع کیا جاتا۔ ہندو صحافیوں نے تقسیم کے خلاف مضامین اور زہریلے اداریوں کی بھر مار کر دی۔ کلکتہ کے اخبار جوگنتر نے 30 مئی 1908ء کو اپنے اداریے میں لکھا کہ:

> ''کالی دیوی پیاسی ہے اور اپنے بیٹوں کو بتا رہی ہے کہ کونسی چیز اس کی پیاس بجھا سکتی ہے۔ انسانی خون اور کٹے ہوئے سروں کے علاوہ کوئی چیز اس کو مطمئن نہیں کر سکتی۔''

ایک اور اخبار نے لکھا کہ:

> ''جب تک تمام غنڈوں (مسلمانوں) اور ان کی مدد کرنے والے سرکاری افسروں کو زندہ نہیں جلا دیا جاتا اس وقت تک مسلمانوں کے خلاف بدلہ لینے کی آگ ٹھنڈی نہیں ہوگی۔''[11]

7-سودیشی تحریک: ہندو منصوبہ سازوں نے انگریزی مصنوعات کا بائیکاٹ کرنے کا پروگرام وضع کیا۔ کانگرس کے 1906ء کے سالانہ اجلاس میں پنڈت مدن موہن مالویہ کی غیر ملکی مال کے بائیکاٹ کی قرارداد بڑے جوش وخروش سے منظور کی گئی۔ یہ تحریک بڑے زور شور اور کامیابی سے چلائی گئی۔ ولایتی کپڑے کے ڈھیر چوراہوں میں رکھ کر جلا دیئے گئے۔ کھدر کا استعمال وطن دوستی کی علامت بن گیا۔ ہندو طلباء نے انگریزی کاغذ پر امتحان دینے سے انکار کر دیا۔ اس سے ہندو کارخانہ دار مالا مال ہو گئے۔ انہوں نے تحریک کیلئے بے دریغ سرمایہ خرچ کیا۔

10- (An Auto-Biography) لندن 1945ء صفحہ 23 بحوالہ اشتیاق حسین قریشی جدوجہد پاکستان صفحہ 38

11- سردار علی خاں India Today صفحہ 87

8-ولی عہد شہزادے کی آمد: پرنس ویلز کے دورے کے موقع پر کانگریسی لیڈروں نے تحریک کو تیز کر کے بڑے بڑے ہنگامے کئے تا کہ وائسرائے کو پریشان کر کے اسے تقسیم کی تنسیخ پر مجبور کیا جا سکے۔ مئی 1907ء میں جنگ آزادی کی پچاس سالہ تقریبات منعقد کی گئیں۔ اس موقع پر ایک چھوٹی سی بغاوت بھی برپا کی گئی۔[12]

9-مسلمانوں سے نفرت کا اظہار: جلد ہی اس تحریک کا رخ مسلمانوں کی طرف موڑ دیا گیا۔ ہندوؤں نے مسلمان تاجروں کو بھی ولایتی کپڑے اور دیگر مصنوعات کے بائیکاٹ پر مجبور کیا۔ انکار پر ان کی دکانیں نذر آتش کر دی جاتیں۔ ان کی دوکانوں پر دھرنے دیئے جاتے۔ انہیں ہڑتال میں شامل ہونے پر مجبور کیا جاتا۔ کانگرسی غنڈے مسلمانوں کے جلسوں کو درہم برہم کرتے۔ اس سے خون ریزی تک نوبت پہنچ جاتی اور نتیجہ ہندو مسلم فساد کی صورت میں نکلتا۔ ولایتی کپڑا پہننے والا مسلمان قتل کر دیا جاتا۔ مسلمانوں کو دھمکیاں دی جاتیں۔ ہندو ادیبوں اور شاعروں نے ناول، افسانہ، ڈرامہ اور شاعری کو مسلمانوں کے ساتھ نفرت کا ذریعہ بنالیا۔ ان کے لیڈروں کی سخت توہین کی گئی۔ ہندو طلبا نے اپنے ہم جماعت مسلمانوں کے ساتھ بیٹھنے سے انکار کر دیا کہ ان کے منہ سے پیاز کی بو آتی ہے۔

10-دہشت گردی: ہندوؤں نے جلد ہی سودیشی تحریک میں تشدد اور دہشت گردی کا عنصر شامل کر دیا۔ ہڑتالیں، گھیراؤ جلاؤ، توڑ پھوڑ، تشدد اور خون ریزی آئے روز کا معمول بن گئے۔ انتہا پسند خفیہ تنظیمیں قائم کی گئیں۔ ہندو رضا کاردستوں کو بم بنانے اور پستول چلانے کی تربیت دی گئی۔ ان تشدد آمیز کارروائیوں میں بہت سے لوگ مارے گئے۔ انگریز افسروں کو خوف زدہ کیا گیا۔ وزیر ہند لارڈ مارلے کے پولیٹیکل سیکرٹری کو لندن میں قتل کر دیا گیا۔ ایک انگریز بیرسٹر اور اس کی بیوی کو بم مار کر ہلاک کیا گیا۔ گورنر بنگال بمپفیلڈ فلر کو قتل کرنے کی چار مرتبہ کوشش کی گئی۔ اس کی ریل گاڑی کو پٹڑی سے اتارنے کی کوشش ہوئی۔ وائسرائے لارڈ منٹو کی بیٹی کی شادی کے موقع پر بم سے حملہ کیا گیا جس سے کئی لوگ ہلاک وزخمی ہوئے۔ ضلع ناسک کے مجسٹریٹ مسٹر جیکسن کو صرف اس لیے قتل کر دیا گیا کہ اس نے ہندو غنڈوں کو سزا سنائی تھی۔ ہندو وکلاء دہشت گردوں کے مقدمات کی پیروی کرتے۔ اگر ملزم بری ہو جاتا تو اس کا قومی ہیرو کے طور پر استقبال کیا جاتا۔ اگر اسے پھانسی کی سزا ہوتی تو اس کے جنازے کا دھوم دھام سے جلوس نکالا جاتا۔

گورنر بمپ فیلڈ فلر کا استعفیٰ: سراج گنج کے دو اسکولوں کے ہندو طلباء نے ہنگامہ کر کے ایک بنک کے انگریز منیجر کو قتل کر دیا اور ولایتی کپڑے کی چند گاڑیاں لوٹ لیں۔ گورنر فلر کے حکم پر کلکتہ یونیورسٹی نے

12- عبدالحمید مسلم سپرٹ ازم Sepratism صفحہ 85

ان اسکولوں کا الحاق ختم کر دیا۔ وائسرائے لارڈ منٹو نے اس پر گورنر کی حمایت کرنے کے بجائے اسے یہ فیصلہ کو واپس لینے کی ہدایت کی۔ گورنر نے اسے اپنی توہین سمجھتے ہوئے اپنے عہدے سے استعفیٰ دے دیا جو فوراً منظور کر لیا گیا۔ ہندوؤں نے اسے اپنی فتح سمجھا جبکہ مسلمانوں نے بڑے رنج کا اظہار کرتے ہوئے اس اقدام کی مذمت کی۔

تقسیم بنگال کی تنسیخ 1911ء: ہندوؤں کے سخت احتجاج کے باوجود حکومت نے بار بار تقسیم بنگال کو ایک "طے شدہ حقیقت" قرار دیا تھا۔ اب ہندوؤں کے احتجاج کا زور ٹوٹ چکا تھا۔ 1910ء کے مظاہرے بڑے پھیکے اور بے اثر تھے۔[13]

بنیر جی نے اعتراف کر لیا تھا کہ "ہم اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں کہ تقسیم اب قائم ہو چکی ہے۔" 1910ء میں ہارڈنگ وائسرائے بن کر آیا۔ 1911ء میں بادشاہ جارج پنجم ہندوستان کے دورے پر آنے والا تھا۔ حکومت اس موقع پر کسی بھی ناگوار صورتحال سے بچنا چاہتی تھی۔ چنانچہ جون 1911ء میں وائسرائے کی انتظامی کونسل کے ایک رکن نے دارالحکومت کی کلکتہ سے دہلی منتقلی، نئے صوبے کو توڑنے، بہار واڑیسہ کا نیا صوبہ قائم کرنے اور آسام کا چیف کمشنری صوبہ بحال کرنے کی تجاویز پیش کیں۔ ہارڈنگ نے فوراً اس سے اتفاق کر لیا۔ جولائی 1911ء میں یہ منصوبہ وزیر ہند مارکوئیس کی منظوری کیلئے لندن بھیج دیا گیا۔ اگست میں اس کی منظوری مل گئی۔ یہ ساری کارروائی انتہائی خفیہ رکھی گئی۔ 12 دسمبر 1911ء کو دہلی دربار منعقد کر کے جارج پنجم کی دوسری رسم تاجپوشی ادا کی گئی۔ جہاں 80 ہزار ہندو مسلم معززین کی موجودگی میں بادشاہ نے تقسیم بنگال کی تنسیخ کا اعلان کر دیا۔

تنسیخ پر ہندوؤں کا ردعمل: اس اعلان سے ہندوؤں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ کلکتہ میں اظہار مسرت کے طور پر ایک زبردست جلوس نکالا گیا اور قرار پایا کہ 12 دسمبر کا دن "قومی تہوار" کی فہرست میں شامل کیا جائے۔[13] چرن موجمدار نے کہا کہ "میں آج خوشی سے مرنے کے لئے تیار ہوں"۔ ہندو اخبارات نے یہاں تک لکھ دیا کہ بادشاہ اور ملکہ کو دیوتاؤں میں شامل کر لیا جائے۔

مسلمانوں کا ردعمل: اس فیصلے پر مسلمانوں نے غم وغصے اور مایوسی کا اظہار کیا۔ حکومت برطانیہ پر ان کا اعتماد اور بھروسہ بری طرح مجروح ہوا۔ انہوں نے حکومت کے اس اقدام کو باغیانہ طرز عمل کی حوصلہ افزائی قرار دیا۔ 30 دسمبر 1911ء کو ایک جلسے میں نواب علی چودھری کی قرارداد کے ذریعے گہری مایوسی اور رنج وغم کا اظہار کیا گیا۔ نواب وقار الملک نے اس فیصلے کو مسلمانوں کی نیم مردہ لاشوں پر سے توپ خانہ گزارنے کے مترادف قرار دیتے ہوئے کہا کہ:

13- آئی ایچ قریشی صفحہ 46 14- حصول پاکستان صفحہ 67

"اب ہمیں صرف اللہ کی رحمت اور اپنے قوت بازو پر بھروسہ کرنا ہوگا۔"[15] مولانا محمد علی جوہر نے اس فیصلے کو حکومت کی بے وفائی اور غداری کی ذلیل ترین مثال قرار دیا۔ مسلم پریس نے اس پر شدید ردعمل ظاہر کیا۔ اخبار "مسلمان" نے 12 جنوری 1912ء کو لکھا کہ احتجاج کرو گے تو تمہیں سب کچھ ملے گا، خاموشی اختیار کرو گے تو تمہارا سر قلم کر دیا جائیگا۔" لارڈ منٹو نے دارالعوام میں اسے اعلیٰ افسران اور سیاسی ماہرین کی سوچ سے بالاتر قرار دیا۔ اس اعلان نے نمایاں مسلم قائدین اور مسلم لیگ کو حکومت سے وفاداری ترک کر کے حکومت خود اختیاری کے حصول کی راہ دکھائی۔ علامہ اقبال نے کہا کہ "دارالحکومت کی تبدیلی نے بنگالیوں کی اہمیت صفر کر دی ہے"۔

تقسیم اور تنسیخ کے نتائج: تقسیم بنگال کی تنسیخ کے فیصلے نے درج ذیل اثرات مرتب کئے۔

1- حکومت پر بداعتمادی: تقسیم بنگال کی تنسیخ کے فیصلے سے حکومت کا وقار بری طرح مجروح ہوا۔ وہ ہندوؤں سے مرعوب ہوگئی۔ اس نے نیا صوبہ توڑ کر ہندوؤں کو ان کی دہشت گردی کا انعام عطا کیا۔ جبکہ مسلمان جو کہ انگریز سے وفاداری کی پالیسی پر گامزن تھے اور حکومت پر اعتماد کئے بیٹھے تھے، ان کے اعتماد کو زبردست ٹھیس پہنچی۔ ان کی نظر میں اب وہ قابل بھروسہ نہ رہی۔

2- ہندو مسلم فسادات: تقسیم بنگال کے خلاف ہندوؤں کے احتجاج، کانگرس کی سودیشی تحریک، انتہا پسند ہندو تنظیموں کی سرگرمیوں، متعصب ہندو لیڈروں کے کردار، ہندو رضا کاروں کی غنڈہ گردیوں، ہندو ادب کے زہریلے لٹریچر اور ہندو پریس کے اشتعال انگیز پراپیگنڈے نے مسلمانوں کے خلاف ہندوؤں کی نفرت کو بام عروج پر پہنچا دیا۔ تقسیم اور تنسیخ کے فیصلوں نے ثابت کر دیا کہ ایک قوم کے مفاد میں دوسری کا نقصان اور ایک قوم کی شکست میں دوسری قوم کی فتح ہے۔ اس فضا میں ہندو مسلم فسادات میں ایسی تیزی آئی کہ آزادی کے بعد بھی باہمی نفرت اور فسادات کی آگ ٹھنڈی نہیں ہو سکی۔

3- کانگرس کا اصل چہرہ: کانگرس کا دعویٰ تھا کہ وہ تمام ہندوستانیوں کی نمائندہ جماعت اور ملک کے تمام طبقوں کے مفادات کی محافظ اور متحدہ قومیت کی علمبردار ہے۔ لیکن تقسیم بنگال پر کانگرس نے کردار اور اس کی سرگرمیوں، تحریکوں اور قراردادوں نے ثابت کر دیا کہ اسے مسلمانوں کا مفاد گوارا نہیں بلکہ وہ صرف ہندو جماعت ہے اور ہندوؤں کے مفادات کی محافظ ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اس جماعت کے انتہا پسند لیڈر تشدد سے اور اعتدال پسند پرامن طریقے سے ہندو قوم کا مفاد حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ جب انتہا پسندوں کی جدوجہد کامیاب ہو گئی تو پھر کانگرس مجموعی طور پر اسی راہ پر چل نکلی۔

4- مسلمانوں کی سیاسی بیداری: تقسیم بنگال نے مسلمانوں کو سیاست میں حصہ لینے پر مائل کیا۔

15- اکرام اللہ ندوی وقار حیات صفحہ 93-689۔ امین زبیری، مکاتیب صفحہ 117

چنانچہ نواب سلیم اللہ خاں نے محمڈن پراونشل یونین نامی سیاسی جماعت تشکیل دی۔ مسلمانوں کے سیاسی حقوق کے حصول کے لئے قائدین کے ایک وفد نے اکتوبر 1906ء میں شملہ میں وائسرائے سے ملاقات کی جبکہ 30 دسمبر 1906ء کو اپنی ملک گیر سیاسی جماعت آل انڈیا مسلم لیگ قائم کر لی۔

5- مسلم اکثریتی صوبہ: 12 دسمبر 1911ء کے اعلان کے مطابق صوبہ مشرقی بنگال کو توڑ کر بہار واڑیسہ کا نیا صوبہ بنا دیا گیا اور آسام کا چیف کمشنری کا صوبہ بحال کر دیا گیا۔ اس سے صوبہ بنگال کافی چھوٹا رہ گیا۔ اس باقی ماندہ صوبے میں مسمانوں کی آبادی ہندوؤں سے بیس لاکھ زیادہ تھی۔ یوں یہ مسلم اکثریتی صوبہ بن گیا۔

6- دارالحکومت کی تبدیلی: جارج پنجم کے اعلان کے مطابق کلکتہ کے بجائے دہلی کو دارالحکومت بنا دیا گیا۔ تمام مرکزی دفاتر دہلی منتقل ہونے سے بنگالی ہندوؤں کی اہمیت بقول علامہ اقبال صفر رہ گئی۔

7- ڈھاکہ یونیورسٹی کا قیام: ہندوؤں کی شدید مخالفت کے باوجود حکومت برطانیہ نے تنسیخ کی تلافی کے خیال سے خطہ کی تعلیمی ضرورتوں کے تحت جولائی 1921ء میں ڈھاکہ میں یونیورسٹی قائم کر دی اور پہلی مرتبہ یونیورسٹی کے نصاب میں اسلامیات کا مضمون شامل کیا گیا۔

8- مسلمانوں کی سیاسی پالیسی میں تبدیلی: تنسیخ کے اعلان کے بعد مختصر عرصے میں ہی سید امیر علی، وقار الملک، مولانا جوہر، نواب علی چوہدری اور سید رضا علی جیسے مسلم راہنماؤں نے مسلم لیگ کی سیاسی پالیسی میں تبدیلی کی شدت سے ضرورت محسوس کی اور کانگرس سے اشتراک عمل پر زور دیا۔ چنانچہ 1913ء کے سالانہ اجلاس میں مسلم لیگ نے انگریزوں سے وفاداری کی پالیسی ترک کر کے حکومت خود اختیاری کے حصول کو اپنا مقصد قرار دے لیا۔

معروضی Objective

سوال نمبر 1: کثیر الانتخابی سوالات امتحان میں بیس آئیں گے جن کو حل کرنا لازمی ہوگا۔ ہر سوال کے چار (4) ممکنہ جواب A، B، C اور D سامنے دیئے گئے دائروں میں سے ایک دائرے کو پین یا مارکر کی سیاہی سے بھر دیں۔ (کل نمبر 20)

1- سر چارلس گرانٹ نے کس سن میں صوبہ بنگال کو دو حصوں میں تقسیم کرنے کی تجویز دی؟
(ا) 1861ء میں (ب) 1874ء میں
(ج) 1892ء میں (د) 1853ء میں ✓

2- آسام کو الگ چیف کمشنری کا درجہ کب دیا گیا؟
(ا) 1874ء میں ✓ (ب) 1854ء میں
(ج) 1866ء میں (د) 1901ء میں

3- شمال مغربی صوبہ کب قائم ہوا جو 1901ء میں یو۔پی کہلایا؟
(ا) 1866ء میں (ب) 1865ء میں ✓
(ج) 1883ء میں (د) 1892ء میں

4- لوشائی کا پہاڑی علاقہ بنگال سے علیحدہ کر کے کب آسام میں شامل کیا گیا؟
(ا) 1872ء (ب) 1874ء
(ج) 1892ء ✓ (د) 1902ء

5- اڑیسہ کے 1866ء کے قحط کے اسباب کا پتہ چلانے والی کمیٹی نے بنگال کو تقسیم کرنے کی تجویز کب دی؟
(ا) 1866ء (ب) 1867ء
(ج) 1868ء ✓ (د) 1870ء

6- 1905ء میں ملک کا دارالخلافہ کون سا شہر تھا؟
(ا) دہلی (ب) کلکتہ ✓
(ج) بمبئی (د) مدراس

7- صوبہ بنگال کے کس حصے میں مسلمانوں کی اکثریت تھی؟
(ا) مغربی بنگال (ب) مشرقی بنگال ✓
(ج) شمالی بنگال (د) جنوبی بنگال

8- بنگال کے زمیندار سال بھر کا زیادہ حصہ کہاں رہتے تھے؟
(ا) ڈھاکہ (ب) چٹا گانگ
(ج) دہلی (د) کلکتہ ✓

9 لارڈ کرزن کس سن میں وائسرائے ہند بن کر آیا؟
(ا) 1899ء ✓ (ب) 1900ء
(ج) 1901ء (د) 1902ء

10- صوبائی گورنر اپنی پانچ سالہ میعاد میں کتنی بار ڈھاکہ اور چٹا گانگ کا دورہ کرتا تھا؟
(ا) پانچ (ب) ایک ✓ (ج) دس (د) بارہ

11- مشرقی بنگال کا علاقہ کتنے برس سے حکومت کی توجہ سے محروم تھا؟

(ا) سو (ب) دو سو
(ج) ڈیڑھ سو ✓ (د) پچاس

12- اڑیہ زبان بولنے والوں کا ضلع سنبھل کس صوبے میں شامل تھا؟

(ا) بنگال (ب) آسام
(ج) سی۔پی ✓ (د) یو۔پی

13- تقسیم بنگال کے وقت برصغیر کا وائسرائے کون تھا؟

(ا) لارڈ کرزن ✓ (ب) لارڈ رپن
(ج) لارڈ منٹو (د) لارڈ ڈفرن

14- لارڈ کرزن نے تقسیم بنگال کی اسکیم منظوری کے لیے کب لندن بھیجی؟

(ا) اگست 1904ء (ب) ستمبر 1905ء
(ج) جنوری 1905ء (د) فروری 1905ء ✓

15- صوبہ بنگال کو کب دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا؟

(ا) 15 اکتوبر 1905ء (ب) 16 اکتوبر 1906ء
(ج) 16 اکتوبر 1905ء ✓ (د) 16 اکتوبر 1904ء

16- بنگال کو دو حصوں میں تقسیم کر کے نئے صوبے کا نام کیا رکھا گیا؟

(ا) صوبہ مشرقی بنگال ✓ (ب) صوبہ مغربی بنگال
(ج) صوبہ کلکتہ (د) صوبہ ڈھاکہ

17- بنگال کی تقسیم کے بعد نئے صوبے کا دارالخلافہ کس شہر کو بنایا گیا؟

(ا) چٹاگانگ (ب) ڈھاکہ ✓
(ج) صوبہ کلکتہ (د) سلہٹ

18- 1905ء میں مشرقی بنگال کے نئے صوبے کا گورنر کس کو مقرر کیا گیا؟

(ا) لارڈ کرزن (ب) لارڈ منٹو
(ج) سر بیم پی فیلڈ فار ✓ (د) سر ولیم میور

19- تقسیم بنگال کا فائدہ کس کو ہوا؟

(ا) ہندوؤں (ب) مسلمانوں ✓
(ج) سکھوں (د) مرہٹوں

20- تقسیم بنگال کے بعد مسلمانوں کے لیے سیاسی انجمن محمڈن پروانشل یونین کس نے قائم کی؟

(ا) سید امیر علی (ب) نواب وقار الملک
(ج) نواب سلیم اللہ خان ✓ (د) نواب عبداللطیف

21- مشرقی بنگال کے صوبے میں مسلمانوں کی آبادی کتنے فیصد تھی؟

(ا) 50% (ب) 54% (ج) 56% (د) 66% ✓

22- بنگالی ہندوؤں نے 16 اکتوبر کا دن کس حیثیت سے منایا؟

(ا) بطور یوم سیاہ ✓ (ب) بطور یوم نجات
(ج) بطور یوم جشن (د) بطور یوم فتح

23- ہندوؤں نے بنگال کی تقسیم کو کون سا مسئلہ بنالیا؟

(ا) سیاسی (ب) انتظامی
(ج) مذہبی ✓ (د) اقتصادی

24- تقسیم بنگال کے خلاف ہندوؤں کی تحریک کا روح رواں کون تھا؟

(ا) گاندھی (ب) سریندر ناتھ بنیر جی ✓
(ج) نہرو (د) کرشن گوپال گھوکھلے

25- تقسیم بنگال کے خلاف ولایتی مصنوعات کے بائیکاٹ کے لیے ہندوؤں نے کون سی تحریک چلائی؟

(ا) شدھی تحریک (ب) تحریک عدم تعاون
(ج) سودیشی تحریک ✓ (د) تحریک عدم محصولات

26- کانگریس کے اجلاس 1906ء میں سودیشی تحریک کے بارے قرارداد کس نے پیش کی؟

(ا) پنڈت مدن موہن مالویہ ✓ (ب) بال گنگادھر تلک
(ج) لالہ لاجپت رائے (د) سریندر ناتھ بنیر جی

27- غیر ملکی کپڑے کا بائیکاٹ کر کے کانگریس نے کون سے کپڑے کے استعمال کی ہدایت کی؟

(ا) لٹھے کا (ب) کھدر کا ✓
(ج) ململ کا (د) پاپلین کا

28- تقسیم بنگال کے خلاف تحریک کی سرپرستی کر کے کانگریس نے ثابت کر دیا کہ وہ صرف جماعت ہے؟

(ا) مسلمانوں (ب) ہندوؤں ✓
(ج) تمام ہندوستانیوں (د) انگریزوں

29- تقسیم بنگال کے خاتمہ کے لیے کانگریس نے پندرہ رکنی وفد کس کی سربراہی میں لندن بھیجا؟
(ا) بال گنگا دھر تلک (ب) لالہ لاجپت رائے
(ج) کرشن گوپال گوکھلے ✓ (د) موہن داس کرم چند گاندھی

30- کون سے سالانہ اجلاس میں کانگریس دو حصوں اعتدال پسندوں اور انتہا پسندوں میں بٹ گئی؟
(ا) 1905ء (ب) 1906ء
(ج) 1908ء (د) 1907ء ✓

31- تقسیم بنگال کے خلاف ہندوؤں کی تحریک نے باقاعدہ دہشت گردی کی صورت کب اختیار کی؟
(ا) 1907ء (ب) 1908ء ✓
(ج) 1909ء (د) 1906ء

32- برطانیہ کا نیا بادشاہ جارج پنجم کب تخت نشین ہوا؟
(ا) مئی 1910ء ✓ (ب) اپریل 1910ء
(ج) دسمبر 1910ء (د) جنوری 1911ء

33- کس سن میں ہندوؤں کی بنگال کی تقسیم کے خلاف تحریک کا زور ٹوٹ چکا تھا؟
(ا) 1909ء ✓ (ب) 1910ء
(ج) 1911ء (د) 1908ء

34- تقسیم بنگال کی تنسیخ کا اعلان کب کیا گیا؟
(ا) 12 اکتوبر 1912ء (ب) 16 اکتوبر 1911ء
(ج) 12 دسمبر 1911ء ✓ (د) 16 اکتوبر 1912ء

35- تقسیم بنگال کی تنسیخ کا اعلان کس موقع پر کیا گیا؟
(ا) ایسٹر (ب) دہلی دربار ✓
(ج) کرسمس ڈے (د) ملکہ برطانیہ کی سالگرہ

36- تنسیخ تقسیم بنگال کے اعلان کے ساتھ کس شہر میں یونیورسٹی کے قیام کا اعلان کیا گیا؟
(ا) کولکتہ (ب) دہلی
(ج) ڈھاکہ ✓ (د) علی گڑھ

37- ڈھاکہ یونیورسٹی کے نصاب میں کون سا مضمون پہلی بار شامل کیا گیا؟
(ا) اسلامی تاریخ (ب) عمرانیات
(ج) اسلامی فلسفہ (د) اسلامیات ✓

38- دہلی دربار 1911ء کے موقع پر کتنے لوگ شریک تھے؟
(ا) دس ہزار (ب) پچاس ہزار
(ج) پندرہ ہزار (د) اسی ہزار ✓

39- تقسیم بنگال کی تنسیخ کے اعلان کے وقت برصغیر کا وائسرائے کون تھا؟
(ا) لارڈ کرزن (ب) لارڈ منٹو
(ج) لارڈ ہارڈنگ ✓ (د) لارڈ ڈفرن

40- تقسیم بنگال کا فیصلہ کتنا عرصہ برقرار رہا؟
(ا) چھ سال دو ماہ ✓ (ب) چھ سال چار ماہ
(ج) پانچ سال دس ماہ (د) پورے چھ سال

41- کون سے مسلم رہنما تقسیم بنگال کی تنسیخ کے صدمے کو برداشت نہ کر سکے اور صرف 29 سال کی عمر میں فوت ہو گئے؟
(ا) نواب صدیق علی خان (ب) نواب سلیم اللہ خان ✓
(ج) نواب عبداللطیف خان (د) ان میں سے کوئی نہیں

42- 1911ء میں انگریز حکومت نے کس شہر کو ملک کا دارالخلافہ بنا کر بنگالی ہندوؤں کی اہمیت کا خاتمہ کر دیا؟
(ا) کلکتہ کو (ب) دہلی کو ✓
(ج) آگرہ کو (د) بمبئی کو

43- تقسیم بنگال کی تنسیخ کے بعد بنگال میں مسلمانوں کی آبادی ہندوؤں سے کتنی زیادہ تھی؟
(ا) 50 لاکھ (ب) 90 لاکھ
(ج) 20 لاکھ ✓ (د) 70 لاکھ

44- ڈھاکہ یونیورسٹی کا قیام کب عمل میں آیا؟
(ا) 1912ء (ب) 1915ء
(ج) 1921ء ✓ (د) 1918ء

45- تقسیم بنگال کی تنسیخ کا اعلان کس نے کیا؟
(ا) وائسرائے ہند (ب) شاہ برطانیہ ✓
(ج) وزیر اعظم برطانیہ (د) وزیر ہند

حصہ انشائیہ (Subjective Part - I) 25 × 2 = 50

نوٹ: سوال نمبر 2، 3 اور 4 میں سے 25 (پچیس) مختصر سوالات کے جوابات تحریر کریں اور ہر سیکشن سے کم از کم 8 سوالات حل کرنا ضروری ہے۔ جواب تحریر کرتے وقت سوال کا نمبر ضرور تحریر کریں۔

سوال نمبر 3: (سیکشن "بی") مختصر سوالات کے جوابات تحریر کریں۔ (جوابات کیلئے صفحہ 294 پر دیکھیں)

حصہ دوم (Subjective Part II)

نوٹ: مندرجہ ذیل سوالات میں سے صرف تین کے جوابات تحریر کریں۔ 10 × 3 = 30

1۔ تقسیم بنگال کا حال بیان کریں۔ ہندوؤں نے اس کی کیوں مخالفت کی؟

2۔ تقسیم بنگال کی وجوہات بیان کریں۔ اس کی تنسیخ کے کیا اثرات برآمد ہوئے؟

3۔ تقسیم بنگال کی پانچ وجوہات بیان کریں۔ (بہاولپور 2009ء)

3۔ تقسیم بنگال کی اہمیت بیان کریں۔ اس کی تنسیخ سے مسلمانوں پر کیا ردعمل ہوا؟

4۔ مندرجہ ذیل پر نوٹ لکھیں۔

1۔ سودیشی تحریک 2۔ تقسیم بنگال کی تنسیخ

3۔ تنسیخ تقسیم بنگال کے اثرات۔

5۔ تقسیم بنگال پر نوٹ لکھیں۔ (آزاد کشمیر بورڈ 2010ء)



باب 6

وفد شملہ اور آل انڈیا مسلم لیگ 1906ء

شملہ وفد اکتوبر 1906ء

1906ء میں مسلمان قائدین کے ایک وفد نے شملہ میں وائسرائے ہند سے ملاقات کر کے اپنے مطالبات پیش کیے۔ ان میں اہم مطالبہ جداگانہ انتخابات کا تھا۔ یہی مطالبہ قیام پاکستان کی بنیاد بنا۔ آئینی حقوق کی جدوجہد میں شملہ وفد ہندی مسلمانوں کی تاریخ میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔

ہند کی سیاسی صورتحال: 1905ء میں انگلستان میں لبرل پارٹی برسراقتدار آگئی جس نے لارڈ منٹو کو وائسرائے اور جان مارلے کو وزیر امور ہند مقرر کیا۔ 1906ء تک ہندو مسلم تعلقات میں سخت کشیدگی پیدا ہو چکی تھی۔ تقسیم بنگال کے خلاف ہندوؤں نے ایک ہنگامہ برپا کر رکھا تھا۔ ملک کے سیاسی افق پر گہرے سیاسی بادل چھا چکے تھے اور عوام میں بے چینی کی لہر پھیل گئی تھی۔

نئی آئینی اصلاحات کا اعلان: ان حالات میں 20 جولائی 1906ء کو اعلان کیا گیا کہ حکومت ہندوستان میں مزید آئینی اصلاحات نافذ کرنا چاہتی ہے۔

جمہوری نظام اور مسلمان: 1886ء کے ڈسٹرکٹ اور کونسل ایکٹ اور 1892ء کی آئینی اصلاحات کے تحت جو نظام رائج ہوا اس میں ہندوؤں نے اپنی اکثریت کے باعث مسلمانوں کو پیچھے دھکیل دیا تھا۔ جو چند مسلمان ممبر منتخب ہوئے، وہ بھی مسلمانوں کی نمائندگی کا حق نہ رکھتے تھے۔ سرسید احمد خاں نے اس کا حل جداگانہ طریق انتخاب بتایا تھا۔

ہندو سیاست اور مسلمان: ہندو برطانوی پارلیمانی نظام کی پوری حمایت کر رہے تھے تاکہ اس کے تحت اقتدار حاصل کر سکیں۔ انہوں نے مسلمانوں کو کانگرس کی رکنیت کا جھانسہ دے کر منتشر کرنے کی کوششیں تیز کر دیں۔ مسلمان لیڈر بھی اس سازش سے باخبر تھے۔ اردو ہندی تنازعہ اور تقسیم بنگال پر ہندوؤں کا مسلم دشمنی کا رویہ کھل کر سامنے آچکا تھا۔ مسلمان ہندوستان میں ایک چوتھائی سے بھی کم تعداد میں تھے۔ برطانوی پارلیمانی نظام کے تحت ان کا ہندو اکثریت کا غلام بن جانا یقینی تھا۔

وائسرائے سے ملاقات کا انتظام: نواب اسمٰعیل خاں، سید حسن بلگرامی، نواب وقار الملک اور دیگر قائدین نے سرسید کے جانشین نواب محسن الملک کی توجہ وزیر ہند کے اعلان کی طرف مبذول کرائی اور انہیں مسلمانوں کے سیاسی حقوق کا تحفظ کرنے کے لیے فوری قدم اٹھانے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ محسن الملک نے 4 اگست 1906ء کو علی گڑھ کالج کے پرنسپل آرچ بولڈ کو خط لکھا کہ مسلمانوں کے وفد کیلئے وائسرائے سے ملاقات کا وقت حاصل کریں۔ وہ اس وقت شملہ میں تھے۔ انہوں نے ملاقات کا وقت حاصل کر کے 10 اگست کو محسن الملک کو مطلع کر دیا اور مسلمانوں کے مطالبات کی نقل وائسرائے کو ارسال کرنے کو کہا۔

وفد کی تشکیل اور اڈریس کی تیاری: نواب محسن الملک نے چند نمایاں قائدین کی مدد سے مطالبات کی ایک فہرست تیار کی۔ 15 اور 16 ستمبر 1906ء کو لکھنؤ میں ستر مسلمان سندروں کے اجلاس میں جس کی صدارت سر عبدالرحیم نے کی، ان مطالبات کو حتمی شکل دی گئی۔ نیز 35 ارکان پر مشتمل ایک وفد تشکیل دیا گیا۔ وفد کی صدارت سر آغا خاں سوئم (سلطان محمد شاہ) کے سپرد کی گئی۔

وفد کی وائسرائے سے ملاقات: مسلمانوں کا یہ تاریخی وفد یکم اکتوبر 1906ء کو وائسرائے سے شملہ میں ملا اور اپنے مطالبات باضابطہ طور پر اس کے سامنے پیش کیے۔

وفد کے مطالبات: وفد کے صدر سر آغا خاں نے وائسرائے کے سامنے مسلمانوں کی پریشانیوں، مشکلات، مسائل، دشواریوں اور ماضی کی حق تلفیوں کا ذکر کرنے کے بعد مندرجہ ذیل مطالبات پیش کیے۔

1- جداگانہ انتخابات کا حق: چونکہ ہندوستان کی آبادی مختلف اقوام پر مشتمل ہے اس لئے جداگانہ طریقہ انتخاب رائج کیا جائے تاکہ ہر قوم کو مناسب نمائندگی کا حق مل سکے۔ مسلم اور غیر مسلم حلقے علیحدہ علیحدہ کر دیئے جائیں تاکہ مسلمان نمائندے منتخب یا نامزد ہو سکیں۔

2- انتخاب کو ترجیح: حتی الوسع طریقہ انتخاب کو طریقہ نامزدگی پر ترجیح دی جائے۔

3- مسلمانوں کی حیثیت کا لحاظ: مسلمانوں کی تاریخی، سیاسی اور معاشرتی حیثیت اور دفاع میں ان کے حصے کے پیش نظر انہیں امپیریل **لیجسلیٹو** کونسل میں آبادی کے تناسب سے کچھ زیادہ نشستیں الاٹ کی جائیں۔

4- سرکاری ملازمتوں میں حصہ: سرکاری ملازمتوں پر ہندوؤں کی اجارہ داری ہے۔ مسلمانوں کو ان میں معینہ تناسب سے حصہ دیا جائے۔

5- انتظامی کونسل میں نمائندگی: گورنر جنرل کی انتظامی کونسل میں مسلمانوں کو بھی نمائندگی دی جائے۔

6- عدلیہ میں نمائندگی: ہائی کورٹس اور چیف کورٹ میں مسلمانوں کو بھی بطور جج مقرر کیا جائے۔

7- یونیورسٹیوں میں نمائندگی: یونیورسٹیوں کے سینٹ اور سینڈیکیٹ میں بھی مسلمانوں کو نمائندگی دی جائے۔

8- لوکل باڈیز میں نمائندگی: میونسپل کمیٹیوں، ڈسٹرکٹ بورڈوں اور دیگر مقامی اداروں میں مسلمانوں کی نشستیں مخصوص کر کے انہیں مناسب نمائندگی کا حق دیا جائے۔

9- مسلم یونیورسٹی کا مطالبہ: مسلم یونیورسٹی کے قیام میں مسلمانوں کی مالی اور قانونی امداد کی جائے۔

10- ماضی کی زیادتیوں کا ازالہ: مسلمانوں کے سیاسی، معاشرتی، مذہبی، تاریخی اور معاشی تشخص کی بقاء کیلئے معتمد مسلمانوں کی خدمات حاصل کی جائیں۔ نیز ان پر اب تک ہونے والی زیادتیوں کا ازالہ کیا جائے۔

وائسرائے کا حوصلہ افزا جواب: وائسرائے لارڈ منٹو نے مسلمانوں کے وفد کی تمام باتوں کو توجہ سے سنا اور انگریز مدبروں کی طرح گول مول مگر حوصلہ افزا جواب دیا۔ اس نے کہا کہ:

> "جیسا کہ میں سمجھا ہوں کہ یہ ہے کہ آپ کے اڈریس کا حاصل ہے کہ نمائندگی کے طرز میں خواہ اس کا اثر میونسپل بورڈز، ڈسٹرکٹ بورڈز یا قانون ساز اسمبلیوں پر ہو، جس میں انتخابی نظام داخل کرنے یا اس میں کسی اضافے کی تجویز ہو، اس میں مسلمانوں کی نمائندگی جماعتی حیثیت سے ہونی چاہیے۔ میں آپ سے بالکل متفق ہوں۔"❶

شملہ وفد کی اہمیت: ہندی مسلمانوں کی سیاسی جدوجہد کی تاریخ میں شملہ وفد ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے اور بہت اہمیت کا حامل ہے۔

1- برطانوی اخبارات میں تعریف: یہ پہلا موقع تھا کہ مسلمانوں نے حکومت کے سامنے باضابطہ طور پر جداگانہ طریقہ انتخاب کا مطالبہ کیا۔ برطانوی اخبارات نے مسلمانوں کے اس اچھوتے خیال کی بے حد تعریف کی۔

2- مسلمانوں کی مشکلات کا احساس: مسلمانوں کے بارے میں انگریزوں کے ذہنوں میں پیدا

❶ پاکستان: نزیر تھا از سید حسن ریاض صفحات 53،52

ہونے والے تبہات کافی حد تک دور ہو چکے تھے۔ اب انگریز بھی شدت سے محسوس کر رہے تھے کہ ہندو ہر میدان میں چھا رہے ہیں اور مسلمان زبردست مشکلات کا شکار ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ وائسرائے نے مسلمانوں کی مشکلات کے ازالے کا وعدہ کیا۔

3- کلیدی ملازمتوں میں حصہ: شملہ وفد کی کامیابی کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کو نہ صرف عام سرکاری ملازمتوں میں مناسب حصہ ملنے لگا بلکہ اعلیٰ آسامیوں پر مثلاً ہائی کورٹ کے ججوں، یونیورسٹی سینٹ اور سنڈیکیٹ اور دیگر اداروں میں بھی مسلمانوں کو تعینات کیا جانے لگا۔

4- بہت بڑی کامیابی..... مسلمان علیحدہ قوم: وائسرائے سے جداگانہ انتخاب کا مطالبہ منوا کر مسلمانوں نے پہلی مگر بہت بڑی کامیابی حاصل کی جو کہ بعد کی ہر کامیابی کا زینہ ثابت ہوئی۔ شملہ وفد کی کامیابی کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں کی علیحدہ آئینی حیثیت کو تسلیم کرلیا گیا۔ اب یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ ہندوستان کی آبادی بہت سی قوموں اور مذہبی جماعتوں پر مشتمل ہے اور مسلمان ہر لحاظ سے ایک علیحدہ قوم ہیں۔

5- قیام پاکستان کا محرک: کانگرس نے آخر دم تک یہ ثابت کرنے کی سرتوڑ کوشش کی کہ تمام ہندوستانی ایک قوم ہیں اور کانگرس ان کی نمائندہ جماعت ہے۔ کانگرس نے جداگانہ حق انتخاب کی شدید مخالفت کی لیکن حکومت نے اس میں کوئی تبدیلی نہ کی۔ حقیقت یہ ہے کہ جداگانہ انتخاب نے قیام پاکستان کی راہ ہموار کردی۔

6- مسلم لیگ کا قیام: دسمبر 1906ء میں قائم ہونے والی آل انڈیا مسلم لیگ کی بنیاد رکھنے والے وہی لوگ تھے جو شملہ وفد میں شامل تھے۔ شملہ وفد کی کامیابی ہی مسلم لیگ کے قیام کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ یہی مسلم لیگ جس کے پلیٹ فارم سے مسلمانوں نے 1947ء میں پاکستان کی شکل میں اپنی منزل مراد حاصل کی۔

آل انڈیا مسلم لیگ کا قیام (30 دسمبر 1906ء)

1906ء کا سال مسلمانوں کی جدوجہد آزادی کا نقطہء آغاز تھا۔ اس مبارک سال میں مسلمانوں نے نہ صرف جداگانہ الیکشن کا مطالبہ منظور کرایا بلکہ آل انڈیا مسلم لیگ کے نام سے اپنی علیحدہ سیاسی جماعت کی بنیاد رکھی جس نے 1947ء میں پاکستان زندہ باد کا فلک شگاف نعرہ لگایا۔

مسلم لیگ کے قیام کے اسباب: مسلم لیگ کیوں قائم کی گئی اس کے اسباب درج ذیل ہیں۔

1- سیاسی ضرورت: مسلمان سرسید احمد خاں کے صائب مشورے پر عمل کرتے ہوئے نصف صدی تک سیاست سے دور رہے۔ لیکن بیسویں صدی کے شروع میں حالات اتنی تیزی سے تبدیل ہوگئے کہ مسلمانوں کا سیاست میں حصہ لینا ناگزیر اور اس سے دور رہنا ناممکن ہوگیا۔ مسلم لیگ کا قیام درحقیقت سرسید احمد کے افکار کا نتیجہ تھا کہ "مسلمان ایک علیحدہ قوم ہیں"۔

2- تعلیم یافتہ طبقہ کا کردار: سرسید کی نصف صدی کی مسلسل جدوجہد کے نتیجے میں مسلمانوں کا ایک تعلیم یافتہ طبقہ معاشرے میں باعزت مقام حاصل کر چکا تھا اور مسلمانوں کے آئینی وقانونی مفادات کے تحفظ کے لئے میدان عمل میں آنے کیلئے بے چین تھا۔

3- اردو زبان کا تحفظ: ہندوؤں نے 1867ء سے اردو کے خلاف مسلسل جدوجہد شروع کی۔ تاہم سرسید کی زندگی میں انہیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ لیکن اپریل 1900ء میں گورنر انتھونی میکڈانلڈ نے صوبہ یو۔ پی میں اردو زبان کے بجائے ہندی اور عربی رسم الخط کے بجائے دیوناگری رسم الخط نافذ کر دیا۔ گورنر یوپی کا یہ اقدام مسلم زبان وثقافت کیلئے موت کے مترادف تھا۔ سید رضا علی کے بقول:

"انتھونی نے جو بیج 18 اپریل 1900ء کو بویا تھا..... دسمبر 1906ء میں پودے کی شکل میں ڈھاکہ کی سرزمین سے ظاہر ہوا۔"[2]

4- علی گڑھ کالج کو نقصان کا خطرہ: سرسید کے جانشین اور علی گڑھ کے سیکرٹری نواب محسن الملک نے اردو کے دفاع کے لئے بعض اقدامات کئے تو گورنر یو۔ پی نے ناراضگی ظاہر کرتے ہوئے کالج کی مالی امداد بند کرنے کی دھمکی دے دی۔ اب ضروری ہوگیا کہ علی گڑھ کالج کو نقصان پہنچائے بغیر اردو کا دفاع کیا جائے۔ اس کے لئے مسلمانوں کی سیاسی جماعت کی اشد ضرورت تھی۔

5- گاؤ رکھشا تحریک: 1886ء میں آریہ سماج نے ذبیحہ گاؤ پر پابندی کیلئے "گئو رکھشا سبھا" قائم کی۔ 1892ء میں بال گنگا دھر تلک نے گاؤ کشی کے خلاف اپنے اخبار کیسری میں مضامین کا سلسلہ شروع کرکے ہندوؤں میں مذہبی جنون پیدا کردیا۔ نتیجتاً ہندو مسلم فسادات ہونے لگے۔ گائے کا گوشت تو انگریز بھی کھاتے تھے۔ ہندو ان کا تو کچھ نہ بگاڑ سکے لیکن مسلمانوں کا خون ان کے لئے ارزاں ہوگیا۔

6- انتہا پسند ہندو تحریکیں: کئی متعصب ہندو تنظیمیں مسلمانوں کے خلاف سرگرم عمل ہوگئیں۔ آریہ سماج نے نعرہ لگایا کہ ہندوستان صرف ہندوؤں کا ہے۔ ہندوؤں نے شدھی تحریک شروع کی کہ مسلمان

2- رضا علی۔ اعمال نامہ (دہلی 1945) ص 110-111

ہندومت قبول کرلیں یا ملک سے نکل جائیں۔ اس مقصد کے لئے بھارت مہامنڈل تنظیم بنائی گئی اور مہاراجہ دربھنگہ کو اس کا سربراہ بنایا گیا۔ یہ ہندو تنظیمیں نماز کے اوقات میں مساجد کے سامنے ڈھول باجوں کے ساتھ ارتھی کے جلوس نکال کر مسلمانوں کی عبادت میں خلل ڈالتیں۔

7-ہندوادب: جدید ہندوادیب، شاعر اور صحافی مسلم کلچر کا مذاق اڑانے لگے۔ ہندوؤں نے بندے ماترم کو قومی ترانہ قرار دے ڈالا جس میں مسلمانوں کو غاصب اور لیٹرے اور سیواجی کو قومی ہیرو قرار دیا گیا تھا۔ مسلمانوں کی ثقافت کا تحفظ صرف اپنی سیاسی تنظیم کے ذریعے ہی کیا جا سکتا تھا۔

8- تقسیم بنگال کی مخالفت: 1905ء میں تقسیم بنگال نے مشرقی بنگال کے مسلمانوں کے لئے ترقی اور خوشحالی کی راہیں کھول دیں۔ لیکن ہندوؤں کو مسلمانوں کو حاصل ہونے والے متوقع فوائد گوارا نہ تھے۔ انہوں نے اس کے خلاف وسیع پیمانے پر تحریک چلائی۔ کانگرس اس تحریک کی سرپرست تھی۔ چونکہ مسلمانوں کی کوئی سیاسی تنظیم نہ تھی اس لئے ان کی انفرادی آوازیں ہندوؤں کے اجتماعی شور وغل میں گم ہوتی جارہی تھیں۔

9- مسلم پریس کا مطالبہ: مسلم اخبارات میں کئی قائدین اور صحافیوں نے اپنے مضامین اور مراسلات میں مسلمانوں کی علیحدہ سیاسی جماعت کی ضرورت کا احساس دلانے کا سلسلہ شروع کردیا۔

10- کانگرس کی ہندوانہ ذہنیت: کانگرس تمام ہندوستانیوں کی نمائندگی کی دعویدار تھی لیکن عملی طور پر اس کا حال یہ تھا کہ اس کے لیڈر بال گنگا دھر تلک اور سریندر ناتھ بنیر جی نہ صرف مرہٹہ سردار سیواجی کی فریب کاریوں کا ہندوؤں کو درس دے رہے تھے اور شدھی کی تحریک چلا رہے تھے بلکہ مسلمانوں کے خون سے کالی دیوی کی پیاس بجھانے کی باتیں کر رہے تھے۔ لہٰذا مسلمانوں کو اپنے جذبات کی ترجمانی کے لئے اپنی سیاسی تنظیم کی اشد ضرورت تھی۔

11- ملک گیر جماعت کی ضرورت: سیاسی ضرورتوں کے پیش نظر مسلم زعمانے محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس، سنٹرل محمڈن ایسوسی ایشن، اردو ڈیفنس ایسوسی ایشن، محمڈن پولیٹیکل ایسوسی ایشن، محمڈن پراونشل یونین اور پنجاب مسلم لیگ جیسی تنظیم قائم کیں۔ لیکن ہندوؤں کو منہ توڑ جواب دینے اور مسلمانوں کے حقوق و مفادات کے تحفظ کیلئے علاقائی انجمنوں کی نہیں بلکہ ایک جاندار اور ملک گیر سیاسی جماعت کی ضرورت تھی۔

12- آئینی اصلاحات اور شملہ وفد: نئی آئینی اصلاحات کے حکومتی اعلان پر شملہ وفد کو مسلمانوں کی سیاسی ترجمانی کرنا پڑی۔ اس موقع پر مسلم قائدین نے ایک علیحدہ ملک گیر سیاسی جماعت کی اشد ضرورت محسوس کی تاکہ نئے نظام کے تحت مسلمان جماعتی حیثیت سے انتخابات میں حصہ لے سکیں۔

آل انڈیا مسلم لیگ قیام

مسلم لیگ 30 دسمبر 1906ء کو ڈھاکہ میں قائم کی گئی۔

اجلاس ڈھاکہ: شملہ وفد کے اراکین نے وائسرائے سے ملاقات کے بعد شملہ میں ایک اجلاس منعقد کیا جس میں فیصلہ کیا گیا کہ محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا اجلاس بلایا جائے اور اس میں ملک گیر سیاسی جماعت کے قیام پر غور کیا جائے۔ یہ اجلاس 30 دسمبر 1906ء کو ڈھاکہ میں منعقد ہوا۔ تمام شرکاء نے عملی سیاست میں حصہ لینے اور مسلمانوں کے لیے علیحدہ سیاسی پارٹی کے قیام پر زور دیا۔

وقار الملک کا خطبہ صدارت: نواب وقار الملک نے خطبہ صدارت دیتے ہوئے سرسید احمد خان کی پالیسیوں اور خدمات کی زبردست تعریف کی اور واضح کیا کہ سیاسی جماعت قائم کرنے کا خیال نیا نہیں ہے۔ انہوں نے زور دے کر کہا کہ ہمیں ہندوؤں سے اچھے مراسم قائم رکھتے ہوئے اپنے حقوق کا تحفظ کرنا چاہیے۔

نواب سلیم اللہ کی قرارداد: خطبہ صدارت کے بعد سر سلیم اللہ خان آف ڈھاکہ نے مندرجہ ذیل قرارداد پیش کی۔

> ”قرار پایا کہ یہ جلسہ جو ہندوستان کے مختلف حصوں کے ان نمائندوں پر مشتمل ہے، جو ڈھاکہ میں جمع ہوئے ہیں یہ فیصلہ کرتا ہے کہ ایک سیاسی انجمن قائم کی جائے جس کا نام آل انڈیا مسلم لیگ ہو اور جس کے اغراض و مقاصد مندرجہ ذیل ہوں“۔

اغراض و مقاصد:

(i) حکومت برطانیہ سے وفاداری: ہندوستانی مسلمانوں میں حکومت برطانیہ کے لئے وفاداری کے جذبات کو ترقی دینا اور کسی آئندہ تدبیر کی نسبت حکومت کے اداروں کے متعلق کوئی بدگمانی پیدا ہو تو اس کو دور کرنا۔

(ii) سیاسی حقوق کا تحفظ: مسلمانان ہند کے سیاسی حقوق اور مفاد کی حفاظت کرنا انہیں آگے بڑھانا اور ان کی ضروریات کی حکومت کے سامنے ادب سے ترجمانی کرنا۔

(iii) دیگر جماعتوں سے تعاون: دوسری جماعتوں کے خلاف مسلمانوں میں عداوت کے جذبات کا اس طریقے پر انسداد کرنا کہ مسلم لیگ کے مذکورہ بالا اغراض و مقاصد کو نقصان نہ پہنچے۔

مذکورہ بالا قرارداد کی تائید حکیم اجمل خاں (دہلی) مولانا ظفر علی خاں (لاہور) اور محمد علی جوہر (یو۔پی) نے کی۔ جبکہ یہ قرارداد متفقہ طور پر منظور ہوگئی۔

پارٹی دستور اور تنظیم: مسلم لیگ کا مرکزی دفتر علی گڑھ میں قائم ہوا۔ عبوری طور پر دو جائنٹ سیکرٹری نواب محسن الملک اور نواب وقار الملک مقرر کئے گئے۔ ان کے تحت ساٹھ رکنی آئینی قائم کی گئی۔ آئین کا مسودہ محمد علی جوہر نے ترتیب دیا۔ 29 اور 30 دسمبر 1907ء کو مسلم لیگ کا پہلا باقاعدہ اجلاس کراچی میں ہوا۔ اس میں آئین کی باقاعدہ منظوری دی گئی۔ 18 مارچ کو علی گڑھ میں ہونے والے دوسرے اجلاس میں سر آغا خاں کو صدر اور سید حسن بلگرامی کو سیکرٹری منتخب کیا گیا۔ مرکزی عہدیداروں کی مدت تین سال اور صوبائی عہدیداروں کی پانچ سال مقرر کی گئی۔ تمام صوبوں میں مسلم لیگ کی شاخیں قائم کرنے کا فیصلہ کیا گیا اور رکنیت کی بنیادی شرائط طے کی گئیں۔

شرائط رکنیت: مسلم لیگ کا رکن (1) مذہب اسلام کا پیروکار ہو (2) معمولی پڑھ لکھ سکتا ہو (3) عمر کم از کم 25 سال ہو (4) سالانہ آمدنی 500 روپے سے کم نہ ہو۔

اپنی سوچ اور اپنی کوشش: اس جماعت کا قیام مسلمانوں کی اپنی سوچ اور اپنے سیاسی شعور کا نتیجہ تھا۔ نہ اس میں کوئی انگریز شامل تھا اور نہ کسی انگریز نے کبھی اس کے اجلاس کی صدارت کی۔ جبکہ کانگرس اے۔ او ہیوم نے قائم کی اور کئی برسوں تک انگریز اس کے اجلاسوں کی صدارت کرتے رہے۔

جداگانہ انتخاب: جداگانہ انتخاب سے مراد انتخاب کا وہ طریقہ ہے جس میں ملک کی اقلیتوں کو بلحاظ آبادی، نمائندگی مل سکے۔ جداگانہ انتخاب کا مطالبہ پہلی بار سر سید احمد خان نے مسلمانوں کی نمائندگی کے لئے پیش کیا تھا۔ سر سید احمد خان کو خدشہ تھا کہ اگر ملک میں نمائندہ حکومت کے قیام کے لئے مخلوط انتخاب کا طریقہ کار اپنایا گیا تو کسی طرح بھی مسلمانوں کو اپنی آبادی کے لحاظ سے نمائندگی نہ مل سکے گی اور نہ ہی ان کے حقیقی نمائندے منتخب ہوسکیں گے۔ کیونکہ برصغیر پاک و ہند میں ہندوؤں کی تعداد مسلمانوں سے چار گنا ہے۔ نیز ہندو مال و دولت میں کھیل رہے ہیں اور مسلمان بالعموم غربت میں مبتلا ہیں۔ چونکہ رائے دہی کی بنیاد جائیداد اور آمدنی تھی اور ایک معینہ قیمت کی جائیداد اور آمدنی رکھنے والا شخص ہی ووٹ دینے کا حقدار تھا اس لئے مسلم ووٹروں کی تعداد غریب ہونے کی وجہ سے ان علاقوں (صوبوں) میں بھی برائے نام تھی، جہاں آبادی کے لحاظ سے ان کی اکثریت تھی۔ ان حالات میں مسلمانوں کا منتخب ہونا ناممکن تھا۔ ہندو صرف اپنے ہم مذہبوں کو ووٹ دیتے تھے۔ الغرض برصغیر میں مغربی طرز کی نمائندہ حکومت کے قیام کا مطلب ہندو حکومت کا قیام تھا جس میں مسلمانوں کی شنوائی ناممکن تھی۔

جب 1906ء میں وزیر ہند لارڈ مارلے نے اعلان کیا کہ حکومت برصغیر میں آئینی اصلاحات

نافذ کرنے کا ارادہ رکھتی ہے تو مسلمانوں نے سوچا کہ انہیں نئی متوقع آئینی اصلاحات میں جداگانہ انتخاب کے ذریعے اپنے مفادات کا تحفظ کرنا چاہیے۔ چنانچہ شملہ وفد نے وائسرائے ہند لارڈ منٹو کو اپنے مؤقف سے آگاہ کرتے ہوئے جداگانہ انتخاب کا مطالبہ کیا اور بعد ازاں آل انڈیا مسلم لیگ قائم کرکے جداگانہ انتخاب کے مطالبے کو تسلیم کروانے کے لئے باقاعدہ جدوجہد کا آغاز کیا۔

مسلم لیگ کا ایک وفد سید امیر علی کی قیادت میں وزیر ہند لارڈ مارلے سے بھی ملا۔ اگرچہ مارلے کا جواب واضح نہ تھا تاہم مسلمانوں کے مسلسل احتجاج پر مارلے کو فروری 1906ء میں دارالامراء میں اپنی تقریر کے دوران میں واضح الفاظ میں مسلم مطالبات کو تسلیم کرنے کا اظہار کرنا پڑا۔ الغرض 1909ء میں منٹو مارلے آئینی اصلاحات کے تحت جداگانہ انتخاب کے اصول کو تسلیم کرلیا گیا۔

جداگانہ انتخاب کے اصول کا تسلیم ہوجانا آل انڈیا مسلم لیگ کی ایک عظیم کامیابی تھی جس سے مسلم لیگ کی مقبولیت اور وقار میں بے پناہ اضافہ ہوا۔ ہندوؤں کی شدید مخالفت کے باوجود جداگانہ انتخاب کے اصول کا تسلیم کیا جانا مسلمانوں کی ایک عظیم سیاسی فتح تھی۔ اس سے جہاں دوقومی نظریے کو تقویت ملی اور یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ برصغیر میں ہندو اور مسلم دو قومیں آباد ہیں وہاں نظریہ پاکستان کے لئے راہ ہموار ہوئی۔

معروضی Objective

سوال نمبر 1: کثیر الانتخابی سوالات امتحان میں بیس آئیں گے جن کو حل کرنا لازمی ہوگا۔ ہر سوال کے چار (4) ممکنہ جواب A، B، C اور D سامنے دیئے گئے دائروں میں سے ایک دائرے کو پین یا مارکر کی سیاہی سے بھر دیں۔ (کل نمبر 20)

1- وزیر ہند جان مارلے نے برصغیر میں آئینی تبدیلیاں کرنے کا اعلان کب کیا؟

(ا) 20 دسمبر 1905ء (ب) 20 اپریل 1906ء
(ج) 20 جون 1906ء (د) 20 جولائی 1906ء ✓

2- اگست 1906ء میں علی گڑھ کالج کا پرنسپل کون تھا؟

(ا) مسٹر بیک (ب) مسٹر آرچ بولڈ ✓
(ج) مسٹر آرنلڈ (د) ان میں سے کوئی نہیں

3- لارڈ منٹو وائسرائے ہند کا پرائیویٹ سیکرٹری کون تھا؟

(ا) وی پی مینن (ب) کیمل جانس
(ج) ڈنلپ سمتھ ✓ (د) لارڈ ازمے

4- ایڈریس (یادداشت) کی منظوری اور شملہ وفد کی تشکیل کے لیے سر عبدالرحیم کی رہائش گاہ پر لکھنو میں مسلم نمائندوں کا اجلاس کب ہوا؟
(ا) 16 ستمبر 1906ء ✓ (ب) 16 اگست 1906ء
(ج) 16 اکتوبر 1906ء (د) ان میں سے کوئی نہیں

5- شملہ وفد میں کتنے ارکان تھے؟
(ا) 70 (ب) 50
(ج) 35✓ (د) 60

6- شملہ وفد کا قائد کون تھا؟
(ا) نواب محسن الملک (ب) نواب وقار الملک
(ج) سید امیر علی (د) سر آغا خان ✓

7- شملہ وفد کا بنیادی مطالبہ کیا تھا؟
(ا) مسلم یونیورسٹی قائم کی جائے (ب) تقسیم بنگال کو برقرار رکھا جائے
(ج) جداگانہ الیکشن کا حق دیا جائے ✓ (د) مسلمانوں کو علیحدہ وطن دیا جائے

8- شملہ وفد 1906ء کس مسلم لیڈر کا کارنامہ ہے؟
(ا) نواب محسن الملک ✓ (ب) نواب وقار الملک
(ج) سید امیر علی (د) سر آغا خان

9- جداگانہ انتخاب کی منظوری حاصل کرنے کا سہرا کس کے سر ہے؟
(ا) نواب محسن الملک (ب) سید امیر علی ✓ (ج) سر آغا خان (د) مولانا محمد علی جوہر

10- دارالامراء میں وزیر ہند نے کب جداگانہ انتخابات کے مطالبہ کو منظور کروایا؟
(ا) فروری 1908ء (ب) دسمبر 1908ء
(ج) اکتوبر 1909ء (د) فروری 1909ء ✓

11- جداگانہ طریقہ انتخاب پر کب تک عمل ہوتا رہا؟
(ا) 1937ء تک (ب) 1924ء تک (ج) 1940ء تک (د) تقسیم ہند تک ✓

12- شملہ وفد کا ایڈریس کس نے تیار کیا؟
(ا) نواب محسن الملک (ب) نواب عماد الملک
(ج) نواب وقار الملک (د) ا اور ب دونوں ✓

13- نواب محسن الملک کو سب سے پہلے کس نے شملہ وفد کے لیے تحریک دی؟
(ا) حاجی محمد اسماعیل ✓ (ب) نواب وقار الملک
(ج) آرچ بولڈ (د) محمد علی جوہر

14- شملہ وفد نے کس وائسرائے ہند سے ملاقات کی؟
(ا) لارڈ منٹو ✓ (ب) لارڈ کرزن
(ج) لارڈ ہارڈنگ (د) لارڈ رپن

15- شملہ وفد نے وائسرائے سے کب ملاقات کی؟
(ا) یکم اکتوبر 1906ء ✓ (ب) یکم اکتوبر 1905ء
(ج) یکم نومبر 1906ء (د) یکم نومبر 1905ء

16- علی گڑھ کے پرنسپل کو وائسرائے سے وفد کے لیے وقت لینے کے لیے چٹھی کس مسلم راہنما نے لکھی؟
(ا) علامہ اقبالؒ (ب) نواب وقار الملک
(ج) سید امیر علی (د) نواب محسن الملک ✓

17- برصغیر میں انتخاب کا طریقہ کب رائج کیا گیا؟
(ا) 1861ء سے (ب) 1892ء سے ✓ (ج) 1909ء سے (د) 1883ء سے

18- 1901ء کی مردم شماری کے مطابق مسلمانوں کی کتنی تعداد تھی؟
(ا) 5 کروڑ 80 لاکھ (ب) 6 کروڑ 20 لاکھ ✓
(ج) 7 کروڑ 50 لاکھ (د) 8 کروڑ 80 لاکھ

19- شملہ وفد میں کس صوبے کے نمائندے سب سے زیادہ تھے؟
(ا) بنگال (ب) پنجاب ✓
(ج) سندھ (د) ان میں سے کوئی نہیں

مسلم لیگ 30 دسمبر 1906ء

1- برصغیر کے مسلمانوں کی تاریخ میں کن صوبوں نے اہم ترین کردار ادا کیا؟
(ا) پنجاب (ب) یو۔پی
(ج) بنگال (د) ب اور ج دونوں ✓

2- نواب محسن الملک کو شملہ وفد کے بعد کس نے خط لکھا کہ جداگانہ الیکشن سے بھرپور فائدہ اٹھا ز

کے لیے سیاسی جماعت بنائی جائے؟

(ا) علامہ اقبالؒ (ب) محمد علی جوہر

(ج) سید امیر علی ✓ (د) سر آغا خان

نواب محسن الملک نے کس مسلم راہنما کو لکھا کہ شملہ وفد کو زندہ رکھا جائے؟

(ا) سید امیر علی (ب) سر آغا خاں ✓

(ج) نواب وقار الملک (د) نواب سلیم اللہ خان

-4 دسمبر 1906ء کے وسط میں کس مسلم راہنما نے مسلم سیاسی جماعت کی تشکیل کی جامع سکیم بنائی اور اس کا نام مسلم پولیٹیکل کنفیڈریسی رکھا؟

(ا) نواب محسن الملک (ب) سر آغا خان

(ج) سید امیر علی (د) نواب سلیم اللہ خان ✓

-5 30 دسمبر 1906ء کے تاسیسی اجلاس میں کتنے مسلمان لیڈر شریک ہوئے؟

(ا) 300 ✓ (ب) 35

(ج) 70 (د) 120

-6 مسلم لیگ کا تاسیسی اجلاس کس شہر میں ہوا؟ (مسلم لیگ کس شہر میں قائم ہوئی؟)

(ا) علی گڑھ (ب) لاہور (ج) کراچی (د) ڈھاکہ ✓

-7 مسلم لیگ کب قائم ہوئی؟

(ا) 29 دسمبر 1906ء (ب) 30 دسمبر 1906ء ✓

(ج) 31 دسمبر 1906ء (د) 28 دسمبر 1906ء

-8 مسلم لیگ کے تاسیسی اجلاس کی صدارت کس نے کی؟

(ا) نواب وقار الملک ✓ (ب) قائداعظمؒ

(ج) سید امیر علی (د) نواب محسن الملک

-9 مسلم لیگ کے تاسیسی اجلاس کی صدارت کے لیے نواب وقار الملک کا نام کس نے تجویز کیا؟

(ا) [illegible] ✓ (ب) مولانا محمد علی جوہر

(ج) حکیم اجمل خان (د) مولانا ظفر علی خان

-10 مسلم لیگ کے [illegible] اجلاس [illegible] کس نے پیش کی؟

(ا) نواب محسن الملک نے (ب) سید حسن بلگرامی نے

(ج) نواب سلیم اللہ خان نے ✓ (د) علامہ اقبالؒ نے

-11 مسلم لیگ کے قیام کی قرارداد کی تائید کس نے کی؟

(ا) نواب محسن الملک (ب) سید حسن بلگرامی

(ج) مولانا ظفر علی خاں (د) حکیم اجمل خان ✓

-12 مسلم لیگ کا پہلا صدر کس کو چنا گیا؟

(ا) سید امیر علی (ب) سر آغا خاں ✓

(ج) نواب سلیم اللہ خان (د) قائداعظم

-13 مسلم لیگ کا مرکز دفتر کہاں قائم کیا گیا؟

(ا) ڈھاکہ (ب) دہلی

(ج) علی گڑھ ✓ (د) لاہور

-14 مسلم لیگ کا آئین بنانے والی کمیٹی کے کتنے ارکان تھے؟

(ا) 20 (ب) 10

(ج) 60 ✓ (د) 5

-15 مسلم لیگ کا آئین کتنی مدت میں تیار ہوا؟

(ا) دوماہ ✓ (ب) دوسال

(ج) چھ ماہ (د) پانچ سال

-16 مسلم لیگ کا آئین کس نے لکھا؟

(ا) مولانا ظفر علی خان (ب) سید حسن بلگرامی

(ج) نواب وقار الملک (د) مولانا محمد علی جوہر ✓

-17 علی گڑھ کالج کے قیام کے کتنے عرصہ بعد مسلمانوں کی سیاسی جماعت مسلم لیگ قائم ہوئی؟

(ا) 30 سال (ب) 31 سال

(ج) 28 سال (د) ان میں سے کوئی نہیں

-18 1910ء میں مسلم لیگ کا دفتر کس شہر میں منتقل کیا گیا؟

(ا) دہلی (ب) لکھنؤ ✓

(ج) کلکتہ (د) بمبئی

-19 مسلم لیگ کا پہلا باقاعدہ اجلاس کب ہوا؟

(ا) 30 دسمبر 1906ء (ب) 20 مارچ 1907ء

(ج) 29,30 دسمبر 1907ء ✓ (د) 18 فروری 1908ء

کے لیے سیاسی جماعت بنائی جائے؟

(ا) علامہ اقبالؒ (ب) محمد علی جوہر

(ج) سید امیر علی ✓ (د) سر آغا خان

3- نواب محسن الملک نے کس مسلم راہنما کو لکھا کہ شملہ وفد کو زندہ رکھا جائے؟

(ا) سید امیر علی (ب) سر آغا خاں ✓

(ج) نواب وقار الملک (د) نواب سلیم اللہ خان

4- دسمبر 1906ء کے وسط میں کس مسلم راہنما نے مسلم سیاسی جماعت کی تشکیل کی جامع سکیم بنائی اور اس کا نام مسلم پولیٹیکل کنفیڈریسی رکھا؟

(ا) نواب محسن الملک (ب) سر آغا خان

(ج) سید امیر علی (د) نواب سلیم اللہ خان ✓

5- 30 دسمبر 1906ء کے تاسیسی اجلاس میں کتنے مسلمان لیڈر شریک ہوئے؟

(ا) 300✓ (ب) 35

(ج) 70 (د) 120

6- مسلم لیگ کا تاسیسی اجلاس کس شہر میں ہوا؟ (مسلم لیگ کس شہر میں قائم ہوئی؟)

(ا) علی گڑھ (ب) لاہور (ج) کراچی (د) ڈھاکہ ✓

7- مسلم لیگ کب قائم ہوئی؟

(ا) 29 دسمبر 1906ء (ب) 30 دسمبر 1906ء ✓

(ج) 31 دسمبر 1906ء (د) 28 دسمبر 1906ء

8- مسلم لیگ کے تاسیسی اجلاس کی صدارت کس نے کی؟

(ا) نواب وقار الملک ✓ (ب) قائداعظمؒ

(ج) سید امیر علی (د) نواب محسن الملک

9- مسلم لیگ کے تاسیسی اجلاس کی صدارت کے لیے نواب وقار الملک کا نام کس نے تجویز کیا؟

(ا) مظہر الحق ✓ (ب) مولانا محمد علی جوہر

(ج) حکیم اجمل خان (د) مولانا ظفر علی خان

10- مسلم لیگ کے قیام کی قرارداد کس نے پیش کی؟

(ا) نواب محسن الملک نے (ب) سید حسن بلگرامی نے

(ج) نواب سلیم اللہ خان نے ✓ (د) علامہ اقبالؒ نے

11- مسلم لیگ کے قیام کی قرارداد کی تائید کس نے کی؟

(ا) نواب محسن الملک (ب) سید حسن بلگرامی

(ج) مولانا ظفر علی خاں (د) حکیم اجمل خان ✓

12- مسلم لیگ کا پہلا صدر کس کو چنا گیا؟

(ا) سید امیر علی (ب) سر آغا خاں ✓

(ج) نواب سلیم اللہ خان (د) قائداعظم

13- مسلم لیگ کا مرکز دفتر کہاں قائم کیا گیا؟

(ا) ڈھاکہ (ب) دہلی

(ج) علی گڑھ ✓ (د) لاہور

14- مسلم لیگ کا آئین بنانے والی کمیٹی کے کتنے ارکان تھے؟

(ا) 20 (ب) 10

(ج) 60✓ (د) 5

15- مسلم لیگ کا آئین کتنی مدت میں تیار ہوا؟

(ا) دو ماہ ✓ (ب) دو سال

(ج) چھ ماہ (د) پانچ سال

16- مسلم لیگ کا آئین کس نے لکھا؟

(ا) مولانا ظفر علی خان (ب) سید حسن بلگرامی

(ج) نواب وقار الملک (د) مولانا محمد علی جوہر ✓

17- علی گڑھ کالج کے قیام کے کتنے عرصہ بعد مسلمانوں کی سیاسی جماعت مسلم لیگ قائم ہوئی؟

(ا) 30 سال (ب) 31 سال

(ج) 28 سال (د) ان میں سے کوئی نہیں

18- 1910ء میں مسلم لیگ کا دفتر کس شہر میں منتقل کیا گیا؟

(ا) دہلی (ب) لکھنؤ ✓

(ج) کلکتہ (د) بمبئی

19- مسلم لیگ کا پہلا باقاعدہ اجلاس کب ہوا؟

(ا) 30 دسمبر 1906ء (ب) 20 مارچ 1907ء

(ج) 29,30 دسمبر 1907ء ✓ (د) 18 فروری 1908ء

-20 مسلم لیگ کے پہلے اجلاس کی صدارت کس نے کی؟
(الف) آدم جی پیر بھائی ✓ (ب) سر آغا خان
(ج) نواب محسن الملک (د) نواب سلیم اللہ خان

-21 نواب محسن الملک نے مسلم لیگ کے کتنے اجلاسوں کی صدارت کی؟
(الف) ایک (ب) کسی کی نہیں ✓
(ج) دو اجلاسوں (د) تین اجلاسوں

-22 مسلم لیگ کی بیرون ملک پہلی شاخ کس شہر میں قائم ہوئی؟
(الف) افغانستان کے شہر قابل (ب) مکہ مکرمہ
(ج) لندن ✓ (د) ان میں سے کوئی نہیں

-23 مسلم لیگ کی لندن شاخ کا صدر کس کو چنا گیا؟
(الف) سر آغا خان (ب) سید حسن بلگرامی
(ج) علامہ اقبال (د) سید امیر علی ✓

-24 مسلم اوقاف بل کس مسلمان لیڈر نے منظور کرایا؟
(الف) سر علی امام (ب) علامہ اقبال
(ج) مولانا محمد علی جوہر (د) قائداعظم ✓

-25 بنگالی مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے نواب سلیم اللہ خاں نے محمڈن پراونشل یونین کب بنائی؟
(الف) 1905ء ✓ (ب) 1907ء (ج) 1908ء (د) 1910ء

-26 نواب سلیم اللہ خان بنگال مسلم لیگ کے سیکرٹری کب منتخب ہوئے؟
(الف) 1910ء (ب) 1913ء ✓ (ج) 1915ء (د) 1907ء

حصہ انشائیہ (Subjective Part - I) 25 × 2 = 50

نوٹ: سوال نمبر 2، 3 اور 4 میں سے 25 (پچیس) مختصر سوالات کے جوابات تحریر کریں اور ہر سیکشن سے کم از کم 8 سوالات حل کرنا ضروری ہے۔ جواب تحریر کرتے وقت سوال کا نمبر ضرور درج تحریر کریں۔

سوال نمبر 3: (سیکشن "بی") مختصر سوالات کے جوابات تحریر کریں۔ (جوابات کیلئے صفحہ 296 پر دیکھیں)

حصہ دوم (Subjective Part II)

نوٹ: مندرجہ ذیل سوالات میں سے صرف تین کے جوابات تحریر کریں۔ 10 × 3 = 30

-1 مسلم لیگ کے قیام کے اسباب بیان کریں اور اس کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالیں۔
-2 مسلم لیگ کے قیام کے اسباب لکھیے۔ (سرگودھا بورڈ 2010ء)
-3 شملہ وفد کے مطالبات کیا تھے، اس کی کامیابی یا ناکامی پر تبصرہ کریں؟
-4 شملہ وفد سے کیا مراد ہے؟ یہ اپنے اغراض و مقاصد میں کس حد تک کامیاب رہا؟
-5 مسلم لیگ کے قیام کی پانچ وجوہات تحریر کیجئے۔ (لاہور بورڈ 2011ء)(بہاولپور بورڈ 2008ء)



باب 7

سیاسی جدوجہد 1892ء تا 1929ء
انڈین کونسلز ایکٹ 1892ء

پس منظر: برعظیم میں آئینی اصلاحات کا آغاز انڈیا ایکٹ 1861ء سے ہوا۔ اس کے تحت قائم ہونے قانون ساز کونسلوں میں، سرسید کے مشورے کے مطابق چند مقامی افراد کو شریک کیا گیا تا کہ امن وامان قائم رکھا جاسکے۔

ملکہ وکٹوریہ کے اعلان کے باوجود نسلی امتیاز ختم نہ ہوسکا۔ اس سے انگریزوں اور عوام کے درمیان فاصلے بڑھنے لگے۔ ہندو تعلیم یافتہ طبقہ انگریز حاکموں کے ذلت آمیز سلوک اور امتیازی قوانین کی وجہ سے دلبرداشتہ تھا۔ اس صورتِ حال کا علاج کرنے کے لئے میونسپل کمیٹی اور ڈسٹرکٹ بورڈ قائم کر کے حکومت خود اختیاری نافذ کرنے کی طرف پہلا قدم اُٹھایا گیا۔ مزید برآں حکومت کے خلاف سیاسی گھٹن دور کرنے اور ہندو تعلیم یافتہ طبقہ کو دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع فراہم کرنے کے لئے انگریزوں نے 1885ء میں انڈین نیشنل کانگریس قائم کی اور تعلیم یافتہ ہندو طبقہ کو آئینی جدوجہد کی راہ دکھائی۔ کانگریس نے مقامی آبادی کو برعظیم کے نظم ونسق میں حصہ دینے کا مطالبہ کیا۔ اس کا نتیجہ انڈین کونسلز ایکٹ 1892ء کی شکل میں نکلا۔

ایکٹ کی دفعات:

1۔ گورنر جنرل کو مرکزی قانون ساز کونسل کی تشکیل میں ملکی نمائندوں کو زیادہ حصہ دیا گیا۔ اب وہ اس میں کم از کم 10 اور زیادہ سے زیادہ 16 اضافی ارکان نامزد کرسکتا ہے۔ اس میں سے صرف 6 سرکاری اور 10 غیر سرکاری ارکان ہوتے تھے۔

2۔ مدارس اور بمبئی کے صوبوں کی قانون ساز کونسل میں اضافی ارکان کی تعداد کم از کم 8 اور زیادہ سے زیادہ 20 ہوگی۔ بنگال اور شمالی مغربی صوبے میں اضافی ارکان کی تعداد 20 اور 15 ہوگی۔ ان کونسلوں میں غیر سرکاری ارکان سرکاری ارکان سے زیادہ ہوتے تھے۔

3۔ کونسلوں میں نامزدگی کے لئے بالواسطہ انتخاب کا اصول اپنایا گیا۔ مرکزی کونسل میں صوبائی کونسلوں کا ایک ایک اور کلکتہ چیمبر آف کامرس کا ایک نمائندہ لیا جاتا تھا۔ بنگال کی قانون ساز کونسل کے لئے کلکتہ کی میونسپل کارپوریشن، کلکتہ یونیورسٹی کی سینٹ، تاجروں کی انجمنوں اور میونسپل کمیٹیوں کے گروپ کے نمائندے نامزد کئے جاتے تھے۔ دوسرے صوبوں میں بھی طریقہ کار اس جیسا تھا۔

4۔ اضافی ارکان اس وقت تک کونسلوں میں بیٹھنے کے مجاز تھے۔ جب تک کہ گورنر یا گورنر جنرل ان کی نامزدگی نہ کرے لیکن کبھی نہ ایسا ہوا کہ جس فرد کی سفارش کی گئی ہو اس کو نامزد نہ کیا گیا ہو۔

5۔ صوبائی اور مرکزی کونسلوں کے غیر سرکاری ارکان کو بجٹ پر بحث کرنے کی اجازت تھی وہ بجٹ پر مجموعی طور پر رائے زنی کر سکتے تھے۔ عوامی مفاد کے بارے میں سوال پوچھ سکتے تھے لیکن ضمنی سوال کرنے کی اجازت نہ تھی۔ چونکہ کونسل کی اکثریت سرکاری ارکان کی ہوتی تھی اس لئے کسی مسئلے پر حکومت کو مشکل کا سامنا نہ کرنا پڑتا تھا۔

6۔ اس ایکٹ کے تحت عوام کو نمائندگی برائے نام حاصل تھی۔ بنگال کی آبادی سات کروڑ تھی اور اس کے نمائندے بھی سات (7) ہی تھے۔ یعنی ایک کروڑ آبادی پر ایک نمائندہ۔ اس وقت پنجاب کے ساتھ صوبہ سرحد بھی شامل تھا مگر اس کو بڑے صوبے کا درجہ نہ دیا گیا تھا اس لئے گورنر جنرل کی قانون ساز کونسل میں اس صوبے کا کوئی نمائندہ شامل نہ تھا۔

تبصرہ: اس ایکٹ نے محدود سطح پر الیکشن کا نظام متعارف کرایا۔ یہ الیکشن مخلوط بنیاد پر ہوتا تھا اور ووٹ کا حق صرف بڑے بڑے جاگیرداروں اور تاجروں کو حاصل تھا۔ لہٰذا تمام تر نمائندگی صرف ہندوؤں کے حصے میں آتی تھی اور مسلمانوں کو کوئی نشست نہ ملتی تھی۔ اس ایکٹ کے تحت 1893ء میں نئی کونسلیں تشکیل دی گئیں مگر ان میں کسی مسلمان کا وجود نہ تھا۔ مسلمانوں پر یہ بات اچھی طرح واضح ہوگئی کہ اپنی نشستوں کے لئے علیحدہ انتخاب کے بغیر وہ کونسلوں میں کوئی نمائندگی حاصل کرنے کے قابل نہ ہوں گے۔ 1896ء میں سرسید کے بیٹے سید محمود نے مسلمانوں کے لیے جداگانہ طریقہ انتخاب کا مطالبہ کیا لیکن اس مطالبے پر حکومت نے غور نہ کیا۔

منٹو مارلے آئینی اصلاحات 1909ء

پس منظر: حکومت برطانیہ نے ہندوستان میں 1892ء کے کونسلز ایکٹ کے سترہ برس بعد 1909ء میں نئی آئینی اصلاحات نافذ کیں جو منٹو مارلے اصلاحات کے نام سے مشہور ہیں۔

سیاسی بے چینی: لارڈ منٹو کے عہد میں نئے یونیورسٹی ایکٹ، تقسیم بنگال کے خلاف ہندو تحریک، مسلم لیگ کے جداگانہ الیکشن کے مطالبے اور جدید تعلیم سے آراستہ طبقہ کی ایکٹ 1892ء سے بیزاری کے باعث ملک میں سیاسی بے چینی کی نئی لہر پھیل چکی تھی اور برصغیر میں سیاسی بیداری پیدا ہو رہی تھی۔

حکومت کا طرزِ فکر: تقسیم بنگال پر کانگرس انتہا پسند اور اعتدال پسند گروپوں میں بٹ چکی تھی۔ 1857ء کے ہنگامے سے خوفزدہ برطانوی حکومت اعتدال پسند ہندوستانی لیڈروں اور قدامت پسند "وفاداروں" کو نئی آئینی اصلاحات سے مطمئن کر کے اپنے ساتھ ملانا چاہتی تھی۔

منٹو کی پالیسی: برطانوی حکومت کی خواہش اور بدلتے ہوئے حالات کے تحت وائسرائے لارڈ منٹو نے انگریزی اقتدار قائم رکھنے کے لئے ہندوستان کی مختلف قوموں اور وفادار طبقوں کو زیادہ سے زیادہ نمائندگی دے کر اور جداگانہ الیکشن کا طریقہ رائج کر کے مسلمانوں کی ہمدردیاں حاصل کرنے کی پالیسی اپنائی۔

آئینی اصلاحات کی منظوری کے مراحل 1905ء میں اعتدال پسند ہندو راہنما کرشن گوپال گوکھلے نے حکومت کو آئینی تجاویز پیش کیں۔ اگست 1906ء میں وائسرائے نے آئینی کمیٹی تشکیل دی۔ اس کمیٹی نے جو آئینی خاکہ بنایا اسے لارڈ منٹو نے یکم اکتوبر 1908ء کو وزیر امور ہند کو بھیج دیا۔ اسی سال 17 دسمبر کو یہ آئینی اسکیم منظوری کے لئے برطانوی پارلیمنٹ میں پیش ہوئی۔ ہاؤس آف کامنز اور ہاؤس آف لارڈز نے فروری 1909ء کو اس کی منظوری دے دی۔ شاہی دستخطوں کے بعد 15 نومبر 1909ء کو اس ایکٹ کو نافذ کر دیا گیا۔

ایکٹ 1909ء کے اہم خدوخال: 1909ء کے ایکٹ میں جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے بجائے قدامت پسند طبقہ یعنی زمین داروں، جاگیرداروں اور تاجروں کو زیادہ سیٹیں دی گئیں نیز ہندوستان کی مختلف قوموں، نسلوں، طبقوں اور گروہوں کی خصوصی نمائندگی کا بندوبست کیا گیا۔ اس ایکٹ کے اہم خدوخال درج ذیل ہیں:

1- جداگانہ الیکشن: 1909ء کی آئینی اصلاحات میں مسلمانوں کو جداگانہ نمائندگی کا حق مل گیا۔ سوائے پنجاب اور سی۔ پی کے تمام صوبوں میں یہ اصول رائج کر دیا گیا۔ مسلمان ووٹروں کے رجسٹر اور حلقے الگ کر دیئے گئے۔ اب مسلمان اپنے حقیقی نمائندے منتخب کرنے کے قابل ہو گئے۔ مسلمانوں کو مخصوص سیٹوں کے علاوہ عام حلقوں سے بھی انتخاب لڑنے کا حق دیا گیا۔

2- انڈیا کونسل: وزیر امور ہند کی کونسل کے ارکان کی تعداد 12 سے بڑھا کر 14 کر دی گئی۔ لارڈ مورلے نے انڈیا کونسل میں دو ہندوستانی ارکان سید حسن بلگرامی اور کرشن گووند گپتا کا تقرر کر دیا۔

3- مرکزی قانون ساز کونسل: امپیریل لیجسلیٹو کونسل کے ارکان کی تعداد 16 سے بڑھا کر 60 کر دی گئی۔ انتظامی کونسل کے آٹھ ارکان ان کے علاوہ تھے۔ 60 ارکان میں سے 32 غیر سرکاری اور 28 سرکاری ارکان ہوتے تھے۔ 6 سیٹیں زمینداروں اور ایک ایک سیٹ کلکتہ اور ممبئی کے تاجروں کو دی گئی۔ مسلمانوں کو 5 سیٹیں دی گئیں۔ وائسرائے 28 سرکاری ارکان کے علاوہ 5 غیر سرکاری ارکان کو نامزد کرتا تھا۔ ان پانچ میں ایک مسلمان زمیندار اور ایک مسلمان تاجر ہونا لازمی تھا۔

4- مرکزی انتظامی کونسل: مسلمانوں کا مطالبہ تھا کہ وائسرائے کی انتظامی کونسل میں دو ہندوستانی میمبر لئے جائیں جن میں ایک مسلمان ہو۔ تاہم پہلی بار ایک ہندوستانی میمبر ایس پی سنہا کو شامل کیا گیا۔ مسلمانوں کے پرزور مطالبہ پر سنہا کے استعفیٰ کے بعد سید علی امام کا تقرر کیا گیا۔

5- مرکزی قانون ساز کونسل کے اختیارات: کونسل کے اختیارات بڑھا دیئے گئے۔ ارکان بجٹ پر بحث کرنے کے مجاز تھے۔ اس کے بارے قرارداد پیش کر سکتے تھے۔ لیکن حکومتی قرض پر سود، مذہبی گرانٹ، ریلوے، کسٹم اور دفاعی امور کے بارے میں قرارداد پیش کرنے کی اجازت نہ تھی۔ ارکان کو سوال پوچھنے اور ضمنی سوال پوچھنے کا حق دیا گیا۔ تاہم متعلقہ محکمے کا انچارج ضمنی سوال کا جواب نہ دینے کا مجاز تھا۔ خارجہ امور، ریاستی امور اور کسی عدالت میں زیر سماعت مسئلہ کے علاوہ دیگر مفاد عامہ کے بارے بھی قرارداد پیش کی جا سکتی۔ تاہم صدر کونسل کسی بھی قرارداد یا اس کے کسی حصے پر بحث کو روک سکتا تھا۔

6- صوبائی انتظامی کونسلیں: صوبہ ممبئی اور مدراس کی انتظامی کونسلوں کے ارکان کی تعداد دو سے چار کر دی گئی۔ جن میں دو سے زیادہ سرکاری ملازم نہ ہو سکتے تھے۔ ایکٹ میں کسی مقامی باشندے کو صوبائی کونسل میں شامل کرنے کا کوئی ذکر نہ تھا۔ البتہ بنگال کونسل میں راجہ کشوری لال کو شامل کیا گیا۔ علاوہ ازیں وائسرائے کے اختیار میں تھا کہ وہ چھوٹے صوبوں میں بھی انتظامی کونسلیں قائم کرے۔

7- صوبائی قانون ساز کونسلیں: مدراس اور ممبئی کی کونسلوں کے ارکان کی تعداد انچاس، بنگال 54، بہار 45، یوپی 50، برما 18 اور آسام کی 26 مقرر کی گئی۔ صوبائی کونسلوں میں غیر سرکاری ارکان کی تعداد زیادہ مقرر کی گئی۔

8- صوبائی کونسلوں کے اختیارات: صوبائی قانون ساز کونسلوں کو مرکزی قانون ساز کونسل جیسے اختیارات حاصل تھے۔ البتہ گورنر جنرل صوبائی کونسل کے فیصلے منسوخ کر سکتا تھا۔

9-انتخابی ادارے: الیکشن میں عوام کے بجائے اداروں کو نمائندوں کے چناؤ کا حق دیا گیا۔ مرکزی کونسل کے 13 ارکان کے چناؤ کا حق مرکزی کونسل کے غیر سرکاری ارکان کو دیا گیا۔ دو ممبر ممبئی اور بنگال کے ایوان ہائے تجارت چنتے تھے۔ اس کے علاوہ میونسپل کمیٹیوں، ڈسٹرکٹ بورڈوں اور یونیورسٹی کے ارکان اور زمیندار بھی ووٹر ہوتے تھے۔

ہندوؤں کے مقابلے میں مسلمان ووٹروں کے لئے شرائط نرم رکھی گئیں پھر بھی ان کی تعداد بہت کم ہوتی تھی۔ عورتوں کو ووٹ دینے کا حق نہ تھا۔

ہندوؤں کا ردِعمل: اعتدال پسند ہندو طبقے نے آئینی اصلاحات کا پرجوش خیر مقدم کیا۔ گوکھلے نے مرکزی قانون ساز کونسل میں تقریر کرتے ہوئے اس کی زبردست تعریف کی[1] کانگرس نے اپنے 1911ء کے اجلاس میں گورنر جنرل کا شکریہ ادا کرنے کا فیصلہ کیا۔ لیکن انتہا پسند ہندوؤں نے منٹو مارلے اصلاحات پر سخت تنقید کی۔ ہندو بحیثیت مجموعی، مسلمانوں کو جداگانہ انتخاب کا حق ملنے پر سخت ناخوش تھے۔[2]

مسلمانوں کا ردِعمل: مسلم لیگ نے اصلاحات کا خیر مقدم کرتے ہوئے، ان کی کامیابی کیلئے حکومت کو اپنے تعاون کی پیشکش کی۔ مسلمان اس بات پر خوش تھے کہ انہیں اپنے نمائندے خود منتخب کرنے کا اختیار مل گیا ہے۔ سر آغا خاں نے اس پر خوشی کا اظہار کیا۔[3]

حسن ریاض کہتے ہیں کہ "صوبائی کونسلوں میں سیاسی اہمیت کی بنا پر اضافی نشستیں تو کجا، مسلمانوں کو ان کی آبادی کے تناسب سے بھی بہت کم نشستیں دی گئیں"۔[4]

اصلاحات پر تنقید: ان اصلاحات کے تحت قانون ساز کونسلوں کی حیثیت محض مشاورتی تھی۔ ان میں درج ذیل نمایاں خامیاں تھیں۔

1-افسر شاہی کی بالادستی: نئے آئین کے تحت بھی افسر شاہی کے اختیارات میں کمی کوئی نہ آئی۔ اس کی بالادستی قائم رہی۔ صوبوں پر مرکز کا اور مرکز پر برطانیہ کا کنٹرول بدستور برقرار رہا۔ گورنر جنرل کو کونسلوں کے فیصلے منسوخ کرنے کا اختیار حاصل تھا۔

2-خود اختیاری نہ ملی: ہندوستانیوں کو صرف نمائندگی پر ٹرخا دیا گیا۔ انہیں حکومت خود اختیاری نہ مل سکی۔

3-بالواسطہ انتخابات: بالواسطہ انتخاب کا طریقہ اپنایا گیا۔ ووٹروں کی تعداد بڑی محدود اور انتخابی حلقے مختصر تھے۔

1- احمد سعید صفحہ 98
2- حسن ریاض صفحہ 59
3- سوممتاز مسلمان صفحہ 189
4- پاکستان ناگزیر تھا صفحہ 60

4-سرکاری ارکان کی بالادستی: کونسلوں میں سرکاری ارکان کو بالادستی حاصل تھی۔ حکومت اپنی مرضی کی قانون سازی کر لیتی تھی۔ مقامی نمائندوں کی رائے کو کوئی اہمیت حاصل نہ تھی۔

5-ممبران کا غیر ذمہ دارانہ رویہ: بالواسطہ انتخاب کی وجہ سے ایک تو ارکان عوام کو جوابدہ نہ تھے، دوسرے وہ صرف محدود پیمانے پر بحث میں حصہ لے سکتے تھے اپنی قرارداد پاس نہ کرا سکتے تھے۔ حکومت اپنی مرضی کی قانون سازی کر لیتی تھی۔ اس لئے ان میں ذمہ داری کا احساس پیدا ہوا نہ ان کی دلچسپی برقرار رہی۔

6-مسلمانوں کی محدود نمائندگی: جداگانہ حق انتخاب کے باوجود کونسلوں میں مسلمانوں کی نمائندگی مایوس کن رہی۔ کل 284 ممبران میں مسلمان صرف 18 جبکہ ہندو ارکان کی تعداد 100 تھی۔ مسلمانوں کو ان کی آبادی کے تناسب سے بہت کم نشستیں دی گئیں۔

تبصرہ: منٹو مارلے اصلاحات برصغیر کی آئینی تاریخ کا اہم موڑ تھی۔ ان کے تحت پہلی مرتبہ انتخابات کا اصول رائج ہوا۔ مسلمانوں کو جداگانہ انتخاب کا حق مل گیا۔ کونسلوں کے ارکان اور اختیارات میں اضافہ ہوا۔ غیر سرکاری ارکان کی تعداد سرکاری ارکان سے زیادہ مقرر ہوئی۔ ہندوستانی نمائندوں کو قانون سازی میں مشاورت کیلئے شامل کر لیا گیا۔ انڈیا کونسل اور وائسرائے کی انتظامی کونسل تک انہیں رسائی حاصل ہوئی نیز چھوٹے صوبوں میں انتظامی کونسلیں قائم کرنے کی راہ ہموار ہوئی۔

تاہم ان خوبیوں کے باوجود برصغیر کے سیاسی مرتبے اور اختیار میں کوئی اضافہ نہ ہو سکا۔ آمریت اور دستوری حکومت کے امتزاج میں آمریت کا غلبہ رہا۔ حکومت خود اختیاری کے قیام کی جانب قدم نہ اٹھایا گیا۔ اس لئے یہ اصلاحات مجموعی طور پر ناکام رہیں۔

میثاق لکھنؤ 1916ء

دسمبر 1916ء میں مسلم لیگ اور کانگرس کے درمیان لکھنؤ میں ایک آئینی سمجھوتہ ہوا جو میثاق لکھنؤ کے نام سے مشہور ہے۔

میثاق لکھنؤ کے عوامل: 1857ء کے بعد مسلمانوں اور ہندوؤں میں پیدا ہونے والی تلخیاں پچاس سال کی مدت میں دشمنی میں تبدیل ہو گئی تھیں۔ اس کے باوجود 1916ء ان میں ایک آئینی سمجھوتہ طے پا گیا۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ وہ کونسے حالات تھے جو دونوں قوموں کو مفاہمت کی میز پر لے آئے۔

1- تنسیخ تقسیم بنگال: انگریز سرکار نے تقسیم بنگال کو ایک ''طے شدہ حقیقت'' قرار دیا تھا۔لیکن 12 دسمبر 1911ء کو اچانک تقسیم بنگال کی تنسیخ کا اعلان کر دیا گیا۔اس سے مسلمان انگریز حکومت سے ازحد مایوس ہوگئے۔

2- برطانوی اسلام دشمن پالیسی: ستمبر 1912ء میں اٹلی نے ترکی کی بحری ناکہ بندی کر کے طرابلس پر حملہ کر دیا۔ترکی نے خشکی کے راستے طرابلس کا دفاع کرنا چاہا لیکن برطانیہ نے مصر سے (جو اس وقت انگریزوں کے قبضہ میں تھا) ترک فوجوں کو گزرنے کی اجازت نہ دی۔اگلے ہی سال بلقان کی ریاستوں نے برطانیہ کی شہہ پر ترکی پر حملہ کر دیا۔انگریز کی بین الاقوامی پالیسی مسلم دشمنی پر مبنی رہی۔ان حالات میں ہندی مسلمانوں میں انگریزوں کے خلاف اضطراب کی لہر دوڑ گئی۔

3- مسلم یونیورسٹی کی مخالفت: مسلمانوں نے حکومت سے درخواست کی کہ علی گڑھ کالج کو یونیورسٹی کا درجہ دے کر ملک کے مسلم تعلیمی اداروں کو اس سے الحاق کی اجازت دی جائے۔حکومت نے اس کے لئے 30 لاکھ فنڈ کی شرط عائد کی۔فنڈ جمع ہوگیا تو حکومت نے یونیورسٹی کے نام کے ساتھ لفظ ''مسلم'' پر اعتراض کرتے ہوئے واضح کیا کہ یونیورسٹی کو دیگر اداروں کے الحاق کا حق نہ ہوگا نیز اس پر حکومت کا کنٹرول ہوگا۔اس سے مسلمانوں کی بڑی دل شکنی ہوئی اور انگریز مخالف جذبات پروان چڑھے۔

4 کانپور کا سانحہ: 1913ء میں کانپور کی اے بی روڈ کو کشادہ کرنے کی ضرورت پیش آئی۔اس روڈ پر مچھلی بازار کا ایک مندر اس کی زد میں آتا تھا۔ یہ ہندوؤں کی کارستانی اور انگریز کا جبر تھا کہ جولائی 1913ء میں مندر کو بچانے کی خاطر سڑک کو کسی قدر موڑ دے کر، مندر کے بالمقابل واقع مسجد کے وضو خانے اور غسل خانے منہدم کر دیئے گئے۔کانپور کے مشتعل مسلمانوں نے 3 اگست 1913ء کو بغیر گارے اور مسالے کے اینٹوں کو ایک دوسری پر رکھنا شروع کیا تو نہتے ہجوم پر 15 منٹ میں 600 گولیاں برسائی گئیں۔کمسن بچوں سمیت سولہ لاشے زمین پر تڑپنے لگے۔تیس افراد زخمی اور 200 گرفتار ہوئے۔ستم بالائے ستم کہ گورنر سر جیمز نے فائرنگ کرنے والے سپاہیوں میں اسناد تقسیم کر کے مسلمانوں کے زخموں پر نمک پاشی کی۔

5- نئی مسلم قیادت: اب بدلتے ہوئے حالات میں مسلم لیگ کی قیادت پرانے زُعما سے، جو انگریز وفاداری کی پالیسی پر عمل پیرا تھی، نوجوانوں کو منتقل ہو رہی تھی جو مسلمانوں کے آئینی اور سیاسی مفادات کا تحفظ ہمسایہ اقوام کے ساتھ مل کر کرنے کی ضرورت محسوس کر رہے تھے۔

6- ہندو مسلم مفاہمتی کوششیں: جنوری 1910ء میں مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں حکیم اجمل خان

نے دوسری اقوام کے ساتھ مفاہمت پر زور دیا۔اجلاس کے صدر سیّد نبی اللہ نے ہندوؤں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ:

''ہم کاغذی اتحاد کے بجائے قلبی اتحاد چاہتے ہیں۔کیا ہمارے ہندو دوست اپنی مستقل اکثریت پر مطمئن نہیں ہیں؟ وہ ہماری جداگانہ نمائندگی کو حسد کی نگاہ سے کیوں دیکھتے ہیں؟ کیا صلح کے یہی ڈھنگ ہوتے ہیں؟ میں اپنے ہندو راہنماؤں کے جذبہ حُب الوطنی سے اپیل کرتا ہوں کہ ہندو مسلم راہنما اور اسمبلیوں کے اراکین ملکی مفاد کیلئے کبھی کبھی تبادلہ خیالات کر لیا کریں۔''[5]

7- ہندو مسلم کانفرنس: 1910ء میں ہی کانگرس کے پرانے مہربان ولیم برن نے مسلم ہندو کانفرنس کی تجویز دی۔صدر کانگرس کی دعوت پر جنوری 1911ء میں الہ آباد میں ہندو مسلم لیڈروں کی کانفرنس ہوئی۔جس میں 60 ہندو اور 40 مسلمان لیڈر شامل ہوئے گو یہ کانفرنس کامیاب نہ رہی تاہم آئندہ کے لئے مذاکرات کی راہ ہموار ہوگئی۔

8- مسلم لیگ کے مقاصد میں تبدیلی: 1911ء سے 1913ء تک پیش آنے والے واقعات اور ان سے متعلق انگریز پالیسیوں اور ہندو مسلم مفاہمت کی فضا نے لیگی قیادت کو مسلم لیگ کے مقاصد میں تبدیلی پر مجبور کر دیا۔چنانچہ مسلم لیگ نے 1913ء میں دیگر قوموں کے تعاون سے حکومت خود اختیاری کے حصول کو اپنا مقصد قرار دے لیا۔

9- کانگرس کی اعتدال پسندی: کانگرس کے حلقوں میں مسلم لیگ کے نئے مقاصد کی بے حد تعریف کی گئی۔'' کانگرس کو اس وقت یوں محسوس ہوا کہ سیاسی آرزوؤں کے اعتبار سے مسلم لیگ اور اس کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔''[6] چنانچہ 27 دسمبر 1913ء کو کانگرس کے کراچی کے سالانہ اجلاس کے صدر بھوپندر ناتھ باسو نے کہا کہ:

''ہندوستان صرف ہندوؤں کا نہیں بلکہ ان تمام اقوام کا وطن ہے جو اس میں رہتی ہیں۔ اگر ماضی میں کسی کو اس بارے میں کوئی غلط فہمی تھی تو وہ اس کو بھول جائے۔''[7]

10- پہلی عالمی جنگ: 1914ء میں پہلی عالمگیر جنگ شروع ہوگئی۔ترکی نے برطانیہ کی ترک دشمن پالیسیوں کے سبب جرمنی کا ساتھ دینے کا اعلان کر دیا۔حکومت ہندی مسلمانوں کے ترکی سے عقیدت کے جذبات سے آگاہ تھی۔لہٰذا اس نے خوفزدہ ہو کر مسلم قائدین کو گرفتار کر کے مسلم اخبارات پر پابندی لگادی۔اس کا نتیجہ انگیزوں سے مزید نفرت کی صورت میں برآمد ہوا۔دوسری طرف کانگرس، جنگ میں

5- احمد سعید صفحہ 102 بحوالہ مرزا اختر حسین۔تاریخ مسلم لیگ صفحہ 53,52

6- حسن ریاض صفحہ 67 7- حسن ریاض صفحہ 69

حکومت کی بھرپور مدد کر کے آئینی مراعات حاصل کرنا چاہتی تھی جو مسلمانوں کے تعاون کے بغیر ممکن نہ تھا۔لہٰذا دونوں قوموں میں اتحاد کی راہ ہموار ہوگئی۔

11- قائداعظم اتحاد کے سفیر: قائداعظم نے 1906ء میں کانگرس میں شمولیت اختیار کر کے اپنے سیاسی کیریئر کا آغاز کیا۔1909ء میں وہ امپیریل **لیجسلیٹیو** کونسل کے رکن بن گئے۔انہوں نے 17 جولائی 1912ء کو مسلم وقف ویلیڈیٹنگ بل پیش کیا۔اور 7 اگست 1913ء کو یہ بل ایسی قابلیت سے منظور کرایا کہ سب نے اس کی تعریف کی۔مسلمانوں کو اس سے بڑا فائدہ ہوا۔ان کی نظر میں جناح کی وقعت بہت بڑھ گئی۔1913ء میں وہ مولانا جوہر کی ترغیب پر مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔سیاسی میدان میں ابھرتے ہوئے جناح دونوں سیاسی جماعتوں میں یکساں مقبول تھے۔اپنی اسی حیثیت میں وہ خلوص، لگن اور انتھک کوششوں سے ہندو مسلم اتحاد کے سفیر بن گئے۔

کانگرس اور مسلم لیگ میں مفاہمت: جناح نے اپنی ذہانت اور محنت سے مسلم لیگ اور کانگرس کو اپنے اپنے 1915ء کے سالانہ اجلاس ایک ہی وقت میں ممبئی شہر میں منعقد کرنے پر متفق کرلیا۔

مشترکہ آئینی کمیٹی کا قیام: مسلم لیگ کے 1915ء کے سالانہ اجلاس میں قائداعظم نے ایک قرارداد منظور کرائی کہ مسلم لیگ ایک آئینی کمیٹی قائم کرے جو دوسری جماعتوں کے ساتھ باہمی مشورے سے ایک متفقہ آئینی اسکیم مرتب کرے۔اس کے جواب میں کانگرس نے بھی یہی اقدام کیا۔

میثاق لکھنؤ: 1916ء میں دونوں جماعتوں کی آئینی کمیٹیوں کے کئی مشترکہ اجلاس ہوئے۔ان کمیٹیوں نے متفقہ طور پر جو آئینی سفارشات مرتب کیں، انہیں مشترکہ آئینی مطالبہ کے طور پر حکومت کے سامنے پیش کیا گیا۔یہی مشترکہ آئینی اسکیم میثاق لکھنؤ کے نام سے مشہور ہوئی۔

معاہدہ لکھنؤ کی شرائط: اس معاہدہ کی اہم شرائط درج ذیل ہیں:

1- جداگانہ الیکشن: اتفاق ہوا کہ الیکشن جداگانہ طریقے سے کرائے جائیں اور مسلمان صرف اپنے مخصوص حلقوں سے کھڑے ہوں۔

2- مرکزی اسمبلی میں مسلم نمائندگی: طے پایا کہ مرکزی قانون ساز اسمبلی کے ارکان کی تعداد 150 ہو ان میں 80 فیصد منتخب اور 20 فیصد ارکان نامزد کئے جائیں اور ان میں مسلمانوں کو ایک تہائی نمائندگی حاصل ہو۔قانون ساز اسمبلی کی میعاد 5 سال ہو اور اس کے ممبران کو تحریک التواء پیش کرنے، سوالات کرنے اور ضمنی سوالات پوچھنے کا حق ہو۔اسمبلی اپنا صدر خود منتخب کرے۔کابینہ کے نصف ارکان کا انتخاب اسمبلی کے منتخب نمائندے کریں۔باقی ماندہ نصف ارکان بھی افسر شاہی سے نہ ہوں۔

3- صوبائی اسمبلیاں: صوبائی اسمبلیوں میں 80 فیصد ارکان منتخب اور 20 فیصد نامزد کئے جائیں۔بڑے صوبوں کی اسمبلیوں میں ارکان کی تعداد 125 سے کم نہ ہو اور چھوٹے صوبوں میں 50 سے 75 تک ہو۔

4- وتیج سسٹم: صوبوں میں مسلمانوں کی نمائندگی کا تناسب اس طرح ہو۔پنجاب 50 فیصد۔بنگال 40 فیصد۔ممبئی 33 فیصد۔یوپی 30 فیصد۔بہار 25 فیصد۔سی پی 15 فیصد۔مدراس 15 فیصد۔

5- صوبائی خودمختاری: تمام صوبوں کو مکمل صوبائی خودمختاری حاصل ہو۔صوبائی گورنر افسر شاہی سے مقرر نہ کیا جائے۔ہر اسمبلی اپنا صدر خود منتخب کرے۔ہر صوبائی کابینہ کے نصف ارکان کا انتخاب اسمبلی کے منتخب نمائندے کریں باقی ماندہ نامزد ارکان افسر شاہی سے نہ لئے جائیں۔
چند ضروری شعبہ جات مرکز کے اور باقی تمام ذرائع آمدن صوبوں کے کنٹرول میں ہوں۔

6- اقلیتوں کو مذہبی تحفظ: کسی بھی قانون ساز اسمبلی میں کوئی ایسا مسودہ قانون غور کرنے یا پاس کرنے کیلئے پیش نہ کیا جائے اگر اسمبلی میں کسی فرقہ کے 75 فیصد ارکان اسے اپنے مذہب کے خلاف قرار دیں۔

7- انڈیا کونسل: وزیر ہند کی کونسل توڑ کر اس کی مدد کیلئے دو نائب سیکرٹری مقرر کئے جائیں۔ان میں سے ایک ہندوستانی ہو۔وزیر ہند کی تنخواہ برطانوی خزانے سے دی جائے۔

8- عدلیہ کی انتظامی سے علیحدگی: عدلیہ کو انتظامیہ سے الگ کر دیا جائے اور ہر صوبے کی عدلیہ ہائیکورٹ کے ماتحت ہو۔

9- درجہ نوآبادیات: ہندوستان کو ڈومینین سٹیٹ کا درجہ دیا جائے۔وزیر امور ہند کے اختیارات دیگر نوآبادیات کے سیکرٹری سے زیادہ نہ ہوں۔برصغیر کے باشندوں کو تاج برطانیہ کی دوسری رعایا کے برابر حقوق حاصل ہوں۔

میثاق لکھنؤ کے فوائد و ثمرات: میثاقِ لکھنؤ بلاشبہ محمد علی جناح کی معاملہ فہمی، الجھے ہوئے معاملات کو سلجھانے کی صلاحیت، بدگمان فرقوں میں افہام و تفہیم پیدا کرنے کی قابلیت، ان کے تدبر، ذہانت و فطانت سیاسی بصیرت اور دوراندیشی کا منہ بولتا شاہکار ہے۔سروجنی نائیڈو نے بجا طور پر انہیں ہندو مسلم اتحاد کا سفیر قرار دیا ہے۔

1- تسلیم ہوا مسلمان علیحدہ قوم ہیں: متحدہ قومیت کی علم بردار کانگرس نے جداگانہ انتخاب کا مطالبہ

آئینی طور پر تسلیم کر کے اس حقیقت پر مہر ثبت کر دی کہ وہ مسلمانوں کو اپنے اندر جذب نہیں کر سکے اور وہ ہر لحاظ سے ایک علیحدہ قوم ہیں۔ نیز کانگرس ہندوؤں کی اور مسلم لیگ مسلمانوں کی نمائندہ جماعت ہے۔

2- کانگرس کا پچھتاوا: جداگانہ الیکشن کا اصول تسلیم کر کے کانگرس نے خود اپنی نظر میں ہی اتنی بڑی غلطی کر لی جس کا بعد ازاں ازالہ نہ ہو سکا۔ وہ ہر موڑ پر اس سے راہ فرار اختیار کرنے کی کوشش کرتی رہی لیکن یہ اصول تقسیم ہند تک نافذ رہا۔ حکومت نے اسے ختم نہ کیا۔

3- قیام پاکستان کی بنیاد: جداگانہ اصول انتخاب تقسیم ہند اور قیام پاکستان کی بنیاد ثابت ہوا۔ اس نے مسلمانوں کو آئینی طور پر ہندوؤں سے الگ قوم قرار دے دیا۔

4-1919ء کی اصلاحات پر اثرات: 1919ء کی آئینی اصلاحات پر اس کے گہرے اثرات مرتب ہوئے۔ اس کے اکثر مطالبات تسلیم کر لئے گئے۔ اگرچہ حکومت خود اختیاری نہ مل سکی لیکن اس کی منزل واضح اور قریب ہو گئی۔

5- ہندو مسلم اتحاد کے مظاہرے: اس معاہدے کی بدولت مسلمانوں اور ہندوؤں کا ایسا اتحاد دیکھنے میں آیا جس پر انگریز کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ اسی اتحاد کی وجہ سے دونوں قومیں ہوم رول تحریک، تحریک خلافت، تحریک عدم تعاون، ترک موالات اور تحریک سول نافرمانی چلانے کے قابل ہوئیں۔ یہاں تک کہ مسلمانوں اور ہندوؤں نے متحد ہو کر جلیانوالہ باغ میں سرکار کی گولیاں کھائیں اور مارشل لاء کا مقابلہ کیا۔

6- مذہبی تحفظ: مذہبی تحفظ کے لئے معاہدے میں شامل شرط سے ہندوستان کی اقلیتوں، بالخصوص مسلمانوں کو مذہبی لحاظ سے آئینی تحفظ مل گیا۔

7- مرکز میں موثر نمائندگی: مرکزی اسمبلی میں مسلمانوں کو 1/3 نمائندگی مل گئی حالانکہ وہ کل آبادی کا 25 فیصد تھے۔ اس سے طاقت کا توازن ان کے ہاتھ میں آ گیا۔ اور ایوان میں اکثریتی پارٹی اور سرکاری پارٹی ان کی حمایت کی محتاج ہو گئیں۔

8- مسلم اقلیتی صوبوں میں نمائندگی: ہندو اکثریتی صوبوں میں مسلمانوں کو اپنی آبادی کے تناسب سے کافی زیادہ نمائندگی حاصل ہو گئی اور وہ زوردار آواز میں اپوزیشن کا کردار ادا کرنے کے قابل ہو گئے۔

میثاق لکھنؤ کے نقصانات: معاہدہ لکھنؤ کچھ لو، کچھ دو کی بنیاد پر ہوا۔ دونوں قوموں نے ایک دوسرے کو رعائتیں دیں۔ اس لئے مسلمانوں کو فوائد کے ساتھ کچھ نقصانات بھی اٹھانے پڑے۔

1- اکثریت سے محرومی: آبادی کے لحاظ سے صرف بنگال اور پنجاب مسلم اکثریت کے صوبے تھے۔ ان صوبوں میں مسلمانوں کی آبادی کا تناسب تقریباً 55 فیصد تھا۔ لیکن معاہدہ لکھنؤ کی رو سے انہیں بنگال میں 40 فیصد اور پنجاب میں 50 فیصد نشستیں ملیں۔ اور وہ عددی اکثریت سے محروم ہو گئے۔ ڈاکٹر اشتیاق قریشی کہتے ہیں کہ اسی وجہ سے 1937ء اور 1945ء کے انتخابات کے بعد مسلم لیگ کو یہاں وزارتیں قائم کرنے میں دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔

2- مسلم رائے عامہ تقسیم: معاہدہ لکھنؤ نے مسلمانوں کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ پنجاب اور بنگال کی مسلم قیادت نے اس معاہدہ کو کبھی پسند نہ کیا۔ پنجاب میں سر محمد شفیع نے قائداعظم کو چھوڑ کر سر فضل حسین سے الحاق کر لیا۔ علامہ اقبال نے فرمایا کہ ''ہندو ڈنڈی مار گیا ہے''۔ یو۔ پی میں علی برادران اور بہادر شیخ عبداللہ سمیت علی گڑھ کے مسلم اردو اخبارات نے اس معاہدہ کی سخت مخالفت کی۔ بنگال کی تمام اہم جماعتوں، مسلم قائدین اور پریس نے آخری دم تک اس کی مخالفت کی۔ یہاں تک کہ بنگال مسلم لیگ نے وزیر ہند کو درخواست دی کہ مسلمانوں کو بنگال میں 50 فیصد نمائندگی دی جائے۔

3- متعصب ہندوؤں کی مخالفت: انتہا پسند ہندو لیڈر مدن موہن مالویہ، لالہ لاجپت رائے اور مہاسبھائی ہندو لکھنؤ پیکٹ کی مخالفت میں ڈٹ گئے۔ انہوں نے جداگانہ الیکشن کے خلاف اپنی مہم شروع کر دی۔ کانگرس بھی ان کی ہمنوا بن گئی اور تمام ہندو لیڈر پھر سے مخلوط انتخابات کیلئے سرتوڑ کوششیں کرنے لگے۔

4- ہندو مسلم کشمکش: لکھنؤ پیکٹ کی وجہ سے پیدا ہونے والا ہندو مسلم اتحاد کا دور وقتی اور عارضی ثابت ہوا۔ سیّد نور احمد کے بقول

(یہ معاہدہ) ''دو قوموں کے درمیان نئی اور طویل کشمکش کا پیش خیمہ بن گیا''۔[8] کانگرس نہرو رپورٹ اور گول میز کانفرنسز سمیت ہر موقع پر مسلم مفادات کی مخالفت کرتی رہی اور دونوں قوموں کے درمیان دشمنی اور فسادات کا سلسلہ جاری رہا۔

5- غیر موثر نمائندگی: مسلمانوں نے دو بڑے صوبوں میں اپنی اکثریت کھو کر ہندو اکثریتی صوبوں میں اپنی آبادی کے تناسب سے جو زیادہ نمائندگی حاصل کی وہ بے فائدہ ثابت ہوئی۔ ان کے اختیارات میں کوئی اضافہ نہ ہو سکا۔

چوہدری خلیق الزماں نے اپنی کتاب ''شاہراہ پاکستان'' میں معاہدہ لکھنؤ کو مسلمانوں کی ناتجربہ کاری

8- مارشل لاء سے مارشل لاء تک صفحہ 12

پر محمول کرتے ہوئے کہا ہے کہ ''اس نے مسلم ہندو تعلقات میں زہر گھول دیا''۔ سید حسن ریاض لکھتے ہیں کہ ''ہندو مسلم تعلقات میں بگاڑ کا ذمہ دار معاہدہ لکھنؤ قطعاً نہ تھا۔ بلکہ مسلمانوں کا مسلمان ہونا، مسلمان رہنا اور اپنے دفاع پر اصرار کرنا ہندوؤں کو زہر لگتا تھا''

اگر معاہدہ لکھنؤ نہ ہوتا تو یہی ہوتا کہ مسلمانوں کو مخلوط انتخابات کے بجائے جداگانہ اصول انتخاب کا حق نہ ملتا، مرکز میں 1/4 کی جگہ 1/3 نمائندگی نہ ملتی، ہندو صوبوں میں آبادی کے تناسب سے زیادہ نمائندگی نہ ملتی۔ پنجاب میں 50 فیصد اور بنگال میں 23 فیصد غیر مسلم سیٹوں کے مقابلے میں 5 سیٹوں کی جگہ 40 فیصد سیٹیں نہ ملتیں اور مسلمان قیام پاکستان تک ان فوائد سے محروم رہتے۔

ہوم رول لیگ 1916ء (Home Rule League)

ہوم رول لیگ کی بانی مسز اینی بیسنٹ 1847ء میں آئیر لینڈ میں پیدا ہوئی۔ وہ 1893ء میں برصغیر پہنچی، پھر یہیں کی ہو کر رہ گئی۔ وہ ہندوستان میں تھیوسوفیکل تحریک کی بانی سمجھی جاتی تھی۔ اس نے بال گنگادھر تلک کے ساتھ مل کر 3 ستمبر 1916ء کو ہوم رول لیگ قائم کی۔ داخلی امور میں ہندوستان کی کامل آزادی اس جماعت کا مطالبہ تھا۔[9]

اس مقصد کی تشہیر کے لئے اس نے نیو ایج (Newage) اور نیو انڈیا نامی اخبارات جاری کئے۔ اس جماعت کو مختصر عرصے میں بڑی مقبولیت حاصل ہوگئی۔ چونکہ اس زمانے میں مسلم لیگ اور کانگرس کا مقصد بھی حکومت خود اختیاری کا حصول تھا لہٰذا گاندھی، جناح اور مالویہ جیسے کئی نامور سیاستدان اس کے رکن بن گئے۔ ہوم رول لیگ تحریک بگولے کی طرح اٹھی اور طوفان کی طرح پورے ملک پر چھا گئی۔ لہٰذا حکومت نے مسز اینی کو گرفتار کر کے نظر بند کر دیا۔ محمد علی جناح اس کی بمبئی شاخ کے صدر تھے۔ 1918ء میں ہوم رول لیگ کے وفد نے نئی آئینی اصلاحات کے لئے وزیر امور ہند سے ملاقات کی۔ گاندھی کی صدارت میں 1920ء میں ہوم رول لیگ کا اجلاس ہوا۔ وہ اس جماعت کے آئین وضوابط میں حکومت خود اختیاری کے حصول کی جگہ تحریک عدم تعاون اور تحریک سول نافرمانی برائے کامل آزادی شامل کر کے اس کا نام سوراج سبھا رکھنا چاہتے تھے۔ جناح نے ہوم رول لیگ کے ضابطوں کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ تین چوتھائی ارکان کی تائید اور مناسب نوٹس جاری کئے بغیر اس کے آئین میں کوئی تبدیلی نہیں کی جاسکتی[10] گاندھی نے صدر کی حیثیت سے اعتراض مسترد کرتے ہوئے کہا کہ جس ممبر کو نیا آئین قبول نہ ہو وہ لیگ سے الگ ہو جائے۔[11] آئین وضوابط کی پاسداری جناح کا زندگی بھر اصول رہا۔ نیز وہ سیاست

9- (پروفیسر محمد خلیل اللہ تحریک پاکستان صفحہ 146
10- جسونت سنگھ جناح اتحاد سے تقسیم تک صفحہ 84 11- بولا ئیتھو صفحہ 126

میں عوام کے مذہبی جذبات سے کھیلنا خطرناک سمجھتے تھے لہٰذا وہ گاندھی کو اس پالیسی کے تباہ کن نتائج سے خبردار کرتے ہوئے اپنے انیس ساتھیوں سمیت ہوم رول لیگ سے الگ ہو گئے۔

رولٹ ایکٹ مارچ 1919ء (Rowlatt Act)

رولٹ ایکٹ ایک غیر مہذب اور بدنام زمانہ کالا قانون تھا جو ہندوستان کے عوام پر جنگ عظیم اوّل کے اختتام پر تھوپ دیا گیا۔

کمیٹی کا قیام: حکومت نے پہلی جنگِ عظیم کے دوران انقلابی تحریکوں کی باغیانہ سرگرمیوں کی روک تھام کے لئے ہائی کورٹ کے جج سر سڈنی رولٹ (Sir Sidney Rowlatt) کی سربراہی میں ایک کمیٹی تشکیل دی۔ ''اس کمیٹی کی رپورٹ 30 اپریل 1918ء کو شائع ہوئی۔''[12]

مسودہ قانون: کمیٹی کی سفارشات کی بنیاد پر قانون ساز کونسل میں 6 فروری 1919ء کو ضابطہ فوجداری کے دو ترمیمی بل پیش کئے گئے۔ اس مسودہ قانون کے تحت (1) انتظامیہ کو لامحدود اختیارات حتیٰ تمام تر عدالتی اختیارات بھی سونپ دیئے گئے۔ (2) حکومت بغیر وجہ بتائے کسی بھی شخص کو ملک دشمنی کے الزام میں گرفتار یا شہر بدر کر سکتی تھی۔[13] (3) جرم ثابت کرنا حکومت کی ذمہ داری نہ تھی بلکہ ملزم پر لازم تھا کہ وہ اپنی بے گناہی ثابت کرے (4) ملزم کو وکیل کی خدمات حاصل کرنے کا حق نہ تھا (5) ملزم سزا کے خلاف اپیل نہ کر سکتا تھا (6) حکومت جب چاہے اخبارات بند کر سکتی تھی۔

جناح کا احتجاج اور حکومت کو وارننگ: مسودہ قانون کونسل میں پیش ہوا تو جناح نے اس کی سخت مخالفت کرتے ہوئے حکومت پر واضح کیا کہ اس قانون کی منظوری سے ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک عوام سراپا احتجاج بن جائیں گے۔''[14]

سر محمد شفیع اور بینرجی نے اس بل پر اختلافی نوٹ لکھے۔

رولٹ ایکٹ کی منظوری اور نفاذ: قانون ساز کونسل میں حکومت کی اکثریت کی وجہ سے رولٹ ایکٹ کے نام سے بل پاس ہو گیا۔ گورنر جنرل کی منظوری کے بعد 23 مارچ 1919ء کو اسے نافذ کر دیا گیا۔

قائداعظم کا استعفیٰ: 28 مارچ 1919ء کو محمد علی جناح نے قانون ساز کونسل سے استعفیٰ دیتے ہوئے گورنر جنرل کو ایک زوردار خط لکھا کہ:

12- احمد سعید صفحہ 111 13- پروفیسر محمد خلیل اللہ صفحہ 126
14- محمد علی جناح، ہیکٹر بولائیتھو صفحہ 121

''ایسی حکومت کے ساتھ تعاون کرنا میری عزت نفس کے منافی ہے۔.......... جوایسی طرز کا قانون.......... منظور کرتی ہے۔میری نظر میں مہذب حکومت کہلانے کی حق دار نہیں'' [15]
جناح نے اپنا خط اس امید پر ختم کیا کہ ''یہ کالا قانون جلد منسوخ کر دیا جائے گا۔'' [16]

سانحہ جلیانوالہ باغ (اپریل 1919ء)

رولٹ ایکٹ کے بارے میں قائداعظم کی پیش گوئی درست ثابت ہوئی۔اس سے چنگاری چارسُو بھڑک اٹھی [17] پورے ملک میں اس کے خلاف غیض وغضب کا طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔گاندھی نے اس کالے قانون کے خلاف ستیہ گرہ تحریک چلانے کا اعلان کر دیا۔

ستیہ گرہ تحریک: 24 فروری 1919ء کو گاندھی نے 25 لیڈروں کی ایک کانفرنس بلائی۔جنہوں نے متفقہ طور پر ستیہ گرہ کے حلف نامے پر دستخط کر دیئے۔ [18] بے شمار عوامی جلسوں میں اس حلف نامے کو دہرایا گیا۔28 مارچ کو جناح کے استعفیٰ کے ساتھ ہی گاندھی نے پہلے 30 مارچ (اتوار) کو پھر 6 اپریل کو ملک بھر میں ہڑتال کی اپیل کی۔دونوں روز ہی زبردست ہڑتال اور جلسے ہوئے۔یکم اپریل کو سوامی شردھانند نے دہلی میں جلوس کی قیادت کرتے ہوئے پولیس کپتان کے سامنے اپنا سینہ کھول کر کہا کہ یہاں گولی مارو۔دوسرے دن مسلمانوں نے اسے کندھوں پر اٹھا کر شاہی مسجد کے منبر پر بٹھا دیا اور اس کی تقریر سُنی۔19 اپریل کو رام نومی کے تہوار پر لاہور میں پھر زبردست ہڑتال ہوئی۔مسلمانوں اور ہندوؤں نے پہلی اور آخری مرتبہ ایک ہی برتن میں پانی پیا،ہل کر پوریاں کھائیں اور ''ہندو مسلم ایک ہیں'' کے نعرے لگائے۔

امرتسر میں ہنگامہ: گاندھی پنجاب کے دورے پر روانہ ہوئے۔9 اپریل 1919ء کو پولیس نے انہیں حکم نامہ دکھا کر پلول اسٹیشن سے واپس ممبئی روانہ کر دیا۔اس پر ملک بھر میں مظاہرے ہونے لگے۔اس دوران امرتسر میں گاندھی کی گرفتاری کی افواہ پھیل گئی۔اگلے روز ڈی سی امرتسر نے دھوکے سے سیف الدین کچلو اور ڈاکٹر ستیہ پال کو گرفتار کر لیا۔عوام نے ان کی رہائی کا مطالبہ کیا تو نہتے مجمع پر گولی چلا دی گئی۔ہجوم نے مشتعل ہو کر دو بنکوں کو لوٹ کر ایک انگریز بنک منیجر اور اسسٹنٹ سمیت پانچ انگریز قتل کر دیئے۔

مس شروڈ: ایک انگریز لیڈی مس شروڈ بائیسکل پر جا رہی تھی۔وہ ہجوم سے ڈر گئی اور سائیکل چھوڑ

15- حصول پاکستان صفحہ 112 16- بولائیتھو صفحہ 122
17- ظہور پاکستان صفحہ 29 18- سید نور احمد صفحہ 112)

کر ایک گلی میں بھاگ نکلی۔لیکن غنڈوں نے اسے گلی کے اندر زدوکوب کر کے بے ہوش کر ڈالا۔گلی کے مکین اسے اٹھا کر ایک مکان میں لے گئے اور موقع پا کر اسے ہسپتال پہنچا دیا۔ [19]

جلیانوالہ باغ کا جلسہ: 10 اپریل کی شام جنرل ڈائیر (Gen.Dwyer) فوج اور بکتر بند گاڑیوں کے ہمراہ امرتسر پہنچ گیا۔12 اپریل کو گورنر پنجاب میخائل او ڈائیر (Mechael O Dwyer) نے صوبے میں جلسے جلوسوں پر پابندی لگا دی۔13 اپریل 1919ء کو ہندوؤں کا بیساکھی کا تہوار تھا۔اسی دن جلیانوالہ باغ میں 4 بجے سہ پہر جلسہ عام کا پروگرام تھا۔ہزاروں دیہاتی بیساکھی میلے میں آئے ہوئے تھے۔جلسے جلوسوں پر پابندی کے حکم سے عدم واقفیت کے باعث وہ بھی جلسہ گاہ پہنچ گئے۔

جلسہ پر بے بہانہ فائرنگ: جنرل ڈائیر 90 فوجیوں اور اسلحہ سمیت جلسہ گاہ پہنچا۔بلند جگہ پر کھڑے فوجیوں نے جنرل کے اشارے پر عوام کو منتشر ہونے کا مناسب وقت دیئے بغیر فائرنگ کر دی۔دس منٹ میں 1605 گولیاں چلائی گئیں۔سرکاری اعلامیہ کے مطابق 379 افراد ہلاک اور 1200 زخمی ہو گئے۔ [20] کرفیو کی وجہ سے سینکڑوں زخمی رات بھر جلسہ گاہ میں کراہتے رہے۔

مارشل لاء 1919ء: 15 اپریل کو پنجاب کو مارشل لاء کے حوالے کر دیا گیا۔اخبارات کی بندش ہو گئی۔لاہور کے طلباء کو مئی کی گرمی میں سروں پر بستر رکھ کر روزانہ 16 میل کا پیدل سفر کر کے دو وقت کی حاضری کا حکم ملا۔ [21]

عوام کو حکم دیا گیا کہ اپنی موٹریں، سائیکلیں، لیمپ اور بجلی کے پنکھے حکومت کے حوالے کر دیں۔حکام نے مارشل لاء کے احکامات معززین سمیت اکثر مکانات پر چسپاں کر کے اہل خانہ پر ان کی حفاظت کی پابندی عائد کر دی۔ان معززین میں سر فضل حسین جیسے افراد بھی شامل تھے۔

راجہ غضنفر سمیت 50 طلباء کو یونیورسٹی سے خارج کر دیا گیا۔ [22] کسی من چلے نے دھرم سالہ کالج کی دیوار پر لگا مارشل لاء کا اشتہار پھاڑ دیا۔اس پر کالج کے 65 طلبا اور پروفیسروں کو تین میل پیدل چلانے کے بعد سارا دن دھوپ میں کھڑا رکھا گیا۔(Masscare at anritsar P.12) دیال سنگھ کالج لاہور کے پرنسپل کو صرف اس لئے سزا دی گئی کہ کالج کی دیوار پر کسی نے قابل اعتراض اشتہار لگا دیا تھا۔لاہور کی بجلی اور پانی بند کر دیا گیا۔ہزاروں کو قید اور کوڑوں کی سزائیں دی گئیں۔مرید کے اور کامونکی جیسے دیہاتوں پر طیاروں سے بمباری کی گئی۔جس گلی میں مس شروڈ کو مارا پیٹا گیا تھا اس گلی کے مکینوں کو پیٹ کے بل رینگ کر آنے جانے کا حکم دیا گیا۔اس گلی کا نام Crawling Street پڑ گیا۔ [23]

19- سید نور احمد صفحہ 16 20- اشتیاق حسین قریشی تاریخ پاکستان صفحہ 86
21- حصول پاکستان صفحہ 114 22- سید نور احمد صفحہ 19 23- حصول پاکستان صفحہ 115

جنرل ڈائیر اور گورنر پنجاب کا انجام: انگلستان کی رائے عامہ کے ایک گروپ کے دباؤ پر جنرل ڈائیر پر مقدمہ چلا کر اسے ملازمت سے برخاست کر دیا گیا۔ تاہم اسے نصف پنشن دے دی گئی۔ رائے عامہ کے دوسرے حصے نے اسے انعامات سے نوازا اور اس کیلئے عطیات جمع کئے۔ 3 جولائی 1927ء کو جنرل ڈائر فالج کے حملے سے واصلِ جہنم ہوا جبکہ گورنر اوڈائیر 1940ء میں لندن میں اودھم سنگھ، جس نے عدالت میں اپنا نام رام محمد سنگھ بتایا تھا، کی گولی کا نشانہ بنا۔

مائینٹیگو چیمسفورڈ آئینی اصلاحات یا گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1919ء

حکومت برطانیہ نے 1919ء میں برصغیر میں جو آئینی اصلاحات نافذ کیں، یہ وزیر ہند مائینٹیگو اور گورنر جنرل چیمسفورڈ کے نام سے منسوب ہوئیں۔ اس آئین کے اہم خدوخال مندرجہ ذیل ہیں:-

1-وزیر امور ہند: وزیر امور ہند کو ہندوستان کے بجائے برطانوی خزانہ سے تنخواہ ادا کی جائیگی۔ صوبائی منتقلہ محکموں پر اس کا اختیار ختم کر دیا گیا۔ البتہ اسے باقی اختیارات حاصل رہے۔

2-انڈیا کونسل: وزیر ہند کی کونسل کے ارکان کی تعداد 8 سے کم اور 12 سے زیادہ نہ ہوگی۔ جن میں سے نصف ارکان کے لئے لازم تھا کہ وہ کم از کم دس سال برصغیر میں رہے ہوں۔ ارکان کے عہدے کی معیاد سات سال سے پانچ سال کر دی گئی۔ [24]

3-ہائی کمشنر کا تقرر: انڈین گورنمنٹ کی جانب سے لندن میں ایک ہائی کمشنر مقرر کیا جائیگا۔ اس کے سپرد تجارتی اور ہندوستانی طلبہ کے امور ہوں گے۔ اسے تنخواہ انڈین خزانہ سے دی جائے گی۔

4-مرکزی حکومت: مرکزی انتظامیہ میں کوئی تبدیلی نہ کی گئی اور نہ ہی اس میں ہندوستانیوں کو شامل کیا گیا۔ حکومت پر وائسرائے کا اور وائسرائے پر برطانوی حکومت کا کنٹرول حسب سابق برقرار رہا۔ گورنر جنرل کو وسیع انتظامی اختیارات حاصل رہے۔ اسے مقننہ کا اجلاس بلانے، ملتوی کرنے، اسے برطرف کرنے، چھ ماہ کے لئے آرڈیننس جاری کرنے اور چار سال تک مرکزی اسمبلی کا صدر منتخب کرنے کا اختیار حاصل تھا۔ کوئی قانون اس کے دستخطوں کے بغیر پاس نہ ہو سکتا تھا۔ وہ صرف برطانوی پارلیمنٹ کے سامنے جوابدہ تھا۔

وہ اپنی انتظامی کونسل کے تمام ممبران کو نامزد کر سکتا تھا جو صرف اسی کے سامنے جوابدہ تھے۔ مرکزی

24- رابرٹس۔ ہسٹری آف برٹش انڈیا صفحہ 584

انتظامی کونسل میں دیسی ممبران کی تعداد بڑھا کر تین کر دی گئی۔ انہیں تعلیم اور قانون کے شعبے دیئے گئے جبکہ مالیات کا اہم شعبہ انگریزوں کے پاس رہا۔ [25]

5-مرکزی مقننہ: مرکز میں دو ایوانی مقننہ قائم کی گئی۔ ایوانِ بالا کو کونسل آف سٹیٹ اور ایوانِ زیریں کو مرکزی قانون ساز اسمبلی کا نام دیا گیا۔ مرکزی اسمبلی کے ارکان کی تعداد 145 تھی جن میں 103 منتخب اور 142 ارکان نامزد ہوتے تھے۔ اس میں مخصوص مسلم نشستوں کی تعداد 30 تھی۔ سکھوں کے لئے دو نشستیں رکھی گئیں۔ ایوان بالا کے ارکان کی تعداد 60 تھی جن میں 33 منتخب اور 27 نامزد ہوتے تھے۔ مرکزی انتظامی کونسل کے ارکان کو مقننہ کے اجلاس میں شرکت کا حق حاصل تھا۔ [26]

مرکزی اسمبلی کی معیاد تین سال جبکہ کونسل آف سٹیٹ کی معیاد پانچ سال مقرر کی گئی۔ دونوں ایوانوں کے اختیارات برابر تھے۔ البتہ مالی بل صرف ایوان زیریں میں پیش کئے جا سکتے تھے۔

6-مرکزی مقننہ کے اختیارات: 1919ء کی آئینی اصلاحات کے تحت مقننہ کو کافی زیادہ اختیارات دیئے گئے۔ مقننہ پورے ملک کیلئے قانون بنا سکتی تھی۔ لیکن وہ برطانوی پارلیمنٹ کے قوانین کو منسوخ نہیں کر سکتی تھی اور نہ ہی ان میں ترمیم کر سکتی تھی۔ گورنر جنرل مقننہ کے بنائے ہوئے کسی بھی قانون کی منسوخ کر سکتا۔ بجٹ کے بعض حصوں پر مقننہ کو بحث کرنے کی اجازت نہ تھی۔

7-بلاواسطہ انتخاب: مرکزی مقننہ کے دونوں ایوانوں کا انتخاب عام ووٹرز براہ راست کرتے تھے۔ [27] ووٹر کیلئے جائیداد اور ٹیکس و مالیہ کا معیار کم کر دیا گیا ایوان بالا کے لئے ووٹروں کی تعداد صرف 9324 جبکہ ایوان زیریں کیلئے ستر لاکھ تھی۔

8-تقسیم اختیارات: 1919ء کے آئین کے تحت پہلی بار مرکز اور صوبوں میں محکمہ جات تقسیم کردیئے گئے۔ دفاع، امور خارجہ، مواصلات، قرضہ جات، تجارت، مذہبی امور، کرنسی، مرکزی سول سروسز اور دیوانی و فوجداری قوانین مرکز کے سپرد کئے گئے جبکہ صوبوں کو داخلی امن وامان، جیل خانہ جات، انہار، جنگلات، لوکل سیلف گورنمنٹ، تعلیم، صحت، پی ڈبلیوڈی، زراعت، صنعت، آبکاری، مالیہ اور امدادی باہمی کے محکمے دیئے گئے۔ ذرائع آمدن کے سلسلے میں بھی صوبوں اور مرکز کے درمیان حد بندی کر دی گئی۔ غیر متذکرہ محکمے مرکز کے سپرد کئے گئے۔ مرکز اور صوبوں کے درمیان تنازعہ کی صورت میں گورنر جنرل کو حتمی فیصلے کا اختیار دیا گیا۔

25- موجمدار اینڈ ادانسڈ ہسٹری آف انڈیا صفحات 12-911

26- موجمدار صفحہ 918

27- اشتیاق حسین قریشی تاریخ پاکستان صفحہ 172

صوبائی حکومتیں: تمام صوبوں کی حیثیت یکساں کردی گئی۔ ریگولیشن اور نان ریگولیشن صوبوں کا امتیاز ختم کر دیا گیا۔

1- گورنر: صوبائی گورنروں کو وسیع انتظامی اختیارات حاصل تھے۔ گورنر کا تقرر شاہ برطانیہ کرتا تھا۔ کوئی قانون اس کی منظوری کے بغیر نافذ نہیں ہوسکتا تھا۔ اسے آرڈیننس جاری کرنے کا اختیار تھا۔ اگر صوبائی اسمبلی بجٹ مسترد کردے تو گورنر اسے منظور کر سکتا تھا۔ وہ وزیروں کے فیصلے بدل سکتا تھا۔ صوبائی اسمبلی کے 30 فیصد ارکان نامزد کر سکتا تھا۔ وہ اسمبلی کو توڑ سکتا تھا۔ نیز چار سال تک وہ اسمبلی کا صدر مقرر کر سکتا تھا۔

2- صوبائی قانون ساز اسمبلیاں: صوبوں کی تعداد آٹھ تھی۔ 1919ء کے قانون میں صوبائی قانون ساز اسمبلی کے ارکان کی تعداد میں خاطر خواہ اضافہ کیا گیا۔ ان کے 70 فیصد ارکان منتخب اور 30 فیصد نامزد ہوتے تھے۔ مسلمانوں کی نمائندگی میثاق لکھنؤ کے مطابق تھی۔ ہر قوم کیلئے الگ الگ حلقے تھے۔ مسلمان ارکان کا انتخاب صرف مسلمان ووٹر کرتے تھے۔ اسمبلی کی معیاد تین سال تھی۔ گورنر اس مدت میں اضافہ کرسکتا تھا۔ اسمبلی اپنے صوبے کے لئے قانون سازی کر سکتی تھی۔ البتہ بعض معاملات میں گورنر کی پیشگی اجازت لازمی تھی۔

3- صوبائی اسمبلیوں کے ارکان کی تعداد: اس ایکٹ کے تحت صوبائی اسمبلی کے ارکان کی تعداد مندرجہ ذیل تھی: بنگال 140۔ پنجاب 94۔ مدارس 132۔ بمبئی 114۔ یوپی 123۔ بہار اڑیسہ 103۔ سی پی 73 اور آسام 57۔

4- دو عملی نظام: صوبوں میں دو عملی نظام (Dyarchy System) رائج کیا گیا۔ صوبائی محکمے دو حصوں منتقلہ (Transferred) اور مخصوص (Reserved) میں تقسیم کر دیئے گئے۔ صوبائی محکموں میں تعلیم، زراعت، صنعت، صحت عامہ، پی ڈبلیو ڈی۔ آبکاری، تعمیرات، حفظانِ صحت، امداد باہمی اور لوکل سیلف گورنمنٹ۔ منتقلہ اور مخصوص محکمہ جات میں نظم و نسق، انصاف، پولیس، آبپاشی، مالیات، پریس، جیل خانہ جات اور جنگلات شامل تھے۔

منتقلہ محکمے منتخب ارکان کے سپرد کئے گئے۔ اس کا سربراہ وزیر کہلاتا تھا۔ اس کا تقرر گورنر کرتا تھا اور وہ گورنر کی خوشنودی تک ہی وزیر رہ سکتا تھا۔ اس کے خلاف عدم اعتماد کا ووٹ بھی پاس ہوسکتا تھا۔ مخصوص محکمے براہ راست گورنر کے ماتحت تھے جو کہ گورنر کی انتظامی کونسل کے سپرد کیے جاتے تھے۔ اس محکمہ کا سربراہ ممبر کہلاتا تھا۔ وہ مقننہ کے بجائے گورنر کو جوابدہ ہوتا تھا۔ اس طرح گورنر کی انتظامی کونسل دو حصوں میں بٹ گئی۔ دو عملی نظام 1935ء کے آئین کے نفاذ تک 16 سال نافذ رہا۔

اس بات کا اعلان کیا گیا کہ دس سال کے بعد ایک کمشن آئینی اصلاحات کی کامیابی یا ناکامی اور اس میں مزید اصلاح کی گنجائش کا جائزہ لینے کیلئے قائم کیا جائے گا۔[28]

دو عملی حکومت کی ناکامی کے اسباب

سیاسی حالات کی کشیدگی اور اصلاحات کی داخلی خامیوں نے ان کی ناکامی پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔ آئینی اصلاحات اور دو عملی حکومت کی ناکامی کے چیدہ چیدہ اسباب درج ذیل تھے:

① **کونسلوں کا بائیکاٹ:** اصلاحات کے نفاذ سے پہلے برصغیر سیاسی بے چینی کے گرداب میں پھنس چکا تھا اور اصلاحات کے نفاذ کے وقت بے چینی کے طوفان کی شدت اپنے شباب پر تھی۔ رولٹ ایکٹ، جلیانوالہ باغ کا حادثہ، تحریک خلافت اور ترک موالات نے حالات کے سدھرنے کے تمام امکانات ختم کر دیئے تھے۔ برطانیہ کے معاندانہ طرزِ عمل نے ایک طرف مسلمانوں کو اشتعال دلایا جبکہ دوسری طرف ہندو آگ بگولہ ہوگئے اور دیکھتے ہی دیکھتے انگریزوں کے خلاف تحریک تمام علاقوں میں پھیل گئی۔ اس جذباتی ماحول میں اصلاحات کی افادیت ختم ہوگئی۔ اگر کونسلوں کا بائیکاٹ نہ کیا جاتا تو کامیابی کی کوئی صورت نکل سکتی تھی۔

② **سوراج پارٹی:** سوراج پارٹی کانگریس سے کونسلوں میں داخلے کے سوال پر الگ ہوئی تھی۔ اس پارٹی نے کونسلوں میں اس لئے شرکت کی تا کہ کونسلوں کے اندر رہ کر اصلاحات کا پہیہ جام کیا جائے۔ وہ ہر معاملے میں حکومت کی مخالفت کرتی تھی۔ اس سے صورت حال زیادہ بگڑی نتیجہ یہ ہوا کہ دیسی وزراء کو زیادہ سے زیادہ سرکاری ارکان کی حمایت پر بھروسا کرنا پڑا لہٰذا عام لوگ ان کو حکومت کا پٹھو خیال کرنے لگے۔

③ **مشترکہ ذمہ داری کا فقدان:** دو عملی حکومت میں وزراء کی مشترکہ ذمہ داری کا اصول مفقود تھا۔ یہی اصول پارلیمانی نظام کی جان ہے۔ اس اصول کو نظر انداز کرنے کا نتیجہ دو عملی حکومت کی ناکامی کی صورت میں نکلا۔ اس سبب سے یہ کہا گیا کہ مانٹیگو چمسفورڈ اصلاحات کے تحت وزیر تو تھے مگر وزارتیں نہ تھیں۔

④ **محکموں کی غلط تقسیم:** ایک تو حکومت کے محکموں کو دو حصوں میں تقسیم کرنا تقاضائے دانشمندی نہ تھی پھر ان محکموں کی تقسیم بھی صحیح خطوط پر نہ ہوئی۔ تمام اہم اور آمدنی والے محکمے سفید فام انتظامی کونسلروں کے سپرد ہوئے اور غیر اہم دیسی وزراء کی تحویل میں دے دیئے گئے۔ تعلیم کا شعبہ دیسی وزیر کے ہاتھ میں

28- حصول پاکستان صفحات 108,109

تھا مگر یورپین تعلیم کا اس سے کوئی تعلق نہ تھا۔ زراعت کا محکمہ دیسی وزیر کے سپرد تھا مگر آبپاشی کا نظام محفوظ شعبہ تھا۔ حالانکہ دونوں کا آپس میں گہرا تعلق تھا۔ نیز خزانے جیسے اہم محکمہ کو اپنے پاس رکھ کر وزراء کو حکومت کا دست نگر بنا کر رکھ دیا گیا تھا۔

⑤ **گورنر کے لامحدود اختیارات:** دوعملی نظام کے قیام کے باوجود گورنر بدستور لامحدود اختیارات کے مالک رہے جن سے اصلاحات کا مقصد ہی فوت ہوگیا۔ وہ منتقلہ امور میں بھی من مانی کرتے تھے اور وزراء ان کے رحم وکرم پر تھے۔ وزراء وہی بن سکتے تھے جو ''جی حضوری'' ہوں۔

⑥ **سول سروس کا کردار:** سول سروس کے ارکان دیسی وزراء کی بالادستی تسلیم کرنے کو تیار نہ تھے۔ وہ اپنی انا کے تحت فیصلے کرنے کے عادی تھے۔ گورنر کا ان سے براہ راست رابطہ تھا۔ ان کو کونسلوں کا رکن نامزد کیا جاتا تھا۔ گورنر اور سفید فام انتظامی کونسلر افسر شاہی پر اعتماد کرتے تھے اور ان کی بات مانتے تھے۔ اس لحاظ سے وہ دیسی وزیروں سے زیادہ اہم انتظامی کل پرزے تھے۔ خزانہ اور پولیس کے محکموں کے اختیارات استعمال کر کے وہ کسی بھی عوامی نمائندے کو بے وقار کر سکتے تھے۔

تحریکِ خلافت 1919ء

برصغیر کے مسلمانوں نے عثمانی خلافت کی بقا کے لئے تحریکِ خلافت کے نام سے ایک زبردست ملک گیر تحریک چلائی۔ یہ تحریک طوفان کی طرح اٹھی اور بگولے کی طرح گزر گئی اور اپنے پیچھے دوررس نتائج چھوڑ گئی۔

خلافت کا پس منظر: خلافت کا آغاز رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد خلفائے راشدین کے مبارک عہد سے ہوا۔ 1517ء میں خلافت، بنوعباس سے ترک عثمان خاندان میں منتقل ہوگئی۔ اسلامی نظامِ حکومت میں خلافت کو مستقل ادارے کی حیثیت حاصل ہے اور اسے مسلمانوں کے اتحاد کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ ترک خلیفہ کو ساری دنیا کے مسلمان اپنا روحانی پیشوا تصور کرتے تھے۔ مغلوں کے زوال کے بعد برصغیر کو ہر مسجد میں ترک عثمانی خلیفہ کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا۔ ہندی مسلمان ترک خلیفہ سے جذباتی لگاؤ رکھتے تھے۔

پہلی عالمگیر جنگ: جولائی 1914ء میں پہلی عالمی جنگ شروع ہوگئی برصغیر کے مسلمانوں کی شدید خواہش تھی کہ ترکی جنگ میں غیر جانبدار رہے۔ ترکی کے بارے میں برطانوی پالیسیوں کے تناظر میں ترکوں کے پاس برطانیہ کے ساتھ جنگی اتحاد نہ کرنے کا معقول جواز تھا۔ لندن ٹائمز نے ''ترکوں کی

پسند'' (Choice of the Turks) کے عنوان سے ایک ہتک آمیز اداریہ لکھا۔ مولانا جوہر نے 26 ستمبر کو اپنے اخبار کامریڈ میں اسی عنوان سے اس اداریے کا منہ توڑ جواب لکھا۔ حکومت نے مولانا جوہر کے دونوں اخبار کامریڈ اور ہمدرد بند کر کے ان کو اور ان کے بڑے بھائی مولانا شوکت علی کو نظر بند کر دیا۔ 4 نومبر 1914ء کو ترکی نے جرمنی کا اتحادی ہونے کی حیثیت سے برطانیہ کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔

خلافت کو خطرہ: انگریز، ہندی مسلمانوں کی ترک خلیفہ سے جذباتی وابستگی سے بخوبی واقف تھے۔ انہوں نے جنگ میں مسلمانوں کا تعاون حاصل کرنے کے لئے واضح اعلان کیا کہ ''جنگ کے نتائج خواہ کچھ بھی نکلیں، خلافت عثمانیہ اور مسلمانوں کے مقدس مقامات کے تحفظ اور احترام کا پورا لحاظ رکھا جائے گا۔'' [⑪] جنگ میں ترکی اور جرمنی کو شکست ہوئی تو برطانیہ اور اس کے اتحادیوں نے طے شدہ خفیہ معاہدہ کے مطابق ترکی کے ٹکڑے کر کے اس کی بندر بانٹ شروع کرنے پر غور شروع کیا۔

ہندی مسلمانوں کو بجا طور پر خدشہ لاحق ہوا کہ خلافت ختم کر کے ترکی کو ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا جائے گا اور مقاماتِ مقدسہ کے تقدس کو ملحوظ خاطر نہیں رکھا جائے گا۔

خلافت کمیٹی کا قیام: ہندی مسلمانوں نے خلافت کی بقا اور مقامات مقدس کے تحفظ کیلئے ایک تحریک چلائی جو تحریک خلافت کے نام سے مشہور ہوئی۔ 22 ستمبر 1919ء کو مسلمان لیڈروں نے آل انڈیا مسلم کانفرنس منعقد کی جس میں حکیم اجمل اور ڈاکٹر انصاری جیسے قائدین نے بھی شرکت کی۔ اس کے اجلاس میں آل انڈیا سینٹرل خلافت کمیٹی کا قیام عمل میں آیا۔ اس کا مرکزی دفتر بمبئی میں قائم کیا گیا۔ سیٹھ محمد چھوٹانی اس کے صدر اور محمد صدیق کھتری سیکرٹری چنے گئے۔ کمیٹی کی اپیل پر 27 اکتوبر 1919ء کو خلافت ڈے منایا گیا۔

تحریک خلافت کے مطالبات: ① مقامات مقدسہ کے تقدس کو پامال نہ کیا جائے۔ ② خلافت کو برقرار رکھا جائے۔ ③ ترکی کی حدود وہی رہیں جو جنگ سے پہلے تھیں۔ ④ مقدس مقامات حسب سابق ترکی کی حفاظت میں رہیں۔

تحریک خلافت کا اجلاس: 23 نومبر 1919ء کو دہلی میں مولوی فضل حق کی صدارت میں تحریک خلافت کا اجلاس ہوا۔ اس میں طے پایا کہ اگر مسلمانوں کے مطالبات پر فوری توجہ نہ دی گئی تو وہ جشن فتح کا بائیکاٹ کریں گے۔ اور برطانوی مصنوعات کے بائیکاٹ کے علاوہ حکومت کے خلاف عدمِ تعاون کی تحریک چلائیں گے۔

29- پروفیسر خلیل اللہ 105

ہندوؤں کا تعاون: دسمبر 1919ء میں مسلم لیگ، کانگرس، خلافت کانفرنس اور جمعیت العلمائے ہند (جو کہ نومبر 1919ء میں قائم کی گئی تھی) نے اپنے اپنے اجلاس امرتسر میں منعقد کئے۔ علی برادران چار سال کی نظر بندی کے بعد رہا ہو کر جیل سے سیدھے اجلاس میں پہنچے۔ خلافت کانفرنس کا اجلاس مولانا شوکت علی کی صدارت میں ہوا۔ اس میں فیصلہ ہوا کہ تمام جماعتوں کے نمائندوں پر مشتمل ایک وفد وائسرائے سے مل کر اپنے مطالبات سے آگاہ کرے۔ لہٰذا لیڈروں کے 18 رکنی وفد نے ڈاکٹر انصاری کی قیادت میں 19 جنوری 1920ء کو وائسرائے چیمس فورڈ سے ملاقات کی۔ وائسرائے نے جواب دیا کہ یہ معاملات تنہا برطانیہ کے اختیار میں نہیں بلکہ اتحادی ممالک بھی اس میں شامل ہیں۔ تاہم وائسرائے نے وعدہ کیا کہ وہ مسئلہ خلافت برطانوی کابینہ کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کریں گے۔

20 جنوری 1920ء کو خلافت کمیٹی نے ہندو مسلم لیڈروں کی کانفرنس منعقد کی۔ اس میں گاندھی نے کہا کہ میرے فلسفہ ستیہ گرہ کے تحت حکومت سے درج ذیل چار مرحلوں میں عدم تعاون کیا جائے۔ (1) خطابات کی واپسی اور تعلیمی اداروں اور عدالتوں کا بائیکاٹ (2) پولیس اور فوج کے علاوہ باقی سب محکموں سے استعفےٰ (3) پھر پولیس اور فوج سے علیحدگی (4) آخر میں ٹیکس دینے سے انکار۔ ان تمام مرحلوں پر نظم وضبط اور عدم تشدد کے اصول کی پابندی کی جائے۔

خلافت وفد کا یورپی دورہ: قائدین خلافت نے سید سلیمان ندوی، حسن محمد حیات اور سید حسین محمد پر مشتمل ایک وفد تشکیل دیا جو مولانا محمد علی جوہر کی قیادت میں فروری 1920ء میں انگلستان پہنچا۔ وفد نے دارالعوام کے ارکان اور برطانوی اخبارات پر اپنا نقطہء نظر واضح کیا۔ 2 مارچ کو وزیر ہند اور 17 مارچ 1920ء کو برطانوی وزیراعظم سے ملاقات کی۔ وفد نے خلافت کے ماضی، شاندار کردار اور مسلمانوں کی نظر میں اس کی اہمیت پر روشنی ڈالی۔ وفد نے خلافت کے ساتھ مسلمانوں کی جذباتی وابستگی کو خوبصورت انداز میں پیش کیا اور اسے حکومت برطانیہ کے وعدے یاد دلائے۔ لیکن فتح کے نشے میں چُور برطانوی وزیراعظم کا بے شرمی اور ڈھٹائی پر مبنی جواب بڑا مایوس کن تھا۔ اس نے وفد کو صلح کانفرنس میں اپنا موقف پیش کرنے کا موقع دینے کا مطالبہ بھی مسترد کر دیا۔

وفد کی ناکامی: برطانوی اخبارات نے وفد خلافت کے خلاف بڑا زہر اُگلا۔ وزیراعظم نے اس کے تمام مطالبات مسترد کر دیئے۔ وفد کی ناکامی کی خبریں ہندوستان پہنچیں تو خلافت کمیٹی نے 19 مارچ کو یوم غم منانے کی اپیل کی۔ اس دن مسلمانوں نے روزہ رکھا اور زبردست ہڑتال کی۔

معاہدہ سیورے: برطانیہ کے بعد وفد اٹلی اور پھر فرانس پہنچا۔ اس نے فرانس کے ضمیر کو جھنجھوڑنے کی

کوشش کی لیکن اتحادی ممالک مال غنیمت کی بندر بانٹ میں مصروف تھے، اس لیے وفد کو یہاں بھی کامیابی نہ ہوئی۔

14 مئی 1920ء کو فاتحین نے ترکی پر رسوا کن ''معاہدہ سیورے'' تھوپ دیا۔ اس کے تحت
(1) ترکی کے ٹکڑے کر کے روس، برطانیہ، فرانس، اٹلی، یونان اور آرمینی عیسائیوں میں بانٹ دیئے گئے
(2) ترکی بحریہ اور فضائیہ ختم کر کے بری فوج کی تعداد میں کمی کر دی گئی (3) فوجی درسگاہیں بند کر دی گئیں
(4) ترکی پر بھاری تاوانِ جنگ عائد کر دیا گیا۔ 10 اگست کو ترکی کو مجبوراً اس معاہدے پر دستخط کرنا پڑے۔

اس ذلت آمیز معاہدے کی شرائط سے محسوس ہوتا تھا کہ ترکی چند دن کا مہمان ہے۔ لیکن قوموں کی زندگی اور موت کا فیصلہ خود ان کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ ابھی مصطفےٰ کمال پاشا کی زیر قیادت آزادی کی ایک ولولہ انگیز جنگ لڑنا اور کامیابی سے ہمکنار ہونا ترکی کا مقدر تھا۔

عدم تعاون کا فیصلہ: معاہدہ سیورے کی اشاعت ہوئی تو 28 مئی 1920ء کو بمبئی میں خلافت کانفرنس کے اجلاس میں تحریک عدم تعاون پر عمل کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ ستمبر 1920ء میں کانگرس نے اپنے کلکتہ اجلاس میں عدم تعاون اور سوراج کو اپنے پروگرام میں شامل کر لیا۔ مسلم لیگ اور جمعیت العلمائے ہند جو پہلے ہی اس میں شمولیت کے لئے تیار تھیں، کانگرس کے مطالبہ سوراج کی حمایت میں بھی کھڑی ہو گئیں۔ کانگرس کے دسمبر 1920ء کے سالانہ اجلاس میں قائداعظم نے گاندھی کے پروگرام کی مخالفت کرتے ہوئے کانگرس سے استعفیٰ دے دیا۔

علی برادران کے طوفانی دورے: وفد خلافت آٹھ ماہ بعد 14 اکتوبر کو یورپ سے واپس ہندوستان پہنچا۔ مولانا جوہر اور مولانا شوکت علی تحریک خلافت کے روح رواں تھے۔ انہوں نے گاندھی اور دوسرے لیڈروں کے ساتھ مل پورے ملک کے طوفانی دورے کئے۔ انہوں نے نہ صرف تحریک میں نیا جوش پیدا کیا بلکہ لوگوں کو تحریک عدم تعاون کے لئے تیار کیا۔ علی برادران کی والدہ آبادی خاتون بھی جو کہ ''بی اماں'' کے نام سے مشہور تھیں میدان عمل میں نکل آئیں۔

علماء کا فتویٰ: دسمبر 1920ء میں 500 جید علماء کا فتویٰ شائع ہوا کہ مسلمان الیکشن، سرکاری تعلیمی اداروں اور عدالتوں کا بائیکاٹ کر دیں۔ سرکاری ملازمتوں سے استعفےٰ دے دیں اور سرکاری خطابات اور اعزازات واپس کر دیں۔

بائیکاٹ ہی بائیکاٹ: تحریک خلافت کے قائد مولانا محمد علی جوہر تھے جبکہ عدم تعاون کی قیادت گاندھی کے سپرد کی گئی۔ علماء کے فتویٰ اور عدم تعاون کے لیے عوام کو تیار کرنے کے بعد بائیکاٹ کی اپیل

کی گئی۔ یکم اگست 1920ء کو زبردست ملک گیر ہڑتال ہوئی۔ گاندھی سمیت بیشتر لوگوں نے اپنے تمغے، خطابات اور اعزازات حکومت کو واپس کر دیئے۔ عدالتوں کا بائیکاٹ کیا گیا۔ وکلاء نے پریکٹس چھوڑ دی۔ تعلیمی اداروں کا بائیکاٹ کیا۔ ہزاروں طلباء سکول اور کالج چھوڑ کر تحریک میں شامل ہو گئے۔ مولانا جوہر نے علی گڑھ یونیورسٹی کو بند کرایا۔ قومی تعلیمی کا تصور پیش کیا گیا اس کے تحت قومی اسکول کالج کھولے گئے۔ مسلمانوں نے سرکاری نوکریاں چھوڑ کر معمولی ملازمتوں پر قناعت کی۔ غیر ملکی مصنوعات کا بائیکاٹ کیا گیا۔ ولایتی کپڑے کو آگ لگا دی گئی اور اسکی جگہ کھدر کا استعمال کیا گیا۔

ایکٹ 1919ء کے تحت نومبر 1920ء کو الیکشن ہوئے۔ الیکشن کے بائیکاٹ کی اپیل کا یہ اثر ہوا کہ امیدواروں نے اپنے نام واپس لے لئے۔ عوام نے الیکشن کا مکمل بائیکاٹ کیا۔ پولنگ اسٹیشن ویران اور پولنگ بکس خالی پڑے رہے۔ برطانیہ کے بادشاہ کا چچا ڈیوک آف کناٹ نئی اسمبلی کے افتتاح کیلئے جنوری/فروری میں برصغیر پہنچا۔ ان تقریبات کا مکمل بائیکاٹ کیا گیا۔ نومبر 1921ء کو ولی عہد شہزادہ کی بمبئی آمد پر سخت ہنگامہ ہوا۔ پولیس اور فوج کی گولیوں سے 153 افراد ہلاک اور 400 زخمی ہو گئے۔ 25 دسمبر کو کرسمس ڈے پر اس قدر سخت ہڑتال ہوئی کہ انگریزوں کو گوشت تک نہ ملا۔

ترکی کی مالی امداد: بائیکاٹ کی تحریک کے ساتھ ترکی کی مالی امداد، افغانستان کی طرف مسلمانوں کی ہجرت اور موپلوں کی بغاوت بھی جاری تھی۔ برصغیر کے مسلمان انگریزوں کی غلامی میں زندگی بسر کر رہے تھے۔ وہ ترکی کی فوجی امداد تو نہ کر سکتے تھے البتہ انہوں نے ڈاکٹروں اور ڈسپنسریوں کے کئی وفود ادویات اور مرہم پٹی کے سامان کے ساتھ ترکی روانہ کئے۔ اس کے علاوہ دیگر ضروریات کی اشیاء اور کثیر مقدار میں چندے کی بھی کئی قسطیں روانہ کیں۔

تحریک ہجرت: 1921ء میں مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا عبدالباری فرنگی محل اور دیگر علماء نے ہندوستان کو دارالحرب قرار دیتے ہوئے فتویٰ دیا کہ مسلمانوں کیلئے لازم ہے کہ وہ دارالسلام کی طرف ہجرت کر جائیں۔ خلافت کمیٹی نے بھی اس فتویٰ کی حمایت کی۔ اس کے ساتھ ہی ملک کے ہر شہر میں ناظم ہجرت مقرر ہو گئے۔ نیز خدام المہاجرین کے نام سے دہلی میں مرکزی دفتر قائم کر دیا گیا۔ تحریک ہجرت نے اس قدر زور پکڑا کہ صرف اگست 1921ء کے دوسرے ہفتے تک تیس ہزار مسلمان افغانستان کی طرف روانہ ہو گئے۔ شاہ افغانستان نے اپنے محدود وسائل کے پیش نظر سرحدیں بند کر دیں۔ (سعید احمد صفحہ 124-125) یہ سادہ لوح مسلمان اپنی زمینیں۔ جائیدادیں اور گھر بار ہندوؤں کے ہاتھ اونے پونے داموں فروخت کر کے گئے تھے۔ انہیں لاچار واپس آنا پڑا۔ لاکھوں اجڑے، ہزاروں سفر کی صعوبتوں سے ہلاک ہو گئے۔ متاثرین کی تعداد ایک اندازے کے مطابق 5 سے بیس لاکھ تک بیان کی گئی

ہے۔ اس سے بددلی پھیلی۔ تحریک کا جوش وخروش بے حد متاثر ہوا۔ "بس یہی ایک اقدام تھا جو مسلمانوں نے سوچے سمجھے تعبیر کیا۔" [30]

موپلا بغاوت: صوبہ مدراس کے ساحلی ڈسٹرکٹ مالابار میں عربی نسل کے مسلمان "موپلے" آباد تھے۔ وہ زیادہ تر زراعت پیشہ تھے اور ہندو زمینداروں کے تحت غلامانہ زندگی گزارنے پر مجبور تھے۔ انہیں مذہب سے عشق تھا۔ جون 1920ء میں مالابار میں خلافت کمیٹی قائم ہوگئی۔ ستمبر 1920ء میں مولانا شوکت علی اور گاندھی نے یہاں کا دورہ کیا۔ فروری 1921ء میں حکومت نے دفعہ 144 نافذ کر کے جلسے جلوسوں پر پابندی لگادی۔ مولوی یعقوب نے دفعہ 144 کی پابندی توڑنے کی کوشش کی تو حکومت نے انہیں گرفتار کر لیا۔ اس پر موپلوں نے دفعہ 144 توڑ دی۔ حکومت نے ان کے لیڈروں کو گرفتار کر کے ان کی تذلیل کی۔ موپلوں نے اپنے لیڈروں کی رہائی کے لئے جلوس نکالا تو ملٹری نے ان پر گولی چلادی۔ اس سے 400 موپلے شہید ہو گئے۔ ان کی طرف سے وائسرائے کے نام تار لینے سے انکار کر دیا گیا۔ موپلوں نے مشتعل ہو کر بغاوت کر دی۔ انہوں نے ریل کی پٹڑیاں اکھاڑیں۔ جو انگریز افسر ہاتھ آیا اسے قتل کیا، جیلوں سے قیدی چھڑوائے اور ہتھیار لوٹے۔ انہوں نے انگریزوں کی مخبری کرنے والے ہندوؤں اور خون چوسنے والے زمینداروں اور ساہوکاروں کو بھی قتل کیا۔ اس علاقے میں برطانوی اقتدار عملاً ختم ہو گیا۔ حکومت نے مارشل لاء نافذ کر دیا۔ انہوں نے چھ ماہ تک گوریلا جنگ جاری رکھی۔

حکومت نے اس بغاوت کو ظالمانہ طریقے سے کچلا۔ پورے علاقے پر فوج کشی کی گئی۔ 2339 موپلوں کو شہید، 1652 کو زخمی اور 5955 کو گرفتار کر کے جزائر انڈیمان بھیج دیا گیا۔ [31] حکومت نے ان کی فصلیں جلادیں اور گھر تباہ کر دیئے۔ ایک مال گاڑی کے ڈبے میں ایک سو موپلے ٹھونس کر پلاری بھیجے گئے۔ جب ڈبے کا دروازہ کھولا تو 70 موپلے دم گھٹ کر مر چکے تھے جبکہ باقی مرنے کے قریب تھے۔

ہندو مسلم اتحاد میں شگاف: انگریزوں نے ہندو مسلم اتحاد ختم کرنے کیلئے ہر ممکن ذرائع سے پراپیگنڈا کیا کہ موپلوں نے وسیع پیمانے پر ہندوؤں کا قتل عام کیا۔ ان کے گھر برباد کئے اور انہیں زبردستی مسلمان بننے پر مجبور کیا۔ یہ پراپیگنڈا اس قدر تکرار سے کیا گیا کہ ہندو مسلم اتحاد خطرے میں پڑ گیا۔

مولانا جوہر پر مقدمہ اور سزا: 8 جولائی 1921ء کو کراچی میں خلافت کانفرنس کا اجلاس ہوا۔ اس اجلاس میں مولانا محمد علی جوہر نے ایک قرارداد پاس کرائی کہ برطانوی فوج میں مسلمانوں کا بھرتی ہونا مذہباً حرام ہے۔ نیز اگر برطانیہ نے ترکی کے خلاف فوجی اقدام کیا تو مکمل آزادی کا اعلان کر کے انڈین ریپبلکن

کا پرچم لہرا دیا جائے گا۔ حکومت نے ستمبر 1921ء میں اس قرارداد کی بنیاد پر مولانا جوہر اور ان کے چھ ساتھیوں پر مقدمہ قائم کیا۔ انہیں دو دو سال کی قید سخت کی سزا سنائی جبکہ واحد ہندو لیڈر سوامی شنکر اچاریہ کو بری کر دیا۔

سول نافرمانی: گاندھی نے تمام اہل ہند سے اپیل کی کہ جلسوں میں کراچی کی قرارداد پڑھی جائے۔ پروگرام کے آخری مرحلے یعنی سول نافرمانی اور ٹیکس کی عدم ادائیگی پر عملدرآمد کے لئے رضا کار بھرتی کئے گئے۔ 5 نومبر 1920ء کو کانگرس کمیٹی نے صوبوں کو سول نافرمانی کا اختیار دے دیا۔ بنگال اور پنجاب کی حکومت نے رضا کاروں کی بھرتی کو خلاف قانون قرار دے دیا۔ لیڈروں اور رضا کاروں کی گرفتاریوں سے جیلیں بھر گئیں۔ اس کے باوجود نہ تو رضا کاروں کی بھرتی میں کمی آئی نہ جلوس رُکے۔

مولانا حسرت کو سزائے قید: 1921ء میں مسلم لیگ کے صدر مولانا حسرت موہانی تھے۔ انہوں نے مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس احمد آباد میں اپنے خطبے میں کامل آزادی اور انگریزوں کے مقابلے کے لئے گوریلا وارفیئر کی تجویز دی۔ انہوں نے کانگرس پر بھی کامل آزادی کی قرارداد منظور کرنے کے لئے زور دیا۔ انگریز سرکار نے مولانا حسرت پر مقدمہ چلا کر انہیں 23 سال کی سزائے قید سنائی۔

تحریک عدم ادائیگی محصولات: دسمبر 1921ء میں مسلم لیگ سمیت خلافت کانفرنس کے سالانہ اجلاس احمد آباد میں منعقد ہوئے۔ خلافت کانفرنس نے حکیم اجمل کے زیر صدارت رضا کاروں کی بھرتی اور سول نافرمانی کے تسلسل کی قراردادیں منظور کیں جبکہ کانگرس نے بھی خلافت کانفرنس کی تقلید کی۔ کنٹور میں گاندھی کی اجازت کے بغیر ہی تحریک عدم ادائیگی محصولات کی تحریک شروع ہوگئی۔ گاندھی نے یکم فروری 1922ء کو وائسرائے کو خط لکھا کہ وہ بردولی میں سول نافرمانی کریں گے۔

چوری چورا کا واقعہ اور تحریک کا خاتمہ: تحریک زوروں پر تھی۔ قائدین خلافت جیلوں میں تھے اور گاندھی اب تحریک کے واحد کرتا دھرتا تھے۔ 5 فروری 1922ء کو صوبہ یو۔ پی کے ضلع گورکھپور کے قصبہ چوری چورا میں پولیس نے عوام کے ایک ہجوم پر گولی چلا دی۔ اسلحہ ختم ہوگیا تو پولیس نے تھانہ میں پناہ لی۔ مشتعل ہجوم نے تھانے کو آگ لگا دی جس سے 22 پولیس والے زندہ جل مرے۔ اس واقعہ کو بہانہ بنا کر گاندھی نے 13 فروری 1922ء کو اچانک تحریک کے خاتمہ کا اعلان کر دیا۔ عوام کی قیادت کرنے والا کوئی خلافتی لیڈر موجود نہ تھا۔ لہٰذا عوام کا جوش ٹھنڈا ہوگیا۔ 13 مارچ کو گاندھی کو گرفتار کر کے مقدمہ چلایا گیا اور انہیں چھ سال قید کی سزا سنائی گئی۔

خلافت کا خاتمہ: گاندھی کے اچانک اعلان کے باوجود تحریک خلافت کسی نہ کسی صورت جاری رہی لیکن 3 مارچ 1924ء کو مصطفےٰ کمال پاشا نے منصب خلافت ختم کرنے کا اعلان کر دیا۔ یعنی جو کام غیروں سے نہ ہو سکا وہ اپنوں نے کر دیا۔ آخری خلیفہ عبدالمجید آفندی سمیت آل عثمان کے تمام افراد کو جلاوطن کر دیا گیا۔ 3 اور 4 مارچ 1924ء کی درمیانی شب وہ اپنے ایک بیٹے، بیٹی اور دو ازواج کو لے کر ترکی سے نکل گئے۔ جب خلافت ہی نہ رہی تو تحریک خلافت کا بھی خاتمہ ہوگیا۔

تحریک خلافت کے نتائج و اسباب:

برصغیر کے مسلمان تحریک خلافت سے پہلے صرف ایک ہجوم تھے۔ اس تحریک نے انہیں قوم بنا دیا۔

① **مسلمان ایک قوم بنے:** تحریک خلافت نے مسلمانوں میں خود اعتمادی اور سیاسی بیداری پیدا کر دی۔ مسلمان جو ہندوؤں کی نسبت میدان سیاست میں بہت بعد میں وارد ہوئے تھے، تحریک خلافت کی بدولت اور اپنی جرأت مندی و حریت پسندی کی وجہ سے ہندوؤں سے کہیں آگے نکل گئے۔

② **ہندو مسلم فسادات:** مسلم لیڈروں کی عدم موجودگی میں مسٹر گاندھی نے چورا چوری کے واقعے کو بہانہ بنا کر اچانک تحریک کے خاتمے کا اعلان کر کے مسلمانوں کے اعتماد کو شدید ٹھیس پہنچائی جس کے بعد جلد ہی دونوں قوموں کے مابین نفرت اور فرقہ وارانہ کشیدگی انتہا کو پہنچ گئی۔ جس کے بعد ہندو مسلم فسادات کی بہار آ گئی۔

③ **قربانیاں رائیگاں:** تحریک خلافت کے اچانک خاتمے کے اعلان سے مسلمانوں کے دلوں پر مایوسی اور نا امیدی کے گہرے سائے محیط ہوگئے۔ انہوں نے ایک مذہبی ادارے کے تحفظ کے لئے ترک موالات اور عدم تعاون میں اپنی حیثیت سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔ انہوں نے خطابات واپس کئے۔ سرکاری ملازمتیں ترک کیں اور مالی امداد کے علاوہ رضا کارانہ قربانیاں بھی دیں۔ ان کی تعلیمی اور اقتصادی ترقی کو بھی ناقابل برداشت نقصان پہنچا۔ مزید برآں ہجرت کے دوران میں ہزاروں مسلمان گھرانے تباہ و برباد ہوگئے اور ہزاروں جانیں لقمہ اجل بن گئیں لیکن جب یہ ساری قربانیاں بے نتیجہ ثابت ہوئیں تو قدرتی طور پر قوم مایوسی اور نا امیدی کا شکار ہوگئی۔

④ **وقار میں اضافہ:** تحریک خلافت نے برطانوی حکومت کو ترکی کے خلاف یونان کی کھلم کھلا امداد کرنے سے باز رکھا اور اس طرح ترکوں نے مصطفےٰ کمال پاشا کی قیادت میں یونانیوں کو شکست فاش دے کر سرزمین ترکیہ سے نکال باہر کیا۔ ہندی مسلمانوں نے جس جذبے سے اور جس پیمانے پر ترکی کی مدد کی اس کا نتیجہ یہ بھی ہوا کہ دنیائے اسلام میں برصغیر کے مسلمانوں کا مقام نہایت بلند ہوگیا۔

⑤ علماء میدانِ سیاست میں: تحریک خلافت کو اس وجہ سے بھی خاص اہمیت حاصل ہے کہ تحریک، علماء کو میدان سیاست میں لانے کا باعث ہوئی اور انہوں نے مسلمان قوم کے ایک حصہ کی سیاسی قیادت سنبھال کر مسلمانوں میں حصول مقاصد کے لئے ایک نیا ولولہ اور جزبہ پیدا کیا۔ علماء اور کانگریس کے اتحاد کا آغاز اس دور سے ہوا اور قیام پاکستان تک وہ کانگریس کے ہی ہمنوا بنے رہے۔

⑥ اپنے قوت بازو پر بھروسہ: اس تحریک نے مسلمانوں پر یہ حقیقت آشکار کردی کہ نہ وہ برطانیہ پر بھروسا کرسکتے ہیں اور نہ ہندوؤں پر بلکہ انہیں اپنی بقاء کے لئے خود اپنے قوت بازو کا سہارا لینا ہوگا۔

⑦ مسلم لیگ کو نقصان: تحریکِ خلافت کے جوش و جذبہ میں مسلم لیگ اور قائداعظم پس منظر میں چلے گئے۔ تحریکِ خلافت کے راہنما مسلمانوں کی توجہ کا مرکز بن گئے۔ اس لیے خلافتی سرگرمیوں میں مسلم لیگ ان کو نظروں میں بے وقعت ہوگئی۔ تحریک خلافت کا مذہبی جوش سرد ہونے تک وہ متحرک نہ ہوسکی۔

⑧ گاندھی لیڈر بنا: جنوبی افریقہ سے برصغیر وارد ہونے والا گاندھی ایک غیر معروف ہندو تھا۔ تحریک خلافت نے اسے چوٹی کا لیڈر بنا دیا۔ پورے ملک میں اس کی شہرت ہوگئی۔ نہ صرف ہندو بلکہ کئی بڑے مسلمان لیڈر اور بالخصوص علماء کا ایک گروہ اس کے سحر میں گرفتار ہوکر مسلم لیگ کا مخالف ہوگیا۔

تحریک کی ناکامی کے اسباب:

① خلافت کا خاتمہ: تحریک خلافت اپنے عروج پر تھی کہ حکومت ترکیہ نے مارچ 1924ء میں خود ہی خلافت کو ختم کرنے کا اعلان کردیا۔ اس سے تحریک خلافت خود بخود ختم ہوکر رہ گئی۔

② گاندھی کی قلابازی: مسٹر گاندھی نے سیاسی قلابازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے چورا چوری کے واقعہ کو بہانہ بنا کر اچانک تحریک کے خاتمے کا اعلان کردیا۔ اس وقت علی برادران اور دیگر مسلم لیڈر جیلوں میں بند تھے اور مسلمان ملی قیادت کی عدم موجودگی کی وجہ سے راہی بے منزل ہوکر رہ گئے تھے۔ نتیجۃً تحریک خلافت میں پہلا سا جوش و خروش نہ رہا اور تحریک ناکام ہوکر رہ گئی۔

③ فنڈز میں خرد برد: تحریک خلافت ایک مذہبی تحریک تھی۔ جب مسلمانوں کو اپنے لیڈروں کے بارے میں شبہات پیدا ہوئے اور خلافت فنڈ کے بارے میں خورد برد کے واقعات منظر عام پر آئے تو اس تحریک کی شہرت کو بہت نقصان پہنچا۔

④ ناپائیدار اتحاد: تحریک خلافت نے برصغیر کی تاریخ میں پہلی بار ہندو مسلم اتحاد کی فضا پیدا کردی تھی

لیکن انگریزوں کی ریشہ دوانیوں اور ہندو تفرقہ پسندوں کے عناد کی وجہ سے یہ اتحاد دیرپا ثابت نہ ہوسکا جس کی وجہ سے بھی تحریک ایسی منضبط قوت کا مظاہرہ نہ کرسکی جو حصول مقصد کے لئے ضروری تھی۔

⑤ تحریکِ ہجرت: تحریک خلافت کی ناکامی کی ایک وجہ تحریکِ ہجرت کے المناک نتائج بھی تھے۔ تحریک ہجرت کے باعث ہزاروں مسلمانوں کو شدید مالی اور جانی نقصانات اٹھانا پڑے اور انہیں شدید صعوبتوں اور پریشانیوں سے دوچار ہوکر ناکام و نا امید واپس اپنے وطن لوٹنا پڑا جس کے باعث ان کے سارے ولولے اور جوش سرد پڑ گئے اور تحریک خلافت ناکام ہوکر رہ گئی۔

⑥ بڑی طاقتوں کے مفادات: یورپی قوتیں اور بڑے ممالک کے اپنے مفادات اور اپنی ترجیحات تھیں۔ وہ خلافت اسلامیہ، جو کہ مسلمانوں کا مرکز تھا کو ختم کرنا اور ترکی کو جو خلافت کا مرکز تھا، کمزور کرکے بے دست و پا کرنا چاہتے تھے تاکہ مسلمان ابھر نہ سکیں۔ علاوہ ازیں ترکی کی شکست و ریخت میں ان کا معاشی مفاد بھی زبردست عنصر تھا۔ اس لیے برطانیہ اور اس کے اتحادیوں نے تحریک خلافت کے مطالبات یکسر مسترد کردیئے۔

مسلمانوں کے آئینی و سیاسی مسائل (1922ء تا 1935ء)

ہندو مسلم اتحاد کا خاتمہ: 1916ء میں میثاق لکھنؤ سے ہندو مسلم اتحاد کی جو فضا پیدا ہوئی تھی، وہ تحریک خلافت اور تحریک عدم تعاون کے زمانے میں اپنے پورے عروج پر تھی۔ یہ دور مسلمان اور ہندوؤں میں فقید المثال یک جہتی کا دور تھا لیکن یہ اتحاد عارضی اور مختصر ثابت ہوا کیونکہ دونوں قوموں کے انداز فکر میں بے پناہ فرق تھا۔ جس کے سبب زیادہ عرصے تک اتحاد قائم نہیں رہ سکتا تھا۔

فروری 1922ء میں مسٹر گاندھی کی تحریک عدم تعاون کے خاتمے کا اچانک اعلان کرنے سے ہندو مسلم اتحاد کا سنہرا خواب پاش پاش ہوگیا مگر تحریک خلافت کے خاتمے کا اعلان کرکے مسٹر گاندھی نے مسلمانوں کو جس منجدھار میں لے جا کر چھوڑ دیا تھا، اس سے ان کو شدید ذہنی صدمہ پہنچا۔ اس کے علاوہ ملک کی بگڑتی ہوئی فرقہ وارانہ صورت حال نے اتحاد کو یکسر ختم کرکے رکھ دیا۔ علاوہ ازیں مندرجہ ذیل عوامل نے یہ بات ثابت کردی کہ ہندو مسلم اتحاد بالکل ناممکن ہے:

① فرقہ وارانہ فسادات: تحریک خلافت اور عدم تعاون کے ختم ہوتے ہی فتنہ و فساد کے دروازے کھل گئے۔ 1922ء میں محرم کے موقع پر سب سے پہلا بلوہ ملتان میں ہوا اور پھر ہندو مسلم فسادات کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہوگیا۔ امرتسر، مراد آباد، میرٹھ، اجمیر، الہ آباد، پانی پت، جبل پور، آگرہ اور

رائے بریلی میں بلوے ہوئے۔ سندھ بھی فسادات کی لپیٹ میں آ گیا۔ 1924ء کا سب سے بڑا فساد کوہاٹ میں ہوا جہاں ایک ہندو نے مسلمانوں کے خلاف ایک اشتعال انگیز نظم لکھی جس کی وجہ سے 9 سے 10 ستمبر 1924ء کو شہر میں قتل و غارت اور لوٹ مار ہوتی رہی۔ کوہاٹ کے فسادات کی تحقیقات کے لئے کانگرس نے ایک وفد بھیجا جو مولانا شوکت علی اور مسٹر گاندھی پر مشتمل تھا۔ وفد نے راولپنڈی میں قیام کیا اور کوہاٹ کے ہندو اور مسلمانوں کو طلب کیا۔ ہندوؤں کی پوری جماعت آ گئی۔ مسلمان صرف دو آ سکے۔ رپورٹ میں مسٹر گاندھی نے مسلمانوں کو قصوروار ٹھہرایا۔ اس پر مولانا شوکت علی اور گاندھی کے درمیان کشیدگی واقع ہو گئی۔

② **ہندو مہاسبھا:** ان ہندو مسلم فسادات کا سب سے بڑا باعث قوم پرست ہندوؤں کی فسطائی جماعت ہندو مہاسبھا تھی جس کا قیام 1921ء میں بنارس میں عمل میں آیا۔ اس کے کرتا دھرتا پنڈت مدن موہن مالویہ تھے، جو یہ کہتے تھے کہ اسلام سے کوئی سمجھوتہ نہیں ہو سکتا۔ ہندوستان کا مطلب ہندوؤں کا ملک ہے۔ ڈاکٹر مونجے نے جولائی 1926ء کو ہندو مہاسبھا کی صدارت کرتے ہوئے کہا:

"ہندو مہاسبھا کا مقصد یہ ہے کہ تمام ہندوؤں کو متحد کر دے اور ہندو دھرم کو اتنی ترقی دے کہ ہندوستان صحیح معنوں میں ہندوستان کہلا سکے یعنی ہندوؤں کا ملک۔"

③ **شُدھی:** ہندو مسلم فسادات میں ہندوؤں کی متعصب اور انتہا پسند جماعت ہندو مہاسبھا پیش پیش تھی اس کے لیڈروں نے شُدھی ایسی متعصب تحریک شروع کی۔ شُدھی کا مطلب ہے پاک کرنا یعنی جو ہندو مسلمان ہو گئے ہیں، انہیں پھر سے ہندو بنا کر شدھ (پاک) کرنا تھا۔

شدھی کی تحریک کا بانی سوامی شردھانند تھا۔ یہ بنارس کا رہنے والا تھا۔ ایک زمانے میں پولیس میں ملازم تھا۔ پھر وکیل بن گیا۔ اس کے بعد ترک دنیا کر کے گیان دھیان کی زندگی بسر کرنے لگا اور گورو کل اکیڈمی قائم کی جس کا مقصد قدیم ہندو فلسفہ ادب پر تحقیق کرنا اور ہندو مشنریوں کی تعلیم و تربیت کرنا تھا۔ تحریک عدم تعاون کے سلسلے میں قید ہوا لیکن جلد ہی حکومت نے قید سے رہا کر دیا اور اس نے رہا ہوتے ہی شدھی کی تحریک شروع کی اور اپنی مہم کا آغاز ملکانہ راجپوتوں کے علاقے کیا اور مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد کو شدھ کر کے ہندو دھرم میں داخل کیا۔ شردھانند نے نہ صرف اسلام کے خلاف زہریلا پروپیگنڈہ شروع کیا بلکہ ہادی برحق ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر رکیک حملے بھی کرنے شروع کئے۔ اس نے خانہ کعبہ پر رام کا جھنڈا لہرانے کا اعلان کیا۔

شدھی کی تحریک ہندوؤں کے نزدیک مذہبی تھی مگر اس کی نوعیت جارحانہ تھی اور اس کا مقصد مسلمانوں کو ہندوستان سے نیست و نابود کرنا تھا۔ اَتھی ریاست کے شہزادے نے شدھی کے بارے

میں اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے کہ:

"جب شدھی کی وجہ سے تمام مسلمان ہندو بن جائیں گے تو پھر ہندوستان کی آزادی کا مسئلہ خود بخود حل ہو جائے گا۔"

گاندھی نے اخبار ینگ انڈیا میں لکھا کہ:

"مسلمان یا تو عرب حملہ آوروں کی اولاد ہیں یا ہم سے جدا ہو گئے ہیں اور اب اپنا وقار بحال رکھنے کے لئے ہمیں یا تو انہیں شدھی بنا لینا چاہئے یا عرب کی طرف واپس بھگا دینا چاہئے۔ یا ہندہی میں غلام بنا لینا چاہئے۔"

④ **سنگھٹن:** اس تحریک کا بانی ڈاکٹر مونجے تھا۔ اس کا مقصد ہندوؤں کو ایک مربوط و منظم اور فعال قوم میں تبدیل کرنا تھا تاکہ بوقت ضرورت وہ اپنی طاقت کا مظاہرہ کر کے مسلمانوں کی سرکوبی کر سکیں۔ ان کو ورزش، لاٹھی، خشت باری اور اسلحہ کی تربیت دی جاتی تھی۔ ڈاکٹر مونجے نے اس کی نوعیت کے بارے میں کہا، "جس طرح انگلستان انگریزوں کا، فرانس فرانسیسیوں کا اور جرمنی جرمنوں کا ہے اسی طرح ہندوستان ہندوؤں کا ہے۔ ہندوؤں کو اپنی دنیا آپ پیدا کرنی ہے جو شدھی اور سنگھٹن کے سہارے پروان چڑھے گی۔" لالہ ہردیال نے لکھا "سنگھٹن تحریک کا مقصد ایک مضبوط، متحد اور باخبر سیاسی تنظیم کا قیام ہے۔ ہندو قومی مملکت کی بنیاد ہندو اداروں پر ہوگی۔ ہندوستانی مسلمان محض ایک غیر متعلق اور غیر ضروری عنصر ہیں۔" اس نے بیانگ دہل اعلان کیا:

"ہندوستان میں ہندو جاتی کا مستقبل ان چار ستونوں پر موقوف ہے۔

① ہندو سنگھٹن ② ہندو راج ③ مسلمانوں کی شدھی ④ افغانستان کی فتح

جب تک ہندو جاتی یہ چار کام مکمل نہیں کر لیتی اس وقت تک ہماری اولاد کی سلامتی خطرے میں ہے۔"

⑤ **تبلیغ و تنظیم:** شدھی اور سنگھٹن کے اغراض و مقاصد اور ہندو لیڈروں کے اعلانات سے یہ بات بالکل عیاں ہو گئی کہ ہندو مہاسبھا نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان افہام و تفہیم کے تمام راستے مسدود کر دیئے ہیں۔ مسلمانوں نے بھی ان کا جواب دو متقابل تحریکوں سے دیا۔ انہوں نے شدھی کے مقابلے پر تبلیغ اور سنگھٹن کے مقابلے میں تنظیم قائم کی۔ ڈاکٹر سیف الدین کچلو نے تنظیم کا پروگرام شروع کیا۔ میر غلام بھیک نیرنگ نے انجمن تبلیغ اسلام بنائی جس کا صدر دفتر انبالہ میں تھا۔ مبلغین میں سے مولانا الیاس کو زبردست کامیابی ہوئی اور انہوں نے مسلمانوں کو اپنی قائم کردہ تبلیغی جماعت کے ذریعے فتنہ وارتداد سے محفوظ رکھا۔

⑥ **ہندو دریدہ دہنی:** اس زمانے میں آریا سماج نے مسلمان علماء سے مذہبی مناظرے کرنے شروع کئے اور ان کے ذریعے ہندو مسلم منافرت کو فروغ دیا۔ اس دور میں اسلام دشمن لٹریچر تیار کیا گیا۔ سب سے زیادہ شرانگیز اور قابل نفرت کام یہ ہوا کہ راجپال نامی ایک آریا سماجی ناشر کتب نے 1924ء میں لاہور سے رنگیلا رسول نامی حد درجہ دل آزار کتاب چھاپی۔ اس پر مقدمہ چلا مگر ہائی کورٹ کے سکھ جج کنور دلیپ سنگھ نے اسے بری کر دیا۔ اس پر 9 اپریل 1929ء کو ایک مسلمان غازی علم الدین شہید نے راجپال کی دکان پر جا کر اسے خنجر سے ہلاک کر دیا۔ انہیں پھانسی کی سزا ہوئی۔ ان کے جنازے کو کندھا دینے اور نماز جنازہ میں شرکت کی غرض سے اس قدر لوگ جمع ہوئے کہ آج تک تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ اسی طرح کراچی میں ایک پٹھان نوجوان غازی عبدالقیوم نے ایک گستاخ ہندو نتھو رام کو جہنم واصل کر دیا اور پھانسی کی سزا پائی۔ اسلام کے ان سپوتوں کی جرأت و قربانی کا نتیجہ یہ ہوا کہ آئندہ کوئی ہندو اس نوع کی دل آزاری کی جسارت نہ کر سکا لیکن ان واقعات نے فرقہ وارانہ کشیدگی میں مزید اضافہ کر دیا۔

⑦ **ذبیحہ گاؤ:** ذبیحہ گاؤ کی مخالفت مسلمانوں کے خلاف ایک اور مؤثر ہتھیار بنی۔ مسلمان گائے کھاتے ہیں اور ہندو اس کی پوجا کرتے ہیں۔ گائے کی قربانی کے سوال پر ہندوؤں اور مسلمانوں میں فساد ہوتا رہتا تھا۔ مسٹر گاندھی گائے کی قربانی اور انسان کی قربانی کے درمیان کوئی امتیاز نہ کرتا بلکہ ان دونوں کو تصویر کے دو رخ کہا کرتا تھا۔

مسلم لیگ میدان عمل میں: مسلم لیگ 1920ء کے سیشن کے بعد عملاً معطل ہو گئی تھی۔ یہ تعطل چار سال جاری رہا۔ قائداعظم نے اس کا ایک خاص اجلاس لاہور میں طلب کیا جو 24 مئی کو منعقد ہوا۔ مسلم لیگ نے اپنے اجلاس لاہور میں ایک قرارداد پاس کی جس میں فرقہ مسئلہ کے حل کی چند تجاویز تھیں۔

دہلی مسلم تجاویز: برعظیم کے لئے مناسب وموزوں آئینی اصلاحات وضع کرنے کا سوال دن بدن اہم ہوتا جا رہا تھا۔ ہندو بار بار اصرار کے ساتھ جداگانہ انتخاب کو دونوں قوموں کے اتحاد میں سب سے بڑی رکاوٹ قرار دیتے تھے۔ لہٰذا آل انڈیا مسلم پارٹیز کانفرنس وسط مارچ 1927ء میں قائداعظم کی دہلی کی قیام گاہ پر منعقد ہوئی۔ اس میں تیس مسلمان سربراہ لیڈر شریک ہوئے جن میں مولانا محمد علی جوہر، سر علی امام، راجا محمود آباد، ڈاکٹر مختار احمد انصاری، مفتی کفایت اللہ، نواب اسماعیل خان، میاں محمد شفیع وغیرہ شامل تھے۔ قائداعظم کی صدارت میں ان لیڈروں نے چند فیصلے کئے جو 20 مارچ کو شائع کئے گئے اور دہلی مسلم تجاویز کے نام سے مشہور ہوئے۔ ان کی رو سے مسلمان اس بات پر آمادہ ہو گئے کہ اگر مندرجہ ذیل مطالبات کو تسلیم کر لیا جائے تو وہ حق جداگانہ انتخاب سے دست بردار ہونے کو تیار ہیں:

1۔ سندھ کو صوبہ بمبئی سے الگ صوبہ بنا دیا جائے۔
2۔ صوبہ سندھ اور بلوچستان میں آئینی اصلاحات نافذ کر کے انہیں دوسرے صوبوں کے برابر درجہ دیا جائے۔
3۔ سندھ، صوبہ سرحد اور بلوچستان میں مسلمان ہندو اقلیتوں کو وہی مراعات دینے کو تیار ہوں گے جو ہندو اکثریت کے صوبوں میں مسلم اقلیت کو دیں گے۔
4۔ پنجاب اور بنگال میں مسلمانوں کے لئے مخلوط انتخاب کی بناء پر ان کی آبادی کے تناسب کے مطابق اور مرکزی اسمبلی میں ان کے لئے کم از کم ایک تہائی نشستیں مخصوص ہوں گی۔
5۔ اس صورت میں مسلمان تمام صوبوں میں مخلوط حلقہ ہائے انتخاب قبول کرنے کو تیار ہوں گے۔

ان تجاویز کی وضاحت کرتے ہوئے قائداعظم نے ایک اخباری بیان میں فرمایا: ''مسلمان مخلوط انتخاب جب ہی قبول کریں گے اگر پہلے ہندو ہماری یہ شرائط تسلیم کر لیں۔ اگر فریق ثانی اس کو قبول کرتا ہے تو مجموعی حیثیت سے قبول کرے اور اگر مسترد کرتا ہے تو مجموعی حیثیت سے مسترد کر دے۔''

ہندو ردعمل: کانگرس نے اولاً ان تجاویز پر خوشگوار ردعمل ظاہر کیا۔ لیکن جلد ہی وہ جداگانہ انتخاب سے مشروط دستبرداری کو ناپسند کرنے لگی۔ جبکہ نیم کانگرسی نیم مہا سبھائی پالیسی پر چلنے والے ہندو اخبارات نے ان کے متعلق معاندانہ رویہ اختیار کیا اور قائداعظم کی ان کوششوں کو سراہنے کے بجائے ان تجاویز سے کیڑے نکالنے شروع کر دیئے۔

تجاویز دہلی کے شائع ہونے کے تین دن بعد 23 مارچ 1927ء کو مرکزی اسمبلی کے ہندو ارکان نے مندرجہ ذیل جوابی تجاویز پیش کیں:

1۔ ہر جگہ مخلوط طرز انتخاب جاری کیا جائے۔
2۔ ہر جگہ بلحاظ آبادی نشستیں مقرر کی جائیں۔
3۔ دستور میں مذہبی رسوم کی آزادی کی ضمانت دی جائے۔
4۔ فی الحال صوبوں کی حد بندی کے سوال کو چھوڑ دیا جائے۔

ان تجاویز سے ظاہر ہوتا تھا کہ ہندو اور مسلمانوں کے باہمی انداز فکر میں کوئی بنیادی تبدیلی واقع نہیں ہوئی ہے۔ بہرحال کانگرسی لیڈروں نے ان تجاویز کا خیر مقدم کیا۔

سائمن کمیشن: مانٹیگو چمسفورڈ اصلاحات 1919ء میں ایک دفعہ یہ تھی کہ ان اصلاحات کے نفاذ کے دس سال بعد ان کا جائزہ لیا جائے گا اور حسب ضرورت اس میں تبدیلیاں کی جائیں گی۔ عام حالات میں یہ جائزہ 1929ء میں لیا جانا تھا لیکن برصغیر میں بڑھتی ہوئی عام بے چینی کے سبب حکومت نے یہ کام

وقت سے پہلے کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ 8 نومبر 1927ء کو وائسرائے لارڈ اروِن نے اس کا اعلان کیا۔ ایک شاہی کمیشن 24 نومبر 1928ء کو سرجان سائمن کی سربراہی میں تشکیل دیا گیا اور اسی مناسبت سے یہ سائمن کمیشن کہلایا۔ اس کمیشن میں صدر کے علاوہ چھ ارکان تھے جو سب کے سب انگریز تھے اور کسی ہندوستانی کو اس میں شامل نہیں کیا گیا تھا۔ عام تاثر یہ تھا کہ ہندوستانیوں کی شمولیت کے بغیر کمیشن اتفاق رائے سے کوئی کام نہ کر سکے گا۔

یہ بات ملک کے ہر طبقے کے لئے ناقابل برداشت تھی کہ ان کے مسائل پر غور کرنے والے کمیشن میں انہیں کوئی نمائندگی نہیں دی گئی تھی۔ برصغیر کی تمام قابل ذکر سیاسی جماعتوں نے اس کے بائیکاٹ کا فیصلہ کیا۔ مسٹر جناح اس کمیشن کے بائیکاٹ کے حق میں بیان دے چکے تھے۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ بائیکاٹ کی تحریک کے بانی وہی تھے کانگریسی لیڈروں نے ان کی تجویز پر لبیک کہا تھا۔ کانگریس نے عوام سے اپیل کی کہ وہ کمیشن کے خلاف اس کی آمد اور قیام کے دوران میں وسیع پیمانے پر مظاہرے کریں۔ ڈاکٹر مختار احمد انصاری صدر کانگریس نے کہا کوئی ذی ہوش ہندوستانی برطانیہ کے اس دعویٰ کو تسلیم نہیں کر سکتا کہ ہندوستان کی ترقی کے وقت اور رفتار کے تعین کا حق صرف برطانیہ کو حاصل ہے۔ ہمارے مستقبل کے تعین کے بارے میں ہماری آواز فیصلہ کن ہونی چاہئے۔ مسلم لیگ اس سوال پر متحد نہ تھی وہ پہلے ہی دو دھڑوں میں بٹ چکی تھی۔ جناح لیگ سائمن کمیشن کے بائیکاٹ کے حق میں اور شفیع لیگ اس کے خلاف تھی۔

سائمن کمیشن کا دورہ: سائمن کمیشن نے برصغیر کے دو بار دورے کئے۔ پہلا دورہ 2 فروری 1927ء تا 31 مارچ 1928ء تک جاری رہا۔ بمبئی پہنچنے پر کمیشن کا استقبال سیاہ جھنڈیوں اور سائمن واپس جاؤ کے نعروں سے کیا گیا۔ اس دن مکمل ہڑتال تھی۔ اس نے جب سارے ملک کا دورہ شروع کیا تو اس کے خلاف جگہ جگہ مظاہرے کئے گئے اور تقریباً ہر جگہ مظاہرین اور پولیس کے درمیان تصادم ہوئے۔ لکھنؤ میں جن مظاہرین کو پولیس کے ڈنڈوں سے چوٹیں لگیں۔ ان میں جواہر لال نہرو بھی شامل تھے۔ لاہور میں ایک انگریز پولیس افسر کے ڈنڈے سے لالہ لاجپت رائے کو ایسی چوٹ لگی کہ وہ اس کی وجہ سے چند دنوں بعد انتقال کر گئے۔ کمیشن نے اپنا دوسرا دورہ 11 اکتوبر 1929ء سے لے کر 13 مارچ 1930ء تک مکمل کیا۔ اس وقت نہرو رپورٹ کے سبب ملکی حالات پلٹا کھا چکے تھے۔

شفیع لیگ نے سائمن کمیشن سے بھرپور تعاون کیا تھا۔ سیاسی جماعتوں کی طرف سے کمیشن کو جو عرضداشتیں پیش ہوئیں، ان میں سے ایک مسلم لیگ کی جانب سے تھی۔

سائمن کمیشن کی رپورٹ: سائمن کمیشن نے اپنی رپورٹ مئی 1930ء میں پیش کی۔ اس رپورٹ کے

دو حصے تھے۔ پہلے حصے میں برصغیر کے معاشی، معاشرتی اور سیاسی حالات کا جائزہ پیش کیا گیا تھا اور دوسرے حصے میں سفارشات تھیں جن میں کہا گیا تھا کہ برصغیر میں وفاقی طرز حکومت رائج کیا جائے۔ صوبوں میں دوعملی نظام حکومت ختم کر کے ان کو حتی الامکان صوبائی خودمختاری دی جائے۔ کمیشن نے سندھ کی بمبئی سے علیحدگی کے مطالبے پر اظہار ہمدردی کے ساتھ علیحدگی سے پہلے مالی معاملات کی مکمل تحقیقات کی سفارش کی۔ صوبہ سرحد میں آئینی اصلاحات کا مطالبہ کسی حد تک منظور کرلیا گیا۔ جداگانہ انتخاب کا طریقہ برقرار رکھا۔ کمیشن نے مسلم اقلیتی صوبوں میں مسلمانوں کے لئے ان کی آبادی سے زائد نشستیں دینے کی حمایت کی مگر پنجاب اور بنگال میں آبادی کے لحاظ سے مسلمانوں کی نشستیں مخصوص کرنا منظور نہ کیا۔ اسی طرح مرکز میں ایک تہائی مسلم مطالبے کو مسترد کر دیا گیا۔ سفارش کی گئی کہ صوبائی وزارتوں میں اقلیتوں کو بھی نمائندگی دی جائے۔ مرکزی انتظامیہ میں کسی بڑی تبدیلی کی سفارش نہ کی گئی۔

نہرو رپورٹ 1928ء

پسِ منظر: سائمن کمشن کا ہندوستان میں جگہ جگہ بائیکاٹ ہوا۔ اس کے خلاف شدید مظاہرے کیے گئے۔ اس ناکامی اور بائیکاٹ سے گھبرا کر وزیر امور ہند لارڈ برکن ہیڈ نے ہندوستانیوں کو چیلنج کیا کہ:

''بجائے اس کے کہ ہندوستانی، حکومت پر منفی نکتہ چینیاں کرتے رہیں۔ انہیں چاہئے کہ وہ اپنی طرف سے دستور کی کوئی متفقہ اسکیم پیش کریں''۔

کانگرس کی اپیل: ہندو جتنے غیر مند ہیں وہ تو ان کی تاریخ سے ظاہر ہے۔ تاہم انہوں نے اس چیلنج کو اچھالتے ہوئے اس کا جواب دینے کے لئے تمام قوموں سے تعاون کی اپیلیں کیں۔

آل پارٹیز کانفرنس: کانگرس کی اپیل پر 12 فروری 1928ء کو دہلی میں کانفرنس کا پہلا اجلاس ہوا۔ اس میں ستر جماعتوں کے نمائندے شریک ہوئے۔ مسلم لیگ شفیع گروپ نے اس میں شرکت نہ کی۔ بنیادی مسئلہ فرقہ وارانہ نمائندگی کے تناسب اور حکومت خود اختیاری کا تھا۔ دو ماہ میں کانفرنس کے 25 اجلاس ہوئے لیکن ہندوؤں کی تنگ نظری اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ لہٰذا اجلاس ملتوی کر دیا گیا۔

نہرو کمیٹی کا قیام: آل پارٹیز کانفرنس کا ملتوی شدہ اجلاس 12 مئی کو دوبارہ بلایا گیا۔ اس میں بہت کم نمائندے شریک ہوئے۔ لہٰذا مایوسی کے عالم میں بعض ارکان نے اجلاس ملتوی کرنے اور بعض نے

کانفرنس توڑ دینے کی تجویز پیش کی۔ لیکن یہ سوچ کر کہ اس سے ملک مایوسی اور بددلی پھیلے گی، تجویز ہوا کہ ایک کمیٹی قائم کی جائے جو متفقہ آئینی تجاویز مرتب کرے۔ ان سفارشات کو منظوری کے لئے آل پارٹیز کانفرنس کے اجلاس میں پیش کیا جائے۔

کمیٹی کے اراکین: ایک دس رکنی کمیٹی قائم کی گئی۔ اس کا صدر پنڈت موتی لال نہرو کو مقرر کیا گیا۔ جبکہ ایم۔ آر جیکار، ایس۔ ایم انیے، جی آر پردھان، سبھاش چندر بوس، ایم این جوشی، سرتیج بہادر سپرو، سردار منگل سنگھ، سرعلی امام اور شعیب قریشی اس کے ممبر تھے۔

مسلم نمائندگی: مسلمانوں کی نمائندگی کے لئے دو رکن تھے۔ سرعلی امام نے تو سرے سے کسی بھی اجلاس میں سرے سے شرکت نہ کی جبکہ شعیب قریشی نے نہرو کمیٹی کی رپورٹ کی سخت مخالفت کرتے ہوئے اس پر اپنا اختلافی نوٹ لکھا۔

نہرو کمیٹی کی سفارشات: نہرو کمیٹی نے الٰہ آباد میں تین ماہ میں ایک رپورٹ مرتب کی۔ اس کے اہم نکات درج ذیل ہیں:

1-درجہ نو آبادیات کا مطالبہ: مکمل آزادی کے بجائے درجہ نو آبادیات (Dominion state) کا مطالبہ کیا گیا۔ نیز دفاع اور امور خارجہ انگریزوں کے حوالے کرنے کی تجویز دی گئی۔

2-وفاقی پارلیمانی طرز حکومت: رپورٹ میں وفاقی طرز حکومت کا مطالبہ کیا گیا لیکن مرکز کو بے تحاشہ اختیارات دے کر اسے عملاً وحدانی بنا دیا گیا۔

3-طریقہ انتخاب: جداگانہ طرز انتخاب کے بجائے مخلوط انتخابات کی سفارش کی گئی۔

4-مسلم نمائندگی: مرکز میں مسلمانوں کو 1/3 کے بجائے 1/4 نمائندگی دی گئی۔

5-اضافی نشستوں کا خاتمہ: سفارش کی گئی کہ مسلم اقلیتی صوبوں میں مسلمانوں کو آبادی کے تناسب زائد دی جانے والی نشستیں ختم کر دی جائیں۔

6-مسلم اکثریت سے انکار: بنگال اور پنجاب میں مسلمانوں کی عددی اکثریت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا گیا۔

7-صوبہ سندھ کا قیام: کہا گیا کہ سندھ کو اس شرط پر علیحدہ صوبہ بنایا جائے کہ عوام اس کا مالی بوجھ برداشت کرنے پر تیار ہوں۔

8- کناری صوبہ: جنوبی ہند کے کناری زبان بولنے والے ہندوؤں کے لئے علیحدہ صوبہ بنانے کا مطالبہ کیا گیا۔

9-صوبہ سرحد: نہرو رپورٹ میں کہا گیا کہ شمال مغربی سرحدی صوبہ میں بتدریج آئینی اصلاحات نافذ کی جائیں۔ جبکہ صوبہ بلوچستان کا ذکر تک نہ کیا گیا۔

10-مذہبی تحفظ کا خاتمہ: میثاق لکھنؤ میں مسلمانوں کو جو مذہبی تحفظ دیا گیا تھا کہ کسی مذہب کے خلاف کوئی قانون پاس نہ کیا جائے، اسے ختم کر دیا گیا۔

نہرو رپورٹ پر بحث: نہروں رپورٹ کی منظوری کے لیے 28 تا 30 اگست 1928ء کو لکھنؤ میں آل پارٹیز کانفرنس کا اجلاس ہوا۔ قائداعظم اور مولانا محمد علی جوہر اس وقت ملک سے باہر تھے۔ تاہم حسرت موہانی نے ایک ایک نکتہ پر مدلل بحث کرتے ہوئے ان کا بدل پیش کیا۔ لیکن انؐ کی تجاویز کا مذاق اڑایا گیا۔ مولانا شوکت علی نے رپورٹ پر زبردست تنقید کی۔

جناح کی طرف سے ترامیم: نہرو رپورٹ شائع ہوئی تو مولانا جوہر اور قائداعظم جلد واپس وطن لوٹے۔ جناح نے مختصر وقت میں بڑی مشکل سے مسلم لیگ کونسل کا اجلاس کلکتہ میں منعقد کیا اور بڑے غور و خوض کے بعد نہرو رپورٹ کے ضمن میں درج ذیل ترامیم مرتب کرائیں۔

1- مرکز میں مسلمانوں کی نمائندگی 1/3 ہو۔
2- غیر متذکرہ اختیارات صوبوں کو دیئے جائیں۔
3- دس سال کے لئے بنگال اور پنجاب میں مسلمانوں کو آبادی کی بنیاد پر نمائندگی دی جائے۔

کلکتہ کنونشن: 28 دسمبر 1928ء کو نہرو رپورٹ پر رائے عامہ حاصل کرنے کیلئے کلکتہ میں آل پارٹیز کانفرنس کے نمائندوں کا اجلاس بلایا گیا۔ محمد علی جناح نے اس میں اپنی ترامیم پیش کیں اور ان کے حق میں مدلل تقریر کرتے ہوئے کہا کہ:

"اکثریت ہمیشہ جبر کی جانب مائل ہوتی ہے اور اقلیت ہمیشہ اس خوف میں مبتلا ہوتی ہے کہ اس کے مفادات کو نقصان پہنچے گا۔"

نہرو رپورٹ کی منظوری: جناح کی ترامیم کلی طور پر مسترد کر دی گئیں۔ ہندوؤں نے اپنی اکثریت کے زور پر نہرو رپورٹ منظور کر لی۔

کانگرس کی دھمکی: کانگرس نے اپنے اجلاس میں نہرو رپورٹ کی منظوری دیتے ہوئے حکومت کو دھمکی

دی کہ: ''اگر 31 دسمبر 1929ء تک اس رپورٹ کو آئین کی بنیاد نہ بنایا گیا تو تحریک سول نافرمانی اور عدم ادائیگی محصولات برائے کامل آزادی شروع کردی جائے گی۔''

نہرو رپورٹ پر لیڈروں کا ردعمل: نہرو رپورٹ پر ہر اعتدال پسند ہندوستانی لیڈر نے زبردست تنقید کی۔ مولانا شوکت علی نے کہا کہ

''مجھے جوانی میں کتے پالنے کا بڑا شوق تھا۔ میں نے کسی کتے کو اس قدر بے رحمی سے خرگوش پر جھپٹتے نہیں دیکھا جس قدر بے رحمی کانگرس نے مسلمانوں کے متعلق دکھائی ہے''

سر آغا خاں نے اس رپورٹ پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ:

''کوئی باشعور انسان سوچ بھی نہیں سکتا کہ مسلمان ان ذلت آمیز تجاویز کو قبول کر سکتے ہیں۔''

اچھوت لیڈر ڈاکٹر امبید کر نے لکھا کہ:

''جناح کی ترامیم سے واضح ہوتا ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان خلیج زیادہ وسیع نہ تھی مگر اسے پاٹنے کی خواہش موجود نہ تھی''۔

مولانا محمد علی جوہر نے کہا کہ:

''نہرو رپورٹ مسلمانوں کو غلام بنانے کا مؤثر ہتھکنڈا ہے۔''

انہوں نے تبصرہ کرتے ہوئے مزید کہا کہ:

''ایسٹ انڈیا کمپنی کی منادی تھی کہ خلقت خدا کی، ملک بادشاہ کا اور حکم کمپنی بہادر کا جبکہ نہرو رپورٹ کا خلاصہ ہے کہ خلقت خدا کی، ملک وائسرائے کا اور حکم ہندو مہاسبھا کا''

قائداعظم کے بقول

''ہندو انڈیا اور مسلم انڈیا ہمیشہ کیلئے ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔''

مشہور اخبار ٹائمز نے اسے ہندو راج کے قیام کی اسکیم قرار دیا۔

نہرو رپورٹ دراصل ہندو رپورٹ تھی: نہرو کی صدارت میں قائم آئینی کمیٹی میں مسلمانوں کی نمائندگی نہ ہونے کے برابر تھی۔ نہرو رپورٹ مسلمانوں کی سخت مخالفت کے باوجود ہندوؤں نے اپنی عددی اکثریت کے زور پر منظور کرلی۔ اس میں مسلمانوں کے مفادات کا ذرہ برابر خیال نہ رکھا گیا۔ مسلمان لیڈروں کی طرف سے پیش کردہ تمام ترامیم یکسر مسترد کردی گئیں۔ معاہدہ لکھنؤ کے تحت ہندو جن شرائط کے پابند تھے ان سے بھی فرار حاصل کیا گیا۔ اس رپورٹ میں مسلمانوں کو دبانے بلکہ کچل دینے کی کوشش کی گئی۔ ان کے لیڈروں حسرت موہانی، مولانا شوکت علی، محمد علی جوہر اور قائداعظم کی سخت توہین کی گئی۔ مولانا جوہر کو سب سے بڑا غنڈا قرار دیا گیا۔ ہندو لیڈر رائیم آر جیکار نے کہا کہ:

''جناح ایک ضدی بچے کی مانند ہیں جن کا دماغ کانگرس کے لاڈ پیار نے خراب کر دیا ہے۔''

الغرض نہرو رپورٹ اپنی آئینی سفارشات کے پیش نظر نہرو رپورٹ نہیں بلکہ درحقیقت ہندو رپورٹ تھی جو کہ ہندو مفادات اور مسلم دشمنی پر مبنی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ حکومت نے اس کی بنیاد پر نیا آئین بنانا مناسب نہ سمجھا۔

آل پارٹیز مسلم کانفرنس: کانگریس نے ایک قرار داد کے ذریعے یہ اعلان کیا کہ اگر برطانوی حکومت نے دسمبر 1929ء تک نہرو رپورٹ کو منظور کر کے نافذ نہ کیا تو ملک میں سول نافرمانی کی تحریک شروع کردی جائے گی اور حکومت کا نظام معطل کر کے رکھ دیا جائے گا۔

اس صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے مسلم راہنماؤں نے یکم جنوری 1929ء کو آل پارٹیز مسلم کانفرنس دہلی میں طلب کی۔ اس میں ہندوستان کی تمام مسلم جماعتوں ماسوائے جناح مسلم لیگ نے شرکت کی۔ اس کے علاوہ مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کے غیر سرکاری مسلم نمائندے بھی شریک ہوئے۔ تقریباً تین ہزار مسلم نمائندے اس کانفرنس میں شریک ہوئے۔ سر آغا خان نے کانفرنس کی صدارت کی۔ اس میں ایک قرار داد منظور کی گئی جس کے ذریعے اعلان کیا گیا کہ مسلمانانِ ہند کو ایسا کوئی دستور قبول نہ ہوگا جس میں مندرجہ ذیل مطالبات شامل نہ ہوں گے:

1۔ مسلمان کسی شرط اور کسی صورت میں جداگانہ انتخاب ترک کرنے پر آمادہ نہیں ہیں۔
2۔ سندھ کو بمبئی سے علیحدہ کیا جائے۔
3۔ شمالی مغربی صوبہ سرحد اور بلوچستان اور دیگر صوبوں کی طرح اصلاحات نافذ کی جائیں۔
4۔ ہندوستان میں وفاقی طرز حکومت ہو۔
5۔ غیر متذکرہ اختیارات مرکز کے بجائے صوبوں کو تفویض کیے جائیں۔
6۔ مرکزی اسمبلی میں ایک تہائی نشستیں مسلمانوں کو دی جائیں۔

قائداعظم کے چودہ نکات 1929ء

نہرو رپورٹ: ہندوؤں نے اپنی اکثریت کے بل بوتے پر، مسلمانوں کے حقوق و مفادات کو یکسر نظر انداز کر کے، اپنی اکثریت کے زور پر نہرو رپورٹ منظور کرلی تھی۔ اب اس بات کی اشد ضرورت تھی کہ مسلمان متفقہ طور پر اپنے آئینی مطالبات حکومت کے سامنے پیش کریں تاکہ وہ نہرو رپورٹ کو ہندوستانیوں کا متفقہ آئینی مطالبہ نہ سمجھ لیں۔

مسلم لیگ کا اجلاس دہلی: قائداعظم نے مسلم لیگ کے دونوں دھڑوں کے اتحاد کیلئے حکیم اجمل خان کے ذریعے سر محمد شفیع سے مصالحت کر لی۔ لہٰذا 28 مارچ 1929ء کے دہلی کے اجلاس میں مسلم لیگ کے دونوں دھڑے شریک ہوئے۔ اس اجلاس میں جناح نے کافی غور خوض اور بحث مباحثہ کے بعد ہر مسلم گروہ کی رائے کی گنجائش رکھ کر ایک قرارداد مرتب کی۔ جو جناح کے چودہ نکات کے نام سے مشہور ہوئی۔ یہ نکات درج ذیل ہیں۔

1-وفاقی آئین: مستقبل کا آئین وفاقی طرز کا ہو اور باقی ماندہ اختیارات صوبوں کو دیئے جائیں۔

2-صوبائی خودمختاری: تمام صوبوں کو یکساں نوعیت کی خودمختاری دی جائے۔

3-اقلیتوں کی موثر نمائندگی: ہر صوبہ میں اقلیتوں کو مجالس قانون ساز اور دیگر انتخابی اداروں میں مناسب اور موثر نمائندگی دی جائے لیکن کسی اکثریت کو اقلیت یا برابری میں تبدیل نہ کیا جائے۔

4-مرکز میں 1/3 نمائندگی: مرکزی قانون ساز اسمبلی میں مسلمانوں کو کم از کم ایک تہائی نمائندگی دی جائے۔

5-جداگانہ طرز انتخاب: جداگانہ انتخاب کا موجودہ طریقہ جاری رکھا جائے البتہ اگر کوئی فرقہ اس سے دستبردار ہونا چاہیے تو اسے اس کی اجازت ہو۔

6-صوبائی حد بندی کا اصول: از سر نو صوبائی حد بندی کرتے وقت کسی اکثریت کو اقلیت میں تبدیل نہ کیا جائے۔

7-مذہبی آزادی کا تحفظ: ہر طبقے کو اپنے مذہب اور عقیدے کے مطابق عبادات اور تبلیغ سمیت مکمل مذہبی آزادی کا آئینی حق دیا جائے۔

8-مذہب کے خلاف بل: کسی ایسے مسودہ قانون پر غور کرنے یا اسے پاس کرنے کی غرض سے کسی بھی قانون ساز ادارے میں پیش نہ کیا جائے، جسے کسی قوم کے 3/4 ارکان اپنے مذہب کے خلاف قرار دیں۔

9-سندھ علیحدہ صوبہ: سندھ کو ممبئی سے الگ کر کے صوبہ کا درجہ دیا جائے۔

10-صوبہ سرحد اور بلوچستان میں اصلاحات: شمال مغربی سرحدی صوبہ اور بلوچستان میں آئینی اصلاحات نافذ کی جائیں۔

11-اداروں میں متناسب نمائندگی: تمام سرکاری اور خودمختار اداروں کی ملازمتوں میں مسلمانوں کو متناسب نمائندگی دی جائے۔

12-ثقافتی تحفظ: مسلمانوں کی تہذیب وثقافت، تعلیم، زبان، پرسنل لاز اور اسلامی اداروں کی حفاظت اور ترقی کے لئے آئینی تحفظ دیا جائے اور ان کے لئے حکومت مسلمانوں کو مالی امداد دے۔

13-وزارتوں میں حصہ: مرکز اور تمام صوبائی وزارتوں میں مسلمانوں کو کم از کم ایک تہائی نمائندگی دی جائے۔

14-آئینی ترمیم: مرکزی دستور میں اسوقت تک کوئی ترمیم نہ کی جائے جب تک تمام صوبوں اور ریاستوں کی منظوری حاصل نہ ہو جائے۔

چودہ نکات پر ردِعمل: مسلمانوں نے جناح کے چودہ نکات کی تعریف کرتے ہوئے ان پر اطمینان کا اظہار کیا جبکہ ہندوؤں نے اسے تنقید کا نشانہ بنایا۔ گاندھی نے روایتی مکاری سے کام لیتے ہوئے کہا کہ:

> ''ذاتی طور پر مجھے ہر چیز قبول ہے لیکن کانگرس کی طرف سے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔''

ڈاکٹر مونجے نے سندھ کی علیحدگی کو عیاشی اور چودہ نکات کو ہندوستانی قومیت کے منافی قرار دیا۔ کانگرس نے ان کو یکسر مسترد کر دیا۔ چوہدری محمد علی اپنی کتاب ظہور پاکستان میں لکھتے ہیں کہ:

> ''حیرت ہے اور ہر صاحب فکر ہندو بھی حیرت زدہ ہوگا کہ اس قدر معقول مطالبات کو بھی کانگریس نے رد کر دیا۔''

چودہ نکات کی اہمیت: یہ نکات قائداعظم کی سیاسی بصیرت کا شاہکار، ہندوستان کی آئینی تاریخ میں سنگ میل، مسلمانوں کے جذبات کے آئینہ دار اور ان کے درمیان اتحاد کی علامت کی حیثیت کے حامل ہیں۔ یہ نکات نہرو رپورٹ کے مقابلے میں جوابی تجاویز اور اقلیتوں کے بھرپور تحفظ کی ضمانت کا درجہ رکھتے ہیں۔

سائمن کمشن رپورٹ میں ان میں سے اکثر نکات کو قابل قبول قرار دیا گیا۔ 1932ء کے کمیونل ایوارڈ اور 1935ء کے آئین کو مرتب کرتے وقت جناح کے چودہ نکات کو مدنظر رکھا گیا۔ جداگانہ طریقہ انتخاب برقرار رکھا گیا۔ مرکز میں مسلمانوں کو 1/3 نمائندگی حاصل رہی۔ سندھ کو علیحدہ صوبہ بنا دیا گیا اور صوبہ سرحد میں آئینی اصلاحات نافذ کر دی گئیں۔

Objective معروضی

سوال نمبر 1: کثیرالانتخابی سوالات امتحان میں بیس آئیں گے جن کو حل کرنا لازمی ہوگا۔ ہر سوال کے چار (4) ممکنہ جواب C,B,A اور D سامنے دیئے گئے دائروں میں سے ایک دائرے کو پین یا مارکر کی سیاہی سے بھر دیں۔ (کل نمبر 20)

انڈین کونسلز ایکٹ 1892ء، منٹو مارلے اصلاحات فروری 1909ء اور میثاق لکھنؤ دسمبر 1916ء

1- کون سا وائسرائے کانگریس کے مطالبات کو خوش دلی سے منظور کرنے کا حامی تھا؟
(ا) لارڈ لٹن (ب) لارڈ رپن
(ج) لارڈ ڈفرن ✓ (د) لارڈ کرزن

2- برطانوی دارالعوام میں لارڈ لینسڈ ون کے دور میں آئینی اصلاحات کا پرائیویٹ بل کس نے پیش کیا؟
(ا) لارڈ فرن (ب) چارلس بیریڈلاء ✓
(ج) سرفیروز شاہ مہتہ (د) ایس پی سنہا

3- کون سے ایکٹ کے تحت انتخاب کا اصول پہلی بار رائج کیا گیا؟
(ا) ایکٹ 1858ء (ب) ایکٹ 1861ء
(ج) ایکٹ 1909ء (د) ایکٹ 1892ء ✓

4- ایکٹ 1892ء کے تحت مرکزی قانون ساز کونسل میں اضافی ارکان کی تعداد کم از کم دس اور زیادہ سے زیادہ کتنی تھی؟
(ا) 12 (ب) 20 (ج) 15 (د) 16 ✓

5- ایکٹ 1892ء کے تحت بنگال میں غیر سرکاری ارکان کی کتنی تعداد تھی؟
(ا) 10 (ب) 7 ✓ (ج) 5 (د) 8

6- قانون ہند 1892ء کے تحت غیر سرکاری ارکان کو محکموں کی کارکردگی کے بارے میں سوال پوچھنے کے لیے کتنے دن پہلے سوال کا آنا لازمی تھا؟
(ا) چھ دن ✓ (ب) پندرہ دن
(ج) دو دن (د) دس دن

7- سرسید نے 1892ء کے بل کے خلاف ستر شہروں کے کتنے مسلمانوں سے دستخط کرا کر عرضداشت دارالعوام بھیجی؟
(ا) 15000 (ب) 40,000 ✓
(ج) 3000 (د) 20,000

8- جداگانہ اصول انتخاب کے لیے سید محمود نے کس سن میں سکیم تیار کی؟
(ا) 1892ء (ب) 1893ء
(ج) 1896ء ✓ (د) 1901ء

9- لارڈ منٹو نے اپنی آئینی تجاویز وزیر ہند کو کب بھیجیں؟
(ا) یکم اکتوبر 1906ء (ب) یکم اکتوبر 1909ء
(ج) یکم اکتوبر 1907ء (د) یکم اکتوبر 1908ء ✓

10- ایکٹ 1909ء میں ترمیم کس سن میں کی گئی؟
(ا) 1912ء میں ✓ (ب) 1911ء میں
(ج) 1913ء میں (د) 1914ء میں

11- منٹو مارلے اصلاحات کے تحت وائسرائے کی انتظامی کونسل میں کتنے ہندوستانی لیے گئے؟
(ا) دو (ب) ایک ✓ (ج) پانچ (د) تین

12- ایکٹ 1909ء کے تحت وائسرائے مرکزی کونسل میں مخصوص مفادات کی نمائندگی کے لیے کتنے ارکان نامزد کرتا تھا؟
(ا) 5 ✓ (ب) 8 (ج) 10 (د) 15

13- آئین 1909ء کے تحت بنگال کونسل کے 54 ارکان میں سے منتخب ارکان کی کتنی تعداد ہوتی تھی؟
(ا) 18 (ب) 36
(ج) 28 ✓ (د) 25

14- 1909ء کی اصلاحات کے تحت مرکزی کونسل میں ارکان کی تعداد کتنی تھی؟
(ا) 50 (ب) 100
(ج) 75 (د) 60 ✓

15- آل انڈیا مسلم لیگ اور کانگریس میں معاہدہ لکھنؤ کب ہوا؟
(ا) 31 دسمبر 1915ء (ب) 31 دسمبر 1916ء ✓
(ج) 31 دسمبر 1914ء (د) ان میں سے کوئی نہیں

16- جنوری 1911ء میں کلکتہ سے ہفت روزہ اخبار کامریڈ کس نے جاری کیا؟
(ا) مولانا محمد علی جوہر ✓ (ب) مولانا ابوالکلام آزاد
(ج) مولانا ظفر علی خان (د) قائداعظمؒ محمد علی جناح

17- سرکاری اعداد و شمار کے مطابق کانپور مسجد کے سانحہ کے سلسلے میں کتنے مسلمانوں نے جلوس نکالا؟
(ا) 5000 (ب) 10,000 ✓
(ج) 20,000 (د) 25,000

18- کس مسلم راہنما کی کوششوں سے کانپور کا مسئلہ حل ہوا؟
(ا) علامہ اقبالؒ (ب) قائداعظمؒ
(ج) مولانا محمد علی جوہر (د) سر علی امام ✓

19- علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا دستوری خاکہ کب شائع کیا گیا؟
(ا) اگست 1913ء (ب) اگست 1911ء ✓
(ج) اگست 1917ء (د) اگست 1920ء

20- 1911ء میں طرابلس (لیبیا) پر کس نے حملہ کیا؟
(ا) فرانس (ب) برطانیہ
(ج) اٹلی ✓ (د) جرمنی

21- مسلم لیگ کے مقاصد میں کب تبدیلی کی گئی؟
(ا) 23 دسمبر 1913ء ✓ (ب) 23 مارچ 1915ء
(ج) 30 مارچ 1915ء (د) 23 مارچ 1916ء

22- مسلم لیگ کے دسمبر 1916ء کے اجلاس منعقدہ لکھنؤ کی صدارت کس نے کی؟
(ا) میاں محمد شفیع (ب) قائداعظمؒ ✓
(ج) مظہر الحق (د) حکیم اجمل خان

23- میثاق لکھنؤ کی رو سے مرکزی قانون ساز اسمبلی میں مسلمانوں کو کتنی نمائندگی دی گئی؟
(ا) $\frac{1}{5}$ (ب) $\frac{1}{4}$ (ج) $\frac{1}{2}$ (د) $\frac{1}{3}$ ✓

24- 1916ء میں برصغیر میں مسلمانوں کی آبادی تقریباً کتنے فیصد تھی؟
(ا) 15% (ب) 20% (ج) 25% ✓ (د) 10%

25- میثاق لکھنؤ کی وجہ سے قائداعظمؒ کو کس نے ہندو مسلم اتحاد کے سفیر کا خطاب دیا؟
(ا) بنیر جی (ب) مسز سروجنی نائیڈو ✓
(ج) گاندھی (د) مولانا ظفر علی خان

26- ہوم رول تحریک کی بنیاد کس نے رکھی؟
(ا) گاندھی (ب) دیانند سرسوتی
(ج) مدن موہن مالویہ (د) مسز اینی بیسنٹ ✓

27- 1919ء کی آئینی اصلاحات کا نفاذ کب ہوا؟
(ا) یکم جنوری 1919ء (ب) یکم جنوری 1920ء
(ج) یکم جنوری 1921ء ✓ (د) یکم دسمبر 1919ء

28- انڈین ہائی کمشنر کا عہدہ کس ایکٹ کے تحت قائم ہوا؟
(ا) ایکٹ 1935ء (ب) ایکٹ 1861ء
(ج) ایکٹ 1909ء (د) ایکٹ 1919ء ✓

29- 1919ء کے آئین کے تحت مرکزی قانون ساز اسمبلی کے ارکان کی تعداد کتنی مقرر ہوئی؟
(ا) 145 ✓ (ب) 150
(ج) 60 (د) 90

30- 1919ء کی آئینی اصلاحات کے تحت برصغیر کے صوبوں کی تعداد کتنی تھی؟
(ا) 8 ✓ (ب) 9 (ج) 10 (د) 11

31- 1919ء کے آئین کے تحت کونسل آف سٹیٹ کے اراکین کی کل تعداد تھی؟
(ا) 50 (ب) 60 ✓
(ج) 80 (د) 100

32- برما کو برصغیر سے کب الگ کیا گیا؟
(ا) 1919ء میں (ب) 1931ء میں
(ج) 1935ء میں ✓ (د) 1937ء میں

33- صوبوں میں دوعملی نظام کس آئین کے تحت رائج کیا گیا؟
(ا) 1909ء کے تحت (ب) 1919ء کے تحت ✓
(ج) 1935ء کے تحت (د) ان میں سے کوئی نہیں

34- 1919ء کے آئین کا نفاذ کتنے صوبوں پر ہوا؟
(ا) آٹھ صوبوں ✓ (ب) چھ صوبوں
(ج) پانچ صوبوں (د) نو صوبوں

35- شمال مغربی سرحدی صوبہ میں 1919ء کا آئین کب نافذ کیا گیا؟
(ا) نومبر 1921ء (ب) نومبر 1932ء ✓
(ج) نومبر 1929ء (د) نومبر 1923ء

36- مولانا عبیداللہ سندھی ریشمی رومال پر لکھا ہوا خط کس کو بھیجنا چاہتے تھے؟
(ا) شیخ عبدالحق (ب) مولانا محمد علی جوہر
(ج) مولانا محمودالحسن ✓ (د) گاندھی

37- بدنام زمانہ رولٹ ایکٹ کب منظور کیا گیا؟
(ا) 23 نومبر 1917ء (ب) 23 دسمبر 1917ء
(ج) 23 مارچ 1919ء ✓ (د) 23 نومبر 1919ء

38- 1919ء میں پنجاب کا گورنر کون تھا؟
(ا) جنرل ڈائر (ب) مائیکل اوڈوائیر ✓
(ج) ہنری لارنس (د) لارڈ اروِن

39- سانحہ جلیانوالہ باغ کب پیش آیا؟
(ا) 13 اپریل 1919ء ✓ (ب) 12 اپریل 1919ء
(ج) 11 اپریل 1919ء (د) 13 اپریل 1917ء

40- جلیانوالہ باغ کس شہر میں واقع تھا؟
(ا) جالندھر (ب) امرتسر ✓
(ج) فیروز پور (د) گورداسپور

41- سانحہ جلیانوالہ باغ کے بعد پنجاب میں مارشل لاء کب نافذ کیا گیا؟
(ا) 15 اپریل 1917ء (ب) 15 اپریل 1918ء
(ج) 15 اپریل 1919ء ✓ (د) 13 اپریل 1919ء

42- کانپور کی مسجد کا سانحہ کب پیش آیا؟
(ا) 1911ء (ب) 1912ء
(ج) 1913ء ✓ (د) 1914ء

43- بلقانی ریاستوں نے برطانیہ کی شہ پر ترکی پر کب حملہ کیا؟
(ا) 1910ء (ب) 1911ء
(ج) 1914ء (د) 1912ء ✓

تحریک خلافت 1919ء، فرقہ وارانہ فسادات، دہلی تجاویز 1927ء

1- اسلام میں خلافت کا سلسلہ کب شروع ہوا؟
(ا) خلفائے بنی اُمیہ سے (ب) خلفائے بنی عباس سے
(ج) خلفائے راشدین سے ✓ (د) ترک خلفاء سے

2- 1878ء کے بعد ترکی اپنی علاقائی سلامتی کی خاطر جھکتا چلا گیا؟
(ا) برطانیہ کی جانب (ب) جرمنی کی جانب ✓
(ج) فرانس کی جانب (د) امریکہ کی جانب

3- پہلی جنگ عظیم کب شروع ہوئی؟
(ا) یکم اگست 1914ء ✓ (ب) یکم ستمبر 1914ء
(ج) یکم اگست 1915ء (د) یکم ستمبر 1915ء ✓

4- جرمنی کی حمایت میں ترکی نے کب اعلان جنگ کیا؟
(ا) 4 اکتوبر 1914ء (ب) 4 اکتوبر 1915ء
(ج) 4 نومبر 1915ء (د) 4 نومبر 1914ء ✓

5- بیت المقدس کی فتح کو برطانوی وزیر لائیڈ جارج نے کس کی فتح قرار دیا؟
(ا) برطانیہ کی ✓ (ب) عیسائیوں کی
(ج) صلیب کی (د) یورپ کی

6- 2 نومبر 1917ء کو کس ملک کے وزیر خارجہ نے فلسطین کو یہودی وطن بنانے کا اعلان کیا؟
(ا) برطانیہ کے ✓ (ب) امریکہ کے
(ج) اٹلی کے (د) روس کے

7- کس ہندو لیڈر کو مسلمانوں نے کندھوں پر بٹھا کر بادشاہی مسجد دہلی کے منبر پر تقریر کرنے کے لیے کھڑا کر دیا؟
(ا) گاندھی (ب) بال گنگا دھر تلک
(ج) سوامی شردھانند ✓ (د) مدن موہن مالویہ

-8 رام نومی کے تہوار پر 9 اپریل 1919ء کو کس شہر میں مسلمانوں اور ہندوؤں نے ایک ہی برتن میں پانی پیا اور پوڑیاں کھائیں؟

(ا) دہلی میں (ب) امرتسر میں
(ج) لاہور میں ✓ (د) الٰہ آباد میں

-9 انجمن خدام کعبہ کس نے قائم کی؟

(ا) مولانا محمود الحسن (ب) مولانا ظفر علی خان
(ج) مولانا محمد علی جوہر (د) مولانا عبدالباری فرنگی محل ✓

-10 ترکی کی سالمیت اور خلافت کی حفاظت کے لیے برصغیر کے مسلمانوں نے کون سی تحریک چلائی؟

(ا) تحریک ریشمی رومال (ب) تحریک خلافت ✓
(ج) تحریک عدم تعاون (د) تحریک پاکستان

-11 تحریک خلافت کے لیے کل ہند خلافت کمیٹی کا قیام کس شہر میں عمل میں آیا؟

(ا) دہلی میں (ب) لکھنؤ میں ✓
(ج) کراچی میں (د) لاہور میں

-12 مسلمانوں کے جس نمائندہ اجلاس میں کل ہند خلافت کمیٹی قائم کی گئی اس کی صدارت کس نے کی؟

(ا) مولانا محمد علی جوہر (ب) مولانا شوکت علی
(ج) ابراہیم ہارون جعفر ✓ (د) مولانا ابوالکلام آزاد

-13 کل ہند خلافت کمیٹی کے پہلے صدر کون تھے؟

(ا) مولانا محمد علی جوہر (ب) مولانا محمود الحسن
(ج) مولانا ظفر علی خاں (د) سیٹھ جان محمد چھوٹانی ✓

-14 محمد صدیق کھتری کے بعد خلافت کمیٹی کے سیکرٹری کا عہدہ کس نے سنبھالا؟

(ا) مولانا شوکت علی ✓ (ب) مولانا محمد علی جوہر
(ج) ڈاکٹر ایم اے انصاری (د) سید وزیر حسن

-15 انجمن خدام کعبہ کس سن میں قائم ہوئی؟

(ا) 1912ء (ب) 1919ء ✓
(ج) 1913ء (د) 1920ء

-16 خلافت کانفرنس کا پہلا اجلاس کب ہوا؟

(ا) 23 اکتوبر 1919ء ✓ (ب) 23 نومبر 1919ء
(ج) 23 دسمبر 1919ء (د) 3 اکتوبر 1919ء

-17 جمعیت العلمائے ہند کی بنیاد کب رکھی گئی؟

(ا) 25 نومبر 1919ء (ب) 23 نومبر 1919ء
(ج) 25 جنوری 1919ء ✓ (د) 23 دسمبر 1920ء

-18 وائسرائے ہند سے ملاقات کرنے والے وفد خلافت کی قیادت کس نے کی؟

(ا) مولانا شوکت علی (ب) مولانا محمد علی جوہر
(ج) مولانا فضل الحق (د) ڈاکٹر ایم اے انصاری ✓

-19 وفد خلافت نے کون سے وائسرائے سے ملاقات کی؟

(ا) لارڈ ارون (ب) لارڈ چیمسفورڈ ✓
(ج) لارڈ ولنگڈن (د) لارڈ ہارڈنگ

-20 وفد خلافت برطانیہ پہنچ کر سب سے پہلے کہاں گیا؟

(ا) شاہی محل (ب) وزیر ہند کے پاس
(ج) دارالعوام ✓ (د) وزیر اعظم کے پاس

-21 خلافت وفد نے وزیر اعظم برطانیہ سے کب ملاقات کی؟

(ا) 17 مارچ 1920ء ✓ (ب) 17 مارچ 1919ء
(ج) 17 مارچ 1921ء (د) 17 مارچ 1924ء

-22 برصغیر کے مسلمانوں نے خلافت کے سلسلے میں یوم غم کب منایا؟

(ا) 17 مارچ 1920ء (ب) 19 مارچ 1919ء
(ج) 19 مارچ 1920ء ✓ (د) 20 مارچ 1920ء

-23 خلافت ڈے کب منایا گیا؟

(ا) 27 اکتوبر 1920ء ✓ (ب) 27 نومبر 1920ء
(ج) 27 دسمبر 1919ء (د) 27 اکتوبر 1919ء

-24 انگلستان جانے والے وفد خلافت کے قائد کون تھے؟

(ا) سید سلیمان ندوی (ب) مولانا محمد علی جوہر ✓
(ج) سید حسن امام (د) مولانا شوکت علی

-25 بدنام زمانہ صلح نامہ معاہدہ سیورا ے پر ترکی نے کب دستخط کیے؟
(ا) 11 اپریل 1920ء (ب) 11 مئی 1920ء
(ج) 11 جون 1920ء (د) 11 اگست 1920ء ✓

-26 تحریک خلافت کے قائد کون تھے؟
(ا) گاندھی (ب) مولانا شوکت علی
(ج) مولانا محمد علی جوہر ✓ (د) مولانا ابوالکلام آزاد

-27 تحریک خلافت کے دوران چلنے والی تحریک عدم تعاون کا سربراہ کون تھا؟
(ا) مولانا محمد علی جوہر (ب) گاندھی ✓
(ج) ڈاکٹر انصاری (د) مولانا عبدالباری فرنگی محل

-28 پرنس آف ویلز کی 27 نومبر 1921ء کو بمبئی آمد پر پولیس کی فائرنگ سے کتنے افراد ہلاک ہوئے؟
(ا) 410 (ب) 213 (ج) 63 (د) 153 ✓

-29 صرف اگست 1921ء میں کتنے مسلمانوں نے افغانستان کی طرف ہجرت کی؟
(ا) 18000 ✓ (ب) 28000 (ج) 8000 (د) 48000

-30 مذہبی راہنماؤں کی گرفتاری کے خلاف احتجاج میں کتنے موپلے شہید ہوئے؟
(ا) 200 (ب) 800 (ج) 400 ✓ (د) 100

-31 خلافت کمیٹی کا 8 جولائی 1921ء کو تاریخی اجلاس کہاں ہوا؟
(ا) بمبئی میں (ب) کراچی میں ✓ (ج) لکھنؤ میں (د) کلکتہ میں

-32 چوراچوری کا واقعہ کب پیش آیا؟
(ا) 5 فروری 1921ء (ب) 5 فروری 1922ء ✓
(ج) 5 مارچ 1921ء (د) 5 مارچ 1922ء

-33 ترکوں اور اتحادیوں کے درمیان معاہدہ لوازن کب ہوا؟
(ا) 1921ء (ب) 1922ء (ج) 1923ء ✓ (د) 1924ء

-34 ترکوں نے خلافت کو حکومت سے کب علیحدہ کیا؟
(ا) 21 نومبر 1922ء ✓ (ب) 21 نومبر 1923ء
(ج) 21 نومبر 1924ء (د) ان میں سے کوئی نہیں

-35 ترکی میں کب خلافت کا خاتمہ کر کے آخری خلیفہ کو جلاوطن کر دیا؟
(ا) 3 فروری 1921ء (ب) 3 مارچ 1922ء
(ج) 3 مارچ 1923ء (د) 3 مارچ 1924ء ✓

-36 آخری عثمانی خلیفہ کا نام کیا تھا؟
(ا) شریف حسین والی مکہ (ب) عبدالعزیز ابن سعود
(ج) عبدالحمید آفندی ✓ (د) مصطفیٰ کمال پاشا

-37 تحریک خلافت کے دوران ہندو مسلم فسادات کی ابتداء کہاں سے ہوئی؟
(ا) کانپور (ب) کوہاٹ (ج) مالابار ✓ (د) بمبئی

-38 ہندو سبھا کا بانی کون تھا؟
(ا) گاندھی (ب) مدہن موہن مالویہ ✓
(ج) نہرو (د) سبھاش چندر بوس

-39 کون سی ہندو تحریک نے ملک میں ہندو نوجوان کی ورزش کے لیے اکھاڑے بنائے؟
(ا) سنگھٹن ✓ (ب) مہاسبھا
(ج) آریہ سماج (د) سوراج پارٹی

-40 شدھی تحریک کے سربراہ گستاخ رسول ﷺ وصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم سوامی شردھانند کو 26 دسمبر 1926ء کو دہلی میں کس نے قتل کیا؟
(ا) غازی علم الدین (ب) غازی عبدالرشید ✓
(ج) غازی عبدالقیوم (د) غازی عبداللہ

-41 گستاخ رسول ﷺ آریہ سماج ناشر راج پال کو 9 اپریل 1927ء کو لاہور میں کس نے قتل کیا؟
(ا) غازی عبدالرشید (ب) غازی عبداللہ
(ج) غازی عبدالقیوم (د) غازی علم الدین شہید ✓

-42 غازی علم الدین کو جیل میں پھانسی دی گئی؟
(ا) میانوالی ✓ (ب) لاہور
(ج) ساہیوال (د) پانی پت

-43 بیسویں صدی کے دوسرے عشرے میں کس مسلم راہنما نے لاکھوں میواتیوں کو اسلام پر ثابت قدم رکھا؟
(ا) غلام بھیک نیرنگ (ب) مولانا احمد سعید
(ج) مولانا محمد الیاس ✓ (د) مولانا ابوالکلام آزاد

-44 کون سے اہم ترین مسلم راہنما خلافت کے لیے تحریک چلانے کے حق میں نہ تھے؟
(ا) مولانا ظفر علی خاں (ب) مولانا ابوالکلام آزاد
(ج) علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ (د) قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ ✓

-45 مسلم لیگ سیاسی منظر سے 1920ء سے لے کر کب تک غائب رہی؟
(ا) 1922ء تک (ب) 1924ء تک ✓ (ج) 1926ء تک (د) 1925ء تک

-46 دہلی مسلم تجاویز کا اعلان کب کیا گیا؟
(ا) 20 مارچ 1926ء (ب) 20 مارچ 1928ء
(ج) 20 مارچ 1927ء ✓ (د) 20 مارچ 1929ء

-47 برصغیر کے مسلمانوں نے کس کے تحت اپنا جداگانہ الیکشن کا حق چھوڑنے کا اعلان کیا؟
(ا) میاں فضل حسین فارمولا کے تحت (ب) آل پارٹیز مسلم کانفرنس کی تجاویز کے تحت
(ج) قائداعظم کے چودہ نکات کے تحت (د) دہلی مسلم تجاویز کے تحت ✓

-48 کس صوبائی مسلم لیگ نے دہلی مسلم تجاویز کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا؟
(ا) بنگال مسلم لیگ (ب) سندھ مسلم لیگ
(ج) پنجاب مسلم لیگ ✓ (د) ا اور ب دونوں

سائمن کمیشن-آل پارٹیز کانفرنس-نہرو رپورٹ-آل پارٹیز مسلم کانفرنس اور جناح کے چودہ نکات

-1 سائمن کمیشن میں کل کتنے ارکان تھے؟
(ا) دو (ب) تین (ج) سات (د) چھ ✓

-2 سائمن کمیشن کی تشکیل کا اعلان کب کیا گیا؟
(ا) 8 نومبر 1927ء ✓ (ب) 8 نومبر 1928ء
(ج) 8 مئی 1927ء (د) 8 مئی 1928ء

-3 سائمن کمیشن کے کل چھ ارکان میں برصغیر کے کتنے ارکان تھے؟
(ا) ایک رکن (ب) دو ارکان
(ج) کوئی رکن نہ تھا ✓ (د) تین ارکان

-4 سائمن کمیشن کا بائیکاٹ کرنے میں پہل کس نے کی؟
(ا) نہرو (ب) گاندھی
(ج) قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ ✓ (د) سر محمد شفیع

-5 پنجاب کے مسلمان لیڈروں نے کس کی سربراہی میں سائمن کمشن سے تعاون کیا؟
(ا) علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ (ب) سر محمد شفیع ✓
(ج) سر فضل حسین (د) مولانا ظفر علی خان

-6 سائمن کمیشن پہلی مرتبہ برصغیر پہنچا۔
(ا) 3 فروری 1928ء ✓ (ب) 3 فروری 1929ء
(ج) 3 مئی 1928ء (د) 3 مئی 1929ء

-7 سائمن کمیشن دوسری مرتبہ کب برصغیر آیا؟
(ا) 11 ستمبر 1928ء (ب) 11 اکتوبر 1929ء
(ج) 11 ستمبر 1928ء (د) 11 اکتوبر 1928ء ✓

-8 کانگریس کی خواہش پر آل پارٹیز کانفرنس کا اجلاس 1928ء میں کس مقصد کے لیے بلایا گیا؟
(ا) آزادی کی دستاویز تیار کرنے کیلئے (ب) حکومت کے خلاف بغاوت کرنے کیلئے
(ج) وزیر ہند کے چیلنج کا جواب دینے کیلئے ✓ (د) ان میں سے کوئی نہیں

-9 آل پارٹیز کانفرنس کے اجلاس منعقدہ 1928ء میں کتنی پارٹیوں کے نمائندے شریک ہوئے؟
(ا) 22 (ب) 70 ✓ (ج) 32 (د) 44

-10 آل پارٹیز کانفرنس کے صدر کون تھے؟
(ا) نہرو (ب) قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ
(ج) ایم اے انصاری ✓ (د) گاندھی

-11 نہرو کمیٹی میں کل کتنے مسلم ارکان تھے؟
(ا) ایک رکن (ب) تین ارکان
(ج) پانچ ارکان (د) دو ارکان ✓

-12 نہرو رپورٹ کو آل پارٹیز کانفرنس کے اجلاس میں کب منظور کیا گیا؟
(ا) 28 اگست 1928ء (ب) 28 اگست 1929ء
(ج) 28 دسمبر 1929ء (د) 28 دسمبر 1928ء ✓

-13 نہرو کمیٹی کے ارکان کی تعداد بمع صدر کمیٹی کتنی تھی؟
(ا) 8 (ب) 10 ✓ (ج) 15 (د) 7

-14 نہرو کمیٹی کے قیام کی تجویز کس نے دی؟
(ا) مولانا شوکت علی (ب) قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ
(ج) گاندھی ✓ (د) ایم آر جیکار

-15 نہرو رپورٹ کس نے تیار کی؟
(ا) ایم اے انصاری (ب) گاندھی (ج) جواہر لال نہرو (د) موتی لال نہرو ✓

16- آل پارٹیز مسلم کانفرنس کا انعقاد کس کی کوششوں سے ہوا؟
(ا) قائداعظم (ب) سرمحمد شفیع ✓
(ج) علامہ اقبال (د) مولانا حسرت موہانی

17- آل پارٹیز مسلم کانفرنس کی صدارت کس نے کی؟
(ا) سرآغاخان ✓ (ب) سرمحمد شفیع
(ج) مولانا محمد علی جوہر (د) قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ

18- قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کے چودہ نکات کی ترتیب وتدوین میں قائداعظم کی بھرپور معاونت کس نے کی؟
(ا) مولانا ظفر علی خان (ب) مولانا محمد علی جوہر ✓
(ج) مولانا شوکت علی (د) علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ

19- آل پارٹیز مسلم کانفرنس کے اجلاس 1928ء میں کون سا اہم لیڈر شریک نہ تھا؟
(ا) سرفضل حسین (ب) علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ
(ج) سرمحمد شفیع (د) قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ ✓

20- آل پارٹیز مسلم کانفرنس کا اجلاس 1928ء میں کہاں ہوا؟
(ا) کلکتہ میں (ب) لاہور میں
(ج) دہلی میں ✓ (د) کراچی میں

حصہ انشائیہ (Subjective Part - I) 25 × 2 = 50

نوٹ: سوال نمبر 3,2 اور 4 میں سے 25 (پچیس) مختصر سوالات کے جوابات تحریر کریں اور ہر سیکشن سے کم از کم 8 سوالات حل کرنا ضروری ہے۔ جواب تحریر کرتے وقت سوال کا نمبر ضرور تحریر کریں۔

سوال نمبر 2: (سیکشن ''بی'') مختصر سوالات کے جوابات تحریر کریں۔ (جوابات کیلئے صفحہ 299 پر دیکھیں)

حصہ دوم (Subjective Part II)

نوٹ: مندرجہ ذیل سوالات میں سے صرف تین کے جوابات تحریر کریں۔ 10 × 3 = 30

1- انڈین کونسلز ایکٹ 1892ء کا تنقیدی جائزہ پیش کریں؟

2- منٹو۔ مارلے ریفارم کے نمایاں خدوخال بیان کریں۔ اس قانون کا مسلمانوں پر کیا اثر پڑا؟

3- منٹو مارلے اصلاحات کی خوبیوں اور خامیوں پر روشنی ڈالیں۔

4- میثاق لکھنؤ کے اہم نکات تحریر کریں اور اس کا تنقیدی جائزہ لیں؟

5- گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1919ء کے نمایاں خدوخال بیان کریں۔

6- دوعملی نظام کیا تھا؟ اس کی ناکامی کے اسباب کیا تھا؟

7- تحریک خلافت کے نتائج پر روشنی ڈالیے۔ مسلمانوں کی سیاسی جدوجہد میں اس کو کیا مقام حاصل ہے؟

8- تحریک خلافت کی حمایت کرکے انڈین نیشنل کانگریس نے کون کون سے فوائد حاصل کیے؟

9- تحریک خلافت کی ناکامی کے اسباب بیان کریں۔

10- تجاویز دہلی پیش کرنے کا مقصد کیا تھا؟ ان کے نتائج کیا نکلے؟

11- نہرو رپورٹ کا تنقیدی جائزہ لیں۔ یہ رپورٹ مسلم مفادات کے کہاں تک منافی تھی؟

12- قائداعظم کے چودہ نکات پر جامع نوٹ تحریر کریں۔
(بہاولپور بورڈ 2008ء، 2009ء)(گوجرانوالہ بورڈ 2008ء)

13- ''اب ہمارے راستے جدا جدا ہوگئے ہیں۔'' (قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ) ان الفاظ کی روشنی میں نہرو رپورٹ پر تبصرہ کریں؟

14- نوٹ لکھیں۔
① مسجد کانپور کا سانحہ ② ڈایارکی ③ رولٹ ایکٹ
④ سانحہ جلیاں والا باغ ⑤ موپلا بغاوت ⑥ تحریک ہجرت
⑦ آل پارٹیز مسلم کانفرنس ⑧ کمیونل ایوارڈ ⑨ سائمن کمیشن

15- قائداعظم کے چودہ نکات کی وضاحت کرتے ہوئے ان کی اہمیت بیان کیجئے۔ (لاہور 2011ء)

16- تحریک خلافت کے مقاصد اور اثرات تحریر کیجئے۔ (سرگودھا بورڈ 2010ء)

17- میثاق لکھنؤ کی اہمیت بیان کریں۔ (آزاد کشمیر بورڈ 2010ء)

18- میثاق لکھنؤ 1916ء کی اہم شقوں پر نوٹ لکھیے۔ (گوجرانوالہ بورڈ 2008ء)

19- تحریک خلافت پر ایک جامع مضمون لکھیں۔ (بہاولپور بورڈ 11-2007ء، سرگودھا بورڈ 2009ء)


■❖◆❖■

باب 8

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اور خطبہ الہ آباد

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ برعظیم پاک و ہند کے عظیم شاعر اور مفکر ہوئے ہیں۔ اٹلی کے مشہور قومی شاعر مازنی کی طرح علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے کلام کے ذریعے قوم کے نوجوانوں میں جذبہ قومیت، اسلامی اقدار سے محبت اور آزادی کی تڑپ پیدا کی۔ انہوں نے اسلامیانِ برعظیم کے لئے علیحدہ ریاست کا تصور پیش کر کے قیام پاکستان کی راہ ہموار کی۔

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ 9 نومبر 1877ء کو سیالکوٹ میں ایک کشمیری گھرانے میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام شیخ نور محمد تھا۔ گھر کے مذہبی ماحول نے انہیں اوائل عمر سے ہی اسلام کی محبت میں رنگ دیا تھا۔ وہ شروع سے ہی نہایت ذہین طالب علم تھے۔ میٹرک کے بعد آپ کا رابطہ مشن کالج کے عربی کے استاد اور مشہور عالم سید میر حسن سے قائم ہوا۔ جب تک آپ سیالکوٹ میں رہے سید میر حسن سے فیض یاب ہوتے رہے اور انہی کی تربیت نے آپ میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کا ذوق پیدا کیا۔ انٹرمیڈیٹ کے بعد 1895ء میں گورنمنٹ کالج لاہور میں داخل ہوئے۔ آپ تعلیم کے ہر مرحلے میں وظیفہ حاصل کرتے رہے۔ 1897ء میں بی اے کا امتحان بڑے امتیاز کے ساتھ پاس کیا۔ گورنمنٹ کالج لاہور میں آپ فلسفے کے پروفیسر تھامس آرنلڈ سے بڑے متاثر ہوئے۔ چنانچہ ان کے زیر اثر آپ نے 1899ء میں ایم اے فلسفہ کا امتحان امتیازی حیثیت سے پاس کیا۔

ایم اے کرنے کے بعد کچھ عرصہ تک اورینٹل کالج لاہور اور پھر گورنمنٹ کالج لاہور میں فلسفہ اور انگریزی کے پروفیسر رہے۔ 1905ء میں اعلیٰ تعلیم کے لئے انگلستان چلے گئے۔ کیمبرج یونیورسٹی سے بار ایٹ لاء کی سند حاصل کی۔ 1908ء میں جرمنی میں اسلامی فلسفہ اور ایرانی تصوف پر تحقیق کر کے ڈاکٹر آف فلاسفی کی ڈگری حاصل کی۔ 1908ء میں وطن واپسی پر دوبارہ گورنمنٹ کالج لاہور میں پروفیسر متعین ہوئے لیکن جلد ہی گورنمنٹ کی ملازمت سے اکتا گئے اور وکالت کا پیشہ اختیار کر لیا۔ یہیں سے صحیح معنوں میں آپ کی علمی اور ادبی زندگی کا آغاز ہوا۔ جنوری 1923ء میں برطانوی حکومت نے آپ کی علمی فضیلت کے اعتراف میں آپ کو سر کے خطاب سے سرفراز کیا۔

وکالت کے دوران آپ نے سیاست کی وادیوں کی بھی سیر کی۔ چنانچہ 1926ء میں آپ لاہور کے حلقے سے صوبائی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ 1927ء میں سائمن کمیشن کی آمد پر علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے سر محمد شفیع کے ہمراہ سائمن کمیشن کے ساتھ تعاون کیا اور مسلمانوں کے مطالبات کمیشن کے سامنے پیش کئے اور خاص طور پر اس بات پر زور دیا کہ برعظیم میں مسلمان ایک جداگانہ قوم کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان کے جداگانہ طریقہ انتخاب کو برقرار رہنا چاہئے۔ دسمبر 1930ء میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس الہ آباد میں منعقد ہوا۔ اس کی صدارت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے کی اور وہاں آپ نے مسلمانوں کے لئے الگ مملکت کی تجویز پیش کی۔

1931ء میں برعظیم پاک و ہند کے مسلمانوں کی نمائندگی گول میز کانفرنس میں کی۔ 1933ء میں آپ افغانستان کے بادشاہ نادر شاہ کی دعوت پر مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ اور سر راس مسعود کے ہمراہ افغانستان گئے اور وہاں افغان حکومت کو مذہبی اور تعلیمی امور کے بارے میں مشورے دیئے۔

وفات: 21 اپریل 1938ء کو آپ خالق حقیقی سے جا ملے۔ بادشاہی مسجد لاہور کی سیڑھیوں کے بائیں جانب حضوری باغ کے سامنے دفن ہوئے۔ آپ کی آخری آرام گاہ پر حکومت افغانستان کی امداد سے ایک بہت خوبصورت مزار تعمیر ہوا۔

ادبی خدمات: علامہ اقبال کی ادبی خدمات قوم کا سرمایہ حیات ہیں۔ آپ نے اپنے کلام کے ذریعے ملت کے نوجوانوں میں جذبہ قومیت ابھارا۔ 1922ء میں آپ کی علمی فضیلت کے اعتراف میں حکومت نے آپ کو ''سر'' کا خطاب عطا کیا۔ آپ کی علمی اور ادبی خدمات کی تفصیل حسب ذیل ہے:

① **علم الاقتصاد:** علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی بیشتر تصانیف نظم میں ہیں لیکن نثر میں ان کی سب سے پہلی کتاب جو شائع ہوئی وہ ''علم الاقتصاد'' ہے۔ یہ اردو زبان میں علم معاشیات پر غالباً پہلی کتاب ہے۔

② **ایران میں مابعد الطبیعات کا ارتقاء:** یہ کتاب درحقیقت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا پی ایچ ڈی کا تحقیقی مقالہ تھا جو پہلی بار انگلستان میں شائع ہوئی۔ اس کا اردو ترجمہ بعد میں ہندوستان میں شائع ہوا۔

③ **اسرار خودی:** علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی نظم میں پہلی کتاب ہے جو 1915ء میں شائع ہوئی۔ یہ کتاب فارسی زبان میں ہے۔ اس میں علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے فلسفہ خودی کی وضاحت کی ہے۔ ڈاکٹر نکلسن نے اس کا انگریزی زبان میں ترجمہ کیا ہے۔ اس طرح یورپ اقبال کے فلسفہ اور فکر سے واقف ہوا۔

④ **رموز بے خودی:** یہ کتاب اسرار خودی کا گویا دوسرا حصہ ہے جو 1918ء میں شائع ہوا۔ اس میں ''قومی و ملی انا'' کے اسرار و رموز بیان کئے گئے ہیں۔

⑤ **پیامِ مشرق:** یہ کتاب 1923ء میں شائع ہوئی۔ یہ جرمنی کے مشہور شاعر گوئٹے کے مغربی دیوان کے جواب میں لکھی گئی ہے۔

⑥ **بانگِ درا:** یہ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے اردو کلام کا پہلا مجموعہ ہے جو 1924ء میں شائع ہوا۔

⑦ **زبورِ عجم:** فارسی نظموں اور غزلوں کا مجموعہ ہے۔ 1929ء میں شائع ہوا۔

⑧ **جاوید نامہ:** یہ 1932ء میں شائع ہوئی۔ اس میں علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اٹلی کے مشہور شاعر ڈانٹے کی تصنیف ''ڈیوآف کامیڈی'' کا جواب لکھا ہے۔

⑨ **مسافر:** 1933ء میں علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ افغانستان کے بادشاہ نادر شاہ کی دعوت پر افغانستان گئے۔ وہاں کی سیاحت کے احوال کے متعلق مثنوی مسافر تحریر کی جو 1934ء میں شائع ہوئی۔

⑩ **بالِ جبریل:** یہ 1935ء میں شائع ہوئی۔ یہ کتاب اردو رباعیات وقطعات، غزلیات اور نظموں کا مجموعہ ہے۔

⑪ **پس چہ باید کرد:** یہ کتاب 1936ء میں شائع ہوئی۔ اس میں اقبال پیروی کے ذریعے اہل مشرق کو دین وسیاست کے معانی ومقاصد سمجھاتے ہیں۔

⑫ **ضربِ کلیم:** علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی اردو (نظم) تصانیف میں تیسری کتاب ہے۔ جو 1936ء میں شائع ہوئی۔

⑬ **ارمغانِ حجاز:** اس کتاب کو اگرچہ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی میں مرتب کرلیا تھا لیکن یہ ان کے انتقال کے بعد 1938ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب کا ایک حصہ فارسی میں ہے اور دوسرا اردو نظموں کا ہے۔

⑭ **تشکیلِ الٰہیاتِ اسلام:** 29-1928ء کے دوران اقبال نے مدراس میں اسلام کے مختلف پہلوؤں پہلوؤں پر فلسفیانہ خطبات دیئے جو بعد میں کتابی صورت میں ''تشکیل جدید الٰہیات اسلام'' کے نام سے شائع ہوئے۔ یہ خطبات انگریزی زبان میں تھے۔ اب ان کا اردو ترجمہ ہو چکا ہے۔

شعر وشاعری: علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی شاعری کا آغاز ان کے زمانہ طالب علمی میں ہو گیا تھا۔ ان کی شہرت پہلے صرف لاہور کے کالجوں تک محدود تھی لیکن جب انہوں نے لاہور کی ایک ادبی مجلس میں اپنی نظم ''ہمالہ'' سنائی تو ان کو بہت شہرت ہوئی۔ اس نظم کے خیالات، فارسی بندشوں اور وطن پرستی کے

جذبات سے لوگ بہت متاثر ہوئے اور ان کی یہی نظم رسالہ مخزن کے پہلے شمارے میں شائع ہوئی جس سے ان کی شہرت پورے ملک میں پھیلی۔ یہیں سے ان کی شاعری کا باقاعدہ آغاز ہوا کیونکہ ان کے اردو مجموعہ کلام ''بانگ درا'' کی پہلی نظم ''ہمالہ'' ہی ہے۔ اس کے بعد 'مخزن' کے علاوہ ملک کے دوسرے پرچوں میں بھی ان کا کلام شائع ہونے لگا اور مختلف مجالس میں علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اپنا کلام سنانے لگے۔

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی شعروشاعری کو چار ادوار میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ پہلا دور ابتداء سے 1905ء تک یعنی ان کے یورپ جانے سے پہلے کا زمانہ۔ دوسرا دور 1905ء سے 1907ء تک یعنی قیام یورپ کا زمانہ ہے۔ تیسرا دور 1908ء سے 1924ء تک یعنی یورپ سے واپسی سے لے کر بانگ درا کی اشاعت تک اور چوتھا دور بانگ درا کی اشاعت سے لے کر ان کی وفات تک کا زمانہ ہے۔ اقبال اپنی شاعری کے دور میں ایک وطن پرست کی حیثیت سے ہمارے سامنے آتے ہیں۔ اس زمانے میں انہوں نے ہندو مسلم اتحاد اور جذبہ وطنیت پر بہت پر جوش نظمیں لکھیں۔ جن میں ترانہ ہندی، ہندوستانی بچوں کا گیت، نیا شوالہ اور صدائے درد بہت مقبول ہوئیں۔ اس دور میں اقبال کے افکار بکھرے بکھرے ہیں۔ ان میں کوئی ضبط اور تنظیم نہیں ہے اور نہ ہی ان کی شاعری میں کوئی نمایاں مرکزی نظریہ ہے بلکہ وہ اپنے زمانے کی وطن پرستی کی تحریک سے متاثر نظر آتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی ملی تحریک سے بھی وابستہ اور پیوستہ نظر آتے ہیں۔

اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی شاعری کا دوسرا دور ان کے قیام یورپ کا زمانہ ہے۔ قیام یورپ میں ان کی شاعری ایک نئی کروٹ لیتی ہے۔ یہاں ان کی شاعری پر حسن وعشق کی رنگین دھنک چھائی ہوئی نظر آتی ہے۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا تصور حسن انہیں محبت کی وادیوں میں لے جاتا ہے جہاں وہ حسین وجمیل کیفیات میں کھو جاتے ہیں۔ یہ رنگ اقبال کی شاعری کی بجائے پیامبر کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے علی گڑھ کے طلبہ کے نام جو نظم لکھی اس میں انہوں نے ہندوستانی مسلمانوں کو ایک نیا پیام دیا۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ''زندگی مسلسل جدوجہد، مسلسل حرکت اور پیہم تگ ودو کا نام ہے'' اسی زمانے میں وہ یورپ کی مادہ پرستانہ تحریک سے بیزار ہوئے۔ انہوں نے محسوس کرلیا کہ ہندوستان کے مسلمانوں کی نجات مغرب کی لادینیت میں نہیں بلکہ تہذیب اسلامی کی طرف رجوع کرنے میں ہے۔ اسی دور میں ان کی اسلامی شاعری کی بنیاد پڑی۔ جس نے آگے چل کر ایک معین اور واضح شکل اختیار کرلی۔

اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی شاعری کا تیسرا دور ان کی یورپ سے واپسی کے بعد شروع ہوتا ہے۔ قیام یورپ کے دوران اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے مغرب کی ترقی اور مشرق کے تنزل کا بغور مطالعہ کیا اور انہوں نے دیکھا کہ مغربی اقوام وطنیت اور قومیت کی آڑ میں مسلمانوں کو تباہ کرنے پر تلی ہوئی ہیں۔ چنانچہ اس دور میں اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے ہندی ترانے کی بجائے اسلامی ترانہ لکھا۔ اور وطنیت اور قومیت کی آڑ سے نکل کر عالمگیر

قومیت کی پیغام رسانی کی۔ اس دور میں اقبال رحمۃ اللہ علیہ اسلام کی طرف متوجہ نظر آتے ہیں۔ اب وہ دین اسلام کو ساری دنیا کا نجات دہندہ سمجھتے ہیں اور اسلامی تعلیمات کی شد و مد سے تبلیغ کرتے ہیں۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی شاعری کا آخری دور 1924ء سے لے کر ان کی وفات تک پھیلا ہوا ہے۔ اس دور میں اقبال کے افکار پختہ ہو جاتے ہیں۔ خصوصاً فلسفہ خودی جوان کی شاعری کا مرکزی نقطہ ہے جو بال جبریل کی غزلوں میں بھی اپنی بہار دکھائے بغیر نہیں رہ سکا۔ اس دور میں اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے سیاسی موضوع پر بہت عمدہ نظمیں لکھیں۔ جن میں مغربی تہذیب وتمدن اور ان کی بے مہار ترقی کی خرابیاں بیان کی ہیں۔ اس کے علاوہ اشتراکیت، شہنشاہیت اور جمہوریت کے بارے میں اپنے خیالات کا برملا اظہار کیا۔ اس دور میں وہ زیادہ فلسفہ پر زور نہیں دیتے بلکہ ان کی خصوصی توجہ اسلامی اقدار کی ترغیب اور عالمگیر اتحاد واخوت کے نظام کو قائم کرنے پر ہے۔

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی سیاسی زندگی: علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی سیاسی زندگی کا آغاز اس وقت سے ہوتا ہے جب وہ 1908ء میں یورپ سے واپس آئے۔ وہ مسلم لیگ سے وابستہ رہے۔ اس کی سرگرمیوں میں حصہ لیتے رہے۔ 1919ء میں علامہ اقبال کو مسلم لیگ کی رابطہ کمیٹی کا چیئرمین منتخب کیا گیا مگر انہوں نے یہ عہدہ قبول نہ کیا۔ ان کی باقاعدہ عملی سیاسی زندگی کا آغاز 1926ء سے ہوتا ہے۔ جب انہوں نے پنجاب اسمبلی کے انتخابات میں حصہ لیا اور اپنے حریف کو تین ہزار ووٹوں سے شکست دے کر کامیاب ہوئے۔ اسمبلی میں علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے سب سے پہلے جو تحریک پیش کی، اس کا مقصد ایک ایسا قانون منظور کرانا تھا کہ مذہبی پیشواؤں پر اہانت آمیز حملے نہ کئے جائیں۔ عبادت گاہوں کی حفاظت وتکریم کا اہتمام کیا جائے۔ چنانچہ 1927ء میں یہ قانون پاس ہوا۔ اس کے علاوہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے صوبے کی عام معاشی خوشحالی، غریبوں کی مالی امداد، امتناع شراب نوشی، یونانی وآیورویدک طریقہ علاج کی حوصلہ افزائی، عورتوں کی طبی امداد اور مسلم تعلیمی اداروں کی مالی امداد کے معاملات کو بڑے اچھے طریقے سے اسمبلی میں پیش کیا۔

1927ء میں برصغیر کی سیاست انتشار کا شکار ہوگئی۔ سائمن کمیشن کے اعلان پر کانگریس سمیت ہندوستان کی تمام سیاسی جماعتوں نے اس کے بائیکاٹ کا اعلان کیا مگر سر محمد شفیع کی قیادت میں پنجاب مسلم لیگ نے سائمن کمیشن کے ساتھ تعاون کا اعلان کیا۔ اس طرح مسلم لیگ دو دھڑوں میں تقسیم ہو چکی تھی۔ مسلم لیگ کا وہ گروہ جس کی قیادت محمد علی جناح کر رہے تھے، مسلمانوں کے لئے جداگانہ انتخاب سے مشروط طور پر دستبردار ہونے کے لئے تیار تھا۔ جب کہ سر محمد شفیع گروہ جداگانہ انتخاب کو مسلمانوں کے مفاد کے لئے نہایت ضروری خیال کرتا تھا۔ وہ اسی لئے سائمن کمیشن سے تعاون کر رہا تھا کہ

مسلمانوں کے حقوق ومفادات کا تحفظ بہتر طور پر کیا جائے۔ اس معاملے میں علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے سر محمد شفیع کا ساتھ دیا اور وہ اس گروپ کے سیکرٹری بھی منتخب ہوئے۔ مسلم لیگ کی طرف سے سائمن کمیشن کو جو یادداشت پیش کی گئی اس میں صوبائی خودمختاری اور مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کے لئے آئینی ذرائع پر زور دیا گیا۔ اس یادداشت کی تیاری میں علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے خصوصی توجہ دی تھی۔

نہرو رپورٹ میں مسلم مطالبات کو بالکل نظرانداز کر دیا گیا تھا۔ جس کی وجہ سے ہندو مسلم تعلقات میں کشیدگی بڑھ گئی تھی۔ اس کے علاوہ مسلمانوں میں بھی اختلاف رائے تھا۔ ایک جماعت اس رپورٹ کو من وعن قبول کر لینے کے حق میں تھی۔ دوسری جماعت کچھ ترمیم کے ساتھ اسے منظور کرنا چاہتی تھی۔ تیسری جماعت جس میں علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ بھی شامل تھے، اسے بالکل مسترد کرنے کے حق میں تھی۔ ہندو مسلم اتحاد کے سلسلے میں جب محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ کی تمام کوششیں رائیگاں گئیں تو مسلمانوں کے حقوق کے تعین اور ان کے تحفظ کے لئے دسمبر 1928ء میں آل پارٹیز مسلم کانفرنس کے انعقاد کا انتظام کیا گیا۔ اس نازک وقت میں مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر کے واضح طور پر مسلم مطالبات کو مرتب کر کے پیش کرنا بہت بڑا کام تھا اور اس میں علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ پیش پیش تھے۔

ہندو مسلم مسئلے کو سلجھانے کے لئے حکومت برطانیہ نے لندن میں گول میز کانفرنسوں کا اہتمام کیا۔ دوسری اور تیسری گول میز کانفرنس میں علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے برصغیر کے مسلمانوں کی نمائندگی کی۔

بیسویں صدی کے چوتھے عشرہ کے شروع میں برصغیر کی مسلم سیاست انتشار کا شکار تھی۔ مسلم لیگ کی سرگرمیاں مدہم پڑ گئیں تھیں۔ 1933ء میں مسلم لیگ کا کوئی اجلاس نہیں ہوا۔ اس طرح مسلم لیگ اس زمانے میں ایک بے روح جماعت بنی رہی اور اس کا یہ حال 1934ء تک رہا۔ محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ نے لندن میں رہائش اختیار کر لی تھی۔ اس زمانے میں آل پارٹیز مسلم کانفرنس ہی مسلمانوں کے مفادات کے تحفظ کے لئے میدان عمل میں تھی۔ 1932ء میں مسلم کانفرنس کا اجلاس علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی صدارت میں ہوا جس میں مسلم مطالبات کو دہرایا گیا اور ہندوستان کے آئندہ دستور میں مسلمانوں کی جداگانہ حیثیت برقرار رکھنے پر زور دیا۔ یہ اقبال ہی تھے جنہوں نے جناح کو واپس ہندوستان آ کر مسلمانوں کی قیادت سنبھالنے پر رضامند کیا۔ جب قائداعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ نے انگلستان سے واپس آ کر مسلم لیگ کی تنظیم نو شروع کی۔ پنجاب میں مسلم لیگ کی تنظیم کے لئے جب قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ لاہور پہنچے تو علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ ہی نے علیل ہونے کے باوجود قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کی آواز پر لبیک کہا اور 30 مئی 1936ء کو پنجاب مسلم لیگ کونسل کا اجلاس طلب کیا اور مسلم لیگ کو پنجاب میں منظم کیا اور اس کو فعال جماعت کی حیثیت دی۔

علامہ اقبالؒ کا خطبہ الٰہ آباد 1930ء

عظیم فلسفی اور شاعرِ مشرق علامہ محمد اقبال کو مسلم لیگ کے 1930ء کے الٰہ آباد کے سالانہ اجلاس کا صدر منتخب کیا گیا۔ اس موقع پر انہوں نے جو صدارتی خطبہ دیا، مسلمانوں کی تحریک آزادی اور قیامِ پاکستان کے لیے سنگِ میل ثابت ہوا۔ اس منفرد تاریخی خطبے کے اہم نکات درج ذیل ہیں:۔

فرقہ وارانہ مسئلہ: علامہ اقبال نے فرقہ وارانہ مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے کہا کہ

''اگر اشتراک وتعاون کی کوئی راہ نکل آئے تو اس سے امن قائم ہو سکتا ہے مگر افسوس کے ہم نے تعاون کی جتنی بھی کوششیں کیں۔ ہندوؤں کے منفی رویہ کے باعث ناکام ہوگئیں''۔

2-ازسرِنو صوبائی تقسیم: انہوں نے دلائل سے ثابت کیا کہ موجودہ فرقہ وارانہ مسئلہ کی اصل وجہ موجودہ صوبائی تقسیم ہے۔ یہ تقسیم زبان، مذہب، تہذیب وتمدن اور نسل کی بنیاد پر ازسرِنو ہونی چاہئے۔ انہوں نے سندھ کو ممبئی سے علیحدہ کرنے اور صوبہ سرحد و بلوچستان میں آئینی اصلاحات نافذ کرنے کا مطالبہ کیا۔

3-مغربی جمہوریت کی مخالفت: علامہ صاحب نے برصغیر میں مغربی نظامِ جمہوریت کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ:

''ہندوؤں نے واحدانی طرزِ حکومت کا مطالبہ کیا ہے (تاکہ انہیں مسلمانوں پر بالادستی حاصل ہو جائے) مگر انگریز ابھی جمہوریت کا تجربہ صرف صوبوں میں کرنا چاہتا ہے تاکہ قوت ان کے ہاتھ میں رہے''۔

اقبال نے خبردار کیا کہ ''ہندوستان میں مغربی جمہوریت کا نظام کسی طرح بھی موزوں نہیں ہے۔ ہر اُس دستور کا نفاذ جو واحد قومیت کے تصور پر مبنی ہو ملک میں خانہ جنگی کا باعث ہوگا''۔

4-اسلام اور عیسائیت کا تقابلی جائزہ: مفکر اسلام نے اسلام اور مسیحیت کے نظریہ سیاست کا تجزیہ کرتے ہوئے فرمایا کہ:

''اہلِ مغرب کے نزدیک مذہب ایک فرد کا ذاتی اور انفرادی معاملہ ہے جبکہ اسلام کی اساس (بنیاد) وحی پر ہے۔ اسلام اپنے اندر ایک آفاقی پیغام رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسیحیت کی نگاہیں اقوام کی تنگ حدود میں الجھ کر رہ گئی ہیں جبکہ اسلام کے پیش نظر عالمگیر نظام سیاست ہے۔ اس کے نزدیک مذہب کو فرد کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں غیر معمولی اور یکساں اہمیت حاصل ہے''۔

5-متحدہ قومیت کی تردید: شاعرِ مشرق نے متحدہ قومیت کے نظریہ کو باطل قرار دیتے ہوئے واضح کیا کہ

''ہندوستان ایک ملک نہیں بلکہ اسے ایک چھوٹا ایشیا کہنا چاہئے۔ یہ مختلف اقوام کا وطن ہے۔ ہندوستان کے باشندوں کا ایک حصہ (یعنی ہندو) تہذیب وتمدن کے اعتبار سے مشرقی اقوام کے مشابہ ہے جبکہ دوسرا حصہ (یعنی مسلمان) مغربی اور وسطی ایشیا میں آباد قوموں سے مماثلت رکھتا ہے''۔

انہوں نے تاریخی حوالے دیتے ہوئے کہا کہ ''اکبر کا دین الٰہی اور بھگت کبیر کی تعلیمات بھی متحدہ قومیت کی تشکیل میں ناکام رہے ہیں''۔

6-مسلمان علیحدہ قوم ہیں: علامہ اقبال نے نظریہ قومیت پر بحث کرتے ہوئے کہا کہ

''مسلمان قوم کی تشکیل اسلامی تہذیب وتمدن، رسوم ورواج اور ثقافت سے ہوتی ہے''۔ انہوں نے مسلمانوں کو ایک علیحدہ اور مکمل قوم قرار دیتے ہوئے کہا کہ

''ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد سات کروڑ ہے جو یورپ کے کسی بھی ملک کی آبادی سے زیادہ ہے۔ وہ دوسرے ہندوستانی باشندوں کی نسبت کہیں زیادہ یک رنگ قوم ہیں۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اگر ہندوستان میں کوئی قوم بستی ہے تو وہ صرف مسلمان ہیں''۔

7-اسلامی مرکز ناگزیر ہے: اسلام کے طبلِ جلیل نے مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ:

''اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہندوستان میں اسلام ایک تمدنی قوت کی حیثیت سے زندہ رہے، تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایک مخصوص علاقے میں اپنی مرکزیت قائم کرے۔ اس سے اسلام کو اس امر کا موقع ملے گا کہ وہ عربی شہنشاہیت کے اس جمود کو توڑ دے جس کے اثرات صدیوں سے اس کی تہذیب، تمدن، شریعت اور تعلیم پر طاری ہیں''۔

8-اسلامی ریاست کا مطالبہ: مصور پاکستان کے خطبے کا مرکز محور ہندوستان میں ایک منظم اسلامی ریاست کا مطالبہ ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ:

''میری خواہش ہے کہ صوبہ سرحد، بلوچستان، سندھ اور پنجاب کو ملا کر ایک ریاست بنا دیا جائے۔ خواہ یہ ریاست برطانیہ کے تحت حکومت خود اختیاری حاصل کرے یا اس کے باہر رہ کر۔ مجھے تو ایسا نظر آتا ہے کہ اور نہیں تو شمال مغربی ہندوستان کے مسلمانوں کو بالآخر ایک منظم اسلامی ریاست قائم کرنا پڑے گی''۔

9-ہندو پریشان نہ ہوں: انہوں نے ہندوؤں کو اطمینان دلاتے ہوئے کہا کہ ''میری اسلامی ریاست

کی اس تجویز سے ہندو پریشان نہ ہوں۔ میں صرف ہندوستان کی فلاح و بہبود کے نقطۂ نظر سے اسلامی ریاست کا مطالبہ کر رہا ہوں۔ اس سے ہندوستان کا فرقہ وارانہ مسئلہ حل ہو جائے گا اور ملک کے اندر توازنِ قوت کی بدولت امن قائم ہو جائے گا۔ نیز اسلامی ریاست کے قیام سے ہندوستان بیرونی حملوں سے محفوظ ہو جائے گا، یہ حملے بزور طاقت ہوں یا بزور نظریات۔"

10-اسلام کی پیروی کی تلقین: اپنے خطبے کے آخر میں علامہ اقبال نے مسلمانوں کو اسلام کی مکمل پیروی کی تلقین کرتے ہوئے کہا:

"میں نے تاریخ اسلام سے یہ سبق سیکھا ہے کہ یہ اسلام ہی ہے جس نے آڑے وقت میں مسلمانوں کے وجود کو قائم رکھا ہے...... اگر آج بھی ہم اپنی نگاہیں اسلام پر مرکوز کر دیں اور اس کے زندگی بخش تخیل سے متاثر ہوں تو ہماری منتشر قوتیں از سرِ نو مجتمع ہو جائیں گی اور ہمارا وجود ہلاکت و بربادی سے محفوظ ہو جائیگا۔"

خطبہ الٰہ آباد کی اہمیت: 1930ء میں علامہ اقبال مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس منعقدہ الٰہ آباد کے صدر مقرر ہوئے۔ انہوں نے تاریخ کا ایک گمشدہ صفحہ نکال کر مسلمانوں کے سامنے رکھ دیا۔ ان کے خطبے سے اہل فکر مسلمانوں کی نظروں کے سامنے سے پریشانی خیالی کے وہ تمام پردے ہٹ گئے جو ان کے اور ان کے نصب العین کے درمیان حائل تھے۔ انہوں نے ایسے مستقبل کی طرف راہنمائی کر دی جو کہ پیدا ہونے والا تھا۔

علامہ اقبال کا خطبہ مسلمانوں کے لئے منزل کی طرف راہنمائی کرنے والا روشنی کا ایک بلند مینار تھا۔ اس خطبے نے ہندوستان کے مسئلے کا فطری اور قابل عمل حل پیش کر کے مسلمانوں کے دلوں میں زبردست ولولہ اور ہندوؤں کے دلوں میں ہیجان پیدا کر دیا۔ خطبہ الٰہ آباد تحریک پاکستان کی طرف اہم قدم، جدوجہد آزادی میں ایک فیصلہ کن موڑ اور قیام پاکستان کی نظریاتی اساس کی حیثیت کا حامل تھا۔ جس سے مسلمانوں نے آزادی کا جذبۂ نو حاصل کیا جبکہ ہندو پریس اسے تصوراتی، خیالی اور نا قابل عمل قرار دے کر حقیقت سے فرار اختیار کرنے کی لا حاصل کوشش کی۔ ڈاکٹر عبدالقادر کہتے ہیں کہ:

"خطبہ الٰہ آباد نے مسلمانوں پر ان کی راہ عمل کو روشن کر دیا"۔

چوہدری محمد علی کے بقول:

"علامہ اقبال نے بڑے واضح الفاظ میں اس منزل مقصود کی نشاندہی کر دی، جس طرف ملتِ اسلامیہ شعوری اور غیر شعوری طور پر اسے لے جا رہی تھی۔"

Objective معروضی

سوال نمبر 1: کثیر الانتخابی سوالات امتحان میں بیس آئیں گے جن کو حل کرنا لازمی ہوگا۔ ہر سوال کے چار (4) ممکنہ جواب C,B,A اور D سامنے دیئے گئے دائروں میں سے ایک دائرے کو پین یا مار کر کی سیاہی سے بھر دیں۔ **(کل نمبر 20)**

1- علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کو شاعر کہا جاتا ہے۔
(ا) شاعر ہند (ب) شاعر اسلام
(ج) شاعر پاکستان (د) شاعر مشرق ✓

2- علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کب پیدا ہوئے؟
(ا) 9 نومبر 1875ء (ب) 9 نومبر 1877ء ✓
(ج) 21 اپریل 1877ء (د) یکم نومبر 1877ء

3- علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا مولوی میر حسن سے کب رابطہ ہوا؟
(ا) پرائمری کے بعد (ب) مڈل کے بعد
(ج) میٹرک کے بعد ✓ (د) انٹر کے بعد

4- علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اعلیٰ تعلیم کے لیے یورپ کب گئے؟
(ا) 1899ء (ب) 1903ء
(ج) 1905ء ✓ (د) 1908ء

5- علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ 1926ء میں صوبائی اسمبلی پنجاب کے کس حلقے سے رکن منتخب ہوئے؟
(ا) سیالکوٹ (ب) لاہور ✓
(ج) راولپنڈی (د) گوجرانوالہ

6- 1923ء میں علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کس ملک کے دورے پر گئے؟
(ا) چین (ب) عرب
(ج) ایران (د) افغانستان ✓

7- علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے ایم اے فلسفہ کا امتحان کس ادارے سے پاس کیا؟
(ا) گورنمنٹ کالج لاہور ✓ (ب) پنجاب یونیورسٹی لاہور
(ج) ایف سی کالج (د) کیمبرج یونیورسٹی

8- علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کب فوت ہوئے؟

(ا) 9 نومبر 1938ء (ب) 23 مارچ 1928ء

(ج) 21 اپریل 1938ء ✓ (د) 20 اپریل 1938ء

9- علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے الٰہ آباد میں مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں خطبہ صدارت کب دیا؟

(ا) 1929ء (ب) 1930ء ✓

(ج) 1932ء (د) 1937ء

10- علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی آخری آرام گاہ پر مزار کس ملک کی امداد سے تعمیر ہوا؟

(ا) افغانستان (ب) ایران ✓

(ج) ہندوستان (د) برطانیہ

11- علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کو سر کا خطاب کب ملا؟

(ا) 1921ء (ب) 1923ء ✓

(ج) 1930ء (د) 1922ء

12- علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے ڈاکٹر آف فلاسفی کی ڈگری کہاں سے حاصل کی؟

(ا) جرمنی ✓ (ب) انگلستان

(ج) ایران (د) امریکہ

13- علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی شاعری کو کتنے ادوار میں تقسیم کیا جاتا ہے؟

(ا) دو ادوار (ب) تین ادوار

(ج) چار ادوار ✓ (د) ان میں سے کوئی نہیں

14- علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے اردو کلام کا پہلا مجموعہ کون سا ہے جو 1924ء میں شائع ہوا؟

(ا) اسرار خودی (ب) زبور عجم

(ج) ضرب کلیم (د) بانگ درا ✓

15- اٹلی کے مشہور شاعر ڈانٹے کی تصنیف ''ڈیوآف کامیڈی'' کے جواب میں علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی کونسی تصنیف ہے؟

(ا) پیام مشرق (ب) جاوید نامہ ✓

(ج) زبور عجم (د) ارمغانِ حجاز

16- علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے قائداعظم کو کتنے خطوط لکھے؟

(ا) 11 (ب) 15 ✓ (ج) 35 (د) 13

17- علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی کونسی نظم سے بعض لوگوں نے اقبال کو اشترا کی سمجھا؟

(ا) صدائے درد (ب) نیا شوالہ

(ج) ہمالہ (د) خضرِ راہ ✓

18- علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ کا نام کیا تھا؟

(ا) امام بی بی ✓ (ب) رحمت بی بی

(ج) برکت بی بی (د) محمد بی بی

19- علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے والد کا نام کیا تھا؟

(ا) شیخ نور حسن (ب) شیخ نور احمد

(ج) شیخ نور محمد ✓ (د) شیخ نور حسین

20- علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد کب واپس (لاہور) پہنچے؟

(ا) 24 جولائی 1910ء (ب) 24 جولائی 1908ء ✓

(ج) 24 جولائی 1909ء (د) 24 جولائی 1905ء

حصہ انشائیہ (Subjective Part - I) 25 × 2 = 50

نوٹ: سوال نمبر 3,2 اور 4 میں سے 25 (پچیس) مختصر سوالات کے جوابات تحریر کریں اور ہر سیکشن سے کم از کم 8 سوالات حل کرنا ضروری ہے۔ جواب تحریر کرتے وقت سوال کا نمبر ضرور تحریر کریں۔

سوال نمبر 3: (سیکشن ''بی'') مختصر سوالات کے جوابات تحریر کریں۔ (جوابات کیلئے صفحہ 311 پر دیکھیں)

حصہ دوم (Subjective Part II)

نوٹ: مندرجہ ذیل سوالات میں سے صرف تین کے جوابات تحریر کریں۔ 10 × 3 = 30

1۔ علامہ اقبالؒ کے خطبہ الٰہ آباد کا جائزہ لیجئے۔ (بہاولپور بورڈ 2008ء)

2۔ علامہ اقبالؒ کے حالات زندگی بتاتے ہوئے ان کی ملی خدمات پر روشنی ڈالیں۔

3۔ علامہ اقبالؒ کا خطبہ الٰہ آباد 1930ء تحریک پاکستان میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے، بحث کیجئے۔ (سرگودھا بورڈ 2009ء)

■❖◆❖■

باب 9

چودھری رحمت علی اور تحریک پاکستان میں ان کا کردار

حالات زندگی: مملکت خداداد پاکستان کا نام تجویز کرنے والے چودھری رحمت علی نے 16 نومبر 1893ء کو مشرقی پنجاب کے ضلع ہوشیار پور کے ایک گاؤں موہار میں ایک دین دار، زمین دار گھرانے میں آنکھ کھولی۔ ان کے والد کا نام چودھری شاہ محمد تھا۔ چودھری رحمت علی نے گاؤں کی مسجد میں قرآن مجید اور دینیات کی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد انہوں نے میونسپل بورڈ سکول راہون میں داخلہ لیا مگر میٹرک کا امتحان اینگلو سنسکرت ہائی سکول جالندھر سے 1914ء میں پاس کیا۔ مزید تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے وہ لاہور آ گئے اور اسلامیہ کالج ریلوے روڈ لاہور میں داخل ہو گئے۔ اسلامیہ کالج کے ملی ماحول نے ان کی غور و تفکر کی صلاحیتوں کو اجاگر کیا۔ ان کی ماں کا پہلے ہی انتقال ہو چکا تھا۔ اس دوران ان کے والد بھی وفات پا گئے۔ ان کٹھن حالات میں انہوں نے پیسا اخبار میں ملازمت کر لی اور اپنی تعلیم جاری رکھی۔ 1918ء میں انہوں نے بی اے کا امتحان پاس کر لیا۔ وہ چیف کالج لاہور میں جو اب ایچی سن کالج کہلاتا ہے، بطور لیکچرار ملازم ہو گئے۔ یہ ملازمت چھوڑ کر انہوں نے مزاری خاندان کے بچوں کے اتالیق کے فرائض سنبھال لئے۔ مزاری خاندان کی جاگیر بحال کرانے میں انہوں نے بنیادی کردار ادا کیا جس کے صلے میں ان کو ساٹھ ہزار روپے انعام دیا گیا۔ اس انعامی رقم کی وصولی سے ان کی مالی مشکلات کا خاتمہ ہو گیا۔ آپ کے دل میں حصول علم کی لگن تھی اس لئے وہ 1927ء میں انگلستان روانہ ہو گئے اور وہاں کیمبرج یونیورسٹی میں داخلہ لیا۔ وہاں سے انہوں نے ایم اے اور بیرسٹری کی ڈگریاں حاصل کیں۔

چودھری رحمت علی شاعر بھی تھے۔ ان کا تخلص آزاد تھا۔ وہ انگریزی زبان میں مہارت رکھتے تھے اور اتنی عمدہ اور نفیس انگریزی لکھتے اور بولتے تھے کہ ان کے استاد بھی ان کی تعریف کرتے تھے۔ چودھری رحمت علی ایک دین دار، سمجھ دار، بڑے حساس اور پکے ارادے کے مالک تھے۔ وہ ابتداء ہی سے برصغیر میں مسلمانوں کے سیاسی مستقبل کے بارے میں سوچ بچار کیا کرتے تھے۔ اس زمانے کے سیاسی ماحول نے ان کی حساس طبیعت پر بھرپور اثر ڈالا۔ انہوں نے 1915ء میں شمال مغربی برصغیر میں مسلمانوں کی آزاد اور خود مختار ریاست کی تشکیل کے بارے میں جن خیالات کا اظہار کیا وہ علامہ محمد اقبال ؒ کے

خطبہ الٰہ آباد سے ملتے جلتے ہیں۔

مارچ 1940ء میں انہوں نے کراچی میں تحریک پاکستان کی مجلس کبیر سے خطاب کیا۔ قیام پاکستان کے بعد انہوں نے لاہور کا رخ کیا اور صحافت کا پیشہ اختیار کرنے کا ارادہ کیا۔ یہاں ان کے ساتھ برا سلوک ہوا۔ ان کو پاکستان سے نکل جانے کا حکم ملا۔ انہوں نے اپنی زندگی کے آخری دن لندن میں گزارے۔ جہاں فروری 1951ء میں انہوں نے وفات پائی۔

چودھری رحمت علی زمانہ طالب علمی ہی سے مسلمانوں کے قومی مسائل سے گہری دلچسپی رکھتے تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کی الگ ریاست کے قیام کی جدوجہد عمر بھر کی۔ ان کی قومی خدمات کا جائزہ درج ذیل ہے:

مسلم ریاست کا مطالبہ: چودھری رحمت علی کا شمار اسلامیہ کالج ریلوے روڈ لاہور کے ذہین و مقبول طلبہ میں ہوتا تھا۔ وہ ایک اچھے مقرر، قائد اور مضمون نگار بھی تھے جس کے باعث کی مقبولیت میں بھرپور اضافہ ہوا۔ انہوں نے کالج میں 1915ء میں بزم شبلی کی داغ بیل ڈالی۔ اس کے پہلے صدر بھی وہی تھے۔ اس سال بزم شبلی کے اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے انہوں نے سب سے پہلے پاکستان کا تصور پیش کیا۔ یہ زمانہ وہ تھا جس میں مسلمان داخلی طور پر سیاسی مصائب میں گھرے ہوئے تھے اور خارجی طور پر پہلی جنگ عظیم میں ترکی کی شمولیت سے پریشان تھے۔ ان کے بڑے بڑے رہنما قید تھے۔ اس موقع پر چودھری رحمت علی نے فرمایا:

> ''شمالی ہندوستان مسلمان ہے۔ ہم اس کو مسلمان ہی رکھنا چاہتے ہیں۔ وہ نہ صرف مسلمان رہے گا بلکہ ہم اس کو ایک آزاد و خود مختار مسلمان ریاست کا درجہ دینے کا ارادہ رکھتے ہیں لیکن یہ اسی وقت ممکن ہو سکتا ہے جب اس علاقے کو انڈیا تصور نہ کیا جائے اور ہم متحدہ قومیت سے کنارہ کشی کر لیں۔ اس منزل تک پہنچنے کے لئے یہ بات انتہائی ضروری ہے کہ انڈین ازم کے اثرات سے جتنی جلدی ہو سکے نجات حاصل کر لی جائے''۔

لفظ ''پاکستان'' کے خالق: یہ چودھری رحمت علی کی قومی اور اسلامی سوچ کا انداز تھا کہ انہوں نے علامہ اقبال ؒ کے خطبہ الٰہ آباد سے پندرہ برس پہلے برعظیم کو ہندو مسلم خطوں میں تقسیم کرنے اور ایک آزاد خود مختار مسلم ریاست بنانے کی تجویز پیش کی۔ انہوں نے صرف اس بات پر ہی اکتفا نہ کیا بلکہ اس مسلم ریاست کا ایک بہت پیارا نام بھی رکھ دیا۔ انہوں نے اس ریاست کو پاکستان کے نام سے پکارا۔ اس نام کی وضاحت کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ اس میں حرف ''پ'' سے مراد پنجاب ''ا'' سے مراد افغانستان (صوبہ سرحد) ''ک'' سے مراد کشمیر ''س'' سے مراد صوبہ سندھ اور ''تان'' سے مراد بلوچستان

ہے۔ مختلف علاقوں کے ناموں کے ابتدائی حروف سے ایک خوبصورت اور دل لبھانے والے نام کی اختراع ان کے انتہائی ذہین ہونے کی علامت ہے۔ انہوں نے اس نام کی اس قدر تشہیر کی کہ وہ بڑا مقبول ہوگیا۔ قرارداد لاہور 23 مارچ 1940ء میں یہ نام درج نہ تھا لیکن ایک تو یہ کہ لفظ ''پاکستان'' بہت مشہور ہو چکا تھا اور دوسرے یہ کہ ہندو پریس نے اس کو قرارداد پاکستان کا نام دے کر اس کو شدید تنقید اور لعن طعن کا اس طرح نشانہ بنایا کہ یہ نام بچے بچے کی زبان پر چڑھ گیا۔ مسلمانوں کو اپنے نئے ملک کے لئے ایک نام کی ضرورت تھی۔ اس لئے مسلمانوں نے یہ نام بہت پسند کیا۔ بعد ازاں مسلم لیگ نے قرارداد لاہور کو قرارداد پاکستان کے نام سے پکارا۔ بعد میں یہی نام سرکاری طور پر نئی مملکت کے لئے اپنا لیا گیا۔

آزاد مسلم ریاست کا منصوبہ: 28 جنوری 1933ء کو چودھری رحمت علی نے لندن سے ایک پمفلٹ جاری کیا جس پر بطور چیئر مین ''پاکستان نیشنل مومنٹ'' ان کے دستخط تھے۔ اس کے علاوہ اس پر محمد اسلم خان خٹک، شیخ محمد صادق اور خان عنایت اللہ خان کے دستخط تھے۔ انہوں نے اس پمفلٹ کی کاپیاں گول میز کانفرنس کے مسلمان ارکان کو پیش کیں اور ان کو برصغیر کے مشترکہ وفاق کے قیام سے پیدا ہونے والے سنگین نتائج سے خبردار کیا۔ اس پمفلٹ میں انہوں نے بتایا کہ پاکستان نامی مجوزہ ریاست صوبہ پنجاب، صوبہ سرحد'' سندھ اور بلوچستان کے موجودہ برطانوی صوبوں اور ریاست کشمیر کے علاقوں پر مشتمل ہوگی۔ انہوں نے پاکستانی علاقوں سے ہندوستان کی فوری علیحدگی اور ان کی آزادی اور خود مختاری کا مطالبہ کیا اور واضح کر دیا کہ ہندوستان نہ کبھی ایک ملک رہا ہے اور نہ یہاں ایک قوم بستی ہے۔ اس طرح ایک آزاد مسلم ریاست بلکہ اس کی جغرافیائی حد بندی اور اس کے لئے موزوں نام منظر عام پر آیا۔

1935ء کے ایکٹ پر تنقید: چودھری رحمت علی اور ان کے پاک باز ساتھیوں نے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ پر جو گول میز کانفرنسوں کے انعقاد کے نتیجے میں نافذ ہوا تھا، کھل کر تنقید کی اور یہ دلیل پیش کی کہ تاریخی لحاظ سے نہ ہندوستان کبھی ایک ملک رہا ہے اور نہ یہ ایک واحد قوم کا مسکن ہے۔ مسلمان ایک الگ اور جداگانہ قوم ہونے کے سبب اپنے لئے ایک الگ وطن چاہتے ہیں جس کی تشکیل کے لئے ہندوستان کی تقسیم ضروری ہے۔ جب برما کو ہندوستان سے الگ کیا گیا تو چودھری رحمت علی کو اپنا موقف زیادہ وضاحت سے پیش کرنے کا موقع ملا۔ انہوں نے اس پمفلٹ کی دوسری اشاعت میں یہ موقف اختیار کیا کہ اس سرزمین پر بسنے والے مسلمان عوام ہندو نہیں بلکہ مسلمان ہیں۔ وہ ہندوستانی نہیں، پاکستانی ہیں۔ وہ انڈین نہیں بلکہ ایشائی ہیں۔ انڈین ازم کے نظریے نے مسلمانوں کو بہت نقصان پہنچایا

ہے۔ اس سے ان کی روحانی اقدار اور سیاسی نظریے کو نقصان اٹھانا پڑا ہے۔ ان کے سامنے ایشیا کی تعمیر نو کا کام ہے جو ہندوستان کی تقسیم کے بغیر پایہ تکمیل کو نہیں پہنچایا جا سکتا۔ ملت اسلامیہ کو بچانے کا صرف ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ ہے کہ انڈین تہذیب و تمدن سے تعلق ختم کر دیا جائے اور اسلامی اقدار سے رشتہ جوڑ لیا جائے۔ ان کے لئے شمال مغربی برصغیر کے علاقوں پر مشتمل پاکستان کے نام سے ایک اسلامی ریاست کا قیام از حد ضروری ہے۔

پاکستان نیشنل مومنٹ کا قیام: چودھری رحمت علی نے ایک الگ اور خالص اسلامی ریاست کی تشکیل کے مقصد کو آگے بڑھانے کے لئے انگلستان میں قدم جمانے کے بعد 1930ء میں پاکستان قومی تحریک کی بنیاد رکھی۔ جس کی غرض و غایت برصغیر کے شمال مغربی مسلم اکثریت کے علاقوں پر مشتمل آزاد اور خود مختار مملکت کے قیام کی راہ ہموار کرنا تھا۔ کیمبرج یونیورسٹی میں ان کا کمرہ اس تحریک کا صدر مقام تھا۔ یہی ان کا صدر دفتر تھا۔ اس کے ایک کونے میں ٹائپ رائٹر رکھا تھا۔ اس پر وہ خود ہی پروپیگنڈہ مواد ٹائپ کرتے تھے۔ بعض اوقات وہ ساری ساری رات لکھتے رہتے۔ پھر اس کو ٹائپ کرتے اور پمفلٹ تیار کر کے خود ہی اسے بانٹ آتے۔ اس طرح ان کے خلوص، مقصد سے لگن اور دن رات کی بھاگ دوڑ سے پاکستانی قومی تحریک کا کام آگے بڑھنے لگا۔ انہوں نے برصغیر کے بڑے بڑے رہنماؤں کو خطوط لکھے جن میں ان کے منصوبہ پاکستان کی تشریح و توضیع کی گئی تھی۔ انہوں نے ان کو ترغیب دی کہ وہ اس سکیم کو ملت اسلامیہ کی راہ نجات سمجھیں اور اس کی کامیابی میں حصہ بٹائیں۔

پاکستان فیڈریشن کا منصوبہ: پاکستان کا لفظ تخلیق کرنے اور اس کے علاقوں کی واضح نشاندہی کرنے کے بعد چودھری رحمت علی نے اسلامی ریاست کے قیام کے کام کو آگے بڑھایا اور اپنے ابتدائی منصوبے میں توسیع کی۔ انہوں نے بنگال اور آسام کو ملا کر مشرقی برصغیر میں ایک اور اسلامی ریاست بنانے کا مطالبہ کیا۔ انہوں نے اس کا نام ''بانگ اسلام'' تجویز کیا۔ جنوبی ہندوستان میں مسلمانوں کی ایک بڑی ریاست موجود تھی جو مملکت نظام یا ریاست حیدر آباد کہلاتی تھی۔ اس کو انہوں نے عثمانستان کا نام دیا۔ اس طرح شمال مشرقی ہندوستان میں بانگ اسلام، شمال مغرب میں پاکستان اور جنوبی بھارت میں عثمانستان نام کی تین ریاستیں وجود میں آجاتی تھیں۔ انہوں نے ان تینوں آزاد اور خود مختار ریاستوں کے باہمی الحاق کا تصور بھی پیش کیا۔ انہوں نے بتایا کہ مسلم اکثریت والے علاقوں پر مشتمل مملکت پاکستان کا قیام عمل میں آنا چاہئے۔ مسلمانوں کو برصغیر کا کوئی ایسا سیاسی حل قابل قبول نہ ہوگا جو ان کے علیحدہ قوم ہونے کے اصول کو تسلیم نہ کرتا ہو۔

اکھنڈ بھارت کی تردید: چودھری رحمت علی نے اس پروپیگنڈے کی تردید کی کہ ہندوستان کو جغرافیہ

نے ایک ملک بنایا ہے اور یہ کہ اس میں صرف ایک قوم بستی ہے جس کا نام ہندو یا ہندوستانی ہے۔ اپنے پمفلٹ میں انہوں نے اس حقیقت کی وضاحت ان الفاظ میں کی:

''ہندوستان کوئی ایسا علاقہ نہیں جس کو ایک ملک کے نام سے پکارا جائے اور نہ خطہ ایسا ہے جس میں صرف ایک قوم بستی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک ایسی ریاست ہے کہ جس کا انگریزوں کی آمد سے پہلے کوئی سیاسی اور تاریخی وجود نہ تھا۔ موجودہ ہندوستان انگریز کی تخلیق ہے۔ اس میں بہت سے ایسے لوگ آباد ہیں جن کی جداگانہ خصوصیات ابتدائی تاریخ سے انگریزوں کی عملداری کے قیام تک مختار اور منفرد رہی ہیں۔ وہ ہندوستان کی تاریخ کے کسی دور میں بھی نہ ایک ہو سکے اور نہ ہندوستانی قومیت تشکیل دے سکے۔ انہی اقوام میں سے ایک ہماری قوم ہے جو اپنا الگ قومی تشخص اور سیاسی عزائم رکھتی ہے۔''

مسلم قومیت پر اصرار: چودھری رحمت علی نے مسلمانوں کی جداگانہ قومیت اور ملی تشخص پر اصرار کیا اور کہا کہ ''ہم بلا خوف تردید اس بات کا واضح اعلان کرتے ہیں کہ پاکستان کے مسلمان اور ہندوستان کے ہندو قطعاً الگ الگ قومیت رکھتے ہیں۔ مسلمان ہندوستان کے ہندوؤں سے بالکل مختلف قوم ہے۔ یہ ہندوستان کے وسیع رقبے میں پھیلی ہوئی ہے۔ ہندو جن علاقوں میں زندہ رہنے کا حق رکھتے ہیں وہی حق اپنے علاقوں میں ہمیں حاصل ہے اور اسی حق کی بناء پر ہمارا یہ مطالبہ ہے کہ پاکستانی علاقوں کو ہندوستانی علاقوں سے علیحدہ کر دیا جائے جس سے ہماری جداگانہ قومی حیثیت مسلم ہو سکے اور ہمارا جداگانہ ملی تشخص اجاگر ہو سکے۔''

انہوں نے ہندوستان کی متحدہ قومیت کے نظریئے کو برصغیر کے مسلمانوں کے لئے زہر قاتل بتایا اور کہا کہ ہندوستان کا مسئلہ کسی مذہبی تصادم کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ یہ ہندو اور مسلمان دو قوموں کی امنگوں اور سیاسی عزائم کے درمیان ایک بین الاقوامی تصادم ہے۔ ان دونوں قوموں کے نظریات اور اعمال میں کوئی قدر مشترک موجود نہیں ہے۔

وفاق کی تجویز کی مخالفت: چودھری رحمت علی نے گول میز کانفرنسوں میں شریک برصغیر کے مسلمان نمائندوں کی اس تجویز کی سختی سے مخالفت کی کہ برصغیر کے مختلف برطانوی صوبوں کو جہاں مختلف قومیں بستی ہیں، ملا کر ایک وفاق کے ماتحت کر دیا جائے۔ انہوں نے کہا کہ یہ بات بہت غلط ہوگی کیونکہ مسلمان ایک علیحدہ قوم ہیں۔ جن کی تاریخ، تہذیب و تمدن، رسم و رواج اور سوچ کا انداز ہندوؤں سے بالکل مختلف ہے۔ برصغیر کے مجوزہ وفاق میں وہ مستقل اقلیت بن کر رہیں گے۔ ہندو اکثریت ان کو ہمیشہ دبائے رکھے گی۔ اسی طرح ان کا قومی وجود خطرے میں پڑ جائے گا۔ ایسے وفاق میں شرکت پر رضا

مندی سزائے موت کے پروانے پر دستخط کر دینے کے مترادف ہوگی۔ انہوں نے یہ بات زور دے کر کہی کہ جداگانہ قومیت اور تہذیب و تمدن کی بناء پر جب برما کو برصغیر سے علیحدہ کر کے ایک الگ ریاست کی شکل دی جا رہی ہے تو اسی بنیاد پر مسلم علاقے ہندوستان کے وفاق کا حصہ کیوں بنے رہیں؟

خالدہ ادیب خانم سے انٹرویو: 1937ء تک چودھری رحمت علی کی پاکستان قومی تحریک اتنی مشہور ہو چکی تھی کہ انسائیکلو پیڈیا آف پاکستان کے پہلے ایڈیشن میں پورا ایک باب پاکستان کے تصور پر موجود تھا جس میں چودھری رحمت کے دلائل کا ایک جامع خاکہ دیا گیا تھا۔ اسی شہرت نے موجودہ ترکیہ کی ممتاز سیاست دان اور صحافی خالدہ ادیب خانم کو چودھری رحمت کا انٹرویو لینے کی طرف متوجہ کیا۔ دونوں کی ملاقات 1936ء میں لندن اور پیرس میں دو جگہ ہوئی۔ انہوں نے چودھری رحمت علی کے خیالات کی تفصیل اپنی کتاب ''درون ہند'' میں نمایاں طور پر لکھی ہے۔ ان کے خیالات سن کر راجندر پرشاد نے انہیں دو قومی نظریہ کا سخت گیر مبلغ قرار دیا۔''[1]

انہوں نے کہا کہ ہندو مسلم مسئلے کا واحد راستہ یہ ہے کہ برصغیر کے ہندو اور مسلمان علاقوں کی واضح حد بندی کر دی جائے۔ معاشرتی لحاظ سے پاکستان میں بسنے والے مسلمان عوام کی اپنی تہذیب و ثقافت ہے جو ہندوؤں کی تہذیب و ثقافت سے سراسر مختلف ہے۔ اسلام کا اپنا معاشی، اخلاقی اور سیاسی نظام ہے۔ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جس میں مسلمانوں کی زندگی کے ہر شعبے میں واضح راہنمائی اور ہدایت موجود ہے۔ مسلمانوں کی اب تک کوئی واضح پالیسی نہ تھی اس لئے ان کو صدیوں سے نظر انداز کیا جاتا رہا ہے۔ مسلمان ہندوؤں اور انگریزوں کے ہاتھوں میں کھلونا بنے رہے ہیں۔ اگر وہ انگریزوں کی حمایت کرتے تو ہندوؤں کے مخالف شمار ہوتے۔ اگر وہ قوم پرست بن جاتے تو انگریزوں کے مخالف اور ہندوؤں کے حمائیتی کہلواتے۔ اب ہمارے قومی وجود کو خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔ اس سنگین خطرے نے ہمیں پاکستان قومی تحریک کی داغ بیل ڈالنے پر مجبور کیا۔ ہم نے گول میز کانفرنس میں انگریز اور ہندو نمائندوں کے سامنے یہ تجویز رکھی مگر انگریز اور ہندو دونوں نے ہماری بات ماننے سے انکار کر دیا۔ ہمیں اس بات کا بخوبی علم بلکہ پختہ یقین ہے کہ ہمارا مقصد حصول پاکستان ہے۔ ہمارے لئے یہ زندگی اور موت کا سوال ہے۔ راستہ کٹھن ہے۔ اس جدوجہد میں ہم کو کڑے مصائب کا سامنا ہے۔ ہم نے اپنے خون کے آخری قطرے تک جان توڑ کوشش اور جدوجہد کرنے کا پکا اور مصمم ارادہ کر رکھا ہے۔ ہم اس حقیقت سے بھی پوری طرح واقف ہیں کہ ہمارے بزرگوں کو ان سے بھی زیادہ مشکل حالات کا سامنا تھا۔ جن کا انہوں نے کامیابی سے مقابلہ کیا۔ ہم بھی اپنی محنت اور لگن کے بل بوتے پر کامیابی حاصل کریں گے۔

1- جی الانا صفحہ 372

پاکستان علاقوں کی کل آبادی 4 کروڑ 20 لاکھ ہے۔ اس میں سے مسلمانوں کی تعداد تین کروڑ بیس لاکھ ہے۔ ہمارا علاقہ دور تک پھیلا ہوا ہے۔ اس کو پانچ دریا سیراب کرتے ہیں۔ زمین زرخیز ہے۔ اور وسائل سے مالا مال ہے۔ پاکستان سے باہر مسلمانوں کا کوئی مستقبل نہیں ہے۔ ہندو اور مسلمان نہ ایک ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے ہیں اور نہ ایک دوسرے کے ساتھ شادی بیاہ کے بندھن میں بندھتے ہیں۔ ہمارے رسم ورواج، کیلنڈر، لباس اور خوراک غرض یہ کہ ہر چیز ہندوؤں سے بالکل مختلف ہیں۔ ایسی دو قوموں پر زبردستی ایک متحدہ قومیت مسلط کر دینا تاریخ سے غداری اور انسانیت سے بے وفائی ہوگی۔ پس مسلمانوں کا علیحدہ قوم تسلیم کئے جانے کا مطالبہ ہر طرح درست ہے۔

چودھری رحمت علی کے منصوبے پر فوری ردعمل: چودھری رحمت علی نے جب پاکستان کے بارے میں اپنا منصوبہ شائع کیا تو کسی طرف سے بھی خوشگوار ردعمل کا اظہار نہ ہوا۔ چودھری ظفر اللہ خان کا خیال تھا کہ یہ منصوبہ ناقابل عمل ہے۔ خلیفہ شجاع الدین نے کہا کہ اس کی حیثیت کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ اب تک کسی بھی سیاسی جماعت یا لیڈر نے اس منصوبے پر غور نہیں کیا ہے۔ یہ صرف ایک طالب علم کا منصوبہ ہے۔ چودھری رحمت علی نے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کی اور اس منصوبے کے بارے میں سوال کیا۔ جواب ملا کہ گول میز کانفرنس میں شریک ہونے والے تمام مسلمان نمائندوں نے ایک اجلاس میں اس پر غور کیا لیکن کسی نے اس کی حمایت نہ کی البتہ سر سلطان محمد آغا خان کی سوچ مختلف تھی۔ انہوں نے ارکان سے کہا کہ اس منصوبے کی مذمت نہ کریں۔ یہ مستقبل کی سیاست کا سنگ بنیاد ہے۔ قائداعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ عظیم نوجوانوں عجلت سے کام نہ لو۔ پانی بہنے دو۔ وہ اپنا رستہ خود متعین کرے گا۔

اس منصوبے نے ہندوؤں اور انگریزوں کو چونکا دیا۔ برطانوی دار العلوم نے اس کی طرف توجہ دی۔ پارلیمنٹ کی جوائنٹ سلیکٹ کمیٹی نے اس کے بارے میں مسلمان نمائندوں سے سوالات کئے۔ ایک رکن پارلیمنٹ نے کہا کہ یہ ہندوستان میں خانہ جنگی کی علامت ہے۔ اخبار ''سٹیٹس مین'' نے اس کو برطانوی سامراجیت کے مستقبل کے لئے ایک سنگین خطرہ قرار دیا۔ ایک ہندو دانشور نے رائے دی کہ اگر یہ منصوبہ کامیاب ہو گیا تو فوجی بھرتی کے تمام علاقے علیحدہ ہو جانے کی وجہ سے ہندوستان کا دفاع کمزور پڑ جائے گا۔ جس کا برا اثر برطانوی سلطنت پر بھی پڑے گا۔ پنجاب کے سکھ فرقہ کو بھی اس سے بہت نقصان ہوگا۔

کون جانتا تھا کہ یہ منصوبہ جسے اس وقت مسلم اور غیر مسلم حلقوں میں تنقید کا نشانہ بنایا جا رہا ہے، ایک دن حقیقت کا روپ دھار لے گا۔ چودھری رحمت علی کو منصوبے کے اس مستقبل پر یقین کامل تھا۔

Objective معروضی

سوال نمبر 1: کثیر الانتخابی سوالات امتحان میں بیس آئیں گے جن کو حل کرنا لازمی ہوگا۔ ہر سوال کے چار (4) ممکنہ جواب A، B، C اور D سامنے دیئے گئے دائروں میں سے ایک دائرے کو پین یا مارکر کی سیاہی سے بھر دیں۔ (کل نمبر 20)

1- پاکستان کا نام کس نے تجویز کیا؟

(ا)	قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ	(ب)	علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ
(ج)	چوہدری رحمت علی ✓	(د)	مولانا محمد علی جوہر

2- چوہدری رحمت علی کس ضلع میں پیدا ہوئے؟

(ا)	ضلع جالندھر	(ب)	ضلع ہوشیارپور ✓
(ج)	ضلع گورداسپور	(د)	ضلع امرتسر

3- چوہدری رحمت کب پیدا ہوئے؟

(ا)	16 نومبر 1915ء	(ب)	16 نومبر 1897ء ✓
(ج)	16 نومبر 1898ء	(د)	16 نومبر 1928ء

4- چوہدری رحمت علی کے والد کی کتنی زمین تھی؟

(ا)	165 ایکڑ	(ب)	185 ایکڑ
(ج)	155 ایکڑ	(د)	15 ایکڑ ✓

5- چوہدری رحمت علی نے 1918ء میں کونسے کالج سے بی اے کا امتحان پاس کیا؟

(ا)	گورنمنٹ کالج لاہور سے	(ب)	پنجاب یونیورسٹی سے
(ج)	اسلامیہ کالج ریلوے روڈ لاہور سے ✓	(د)	اسلامیہ کالج سول لائنز لاہور سے

6- چوہدری رحمت علی نے بزم شبلی کی بنیاد اسلامیہ کالج ریلوے روڈ میں کب رکھی؟

(ا)	1918ء	(ب)	1914ء
(ج)	1916ء	(د)	1915ء ✓

7- چوہدری رحمت علی نے مزاری خاندان کی زمین واگزار کرائی تو انہیں کتنا انعام ملا؟

(ا)	60,000 روپے ✓	(ب)	20,000 روپے
(ج)	10,000 روپے	(د)	15,000 روپے

8- پاکستان نیشنل موومنٹ کی بنیاد چوہدری رحمت علی نے کب رکھی؟

(ا) 1915ء (ب) 1930ء

(ج) 1933ء ✓ (د) 1932ء

9- چوہدری رحمت علی نے کتابچہ Now or never کب جاری کیا؟

(ا) 28 جنوری 1932ء (ب) 28 جنوری 1933ء ✓

(ج) 28 فروری 1932ء (د) 28 فروری 1933ء

10- چوہدری رحمت علی نے اپنی زندگی کے آخری ایام کہاں بسر کیے؟

(ا) لاہور (ب) دہلی

(ج) لندن ✓ (د) میکسیکو

11- چوہدری رحمت علی قیام پاکستان کے بعد کس شہر میں رہنا چاہتے تھے؟

(ا) لاہور ✓ (ب) کراچی

(ج) اسلام آباد (د) بہاولپور

12- چوہدری رحمت علی کب فوت ہوئے؟

(ا) فروری 1950ء (ب) فروری 1951ء ✓

(ج) فروری 1952ء (د) فروری 1953ء

13- چوہدری رحمت علی کے والد کا نام کیا تھا؟

(ا) چوہدری غلام (ب) چوہدری شاہ دین

(ج) چوہدری فضل (د) چوہدری شاہ محمد ✓

14- پاکستان قومی تحریک کا دفتر کہاں واقع تھا؟

(ا) پاکستان (ب) جرمنی

(ج) انگلستان (د) بھارت

15- چوہدری رحمت علی نے Now or never کا دوسرا حصہ کب شائع کیا؟

(ا) 1933ء (ب) 1937ء ✓

(ج) 1935ء (د) 1940ء

16- دی فادر لینڈ آف دی پاک نیشن کا مصنف کون تھا؟

(ا) علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ (ب) سر آغا خان

(ج) مولانا محمد علی جوہر (د) چوہدری رحمت علی ✓

17- The Millat and The Mission نامی پمفلٹ چوہدری رحمت علی نے کب شائع کیا؟

(ا) 1946ء (ب) 1944ء ✓

(ج) 1938ء (د) 1942ء

18- چوہدری رحمت علی نے پاکستان کا منصوبہ اپنے کس کتابچہ میں پیش کیا؟

(ا) The Father Land of The Pak Nation

(ب) The Millat and the Mission

(ج) Now or Never ✓ (د) ان میں سے کوئی نہیں

19- چوہدری رحمت علی نے بیرسٹری کی ڈگری کہاں سے حاصل کی؟

(ا) آکسفورڈ یونیورسٹی (ب) علی گڑھ یونیورسٹی

(ج) پنجاب یونیورسٹی (د) کیمبرج یونیورسٹی ✓

20- چوہدری رحمت علی کا انٹرویو لینے والی خاتون خالدہ ادیب خانم کا تعلق کس ملک سے تھا؟

(ا) ترکی ✓ (ب) ایران

(ج) انگلستان (د) عراق

21- خالدہ ادیب خانم نے چوہدری رحمت علی سے کب انٹرویو لیا؟

(ا) 1932ء (ب) 1933ء

(ج) 1936ء ✓ (د) 1947ء

22- چوہدری رحمت علی کے منصوبہ پاکستان پر کس سیاسی جماعت نے غور کیا؟

(ا) کانگریس (ب) مسلم لیگ

(ج) مسلم کانفرنس (د) ان میں سے کوئی نہیں ✓

23- پاکستان کے کس عظیم راہنما کو 1947ء میں حکومت پاکستان نے چوبیس گھنٹے کے اندر اندر ملک چھوڑنے کا حکم دیا؟

(ا) نواب اسماعیل ابراہیم چندریگر (ب) چوہدری رحمت علی ✓

(ج) مولانا ظفر علی خان (د) سردار عبدالرب نشتر

24- چوہدری رحمت علی کو کہاں دفن کیا گیا؟

(ا) ان کے آبائی گاؤں موہار (ب) لندن ✓

(ج) لاہور (د) بیت المقدس

(Subjective Part - I) حصہ انشائیہ	25 × 2 = 50

نوٹ: سوال نمبر 3,2 اور 4 میں سے 25 (پچیس) مختصر سوالات کے جوابات تحریر کریں اور ہر سیکشن سے کم از کم 8 سوالات حل کرنا ضروری ہے۔ جواب تحریر کرتے وقت سوال کا نمبر ضرور تحریر کریں۔
سوال نمبر 3: (سیکشن "بی") مختصر سوالات کے جوابات تحریر کریں۔ (جوابات کیلئے صفحہ 313 پر دیکھیں)

(Subjective Part II) حصہ دوم

نوٹ: مندرجہ ذیل سوالات میں سے صرف تین کے جوابات تحریر کریں۔ 10 × 3 = 30

1۔ تحریک پاکستان کے فروغ میں چودھری رحمت علی نے جو بنیادی کردار ادا کیا اس کا جائزہ لیں۔

2۔ چودھری رحمت علی کے افکار و خیالات پر تبصرہ کریں۔

3۔ چودھری رحمت علی کے حالات زندگی بتاتے ہوئے ان کے ملی خیالات کی وضاحت کیجئے۔



باب 10

گول میز کانفرنسیں 1930ء تا 1932ء

جون 1929ء کو لیبر پارٹی کے لیڈر ریمزے میکڈانلڈ نے بادشاہ کے ہاتھ کو بوسہ دے کر وزیراعظم کا عہدہ سنبھالا۔ انہیں کئی جانب سے مشورہ ملا کہ انہیں صرف سائمن رپورٹ کی بنیاد پر ہندوستان کا آئین بنانے کے بجائے ہندوستانی لیڈروں سے بالمشافہ گفتگو کر کے ان کے درمیان سمجھوتے کی کوشش کرنی چاہیے۔ قائداعظم نے بھی 19 جون کو برطانوی وزیراعظم کے نام اپنے طویل خط میں ہندوستانی لیڈروں کی کانفرنس کی تجویز دی۔

وائسرائے کا اعلان: 31 اکتوبر 1929ء کو وائسرائے لارڈ اروِن نے اعلان کیا کہ حکومت برطانیہ عنقریب ہندوستانی نمائندوں کو آئینی صلاح مشورے کے لیے لندن آنے کی دعوت دے گی۔

کانگرس کی شرائط: کانگرس نے گول میز کانفرنسوں میں شرکت اور حکومت کے ساتھ تعاون کیلئے چار شرائط پیش کیں۔ (1) سیاسی قیدیوں کو رہا کیا جائے۔ (2) کانفرنس میں کانگرسی نمائندوں کی اکثریت ہو (3) کانفرنس آئین کے اصولوں پر بحث کرنے کے بجائے درجہ نو آبادیات کا آئین مرتب کرے (4) ہندوستان میں فوری طور پر درجہ نو آبادیات کے اصول کے تحت حکومت قائم کی جائے اور اس کے لئے نئے آئین کا انتظار نہ کیا جائے۔[1]

کانگرسی شرائط مسترد: وائسرائے پہلی دو شرائط تسلیم کر سکتا تھا مگر آخری دو شرائط حکومت کیلئے قطعی ناقابل قبول تھیں۔ لہٰذا شرائط مسترد کر دی گئیں۔

مسلم لیگ کا خیر مقدم: فروری 1930ء میں مسلم لیگ کونسل نے جناح کی زیر صدارت گول میز کانفرنس کی تجویز کا خیر مقدم کرتے ہوئے حکومت سے تعاون کرنے کا فیصلہ کیا۔

کانگرس کا سول نافرمانی کا فیصلہ: کانگرس اپنے سالانہ اجلاس 1928ء میں تحریک سول نافرمانی کا فیصلہ کر چکی تھی۔ شرائط کی نامنظوری سے اس کے ہاتھ بہانہ آ گیا۔ دسمبر 1929ء میں کانگرس کا سالانہ

1- سید نور احمد 100-101

اجلاس جواہر لعل نہرو کی زیر صدارت لاہور میں ہوا۔ اس میں فیصلہ کیا گیا کہ نہرو رپورٹ کے نفاذ کے لئے حکومت کو دی گئی ایک سال کی مدت گزر چکی ہے۔ اس لئے اب کانگرس کا نصب العین درجہ نوآبادیات کے بجائے کامل آزادی ہوگا۔ کانگرس نے سول نافرمانی اور عدم ادائیگی ٹیکس کی تحریک چلانے کا فیصلہ کیا۔ فروری 1930ء میں گاندھی کو اس تحریک کا بلا شرکت غیرے انچارج مقرر کیا گیا۔

تحریک سول نافرمانی اور مسلمان: مسلم لیڈروں نے کانگرس کی تحریک سے لاتعلقی کا اعلان کرتے ہوئے مسلمانوں کو اس میں شرکت سے منع کر دیا۔ مولانا جوہر نے اپریل 1930ء کو آل انڈیا مسلم کانفرنس کے جلسے میں کہا کہ گاندھی کی تحریک مکمل آزادی کیلئے نہیں بلکہ سات کروڑ مسلمانوں کو ہندو مہاسبھا کا غلام بنانے کے لئے ہے۔ [2]

سول نافرمانی: گاندھی نے مارچ 1930ء میں سول نافرمانی کی تحریک شروع کی۔ 12 مارچ کو وہ پیدل ڈانڈی روانہ ہوئے ڈانڈی پہنچ کر وہ ایک ماہ تک نمک سازی کے قانون کی خلاف ورزی کرتے رہے۔ اس مرتبہ ہزاروں عورتیں بھی میدان میں نکل آئیں۔ 5 مئی 1930ء کو حکومت نے گاندھی اور دوسرے کانگرسی لیڈروں کو جیل میں ڈال دیا۔ کچھ ہی عرصے میں تحریک ماند پڑ گئی۔

پہلی گول میز کانفرنس: مئی 1930ء کو سائمن کمیشن کی رپورٹ دو جلدوں میں شائع ہوئی۔ اس وقت کانگرس کی سول نافرمانی کی تحریک جاری تھی۔ پہلی گول میز کانفرنس 12 نومبر 1930ء سے 19 جنوری 1931ء تک جاری رہی۔

(i) دعوت نامے: 11 ستمبر 1930ء کو گول میز کانفرنس کے تمام ہندوستانی جماعتوں کے 58 نمائندوں کو دعوت نامے جاری کیے گئے۔ ان میں ریاستوں کے 16 اور مسلمانوں کے 18 نمائندے شامل تھے جبکہ کانگرس کے کسی نمائندے کو مدعو نہ کیا گیا۔ مسلم نمائندوں میں قائداعظم، مولانا جوہر، سر آغا خان، سر محمد شفیع، شاہنواز ممدوٹ اور ہندوؤں میں نواس شاستری، تیج بہادر سپرو، جیکار، ڈاکٹر مونجے، چمن لال سیتل اور اچھوت لیڈر ڈاکٹر امبید کر نمایاں تھے۔ مسلم خواتین کی نمائندگی کے لئے بیگم شاہنواز کو بلایا گیا۔

(ii) کانفرنس کا افتتاح: 12 نومبر 1930ء کو لندن کے جیمز پیلس میں شاہ انگلستان جارج پنجم نے کانفرنس کا افتتاح کیا۔ [3] وزیر اعظم ریمزے میکڈانلڈ کو کانفرنس کا چیئرمین منتخب کیا گیا۔ [4]

(iii) مولانا جوہر کی تقریر: مولانا جوہر نے سخت بیمار ہونے کے باوجود ہندوستان کی آزادی کی خاطر

2- آئی۔ ایچ قریشی 81 3- بولائتھو 152 4- جی الانا 275

7000 میل کا سفر اختیار کیا۔ 17 نومبر کو کانفرنس کا باضابطہ اجلاس ہوا۔ مولانا جوہر نے بیٹھ کر تقریر کی [5] جو بڑی فکر انگیز اور حریت کا پیغام تھی۔ اپنی تقریر کے آخر میں انہوں نے کہا کہ "میں آزادی کے پروانے کے ساتھ ہندوستان لوٹنا چاہتا ہوں۔ ورنہ میں غلام ملک میں مرنے کے بجائے دیار غیر میں مرنا پسند کروں گا۔" [6] واقعی انہوں نے لندن کی آزاد فضا میں 4 جنوری 1931ء کو دار فانی کو الوداع کہا اور بیت المقدس کی سرزمین میں دفن ہوئے۔

(iv) جناح کی تقریر: محمد علی جناح نے کانفرنس کے ابتدائی اجلاس میں 40 منٹ تک تقریر کی۔ جو کہ دنیا کی بہترین تقریروں میں سے تھی [7] انہوں نے ہندوستان کے آئینی مسائل پر اپنا نقطہ نظر نہایت جرأت و بیباکی سے بڑے خوبصورت اور موثر انداز میں پیش کیا۔

(v) سب (Sub) کمیٹیاں: عام بحث کے بعد مختلف امور کی تفصیلات طے کرنے کیلئے نو کمیٹیاں تشکیل دی گئیں۔ جناح بھی تین کمیٹیوں کے رکن تھے۔ اس حیثیت سے انہوں نے بڑی نمایاں خدمات سرانجام دیں۔ [8]

(vi) متفقہ فیصلے: عام اجلاس میں اتفاق رائے سے طے پایا کہ طرز حکومت وفاقی ہوگا۔ مہاراجہ بیکانیر نے ریاستوں کے حقوق کے تحفظ کی شرط پر وفاق میں ریاستوں کی شمولیت کا اعلان کیا۔ اس کانفرنس میں سندھ کو علیحدہ صوبہ بنانے اور برما کی ہندوستان سے علیحدگی کا اصولی فیصلہ ہو گیا۔ صوبوں میں دوعملی نظام ختم کر کے ذمہ دار حکومتوں کے قیام کا بھی فیصلہ کر لیا گیا۔

فرقہ وارانہ مسئلہ: قائداعظم، سر آغا خان اور سر محمد شفیع نے مصالحت و تعاون کے جذبے سے ہندو مسلم تنازعہ حل کرنے کی انتہائی کوشش کی۔ آغا خاں نے ہندو لیڈروں کو پیش کش کی کہ اگر سندھ کو صوبہ کا درجہ اور صوبہ سرحد میں آئینی اصلاحات کا نفاذ کر دیا جائے، سول ملازمتوں میں مسلمانوں کو آبادی کے تناسب سے حصہ، پنجاب اور بنگال میں آبادی کے تناسب سے نمائندگی دے دی جائے اور صوبائی خودمختاری کے ساتھ وفاقی نظام رائج کر دیا جائے تو مسلمان جداگانہ انتخاب کے حق سے دستبردار ہونے اور ہندوؤں سے پورا تعاون کرنے کو تیار ہیں۔ لیکن مونجے اور جیکار نے یہ پیش کش رد کر دی۔

اس کانفرنس میں کانگرس موجود نہ تھی لیکن مہا سبھائی ہندو لیڈروں کا رویہ کانگرس سے کہیں زیادہ دل شکن تھا۔ چمن لال سیتل نے اعتراف کیا ہے کہ: ڈاکٹر مونجے اور جیکار کی ضد اور تعصب نے ایک خوبصورت موقع کھو دیا...... ورنہ ہندوستان کی سیاست اور تاریخ کے دھارے کسی اور جانب بہہ رہے ہوتے۔" [9]

5- حسن ریاض 171 6- حصول پاکستان 157 7- حسن ریاض 171
8- ایک قوم کی سرگذشت جی الانا 277 9- جی الانا 282,281

(viii) پہلی کانفرنس کا اختتام: پہلی گول میز کانفرنس 19 جنوری 1931ء کو وزیر اعظم کے پالیسی بیان کے ساتھ اختتام پذیر ہوگئی کہ ہندوستان کی حکومت وفاقی ہوگی۔ مرکزی حکومت مقننہ کی تحویل میں ہوگی۔ صوبے خودمختار ہوں گے۔ وزراء مجالس قانون ساز سے لئے جائیں گے۔ دفاع، امور خارجہ، امن وامان اور قلیتوں کے حقوق کی نگرانی گورنر جنرل کے ذمہ ہوگی۔

دوسری گول میز کانفرنس: دوسری کانفرنس 7 ستمبر 1931ء سے یکم دسمبر 1931ء تک جاری رہی۔

(i) گاندھی اروِن معاہدہ: وزیر اعظم کے پالیسی بیان میں وہ سب کچھ تھا جو کانگرس چاہتی تھی۔ لہٰذا گاندھی نے حکومت سے تعاون کے لئے آمادگی ظاہر کی۔ لارڈ اروِن نے اشارہ پاتے ہی جنوری 1931ء میں گاندھی اور دوسرے لیڈروں کو بلاشرط رہا کر دیا۔ ہندو لیڈروں کی کوششوں سے اروِن گاندھی ملاقات ہوئی۔ نتیجہ کے طور پر 5 مارچ کو گاندھی اروِن معاہدہ ہوگیا۔ طے ہوا کہ (1) کانگرس تحریک بند کردے گی۔ (2) گول میز کانفرنس میں شرکت کرے گی (3) ولائتی مال کا بائیکاٹ نہیں کرے گی۔ اس کے بدلے میں حکومت (1) قیدیوں کو رہا کر دے گی۔ (2) تحریک کے دوران نافذ کئے گئے قوانین واپس لے لے گی۔ (3) جو جرمانے وصول نہیں ہوئے معاف کردیئے جائیں گے۔ (4) مستعفی ملازمین دوبارہ تعینات کردیئے جائیں گے بشرطیکہ آسامی پُر نہ ہوگئی ہو۔

کانفرنس کا آغاز: کانگرس نے مطالبہ کیا کہ کانفرنس میں اس کے نمائندوں کی اکثریت ہو۔ یہ مطالبہ منظور نہ ہوا تو کانگرس نے 9 اگست کو تنہا گاندھی کو بھیج دیا۔ بعد میں مہاسبھا کے مدن موہن مالویہ اور سروجنی نائیڈو اور مسلمانوں کی طرف سے مولانا شوکت علی اور علامہ اقبال بھی شریک ہوگئے۔ 7 ستمبر 1931ء کو کانفرنس کی کارروائی کا آغاز ہوا۔

گاندھی اور فرقہ وارانہ مسئلہ: اصل مسئلہ فرقہ وارانہ نمائندگی اور تناسب کا تھا۔ لیکن گاندھی کا موقف تھا کہ وہ ڈاکٹر انصاری کے بغیر ہندو مسلم مسئلہ کے بارے کچھ نہیں کہہ سکتے۔ مقصد یہ ثابت کرنا تھا کہ کانگرس مسلمانوں کی بھی ترجمان ہے۔ حکومت نے ڈاکٹر انصاری کو شریک کرنے کا مطالبہ مسترد کردیا تو گاندھی نے دعویٰ کیا کہ تمام ہندوستانی ایک قوم ہیں اور وہ اپنی خدمات کی بنا پر ہندوؤں، مسلمانوں، اچھوتوں، سکھوں اور پارسیوں سمیت ہندوستان کے تمام طبقوں اور ریاستوں کے واحد نمائندہ ہیں۔

مذاکرات: قائداعظم، سر آغا خاں، سر محمد شفیع اور گاندھی میں فرقہ وارانہ مسئلہ حل کرنے کیلئے مذاکرات ہوئے۔ گاندھی کے متحدہ قومیت کے بارے میں بے وزن دلائل مسلم لیڈروں کو قائل نہ کر سکے۔ پہلے گاندھی کا موقف تھا کہ ہندو مسلم اتحاد کے بغیر آزادی نہیں مل سکتی۔ یعنی اتحاد کے انڈے سے آزادی

کا چوزہ برآمد ہوگا۔ اب انہوں نے موقف اختیار کیا کہ آزادی کے بغیر ہندو مسلم اتحاد نہیں ہوسکتا۔ یعنی آزادی کے انڈے سے اتحاد کا چوزہ نکلے گا۔[10]

درحقیقت گاندھی فرقہ وارانہ مسئلہ حل کرنا نہیں چاہتے تھے۔ انہوں نے تجویز پیش کی کہ اس مسئلے کو ملتوی کرکے پہلے آئین مرتب کرلیا جائے۔ آزادی کی گرمی فسادات کی برف کو خود بخود پگھلا دے گی۔ وزیر اعظم نے انہیں حقائق سے چشم پوشی کرنے سے منع کرتے ہوئے زور دیا کہ یہ مسائل فوری توجہ کے مستحق ہیں۔

اقلیتوں کا اتحاد اور معاہدہ: گاندھی کے ٹال مٹول، تعصب اور ہٹ دھرمی سے تنگ آکر مسلمانوں سمیت تمام اقلیتوں نے 12 نومبر 1931ء کو اتحاد کر کے معاہدہ کرلیا اور اس کو مشترکہ یادداشت کے طور پر سب کمیٹی کے سامنے پیش کرتے ہوئے کہا کہ یہ معاہدہ ملک کے 46% نمائندوں نے کیا ہے اسے بلاترمیم منظور کرلیا جائے یا مسترد کر دیا جائے۔

گاندھی کی بے بسی: گاندھی، حکومت کی بے جا تائید سے محروم اور اقلیتوں کے ساتھ انصاف کی صلاحیتوں سے عاری تھے۔ ان حالات مین ان کا اصل روپ بے نقاب ہوگیا کہ وہ صرف متعصب ہندو لیڈر ہیں۔ لہٰذا وہ لاچار کانفرنس سے واپس لوٹے۔[11]

کانفرنس کا اختتام اور پالیسی بیان: دوسری کانفرنس گاندھی کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے ناکام ہوگئی۔ کانفرنس کے اختتام پر یکم دسمبر کو وزیر اعظم نے حسب معمول پالیسی بیان جاری کیا۔

''اصل میں یہ ہندوستانیوں کا کام ہے کہ وہ فرقہ وارانہ مسئلہ باہمی اتفاق رائے سے حل کریں۔ اگر وہ ایسا نہ کرسکے تو حکومت اپنی طرف سے کوئی عارضی اسکیم نافذ کرنے پر مجبور ہوگی۔''[12]

کانگرس کی پھر سول نافرمانی: گاندھی ابھی لندن میں تھے کہ ان کی ناکامی کی وجہ سے کانگرس کی امیدوں پر پانی پھر گیا۔ نہرو اور دوسرے کانگرسی لیڈروں نے دوبارہ سول نافرمانی اور عدم ادائیگی ٹیکس کی تحریک زور شور سے شروع کردی۔ صوبہ سرحد میں عبدالغفار خاں بھی اس تحریک میں شامل ہوگئے۔ نئے سخت گیر وائسرائے لارڈ ولنگڈن نے نہرو، غفار خاں اور ان کے ساتھیوں کو گرفتار کرکے جیل میں ڈال دیا۔

سول نافرمانی کا خاتمہ: گاندھی وطن واپس لوٹے تو ان کے ساتھی جیلوں میں تھے۔ انہوں نے وائسرائے کو بڑا رعب دار تار ارسال کیا۔ مگر وائسرائے نے اس کا جواب دینا بھی گوارا نہ کیا۔ بلکہ اس کے سیکرٹری نے خشک سا جواب ''پہلے تحریک بند کرو'' دے کر گاندھی کا سارا غرور خاک میں ملا دیا۔ گاندھی

10- سید نور احمد 111 11- حسن ریاض 176-175 12- حسن ریاض 175

نے تحریک کو ہوا دی تو وائسرائے نے انہیں 4 جنوری 1932ء کو ان کے بہت سے ساتھیوں سمیت سیدھے جیل بھیج دیا۔ یوں کانگرس کی تحریک کی کمر ٹوٹ گئی۔

کیمونل ایوارڈ: 4 اگست 1932ء کو وزیر اعظم نے حکومت کی جانب سے فرقہ وارانہ تصفیہ کا اعلان کیا۔ اس کے تحت مسلمانوں کے علاوہ اچھوتوں، سکھوں اور عیسائیوں کی سیٹیں مخصوص کر کے انہیں بھی جداگانہ انتخاب کا حق دے دیا اور تمام صوبائی اسمبلیوں میں اقلیتوں کی نمائندگی کی صوبہ وار تفصیل بھی دے دی۔

پونا پیکٹ: گاندھی جیل میں تھے کہ اچھوتوں کو جداگانہ انتخاب کا حق دینے کی خبر ان پر بجلی بن کر گری۔ انہوں نے جیل سے وائسرائے کو خط لکھا کہ اگر اچھوتوں کی حد تک فرقہ وارانہ فیصلہ تبدیل نہ کیا گیا تو وہ مرن برت رکھ کر جان دے دیں گے۔ کیونکہ حکومت نے اس فیصلے سے ہندو عقائد پر کاری ضرب لگائی ہے۔

8 ستمبر 1932ء کو وائسرائے نے گاندھی کا مطالبہ کرتے ہوئے کہا کہ اگر اچھوت اپنے طور پر اس حق سے دستبردار ہو جائیں تو حکومت کو کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ 20 ستمبر سے گاندھی نے مرن برت شروع کیا تو ہندوؤں میں ہلچل مچ گئی۔ کئی ہندو لیڈروں نے اچھوت لیڈر امبید کر پر زور ڈالا۔ وہ دباؤ میں آگئے۔ ان کی اچھوت ذہنیت برہمن کی برابری کرنے کی ہمت نہ کر سکی۔ لہٰذا انہوں نے پونا میں راج گوپال اچاریہ کے تجویز کردہ فارمولے کے تحت 25 دسمبر 1932ء کو گاندھی سے معاہدہ کر لیا جو پونا پیکٹ کے نام سے مشہور ہوا۔ اس معاہدے کے تحت اچھوت جداگانہ انتخاب کے حق سے محروم ہو گئے اور آج تک اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کے تلوے چاٹ رہے ہیں۔ حکومت نے حسب وعدہ معاہدہ کو تسلیم کر کے کیمونل ایوارڈ میں ترمیم کر لی۔ ⓫

تیسری گول میز کانفرنس: تیسری گول میز کانفرنس 17 نومبر 1932ء کو شروع ہوئی۔ کانگرس کو اس میں مدعو نہ کیا گیا۔ قائداعظم وفاق ہند کے مخالف تھے اس لئے انہیں بھی شرکت کی دعوت نہ دی گئی۔ اس میں قلیل تعداد میں نمائندے شرکت ہوئے۔ اس میں آئینی سب کمیٹیوں کی تفصیلی رپورٹیں مرتب کی گئیں۔ 24 دسمبر کو یہ اپنے اختتام کو پہنچی۔

تبصرہ: یہ پہلا موقع تھا کہ اتنی کثیر تعداد میں ہندوستانی نمائندوں نے حکومت برطانیہ سے کھل کر آئینی مسئلے پر تفصیلی گفتگو کی۔ افسوس کہ گاندھی، جیکار اور مونجے جیسے انتہا پسند ہندو لیڈروں کی وجہ سے ہندو مسلم آئینی مفاہمت نہ ہو سکی۔ تاہم انگریز سرکار کو مختلف طبقات کے مسائل و مطالبات سے مکمل آگاہی حاصل ہو گئی۔

مسلمانوں کو ان کانفرنسوں سے یہ فائدہ ہوا کہ سندھ کو علیحدہ صوبہ کا درجہ مل گیا۔ 1935ء کی اصلاحات کا صوبہ سرحد میں بھی نفاذ ہو گیا۔ اور ان کے لئے جداگانہ انتخاب کا حق برقرار رہا۔

-13 حسن ریاض 177

گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935ء

آئینی پس منظر: 1919ء کے ایکٹ میں کہا گیا تھا کہ دس سال کے بعد آئینی اصلاحات کا از سر نو جائزہ لیا جائے گا۔ چنانچہ اس سلسلے میں سائمن کمشن نے 3 فروری 1928ء سے برصغیر کا دورہ شروع کیا۔ چونکہ اس کمشن میں کسی ہندوستانی نمائندے کو شامل نہ کیا گیا تھا اس لئے تمام قابل ذکر سیاسی جماعتوں نے اس کا بائیکاٹ کیا۔ 30 جون 1930ء کو سائمن رپورٹ شائع کی گئی لیکن سیاسی پارٹیوں نے اس پر عدم اطمینان کا اظہار کیا۔ دہلی تجاویز، نہرو رپورٹ، آل پارٹیز مسلم کانفرنس کی سفارشات اور جناح کے چودہ نکات بھی فرقہ وارانہ مسئلہ کو حل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔

1930ء سے 1932ء تک لندن میں تین گول میز کانفرنسیں منعقد ہوئیں جن میں تمام قابل ذکر سیاسی جماعتوں اور دیسی ریاستوں کے نمائندے شریک ہوئے۔ دوسری کانفرنس کے بعد 16 اگست 1932ء کو آئینی اداروں میں فرقہ وارانہ نمائندگی کے لئے کیمونل ایوارڈ کا اعلان کیا گیا۔ اسی سال صوبہ سرحد میں آئینی اصلاحات نافذ کرنے اور سندھ کو علیحدہ صوبہ بنانے کا فیصلہ ہوا۔

گول میز کانفرنسوں میں مختلف سیاسی جماعتوں کا نقطہ نظر سننے کے بعد حکومت نے 18 مارچ 1933ء میں قرطاس ابیض (White paper) شائع کیا۔ اپریل 1933ء میں اس پیپر کو جائنٹ سیلکٹ کمیٹی (Joint Select committee) کے سپرد کر دیا گیا۔ اس کمیٹی میں برطانوی پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کے سولہ سولہ ارکان، برصغیر کے 20 اور دیسی ریاستوں کے سات نمائندے شامل تھے۔ کمیٹی نے اٹھارہ ماہ بعد 22 نومبر 1934ء کو اپنی رپورٹ پیش کی۔ 5 فروری 1935ء کو کمیٹی کی سفارشات پر مبنی بل ایوانِ زیریں میں پیش کیا گیا۔ دونوں ایوانوں کی منظوری کے بعد 4 اگست 1935ء کو شاہی دستخطوں کے بعد یہ بل گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935ء کے عنوان سے پاس ہو گیا۔ جبکہ اس کا عملی نفاذ یکم اپریل 1937ء کو ہوا۔

آئین 1935ء کے خدوخال: آئین 1935ء کے اہم خدوخال درج ذیل ہیں۔

1-وفاقی حکومت: ایکٹ 1935ء کے تحت وفاقی طرز حکومت اختیار کیا گیا۔ ایکٹ میں کہا گیا کہ ہندوستان کا وفاق صوبوں اور دیسی ریاستوں پر مشتمل ہوگا۔ ریاستوں کو وفاق میں شامل ہونے کیلئے ہر ریاست کے سربراہ کو وفاقی حکومت سے معاہدہ کرنا ہوگا کہ وہ کون کونسے اختیارات وفاق کے سپرد کرنا چاہتے ہیں۔

2- تقسیم اختیارات: 1935ء کے آئین کے تحت اختیارات کی تین فہرستیں بنائی گئیں۔

(الف) مرکزی فہرست: دفاع، امور خارجہ اور کرنسی وغیرہ کے محکمے مرکز کو دیئے گئے۔

(ب) صوبائی فہرست: اس فہرست وہ تمام محکمے شامل تھے جو صوبوں کے دائرہ اختیار میں تھے۔

(ج) مشترکہ فہرست: ایک فہرست مشترکہ امور کی تھی۔ لیکن صوبے اور مرکز کے درمیان تنازعہ کی صورت میں مرکز کو فوقیت حاصل تھی۔ باقی ماندہ اختیارات صوبوں کے بجائے گورنر جنرل کو دیئے گئے۔

3- وفاقی مقننہ: اس ایکٹ کے تحت وفاقی مقننہ دو ایوانوں پر مشتمل تھی۔ ایوانِ زیریں کو وفاقی اسمبلی اور ایوان بالا کو کونسل آف سٹیٹ کہا جاتا تھا۔

(i) وفاقی اسمبلی: مرکزی اسمبلی کے ارکان کی تعداد 375 مقرر کی گئی۔ جن میں 125 نمائندے ریاستوں کے تھے۔ ریاستی نمائندوں کو ریاست کا حکمران نامزد کرتا تھا جبکہ باقی 250 ارکان کا انتخاب عوام کرتے تھے۔ اسمبلی کی معیاد 5 سال تھی۔

(ii) کونسل آف سٹیٹ: یہ ایک مستقل ادارہ تھا۔ اس کے ارکان کی کل تعداد 260 تھی۔ جن میں 104 ارکان ریاستوں کے اور بقیہ 156 ارکان میں سے چھ ارکان کو گورنر جنرل اقلیتوں، پسماندہ اقوام اور عورتوں میں سے نامزد کرتا تھا۔ ایوان بالا کے ارکان کی معیاد 9 سال تھی جن میں سے ایک تہائی ارکان ہر تین سال بعد ریٹائر ہو جاتے تھے۔ اس کے ووٹروں کا معیار بہت اونچا رکھا گیا۔

4- وفاقی مقننہ کے اختیارات: دونوں ایوانوں کے اختیارات مساوی تھے۔ البتہ وفاقی بجٹ اور مالی بل صرف وفاقی اسمبلی میں پیش کئے جاسکتے تھے۔ مقننہ آئین کی کسی بھی شق میں ترمیم کرنے کی مجاز نہ تھی۔ وہ بجٹ کے صرف 20% حصے پر بحث کرسکتی تھی۔ اس کا پاس کیا ہوا کوئی بھی بل گورنر جنرل مسترد کرسکتا تھا۔

5- ووٹروں کی شرائط میں نرمی: ووٹروں کے لئے شرائط 1919ء کی نسبت کافی نرم کردی گئیں۔ اب ان کی تعداد 3 کروڑ 70 لاکھ ہوگئی جو کہ کل آبادی کا 14% تھے۔ عورتوں کو بھی ووٹ کا حق دیا گیا۔

6- گورنر جنرل: گورنر جنرل مرکزی حکومت کے مالی استحکام، امن وامان، اقلیتوں، سرکاری ملازمین اور ریاستوں کے سربراہوں کے تحفظ، ملک کے دفاع اور امور خارجہ کا ذمہ دار تھا۔ وزراء کا تقرر اور برطرفی، ہنگامی حالت کا نفاذ، اسمبلی کا اجلاس بلانا، برخاست کرنا، دونوں ایوانوں سے مشترکہ خطاب

کرنا اور اسمبلی کو تحلیل کرنا اس کے اختیارات میں شامل تھا۔ اس کے علاوہ اسے بجٹ کے 80% حصے پر کنٹرول حاصل تھا۔ وہ صوبائی گورنروں کو ہدایت جاری کرسکتا تھا، کسی بھی بل کو مسترد یا منظور کرسکتا تھا اور کوئی نیا آرڈیننس جاری کرسکتا تھا۔ نیز وہ آئین یا اس کے کسی حصے کو معطل کرسکتا تھا۔

7- مرکزی عاملہ (انتظامیہ): اس ایکٹ کی رو سے مرکز میں دوعملی حکومت قائم کی گئی۔ دفاع، امور خارجہ، کرنسی، بین الاقوامی تجارت، اقلیتوں وسول سروسز کا تحفظ، مذہبی امور، قبائلی علاقوں اور ریاستی امور کے محکمے براہ راست گورنر جنرل کے پاس تھے۔

8- انڈیا کونسل کا خاتمہ: انڈیا کونسل توڑ دی گئی۔ وزیر ہند کی مدد کے لئے کم از کم تین اور زیادہ سے زیادہ چھ مشیر مقرر کئے جاتے تھے۔ وزیر ہند کے لئے ان کے مشوروں پر عمل کرنا ضروری نہ تھا۔

9- ہائی کمشنر: اس ایکٹ کے تحت ہائی کمشنر کا عہدہ بحال رکھا گیا۔ اس کے عہدے کی معیاد پانچ سال تھی۔ اسے برطانیہ میں حکومت ہند کے نمائندے کی حیثیت حاصل تھی۔

10- فیڈرل کورٹ: 1935ء کے آئین کے تحت مرکز میں فیڈرل کورٹ قائم کی گئی۔ اس کا ایک چیف جسٹس اور چھ جج ہوتے تھے۔ پورا ملک اس کے دائرہ اختیار میں تھا۔ فیڈرل کورٹ آئین کی تشریح کرنے اور مرکز وصوبوں کے درمیان تنازعات کا تصفیہ کرنے کی مجاز تھی۔ اسے براہ راست مقدمات اور اپیلیں سننے کا اختیار حاصل تھا۔ فیڈرل کورٹ کے فیصلوں کے خلاف پریوی کونسل میں اپیل کی جاسکتی تھی۔

11- پبلک سروس کمشن: آئین 1935ء کی رو سے فیڈرل پبلک سروس کمشن اور صوبائی سروس کمشن قائم کردیئے گئے۔ تمام اعلیٰ عہدیداران کی بھرتی کا اسے اختیار حاصل تھا۔ صرف ریلوے کے لئے علیحدہ بورڈ تھا۔

12- برما کی علیحدگی: برما کو ہندوستان سے علیحدہ کردیا گیا۔

صوبائی حکومت: سندھ کو ممبئی اور اڑیسہ کو بہار سے علیحدہ کرکے نئے صوبے بنادیئے گئے۔ اس طرح صوبوں کی تعداد گیارہ ہوگئی۔ صوبوں میں دوعملی ختم کرکے انہیں خودمختاری دے دی گئی۔

1- صوبائی مقننہ: آئین 1935ء کے تحت بنگال، آسام، بہار، یوپی، مدراس اور بمبئی کے صوبوں میں دو ایوانی جبکہ پنجاب، سندھ، سرحد، اڑیسہ اور سی پی میں یک ایوانی مقننہ قائم کی گئی۔ ایوانِ زیریں کو صوبائی اسمبلی اور ایوانِ بالا کو صوبائی کونسل کہا جاتا تھا۔ صوبائی اسمبلیوں کے ارکان کی تعداد کم از کم 50 اور زیادہ سے زیادہ 250 تھی۔ تمام ارکان منتخب کئے جاتے تھے۔ اسمبلی کی معیاد پانچ سال تھی۔ صوبائی کونسل

ایک مستقل ادارہ تھا۔اس کے ارکان کی تعداد کم از کم 21 اور زیادہ سے زیادہ 65 تھی۔ان میں سے کچھ ارکان نامزد کئے جاتے تھے۔اس کے ارکان کی معیاد 9 سال تھی۔اس کے ایک تہائی ارکان ہر تین سال بعد ریٹائر ہو جاتے تھے۔بجٹ کے تقریباً 50% حصے پر صوبائی اسمبلی بحث نہ کر سکتی تھی۔

2-صوبائی گورنر: گورنر صوبے کا انتظامی سربراہ تھا۔اس کو وسیع انتظامی اختیارات حاصل تھے۔ اقلیتوں کے حقوق و مفادات کا تحفظ، امن وامان اور سرکاری ملازمین کے تحفظ کے لئے اسے خصوصی اختیارات حاصل تھے۔اسے وزراء کی تقرری، برطرفی، کابینہ کے اجلاس کی صدارت، آرڈیننس جاری کرنے اور اسمبلی سے پاس شدہ بل کو منظور یا مسترد کرنے کا اختیار حاصل تھا۔

3-صوبائی عاملہ (انتظامیہ): ایکٹ 1935ء کے تحت صوبوں میں دوعملی نظام ختم کر کے انہیں خودمختاری دے دی گئی۔تمام صوبائی محکمے وزیروں کے سپرد کر دیئے۔صوبائی وزیر اعلیٰ اپنی کابینہ خود تشکیل دیتا تھا۔وزراء مقننہ کے آگے جوابدہ تھے۔وزیر کو اپنے محکمے پر پورا کنٹرول حاصل تھا۔وزیر اعلیٰ اکثریتی پارٹی کا اور اسمبلی کا ممبر ہوتا تھا۔اسے ارکان کی اکثریت کا اعتماد حاصل ہوتا تھا۔

تنقیدی جائزہ: ریاستوں کی وفاق میں عدم شرکت اور دوسری عالمگیر جنگ کی وجہ سے غیر موافق حالات کے باعث ایکٹ 1935ء کا وفاقی حصہ کبھی نافذ نہ کیا گیا۔دستور میں ترمیم کا اختیار مقننہ کے بجائے برطانوی پارلیمنٹ کو دیا گیا۔مرکزی اسمبلی کے ارکان کا انتخاب بالواسطہ طریقہ سے کیا جاتا تھا جو کہ مسلمہ جمہوری اصولوں کی خلاف ورزی تھی۔مرکز میں دوعملی نظام رائج کیا گیا۔شاہی ریاستوں کو ان کی آبادی سے زیادہ نمائندگی دی گئی۔بجٹ پر مقننہ کو برائے نام اختیارات دیئے گئے۔

اقلیتوں کے تحفظ کی آئینی ضمانت نہ دی گئی بلکہ انہیں گورنر جنرل اور گورنروں کا دست نگر بنا دیا گیا۔

صوبوں کو خودمختاری تو دے دی گئی لیکن گورنر کو اتنے زیادہ اختیارات دے دیئے گئے کہ وہ کسی بھی وقت انتظامیہ اور مقننہ کے کام میں رکاوٹ ڈال سکتا تھا۔اسی طرح گورنر جنرل کو بھی صوبائی معاملات میں مداخلت کے وسیع اختیارات حاصل تھے۔تقسیم اختیارات میں تنازعہ کی صورت میں مرکز کو فوقیت دی گئی۔

لیڈروں کا ردعمل: آئین 1935ء کی مذکورہ بالا خامیوں کی وجہ سے اہم لیڈروں نے اسے ناپسند کرتے ہوئے کھل کر اس پر تنقید کی۔قائداعظم نے کہا کہ

''1935ء کی اسکیم بالکل ناکارہ، بنیادی طور پر غلط اور مکمل طور پر ناقابل قبول ہے۔''

پنڈت نہرو نے اس کو ''ایسی گاڑی سے تشبیہہ دی جس میں انجن تو نہ ہو مگر بریکیں بڑی مضبوط ہوں۔''[14]

14- اے ایچ بخاری پاکستان کی آئینی تاریخ صفحہ 148

مولوی فضل حق نے اس پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ

''اس ایکٹ کے تحت مسلم راج قائم ہوا ہے نہ ہندو راج بلکہ برطانوی راج قائم ہوا ہے۔مدن موہن مالویہ نے کہا کہ ''ایکٹ 1935ء بظاہر جمہوری لیکن اندر سے کھوکھلا ہے۔''

راجگو پال اچاریہ نے رائے دی کہ

''نیا آئین 1919ء کی دوعملی سے بھی بدتر ہے۔'' دونوں بڑی جماعتوں، مسلم لیگ اور کانگرس نے بھی اسے سخت ناپسند کیا۔

اپنی تمام تر خامیوں کے باوجود ایکٹ 1935ء سابقہ آئینی اصلاحات سے بدرجہا بہتر تھا۔اس کے تحت صوبوں میں ذمہ دار حکومتیں قائم ہو گئیں جو مقننہ کے سامنے جوابدہ تھیں۔مسلمانوں کے نقطہ نظر سے اس کا سب سے خوشگوار پہلو یہ تھا کہ اس کے مرکزی حصے پر کبھی عملدرآمد نہ کیا گیا۔

معروضی Objective

سوال نمبر 1: کثیر الانتخابی سوالات امتحان میں بیس آئیں گے جن کو حل کرنا لازمی ہوگا۔ہر سوال کے چار (4) ممکنہ جواب C,B,A اور D سامنے دیئے گئے دائروں میں سے ایک دائرے کو پین یا مارکر کی سیاہی سے بھر دیں۔ (کل نمبر 20)

1- تمام قوموں کے لیڈروں کی کانفرنس کے انعقاد کے بارے میں قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نے برطانوی وزیر اعظم کو کب خط لکھا؟

(ا) جون 1929ء ✓ (ب) جون 1930ء
(ج) مارچ 1929ء (د) مارچ 1930ء

2- پہلی گول میز کانفرنس کس شہر میں منعقد ہوئی؟

(ا) دہلی (ب) لندن ✓
(ج) بمبئی (د) کلکتہ

3- پہلی گول میز کانفرنس کا افتتاح کس نے کیا؟

(ا) برطانوی وزیر اعظم ریمزے میکڈانلڈ (ب) مولانا محمد علی جوہر
(ج) ملکہ وکٹوریہ (د) جارج پنجم ✓

-4 گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے کون سے بیمار مسلم لیڈر کو سٹریچر پر ڈال کر جہاز میں سوار کرایا گیا؟

(ا) علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ (ب) مولانا محمد علی جوہر ✓

(ج) مولانا شوکت علی (د) سر محمد شفیع

-5 مولانا محمد علی جوہر پہلی گول میز کانفرنس کے دوران فوت ہو گئے انہیں کہاں دفن کیا گیا؟

(ا) لندن (ب) جنت البقیع

(ج) دہلی (د) بیت المقدس ✓

-6 کون سی جماعت نے پہلی گول میز کانفرنس کے بائیکاٹ کا فیصلہ کیا؟

(ا) مسلم لیگ (ب) ہندو مہاسبھا

(ج) کانگریس ✓ (د) مجلس احرار

-7 پہلی گول میز کانفرنس میں مسلم نمائندوں کے قائد کون تھے؟

(ا) قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ (ب) میاں محمد شفیع

(ج) سر آغا خان ✓ (د) مولانا محمد علی جوہر

-8 پہلی گول میز کانفرنس میں دستور کے بنیادی خدوخال (اصول) طے کرنے کے لیے کتنی ذیلی کمیٹیاں بنائی گئیں؟

(ا) آٹھ ✓ (ب) بارہ

(ج) سولہ (د) دس

-9 پہلی گول میز کانفرنس کا افتتاحی اجلاس لندن میں کس جگہ ہوا؟

(ا) دارالعوام (ب) دارالامراء

(ج) سینٹ جیمز پیلس ✓ (د) آکسفورڈ یونیورسٹی ہال

-10 برکن ہیڈ کے بعد کس کو وزیر ہند بنایا گیا؟

(ا) لارڈ لنلتھگو (ب) ویجوڈین ✓

(ج) لائیڈ جارج (د) بالڈون

-11 پہلی گول میز کانفرنس کی صدارت کس نے کی؟

(ا) وائسرائے ہند لارڈ ارون (ب) وزیر ہند ویجوڈین

(ج) شاہ برطانیہ جارج پنجم (د) برطانوی وزیراعظم ریمزے میکڈانلڈ ✓

-12 گول میز کانفرنس میں شریک مسلم نمائندوں میں ایک خاتون بھی تھیں، ان کا نام بتائیں؟

(ا) بیگم سلمیٰ تصدق (ب) بیگم شاہنواز ✓

(ج) محترمہ فاطمہ جناح (د) بیگم رعنا لیاقت علی خان

-13 پہلی گول میز کانفرنس میں برصغیر کے کل کتنے نمائندے شریک ہوئے؟

(ا) 89 (ب) 58 ✓ (ج) 65 (د) 72

-14 گول میز کانفرنسوں کے نتیجے میں کون سا نیا ہندو اکثریت کا صوبہ معرضِ وجود میں آیا؟

(ا) اڑیسہ ✓ (ب) مدارس (ج) یو۔پی (د) بہار

-15 گاندھی، ارون معاہدہ کب ہوا؟

(ا) 15 مارچ 1931ء (ب) 5 مارچ 1931ء ✓

(ج) 15 فروری 1931ء (د) 5 فروری 1931ء

-16 کمیونل ایوارڈ کا اعلان کب ہوا؟

(ا) 14 اگست 1932ء (ب) 24 دسمبر 1932ء

(ج) 4 اگست 1932ء ✓ (د) 4 دسمبر 1932ء

-17 کون سی پارٹی گول میز کانفرنسوں پر چھائی رہی؟

(ا) مسلم لیگ (ب) کانگریس

(ج) نیشنلسٹ پارٹی (د) ہندو مہاسبھا ✓

-18 پونا پیکٹ کب ہوا؟

(ا) 25 دسمبر 1932ء ✓ (ب) 20 ستمبر 1932ء

(ج) 20 ستمبر 1931ء (د) 20 ستمبر 1933ء

-19 دوسری گول میز کانفرنس میں گاندھی کس لیڈر کو کانفرنس میں شریک کرنے پر اصرار کرتے رہے؟

(ا) ڈاکٹر مختار احمد انصاری ✓ (ب) نہرو

(ج) راجندر پرشاد (د) ابوالکلام آزاد

-20 گول میز کانفرنسوں کی سفارشات کی بنیاد پر قرطاس ابیض (White Paper) کب شائع ہوا؟

(ا) مارچ 1934ء (ب) اگست 1933ء

(ج) مارچ 1933ء ✓ (د) اگست 1934ء

-21 1935ء کا دستور تیار کرنے والی سلیکٹ کمیٹی کا سربراہ کون تھا؟
(ا) لارڈ اِرون (ب) لارڈ ولنگڈن
(ج) سرجان سائمن (د) لارڈ لنلتھگو ✓

-22 برطانوی وزیر اعظم ریمزے میکڈانلڈ کو ہندوؤں کا دوست ہونے کی وجہ سے کون سے مسلم لیڈر اسے رام جی میکڈانلڈ کہتے تھے؟
(ا) مولانا محمد علی جوہر ✓ (ب) قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ
(ج) علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ (د) مولانا حسرت موہانی

گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935ء

-1 1935ء کا دستور مرتب کرنے والی کمیٹی نے کتنی مدت میں اپنی رپورٹ مکمل کی؟
(ا) 8 ماہ (ب) 12 ماہ
(ج) 15 ماہ (د) 18 ماہ ✓

-2 1935ء کا دستور مرتب کرنے والی کمیٹی کا سربراہ کون تھا؟
(ا) لارڈ لنلتھگو ✓ (ب) لائیڈ جارج
(ج) سرجان سائمن (د) لارڈ برکن ہیڈ

-3 1935ء کے ایکٹ پر شاہی دستخط کب ہوئے؟
(ا) 4 اکتوبر 1935ء (ب) 4 اگست 1935ء ✓
(ج) 14 اکتوبر 1935ء (د) 4 اگست 1937ء

-4 کون سی آئینی اصلاحات کو فرسٹ اپریل فول سمجھا جاتا ہے؟
(ا) 1892ء (ب) 1919ء (ج) 1935ء ✓ (د) 1909ء

-5 1935ء کا آئین کب نافذ کیا گیا؟
(ا) یکم اپریل 1935ء (ب) یکم اپریل 1936ء
(ج) یکم اپریل 1937ء ✓ (د) ان میں سے کوئی نہیں

-6 1935ء کے آئین کا نفاذ کتنے صوبوں میں ہوا؟
(ا) 8 صوبوں (ب) 11 صوبوں ✓ (ج) 10 صوبوں (د) 6 صوبوں

-7 1935ء کے قانون ہند کے تحت اقلیتوں کے تحفظ کے اختیارات کس کے پاس تھے؟
(ا) گورنر جنرل ✓ (ب) وزیر ہند کے
(ج) صوبائی گورنروں (د) وزیر اعظم برطانیہ کے

-8 1935ء کے آئین کے تحت مرکزی اسمبلی کے کل ارکان کی کتنی تعداد تھی؟
(ا) 260 (ب) 375 ✓
(ج) 300 (د) 600

-9 1935ء کے ایکٹ کے تحت فیڈرل کورٹ کے ججوں کی تعداد چیف جسٹس کے علاوہ کتنی تھی؟
(ا) 8 (ب) 10
(ج) 12 (د) 15 ✓

-10 1935ء کے آئین کے مطابق وزیر ہند کے مشیروں کی تعداد کتنی مقرر کی گئی؟
(ا) ایک سے تین تک (ب) دو سے چار تک
(ج) تین سے چھ تک ✓ (د) چار سے آٹھ تک

-11 1935ء کے آئین کے تحت کتنے صوبوں میں ایوان بالا بھی قائم کیا گیا؟
(ا) 3 میں (ب) 6 میں ✓
(ج) 8 میں (د) 11 میں

-12 آئین 1935ء کے تحت کونسل آف سٹیٹ کے ارکان کی کل کتنی تعداد تھی؟
(ا) 100 (ب) 160 (ج) 250 (د) 260 ✓

-13 آئین 1935ء کے تحت کون سے علاقے کو ہندوستان سے الگ کر دیا گیا؟
(ا) سندھ ✓ (ب) بلوچستان
(ج) برما ✓ (د) قبائلی علاقے

حصہ انشائیہ (Subjective Part - I) 25 × 2 = 50

نوٹ: سوال نمبر 3,2 اور 4 میں سے 25 (پچیس) مختصر سوالات کے جوابات تحریر کریں اور ہر سیکشن سے کم از کم 8 سوالات حل کرنا ضروری ہے۔ جواب تحریر کرتے وقت سوال کا نمبر ضرور تحریر کریں۔

سوال 3: مختصر سوالات کے جوابات تحریر کریں۔ سیکشن "بی" میں سے کم از کم آٹھ سوالات حل کرنا ضروری ہیں۔

باب نمبر 5: تقسیم بنگال 1905ء

سوال 1: 1905ء میں بنگال ایک بڑا صوبہ تھا؟ اس میں کون کون سے علاقے شامل تھے؟

جواب: بنگال، بہار، اڑیسہ اور آسام۔

سوال 2: تقسیم بنگال کے لیے مختلف اوقات میں کس کس نے تجاویز دیں؟

جواب: 1853ء میں سرچارلس گرانٹ نے۔ 1854ء میں لارڈ ڈلہوزی نے۔ 1868ء میں اڑیسہ کے قحط کے بارے میں تحقیقات کرنے والی کمیٹی نے۔ 1872ء میں بنگال کے لیفٹیننٹ گورنر نے۔ 1901ء میں سی پی کے گورنر اینڈریو فریزر نے۔

سوال 3: صوبہ بنگال سے مختلف اوقات میں کون کون سے علاقے علیحدہ کر دیئے گئے؟

جواب: 1865ء میں شمالی مغربی صوبہ بنایا گیا جو بعد میں یو پی کہلایا۔ 1874ء میں آسام کو علیحدہ کیا گیا۔ 1892ء میں لوشائی کا پہاڑی علاقہ۔

سوال 4: تقسیم بنگال کے وقت صوبہ کی آبادی اور رقبہ کتنا تھا؟

جواب: آبادی 7 کروڑ 80 لاکھ نفوس، رقبہ ایک لاکھ 89 ہزار مربع میل

سوال 5: بنگال کو تقسیم کر کے کون کون سے دو صوبے بنائے گئے؟

جواب: مشرقی بنگال، مغربی بنگال

سوال 6: مشرقی بنگال اور مغربی بنگال کے دارالحکومت کون کون سے تھے؟

جواب: مشرقی بنگال کا ڈھاکہ اور مغربی بنگال کا کولکتہ۔

سوال 7: مشرقی بنگال کی کل آبادی کتنی تھی؟ اس میں مسلمان کتنے تھے اور ہندو کتنے تھے؟

جواب: کل آبادی 3 کروڑ دس، لاکھ مسلمان ایک کروڑ 80 لاکھ، ہندو ایک کروڑ بیس لاکھ

سوال 8: مشرقی بنگال کا رقبہ کتنا تھا؟ اور مغربی بنگال کا رقبہ کتنا تھا؟

جواب: مشرقی بنگال کا ایک لاکھ ساڑھے چھ ہزار مربع میل۔ مغربی بنگال کا ایک لاکھ 42 ہزار مربع میل۔

سوال 9: مغربی بنگال کی کل آبادی کتنی تھی اور اُس میں مسلمان کتنے تھے؟

جواب: کل آبادی 5 کروڑ چالیس لاکھ ، مسلمان 90 لاکھ۔

سوال 10: تقسیم بنگال پر اچھوت لیڈر امبید کر نے کیا تبصرہ کیا؟

جواب: ''بنگالی ہندوؤں نے پورے بنگال، اڑیسہ، آسام حتیٰ کہ یو۔ پی تک کو اپنی چراگاہ بنا رکھا تھا۔ وہ ان تمام صوبوں کی سول سروس پر قابض تھے۔ بنگال کی تقسیم کا مطلب یہ تھا کہ ان کی چراہ گاہ کا رقبہ کم ہو جائے گا۔

سوال 11: تقسیم بنگال کے خلاف ہندو تحریک میں کون کون سی مذہبی رسمیں شامل ہوئیں؟ کسی دو کا ذکر کریں۔

جواب: کالی دیوی کی پوجا۔ راکھی بندھن۔ گائے کی حفاظت اور مسجدوں کے سامنے باجا بجانا۔

سوال 12: تقسیم بنگال کی تحریک کے دوران ہندوؤں نے قومی ہیرو اور قومی ترانہ کس کو قرار دیا؟

جواب: شیواجی قومی ہیرو، بندے ماترم قومی ترانہ

سوال 13: 1905ء میں لبرل وزارت نے کس کو وائسرائے اور کس کو وزیر ہند مقرر کیا؟

جواب: وائسرائے ہند لارڈ منٹو ، وزیر ہند جان مارلے۔

سوال 14: کون کون سے اخبارات نے تقسیم بنگال کی مخالفت کی؟

جواب: جوگنتر۔ دی بنگال۔ بازار پتریکا امرت۔

سوال 15: تقسیم بنگال کے خلاف تحریک میں کون کون سے ہندو پیش پیش تھے؟

جواب: سریندر ناتھ بنیر جی، لالہ لاجپت رائے، مدن موہن مالویہ، بال گنگا دھر تلک، مہاراجہ چندر نندی۔

سوال 16: بنگال کی تقسیم کی تنسیخ کرتے وقت کون کون سے صوبے بنائے گئے؟

جواب: صوبہ متحدہ بنگال۔ صوبہ بہار، صوبہ اڑیسہ، صوبہ آسام۔

سوال 17: تنسیخ تقسیم بنگال کے اعلان کے وقت وائسرائے ہند کون تھا اور تنسیخ کے فیصلہ کا اعلان کس نے کیا؟

جواب: وائسرائے لارڈ ہارڈنگ۔ اعلان کیا بادشاہ جارج پنجم نے۔

سوال 18: بنگال کی دو بڑی فصلیں کون سی تھیں؟

جواب: چاول اور پٹ سن۔

سوال 19: بنگال کی دو بڑی بندرگاہیں؟

جواب: کلکتہ اور چٹا گانگ۔

سوال 20: بندے ماترم کا ترانہ کس متعصب بنگالی ہندو نے اپنے کس ناول میں لکھا؟

جواب: بنکم چندر چیٹر جی نے اپنے ناول انند ماٹھ میں۔

سوال 21: کلکتہ کے بعد انگریزوں نے کس شہر کو اور کب نیا دارالخلافہ بنایا؟

جواب: دہلی کو 12 دسمبر 1911ء کو

سوال 22: متحدہ بنگال کے گورنر ولیم گرے نے صوبے کے انتظامی مسائل پر کیا تبصرہ کیا؟

جواب: گورنر کے کندھوں پر اتنی بڑی ذمہ داری ہے کہ ایک شخص برداشت نہیں کر سکتا اور نہ ہی صوبے کے تمام طبقات سے انصاف کر سکتا ہے۔''

باب نمبر 6: شملہ وفد اور مسلم لیگ کا قیام

سوال 1: کون کون سے ہندو لیڈروں نے جداگانہ انتخاب کی حمایت کی؟
جواب: کرشن گوپال گوکھلے ، لارڈ سنہا

سوال 2: حکومت برطانیہ نے کون کون سے ادارے 1883ء میں قائم کر کے انتخابی طرز حکومت کی بنیاد رکھی؟
جواب: میونسپل کمیٹیاں، ڈسٹرکٹ بورڈ

سوال 3: جان مارلے نے نئی آئینی اصلاحات کی خواہش کا اعلان کیا تو کون سے مسلمان لیڈروں نے محسن الملک کی توجہ مسلمانوں کے حقوق کی طرف دلائی؟
جواب: حاجی محمد اسمٰعیل، آفتاب احمد، ایم۔ایچ۔رضوی، سرور یار جنگ، نواب وقار الملک۔

سوال 4: وائسرائے ہند سے وقت حاصل کرنے کے لیے محسن الملک نے آرچ بولڈ کو کب خط لکھا؟ آرچ بولڈ نے اس خط کا جواب کب لکھا؟
جواب: محسن الملک نے خط لکھا 4 اگست 1906ء کو۔ آرچ بولڈ نے جواب لکھا 10 اگست 1906ء کو۔

سوال 5: آرچ بولڈ کے جوابی خط کے اہم نکات کیا ہیں؟
جواب:
(i) وائسرائے مسلم وفد سے ملاقات کے لیے تیار ہے۔
(ii) اس کے لیے رسمی درخواست دی جائے۔
(iii) ایڈریس پر مسلم نمائندوں کے دستخط ہوں۔
(iv) وفد میں ہر صوبے کے نمائندے ہوں۔
آرچ بولڈ نے مشورہ دیا کہ مسلمان انتخاب کے بجائے نامزدگی کا مطالبہ کریں۔ اس نے عمدہ یادداشت لکھنے کی پیشکش کی۔

سوال 6: 15 اور 16 ستمبر 1906ء کو مسلمان لیڈروں کے لکھنؤ اجلاس میں کون سے اہم فیصلے شملہ وفد کی بابت کیے گئے؟
جواب:
(i) ایڈریس کے متن کی منظوری دی گئی۔
(ii) اس پر نمائندوں کے دستخط کیے گئے۔
(iii) وفد کے ارکان کا چناؤ کیا گیا۔
(iv) سر آغا خان کو قائد بنایا گیا۔
(v) آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے اگلے اجلاس میں مسلم سیاسی جماعت قائم کی جائے۔

سوال 7: شملہ وفد کے نمایاں ارکان کون کون سے ہیں؟
جواب: قائد وفد سر آغا خان۔ نمائندے، ابراہیم آدم جی پیر بھائی، محسن الملک، وقار الملک، حاجی اسماعیل، صاحبزادہ آفتاب احمد، حکیم اجمل خاں، سید علی امام، سید نواب علی چوہدری، سر عبدالرحیم، میاں محمد شفیع، میاں شاہ دین اور ملک عمر حیات ٹوانہ۔

سوال 8: جداگانہ انتخاب کا مطالبہ کس بنیاد پر کیا گیا؟
جواب: مسلمانوں کی آبادی، سماجی حیثیت، مقامی اثر و رسوخ اور مروجہ انتخابی طریقہ میں مسلمانوں کو نمائندگی نہ ملنے کی وجہ سے۔

سوال 9: کن کن علاقوں میں مسلمانوں پر ہونے والی زیادتیوں کا ذکر کیا گیا؟
جواب: پنجاب، سندھ اور بنگال۔

سوال 10: جداگانہ طریقہ انتخاب سے کیا مراد ہے؟
جواب: وہ طریقہ انتخاب جس میں کسی اقلیت کو اپنی آبادی کے مطابق نمائندگی مل جاتی ہے۔ وہ اپنے نمائندے صرف اپنے ووٹوں سے منتخب کرتی ہے۔ اس کے لیے جداگانہ حلقے بنائے جاتے ہیں۔ ان کے ووٹروں کی فہرستیں الگ ہوتی ہیں۔

سوال 11: برطانوی طرز انتخاب کے تحت مسلمانوں کے نمائندے کیوں منتخب نہیں ہو سکتے تھے؟
جواب: ووٹ کا حق تعلیم یافتہ اور صاحب جائیداد کو ہوتا تھا۔ مسلمان اقتصادی اور تعلیمی لحاظ سے پسماندہ تھے۔ مسلمان ووٹروں کی تعداد بہت کم تھی اور ہندو مسلمانوں کو ووٹ نہ دیتے تھے۔

سوال 12: گوکھلے نے جداگانہ الیکشن کے مطالبہ پر کیا تبصرہ کیا؟
جواب: اگر ہندو بھی مسلمانوں کی طرح اقلیت میں ہوتے تو وہ اسی طرح کے تحفظات کا مطالبہ کرتے۔ اکثریت کا فرض ہوتا ہے کہ وہ اقلیت کے خوف کو دور کرنے کی کوشش کرے۔

سوال 13: جداگانہ الیکشن کے مطالبہ پر سید رضا علی نے ہندوؤں کے اعتراض پر کیا تبصرہ کیا؟
جواب: مسلمانوں سے گزشتہ تیس سال سے جو سلوک کیا جا رہا ہے اگر مسلمانوں کی جگہ ہندو ہوتے، تو وہ کیا کرتے؟

سوال 14: جداگانہ الیکشن کا مطالبہ منوانے کے لیے سید امیر علی نے کیا کوششیں کیں؟
جواب: لندن میں پبلک جلسے کیے۔ حکومت کو یادداشتیں روانہ کیں۔ پارلیمنٹ کے ارکان سے ملاقاتیں کر کے انہیں قائل کیا۔ مسلم لیگ لندن کا وفد لے کر وزیر ہند سے ملاقات کی اور اسے قائل کیا۔

سوال 15: کون کون سے ہندو اور مسلم لیڈروں نے جداگانہ الیکشن کے طریقے کو انگریزوں کی تجویز کہا؟
جواب: مولوی طفیل احمد بنگلوری، مولانا محمد علی جوہر، راجندر پرشاد، اشوک مہتہ، پروفیسر جی این سنگھ۔

سوال 16: شملہ وفد کے مطالبے پر کون کون سے مسلمانوں کو اعلیٰ آسامیوں پر فائز کیا گیا؟
جواب: میاں شاہ دین کو پنجاب ہائی کورٹ کا۔ کرامت حسین کو الہ آباد ہائی کورٹ کا۔ شرف الدین کو کلکتہ ہائی کورٹ کا۔ سر عبدالرحیم کو مدراس ہائی کورٹ کا جج بنایا گیا اور سید حسن بلگرامی کو انڈیا کونسل کا رکن بنایا گیا۔

مسلم لیگ 30 دسمبر 1906ء

سوال 1: بیسویں صدی کے ابتدائی سالوں میں مسلمانوں کو کون کون سے دو دھچکے لگے؟
جواب: (i) صوبہ یوپی میں ہندی کا نفاذ (ii) تقسیم بنگال کی تنسیخ
سوال 2: 1906ء میں مسلمانوں نے کون سی دو اہم کامیابیاں حاصل کیں؟
جواب: (i) جداگانہ الیکشن کا مطالبہ منوایا (ii) آل انڈیا مسلم لیگ قائم کی۔
سوال 3: جدید ہندو لٹریچر میں مسلمانوں کو کون کون سے نام دیے گئے؟
جواب: چور۔ ڈاکو۔ لٹیرے۔ غدار۔
سوال 4: مسلم لیگ کے قیام کی قرارداد کی مزید تائید کس نے کی؟
جواب: مولانا ظفر علی خان، صاحبزادہ آفتاب احمد خان، مولانا محمد علی جوہر۔
سوال 5: 1906ء میں مسلم لیگ کے کون کون سے دو جوائنٹ سیکرٹری بنائے گئے؟
جواب: (i) نواب محسن الملک (ii) نواب وقار الملک
سوال 6: مسلم لیگ کا پہلا سالانہ اجلاس کب اور کہاں ہوا؟ نیز اس کی صدارت کس نے کی؟
جواب: دسمبر 1907ء کو کراچی میں۔ صدارت سر آدم جی پیر بھائی۔
سوال 7: سر آغا خان کس سن سے کس سن تک مسلم لیگ کے صدر رہے؟
جواب: 1906ء تا 1913ء
سوال 8: مسلم لیگ کا دوسرا سالانہ اجلاس کب، کہاں اور کس کی صدارت میں ہوا؟
جواب: دسمبر 1908ء کو امرتسر میں زیر صدارت سر علی امام۔
سوال 9: مسلم لیگ کا تیسرا سالانہ اجلاس کب، کہاں اور کس کی صدارت میں ہوا؟
جواب: دسمبر 1909ء دہلی سر آغا خان۔
سوال 10: مسلم لیگ کا تاسیسی اجلاس کب اور کہاں اور کس کی صدارت میں ہوا۔
جواب: دسمبر 1910ء ناگپور نبی اللہ۔

سوال 11: لندن مسلم لیگ کا تاسیسی اجلاس کب اور کہاں ہوا؟
جواب: 8 مئی 1908ء کو کیکسٹن ہال میں۔
سوال 12: لندن مسلم لیگ کے صدر اور اس کی ورکنگ کمیٹی کے ممبران کے نام تحریر کریں؟
جواب: صدر سید امیر علی۔ ارکان علامہ اقبال، ڈاکٹر مختار احمد انصاری۔
سوال 13: مسلم لیگ کی بنیاد رکھنے والے مسلم راہنما کون تھے؟
جواب: نواب محسن الملک، نواب وقار الملک، سر آغا خاں، نواب سلیم اللہ خاں، مولانا محمد علی جوہر، حکیم اجمل خان، مولانا ظفر علی خان، صاحبزادہ آفتاب احمد خان۔
سوال 14: مسلم لیگ کے مرکزی اور صوبائی عہدیداروں کی میعاد کتنی ہوتی تھی؟
جواب: مرکزی عہدیداروں کی تین سال ، صوبائی عہدیداروں کی پانچ سال۔
سوال 15: مسلم لیگ کی رکنیت کے لیے بنیادی شرائط کیا رکھی گئیں؟
جواب: 1 مسلمان ہو۔ 2۔ معمولی پڑھ لکھ سکتا ہو۔ 3۔ عمر 25 سال سے کم نہ ہو 4۔ سالانہ آمدن 500 سے کم نہ ہو۔

باب نمبر 7: مسلمانوں کی سیاسی جدوجہد 1892ء تا 1929ء

انڈین کونسلز ایکٹ 1892ء، منٹو مارلے اصلاحات فروری 1909ء اور میثاق لکھنؤ دسمبر 1916ء

سوال 1: لارڈ لٹن کے کن اقدامات نے عوام میں شدید بے چینی پیدا کی؟
جواب: قحط، معاشی بحران، بے روزگاری، دیسی اخبارات پر پابندیاں، انڈین آرمز ایکٹ، نئے سول سروس رولز اور البرٹ بل۔
سوال 2: 1892ء کی اصلاحات کے لیے برطانوی حکومت کن حالات کی وجہ سے آمادہ ہوئی؟
جواب: برصغیر کے عوام کی بے چینی، کانگریس کے مطالبات، برطانوی تاجروں کی کوشش، وائسرائے ہندلارڈ رپن کی ذاتی دلچسپی۔
سوال 3: ایکٹ 1892ء کے تحت مرکزی قانون ساز کونسل میں اضافی ارکان کی تعداد کتنی مقرر ہوئی اور ان میں غیر سرکاری ممبر کتنے تھے؟
جواب: تعداد کم از کم دس، زیادہ سے زیادہ سولہ ، غیر سرکاری ارکان $\frac{2}{5}$
سوال 4: 1892ء کے ایکٹ کے تحت مرکزی قانون ساز کونسل کے غیر سرکاری ممبران کا چناؤ کون

کون سے ادارے کس حساب سے کرتے تھے؟

جواب: چاروں صوبائی کونسلوں کا ایک ایک نمائندہ، کلکتہ چیمبر آف کامرس کا ایک نمائندہ، ایک نمائندہ گورنر جنرل نامزد کرتا تھا۔

سوال 5: **مدارس اور بمبئی کی قانون ساز کونسلوں میں 1892ء کی آئینی اصلاحات کے تحت ارکان کی تعداد کتنی مقرر ہوئی؟**

جواب: کم از کم آٹھ اور زیادہ سے زیادہ بیس۔

سوال 6: **1892ء کے ایکٹ کے تحت صوبہ یوپی اور بنگال کی قانون ساز کونسلوں کے لیے ارکان کی تعداد کتنی مقرر ہوئی؟**

جواب: یوپی 15 ارکان ، بنگال 20 ارکان۔

سوال 7: **1892ء کے آئین کے تحت صوبائی کونسلوں کے ارکان کا انتخاب کون کونسے ادارے کس حساب سے کرتے تھے؟**

جواب: میونسپل کمیٹیاں، چیمبر آف کامرس، ٹریڈ یونین، زمینداروں کی انجمنیں۔

سوال 8: **منٹو مارلے اصلاحات کی بنیاد کس بات پر تھی؟**

جواب: کہ برصغیر کی آبادی بہت سی نسلوں، طبقوں، گروہوں اور مذہبی جماعتوں پر مشتمل ہے۔

سوال 9: **منٹو مارلے اصلاحات کے تحت حکومت نے کن طبقوں کو اوپر اٹھانے کی کوشش کی؟**

جواب: وکلاء اور اساتذہ کے بجائے قدامت پسند طبقہ یعنی زمینداروں اور جاگیرداروں کو۔

سوال 10: **آئین 1909ء کے تحت مرکزی کونسل کے ارکان کی تعداد کتنی مقرر ہوئی؟**

جواب: 8 انتظامی ممبران کے علاوہ 60 ارکان۔

سوال 11: **1909ء کے ایکٹ کے تحت مرکزی کونسل کے سرکاری ارکان کی کتنی تعداد تھی؟**

جواب: تعداد 28، گورنر جنرل نامزد کرتا تھا۔

سوال 12: **1909ء کی آئینی اصلاحات کی رو سے مرکزی کونسل کے غیر سرکاری ارکان کی تعداد کتنی تھی؟ ان میں سے گورنر جنرل کتنے نامزد کرتا تھا؟**

جواب: غیر سرکاری ارکان 32 مخصوص طبقات کے مفادات کے لیے۔ گورنر جنرل نامزد کرتا تھا 5 ارکان۔

سوال 13: **1909ء کے ایکٹ کی رو سے مرکزی کونسل کے 27 منتخب غیر سرکاری ارکان میں سے کتنے مسلم اور کتنے غیر مسلم ہوتے تھے؟**

جواب: مسلمان 5 غیر مسلم 22

سوال 14: **منٹو مارلے اصلاحات کے تحت کن کن صوبوں کی کونسلوں کے ارکان کی تعداد پچاس مقرر کی گئی جو بڑے صوبے کہلاتے تھے؟**

جواب: مدراس، بمبئی، یو۔ پی، بہار اور اڑیسہ۔

سوال 15: **آئین 1909ء کے تحت کون کون سے صوبے چھوٹے صوبے کہلاتے تھے اور ان کی کونسلوں کے ارکان کی تعداد کتنی مقرر ہوئی؟**

جواب: پنجاب اور آسام، تعداد تیس تیس ارکان

سوال 16: **منٹو مارلے اصلاحات کے تحت کونسلوں کے غیر سرکاری ارکان کا چناؤ کون کرتا تھا؟**

جواب: زمیندار، جاگیردار، کارپوریشن، چیمبر آف کامرس، ٹریڈرز ایسوسی ایشن، پلاننگ کمیونٹی، میونسپل کونسلیں، ضلع بورڈ، متعلقہ بورڈ اور یونیورسٹیاں۔

سوال 17: **ایکٹ 1909ء کے تحت کون کون سے معاملات پر کونسل کو بحث کرنے کا اختیار نہ تھا؟**

جواب: فوجی معاملات، خارجہ تعلقات، ریاستوں کے معاملات۔

سوال 18: **ایکٹ 1909ء کی رو سے کونسلوں کے ارکان کی کل کتنی تعداد تھی اور ان میں مسلمان کتنے تھے؟**

جواب: کل تعداد 284 مسلمان 18

سوال 19: **آئین 1909ء کے تحت صوبہ بنگال اور پنجاب میں مسلمانوں کی آبادی کتنے فیصد اور نمائندگی کتنے فیصد تھی؟**

جواب: صوبہ بنگال آبادی 52% نمائندگی 22%، پنجاب آبادی 50% نمائندگی 25%

سوال 20: **1909ء میں قائم ہونے والی مرکزی کونسل میں پہلے آٹھ سال میں کتنی قرار دادیں پیش ہوئیں اور ان میں کتنی قبول ہوئیں؟**

جواب: کل قرار دادیں 168 قبول ہوئیں 24

سوال 21: **مولانا محمد علی جوہر نے کون کون سے اخبار نکالے اور یہ کب جاری ہوئے؟**

جواب: انگریزی اخبار کامریڈ کلکتہ سے جنوری 1911ء سے جاری کیا جو دارالحکومت کی تبدیلی کے بعد دہلی آ گیا۔ اردو روزنامہ ہمدرد دہلی سے 23 فروری 1913ء سے جاری ہوا۔

سوال 22: **مولانا ابوالکلام آزاد نے کون کون سے اخبار نکالے اور یہ کب جاری ہوئے؟**

جواب: الہلال کلکتہ سے جون 1912ء سے جاری ہوا۔ البلاغ 1915ء میں جاری ہوا۔

سوال 23: **علامہ اقبالؒ کے ابتدائی دور کی کون کون سی نظمیں اسلامی دنیا کے مسائل اور تکالیف کی عکاسی کرتی ہیں؟**

جواب: ہلال عید۔ شکوہ۔ جواب شکوہ۔ فاطمہ بنت عبداللہ۔ خولہ بنت ازور۔

سوال 24: مولانا ظفر علی خان نے کون سا اخبار کب اور کہاں سے جاری کیا؟

جواب: زمیندار۔ 10 مئی 1911ء سے لاہور سے جاری کیا۔

سوال 25: مسجد کانپور کے مسئلہ پر مسلمانوں کے جلوس پر پولیس نے کتنے منٹ گولیاں برسائیں؟ کتنے کارتوس چلائے اور کتنے مسلمان شہید اور کتنے زخمی ہوئے؟

جواب: 15 منٹ فائرنگ کی۔ 600 کارتوس چلائے۔ سرکاری اعلان کے مطابق 16 شہید اور 30 زخمی ہوئے۔

سوال 26: کون کون سی بلقانی ریاستیں ترکی کا حصہ تھیں؟

جواب: مونٹی نیگرو، سربیا، بوسنیا، یونان۔

سوال 27: جنگ عظیم اول سے پہلے کن واقعات نے برصغیر کے مسلمانوں کو انگریزوں سے برگشتہ کیا؟

جواب: تقسیم بنگال کی تنسیخ، مسلم یونیورسٹی کے قیام میں ناکامی، مسجد کانپور کا سانحہ، برطانیہ کی ترک مخالف پالیسی۔

سوال 28: مسلم لیگ نے 1913ء میں اپنے مقاصد میں تبدیلی کی۔ مسلم لیگ کے نئے مقاصد کیا تھے؟

جواب: ہندوستانیوں میں تاج برطانیہ کے لیے وفاداری کے جذبات کا فروغ، مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ اور مندرجہ بالا مقاصد کو نقصان پہنچائے بغیر ایسی حکومت خود اختیاری کا قیام جو برصغیر کے حالات کے مطابق و مناسب ہو۔

سوال 29: سانحہ کانپور کے سلسلے میں جو وفد لندن گیا، وہ کن دو لیڈروں پر مشتمل تھا؟

جواب: مولانا محمد علی جوہر۔ سید وزیر حسن۔

سوال 30: میثاق لکھنؤ میں مرکزی کونسل کے بارے میں کیا شق تھی؟

جواب: مرکزی کونسل کے ارکان کی تعداد 150 ہو۔ ان میں 80% منتخب ہوں۔ صوبائی کونسلوں کے منتخب ارکان مرکزی اسمبلی کے ارکان کا چناؤ جداگانہ طریقے سے کریں۔

سوال 31: میثاق لکھنؤ میں مذہبی تحفظ کے بارے میں کون سی شق تھی؟

جواب: کسی بھی قانون ساز کونسل میں کسی ایسے بل یا قرارداد پر غور نہیں کیا جائے گا۔ اگر اسے کسی فرقے کے $\frac{3}{4}$ ارکان اپنے فرقہ کے لیے نقصان دہ قرار دیں۔

سوال 32: میثاق لکھنؤ کا ویٹج سسٹم کیا ہے؟ اس کے تحت صوبوں میں مسلمانوں کی نمائندگی کا تناسب کیا تھا؟

جواب: مسلم اقلیتی صوبوں میں انہیں ان کی آبادی کے تناسب سے زیادہ سے زیادہ اور مسلم اکثریتی صوبوں میں غیر مسلموں کو ان کی آبادی کے تناسب سے زیادہ نشستیں دی جائیں۔ تناسب مندرجہ ذیل تھا:

پنجاب میں مسلم آبادی 51%	مسلم ارکان کا تناسب 50%
بنگال میں مسلم آبادی 53%	مسلم ارکان کا تناسب 40%
یو۔ پی میں مسلم آبادی 14%	مسلم ارکان کا تناسب 30%
سی پی میں مسلم آبادی 4%	مسلم ارکان کا تناسب 15%
بہار میں مسلم آبادی 13%	مسلم ارکان کا تناسب 29%
مدراس میں مسلم آبادی 7%	مسلم ارکان کا تناسب 15%

سوال 33: میثاق لکھنؤ میں گورنر جنرل کی ویٹو پاور کے بارے میں کیا کہا گیا؟

جواب: اگر مرکزی یا صوبائی کونسل کوئی مسودہ قانون پاس کر دے اور گورنر جنرل یا گورنر اس کو ویٹو کر دے تو وہ بل صرف اس صورت میں قانون بن سکتا ہے اگر وہی کونسل ایک سال کے اندر اندر اسے دوبارہ پاس کر دے۔

سوال 34: بنگال میں مسلمانوں کو منٹو مارلے اصلاحات کے تحت کتنے فیصد نمائندگی حاصل تھی اور میثاق لکھنؤ کی رو سے کتنے فیصد حاصل ہوگئی؟

جواب: منٹو مارلے اصلاحات کے تحت 10.40 فیصد میثاق لکھنؤ کے تحت 40 فیصد

سوال 35: برصغیر میں مسلمانوں کی آبادی کتنے فیصد تھی اور میثاق لکھنؤ کے تحت مرکز میں انہیں کتنے فیصد نمائندگی ملی؟

جواب: آبادی 25% نمائندگی 33.33%

سوال 36: وزیر ہند مانٹیگو نے مسلمانوں کے وفد سے ملاقات کے لیے کیا شرط عائد کی؟

جواب: ایڈریس سے علی برادران کا ذکر نکال دیا جائے۔

سوال 37: مانٹیگو رپورٹ پر مسز اینی بیسنٹ نے کیا تبصرہ کیا؟

جواب: "اس کو پیش کرنا انگلستان کی شان کے خلاف ہے اور اسے قبول کرنا برصغیر کی شان کے خلاف ہے"۔

سوال 38: آئین 1919ء کے تحت مرکزی مقننہ کتنے ایوانوں پر مشتمل تھی اور انہیں کس کس نام سے پکارا جاتا تھا؟

جواب: محکمہ قانون۔ محکمہ تعلیم۔

سوال 39: ایکٹ 1919ء کے تحت مرکز کے پاس کون کون سے محکمے تھے؟

جواب: دفاع، امور خارجہ، مواصلات، ڈاک و تار، کرنسی، قرضے، تجارت، دیوانی و فوجداری قوانین، مذہبی امور، مرکزی سول سروس۔

سوال 40: 1919 کی آئینی اصلاحات کے تحت صوبوں کو کون کون سے محکمے دیئے گئے؟

جواب: داخلی امن وامان، جیل خانے، آب پاشی، جنگلات، کارخانوں کا معائنہ، مزدور مسائل کی نگرانی، قحط زدوں کی امداد، مالیہ، لوکل سیلف گورنمنٹ، تعلیم، صحت، پی ڈبلیوڈی، زراعت، صنعت، آبکاری اور امداد باہمی کی انجمنیں۔

سوال 41: آئین 1919ء کے تحت مرکزی مقننہ کتنے ایوانوں پر مشتمل تھی اور انہیں کس کس نام سے پکارا جاتا تھا؟

جواب: دو ایوانوں پر مشتمل، ایوان بالا کو کونسل آف سٹیٹ، ایوان زیریں کو قانون ساز اسمبلی کہتے تھے۔

سوال 42: 1919ء کے آئین کے تحت کونسل آف سٹیٹ کے ممبران کی کل تعداد کتنی تھی؟ ان میں نامزد اور منتخب ارکان کا تناسب کیا تھا؟ نیز سرکاری ممبران کی تعداد کتنی تھی؟

جواب: کل تعداد 60۔ نامزد ارکان 27 ۔ منتخب ارکان 33۔ سرکاری ارکان 26۔

سوال 43: ایکٹ 1919ء کے تحت مرکزی قانون ساز اسمبلی کے ارکان کی کل تعداد کتنی تھی؟ ان میں سے کتنے منتخب اور کتنے نامزد کیے جاتے تھے اور سرکاری ارکان کی تعداد کتنی تھی؟

جواب: کل ارکان 145۔ منتخب ارکان 103۔ نامزد 42۔ نامزد سرکاری ارکان 26۔

سوال 44: آئین 1919ء کے تحت مرکزی قانون ساز اسمبلی میں مسلمانوں اور سکھوں کے لیے کتنی کتنی سیٹیں مخصوص کی گئیں؟

جواب: مسلمانوں کی 30 اور سکھوں کی 2۔

سوال 45: 1920ء میں کونسل آف سٹیٹ کے ووٹروں اور مرکزی قانون ساز اسمبلی کے ووٹروں کی تعداد کتنی تھی؟

جواب: کونسل آف سٹیٹ کے ووٹرز 17364، مرکزی قانون ساز اسمبلی کے ووٹرز 909874

سوال 46: 1919ء میں دوعملی نظام کے تحت محکموں کو کون کون سے دو حصوں میں تقسیم کیا گیا؟

جواب: منتقلہ یا ٹرانسفرڈ محکمے ، غیر منتقلہ یا نان ٹرانسفرڈ یا محفوظ (Reserved) محکمے

سوال 47: آئین 1919ء کی رو سے صوبائی کونسلوں کی صوبہ وار تعداد بتائیں؟

جواب: بنگال 140، پنجاب 94، یوپی 123، بہار اور اڑیسہ 103، سی پی 73، آسام 57، مدراس 132، بمبئی 114۔

سوال 48: آئین 1919ء کے تحت صوبائی کونسلوں میں کتنے فیصد ارکان منتخب اور کتنے فیصد نامزد ہوتے تھے؟

جواب: منتخب 70% نامزد 30% سرکاری ارکان نامزد ارکان کا 30%

سوال 49: 1919 کی آئینی اصلاحات کے تحت کونسل آف سٹیٹ اور مرکزی قانون ساز اسمبلی کی کتنی مدت تھی؟

جواب: کونسل آف سٹیٹ 5 سال، مرکزی قانون ساز اسمبلی کی مدت 3 سال۔

سوال 50: 1919 کا آئین کتنے اور کون کون سے صوبوں میں نافذ کیا گیا؟

جواب: کل 10 صوبوں میں۔ بنگال، پنجاب، آسام، مدارس، بمبئی، بہار واڑیسہ، سی پی، برما، شمال مغربی سرحدی صوبہ میں 1932ء میں نفاذ ہوا۔

سوال 51: ڈیارکی (Dyarchy) کا کیا مطلب ہے؟

جواب: ڈیارکی (Dyarchy) کا لفظ پہلی مرتبہ ڈیوک میمورنڈم میں استعمال کیا گیا تھا۔ یہ دستاویز بنگال کے گورنر سر آرتھر ڈیوک نے تیار کی تھی۔ اس کا مقصد تھا عوام کی آزادی کی منزل کو دور لے جانا۔

سوال 52: رولٹ ایکٹ پاس ہونے کی وجہ سے کون کون سے مسلم لیڈروں نے مرکزی کونسل سے استعفیٰ دے دیا؟

جواب: قائداعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ نے 28 مارچ 1919ء کو اور مظہر الحق نے۔

سوال 53: 10 اپریل 1919ء کو کون کون سے پنجابی لیڈروں کو ڈپٹی کمشنر امرتسر نے دھوکے سے گرفتار کیا؟

جواب: ڈاکٹر سیف الدین کچلو اور ڈاکٹر ستیا پال کو۔

سوال 54: جلیانوالہ باغ میں نہتے عوام پر کتنے منٹ فائرنگ کی گئی اور کتنی گولیاں چلائی گئیں؟

جواب: دس منٹ فائرنگ 1605 گولیاں

سوال 55: 13 اپریل 1919ء کو جلیانوالہ باغ میں کتنے لوگ ہلاک اور زخمی ہوئے؟

جواب: سرکاری اعلان کے مطابق 379 ہلاک اور 1200 زخمی ہوئے۔

سوال 56: 1919ء کے پنجاب کے مارشل لاء میں کون کون سے دیہاتوں پر فضا سے بمباری کی گئی؟

جواب: کاموئنکے اور مریدکے پر۔

سوال 57: مجوزہ مسلم یونیورسٹی کے 1911ء میں شائع ہونے والے دستوری خاکہ کے نمایاں پہلو کیا تھے؟

جواب: نام مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ہوگا۔ اس کو تمام برصغیر کے مسلم اسکولوں اور کالجوں کے الحاق کا اختیار ہوگا۔ نظم ونسق کے مکمل اختیارات مسلمانوں کے پاس ہوں گے۔ یونیورسٹی کا چانسلر شاہ برطانیہ ہوگا۔

سوال 58: حکومت نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے لیے کیا شرائط عائد کیں؟

جواب: 1- یونیورسٹی کے نام سے مسلم کا لفظ نکال دیا جائے۔

-2 30 لاکھ روپیہ کا فنڈ اکٹھا کیا جائے۔ -3 اس کا بیشتر نظم ونسق حکومت کے پاس ہوگا۔
-4 اسے الحاق کا اختیار نہ ہوگا۔ -5 اس کی حیثیت مقامی ہوگی۔
-6 یونیورسٹی کا چانسلر گورنر جنرل ہوگا۔

تحریک خلافت 1919ء فرقہ وارانہ فسادات، دہلی تجاویز 1927ء

سوال 1: تحریک خلافت کے روح رواں کون تھے؟ علی برادران کن کو کہا جاتا ہے؟
جواب: مولانا محمد علی جوہر اوران کے بڑے بھائی مولانا شوکت علی۔

سوال 2: انگریزوں نے کتنی باراور کن مقاصد کے لیے ترکی کے شیخ الاسلام سے اپنے حق میں فتویٰ لیا؟
جواب: پہلا فتویٰ ٹیپو سلطان کے خلاف استعمال کیا۔ دوسرا فتویٰ جنگ آزادی 1857ء میں کہ انگریزوں کے خلاف مسلمانوں کی جنگ مناسب نہیں۔

سوال 3: انگریز سرکار نے جنگ عظیم اول کے دوران برصغیر کے مسلمانوں کے ساتھ ترکی کے بارے میں کیا وعدے کیے؟
جواب: مسلمانوں کے مذہبی مقدس مقامات محفوظ رہیں گے۔ ان کے مذہبی عقائد کا احترام کیا جائے گا۔ ترک علاقوں پر ترکوں کا اقتدار برقرار رہے گا۔ خلافت کو نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔

سوال 4: مسلم ہندو اتحاد کے جنون میں کس ہندو لیڈر کو دہلی کی مسجد میں تقریر کرنے کی اجازت دی گئی؟
جواب: 31 مارچ 1919ء کو مسلمان ایک انتہا پسند ہندو لیڈر سوامی شردھا نند کو کندھوں پر اٹھا کر جامع مسجد دہلی لے گئے اور تقریر کے لیے منبر پر کھڑا کر دیا۔

سوال 5: 10 اپریل 1919ء کو ڈپٹی کمشنر امرتسر نے بنگلے پر بلا کر دھوکے سے کن دو مسلم ہندو راہنماؤں کو گرفتار کر لیا؟
جواب: ڈاکٹر سیف الدین کچلو اور ڈاکٹر ستیا پال۔

سوال 6: کل ہند خلافت کمیٹی کے پہلے صدر اور سیکرٹری کون تھے؟
جواب: صدر سیٹھ جان محمد چھوٹانی۔ سیکرٹری محمد صدیق کھتری۔

سوال 7: تحریک خلافت کے مستقل سیکرٹری اور قائد کون تھے؟
جواب: مستقل سیکرٹری مولانا شوکت علی۔ قائد مولانا محمد علی جوہر

سوال 8: 27 اکتوبر 1919ء کو مسلمانوں نے خلافت ڈے کیسے منایا؟
جواب: کاروبار بند رکھا، روزہ رکھا اور دعائیں مانگیں۔

سوال 9: 1919ء میں وائسرائے اور وزیر ہند کون تھے؟
جواب: وائسرائے چیمسفورڈ۔ وزیر ہند مانٹیگو۔

سوال 10: برطانوی وزیر اعظم لائیڈ جارج نے خلافت وفد کو کیا جواب دیا؟
جواب: اس کا جواب بڑا مایوس کن تھا۔ اس نے کہا کہ آسٹریلیا سے انصاف ہو چکا۔ جرمنی سے انصاف سے ہو چکا۔ اب ترکی اس سے کیوں بچے؟

سوال 11: معاہدہ سیورے کی نمایاں شرائط کیا تھیں؟
جواب: (i) ترکی کے تمام بیرونی علاقے چھین لیے گئے۔ فلسطین، عراق اور اردن برطانیہ نے حُجاز کے شریف حسین حاکم مکہ کے، شام فرانس کے، جنوبی اناطولیہ اٹلی کے اور انڈریا، نوپل، گیلی پولی، امراس، سمرنا اور ٹینڈرس یونان کے حوالے کر دیئے۔ آرمینیا کو آزاد ریاست کا اور دورہ دانیال اور خلیج فارس کو بین الاقوامی درجہ دے دیا۔ جبکہ استنبول کو بین الاقوامی شہر کا درجہ دے دیا گیا۔
(ii) ترکی پر بھاری تاوان جنگ عائد کیا گیا۔
(iii) بری فوج کی تعداد کم اور ہوائی فوج پر پابندی لگا دی۔ بحری جہاز ضبط اور فوجی تربیت گاہیں بند کر دیں۔

سوال 12: تحریک خلافت کے دوران چلائی گئی تحریک عدم تعاون کے چار مرحلہ وار پروگرام کیا تھے؟
جواب: 1۔ سرکاری خطابات کی واپسی اور سرکاری عدالتوں کا بائیکاٹ۔ 2۔ سرکاری ملازمتوں سے علیحدگی۔ 3۔ فوج اور پولیس کی ملازمت سے علیحدگی۔ 4۔ حکومت کو ٹیکس ادا کرنے سے انکار۔

سوال 13: علی برادران کے علاوہ تحریک خلافت کے اور کون کون سے بڑے لیڈر تھے؟
جواب: مولانا حسرت موہانی، مولانا ظفر علی خان، مولانا احمد سعید، ڈاکٹر مختار احمد انصاری، مولانا ابوالکلام آزاد۔

سوال 14: تحریک خلافت کے دو افسوسناک پہلو کون کون سے ہیں؟
جواب: (i) تحریک ہجرت (ii) موپلا بغاوت

سوال 15: تحریک خلافت کے دوران موپلوں نے حکومت کے ہاتھوں تنگ آ کر کیا اقدامات کیے؟
جواب: ہتھیار اٹھائے، ریل کی پٹریاں اکھاڑیں، تار کاٹے، انگریز قتل کیے۔ انگریزوں کے لیے جاسوسی کرنے والے ہندوؤں اور سود خور ساہوکاروں کو قتل کیا۔ بدامنی پھیلائی۔

سوال 16: حکومت نے موپلوں کے خلاف کون سے ظالمانہ اقدامات کیے؟
جواب: موپلا علاقے میں مارشل لاء نافذ کیا۔ ہزاروں کا قتل عام کیا۔ قید کیا۔ ان کے گھر مسمار کیے۔ فصلیں جلا دیں۔ مال گاڑی کی بوگی میں 70 موپلوں کو دم گھٹ کر مار دیا۔

سوال 17: جون 1921ء میں خلافت کمیٹی کے اجلاس میں عدم تعاون کے لیے کیا قرارداد پیش کی گئی؟

جواب: موجودہ حالات میں کسی مسلمان کے لیے برطانوی فوج کی ملازمت جاری رکھنا۔ بھرتی ہونا، بھرتی کی ترغیب دینا۔ مذہبی اور شرعی لحاظ سے ناجائز ہے۔ اگر برطانوی حکومت نے حکومت انقرہ سے جنگ کی تو برصغیر کے مسلمان سول نافرمانی شروع کر دیں گے اور کانگریس کے اگلے سالانہ اجلاس میں انڈین ریپبلک کا جھنڈا لہرا دیا جائے گا۔

سوال 18: کراچی کی تقریر کے سلسلے میں مولانا جوہر اور ان کے کن چھ ساتھیوں کو بغاوت کے جرم میں گرفتار کیا گیا؟

جواب: مولانا حسین احمد مدنی، ڈاکٹر سیف الدین کچلو، پیر غلام مجددی، مولوی نثار احمد، مولانا شوکت علی اور سوامی شنکر اچاریہ۔

سوال 19: مولانا ظفر علی خان نے گاندھی اور ساورکر کے اصل چہرے کو کس شعر کے ذریعے بے نقاب کیا؟

بھارت میں بلائیں دو ہی ہیں ایک ساورکر ایک گاندھی ہے

ایک جھوٹ کا چلتا جھکڑ ہے ایک مکر کی اٹھتی آندھی ہے

سوال 20: ہندو مہا سبھا کے تین انتہا پسند ہندو لیڈروں کے نام لکھیں؟

جواب: لالہ لاجپت رائے، ڈاکٹر مونجے، مدن موہن مالویہ۔

سوال 21: سنگھٹن کے راہنما اپنے کارکنوں کو کیا تربیت دیتے تھے؟

جواب: اس انتہا پسند ہندو تنظیم نے اکھاڑے بنائے جہاں ہندوؤں کو جسمانی ورزش، لاٹھی چلانے، اینٹیں مارنے، دیوار پھلاندنے، مروجہ اسلحہ چلانے کی تربیت دی جاتی تھی۔

سوال 22: لالہ ہردیال ہندو قوم کا روشن مستقبل کن چار امور میں دیکھتا تھا؟

جواب: 1۔ ہندو سنگھٹن 2۔ ہندو راج 3۔ مسلمانوں کی شدھی

4۔ صوبہ سرحد اور افغانستان کی فتح اور شدھی۔

سوال 23: مسلمانوں نے ہندو کی تحریک شدھی کا جواب کن تنظیموں کے قیام سے دیا؟

جواب: انجمن تبلیغ اسلام، انجمن تنظیم السلام۔

سوال 24: کون کون سے مسلم راہنما جداگانہ طریقہ انتخاب کے حق سے دستبردار ہونے کے خلاف تھے؟

جواب: میاں محمد شفیع، علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ، میاں فضل حسین۔

سائمن کمیشن-آل پارٹیز کانفرنس-نہرو رپورٹ-آل پارٹیز مسلم کانفرنس اور جناح کے چودہ نکات

سوال 1: مسلم لیگ کس مسئلہ پر اختلاف کی وجہ سے 1927ء میں دو گروپوں میں تقسیم ہوگئی؟ اور وہ دو گروپ کون سے تھے؟

جواب: جداگانہ الیکشن کے مسئلہ پر۔ جناح لیگ یا کلکتہ لیگ۔ شفیع لیگ یا لاہور لیگ۔

سوال 2: نہرو کمیٹی کے صدر اور سیکرٹری کون تھے؟

جواب: صدر: پنڈت موتی لال نہرو سیکرٹری: پنڈت جواہر لال نہرو

سوال 3: نہرو کمیٹی میں کون کون سے مسلم نمائندے شامل تھے؟

جواب: سر علی امام۔ محمد شعیب قریشی۔

سوال 4: موتی لال نہرو نے اپنی آئینی رپورٹ کس کو اور کب پیش کی؟

جواب: ایم ایچ انصاری صدر آل پارٹیز کانفرنس کو۔ 10 اگست 1928ء

سوال 5: مولانا شوکت علی نے نہرو رپورٹ پر کیا تبصرہ کیا؟

جواب: انہوں نے کہا کہ "جوانی میں مجھے کتے پالنے کا بڑا شوق تھا۔ میں نے کسی کتے کو خرگوش پر اتنی بے رحمی سے جھپٹتے نہیں دیکھا جس قدر بے رحمی کانگریس نے مسلمانوں کے بارے میں دکھائی ہے"۔

سوال 6: کن دو بڑے مسلمان لیڈروں کی برصغیر سے غیر حاضری کے دوران نہرو رپورٹ جاری کی گئی؟

جواب: محمد علی جناح۔ محمد علی جوہر۔

سوال 7: آل پارٹیز مسلم کانفرنس منعقدہ 1928ء میں مسلم مطالبات کی رپورٹ کس نے پیش کی اور اس کی تائید کس نے کی؟

جواب: پیش کی سر شفیع نے، تائید کی مولانا محمد علی جوہر نے

سوال 8: سائمن کمیشن پہلی بار کب برصغیر پہنچا اور یہاں سے کب واپس گیا؟

جواب: آمد 2 فروری 1928ء، روانگی 31 مارچ 1928ء۔

سوال 9: سائمن کمیشن دوسری مرتبہ کب برصغیر آیا اور کب واپس گیا؟

جواب: آمد 11 اکتوبر 1928ء، روانگی 13 اپریل 1929ء۔

سوال 10: سائمن کمیشن رپورٹ کب مکمل ہوئی اور کب شائع ہوئی؟

جواب: مکمل ہوئی اپریل 1930ء، شائع ہوئی جون 1930ء۔

سوال 11: کن مسلم راہنماؤں نے آل پارٹیز مسلم کانفرنس کو مستقل سیاسی جماعت میں بدل دیا؟

جواب: مولانا محمد شفیع داؤدی اور سر محمد شفیع نے۔

سوال 12: سائمن کمشن کا بائیکاٹ کرنے کی وجہ کیا تھی؟

جواب: کمشن میں برصغیر کو نمائندگی نہ دینا۔

سوال 13: نہرو رپورٹ میں مرکز میں مسلمانوں کو کتنے فیصد نمائندگی کی سفارش کی گئی؟ میثاق لکھنؤ کی رو سے مسلمانوں کو کتنی نمائندگی حاصل تھی؟

جواب: 25% $(\frac{1}{4})$ ، 33.33% $(\frac{1}{3})$

سوال 14: آل پارٹیز کانفرنس کے اجلاس 28 اگست 1928ء منعقدہ لکھنؤ میں مسلمانوں کی نمائندگی کس نے کی؟

جواب: مولانا حسرت موہانی اور مولانا شوکت علی نے۔

سوال 15: نہرو کمیٹی کے ارکان کے نام لکھیں؟

جواب:
1۔ سر علی امام 2۔ محمد شعیب قریشی 3۔ سبھاش چندر بوس
4۔ ایم این چوشی 5۔ سردار منگل سنگھ 6۔ ایم آر جیکار
7۔ جی آر پردھان 8۔ ایس ایم اینی 9۔ سر تیج بہار سپرد
10۔ جواہر لال نہرو

سوال 16: آل پارٹیز کانفرنس کا وہ اجلاس کہاں اور کب ہوا جس میں نہرو رپورٹ منظور کی گئی؟

جواب: کلکتہ میں 22 دسمبر 1928ء کو۔

سوال 17: سائمن کمیشن کی آمد کے وقت وزیر ہند کون تھا؟ نیز اس وقت برصغیر کا وائسرائے کون تھا؟

جواب: گورنر جنرل لارڈ اردن، وزیر ہند برکن ہیڈ۔

سوال 18: سائمن کمیشن نے کون کون سے مسلم مطالبات کو مشروط طور پر تسلیم کیا؟

جواب: مرکز میں $\frac{1}{3}$ کے بجائے آبادی کے لحاظ سے نمائندگی۔ سندھ کی مشروط علیحدگی۔ صوبہ سرحد میں دوسرے صوبوں کے برابر اصلاحات کی حوصلہ شکنی۔

سوال 19: سائمن رپورٹ کے کتنے حصے تھے؟ ان میں کن عنوانات کو زیر بحث لایا گیا؟

جواب: دو حصے، پہلے حصے میں برصغیر کے سیاسی اور معاشرتی حالات کا جائزہ۔ دوسرے میں آئینی سفارشات۔

سوال 20: مسلم لیگ کے دو دھڑے کتنی دیر علیحدہ علیحدہ رہے اور کب متحد ہوئے؟

جواب: دو سال تک علیحدہ علیحدہ رہے، مارچ 1927ء تا مارچ 1929ء، متحدہ ہوئے مارچ 1929ء کو۔

باب نمبر 8: علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اور خطبہ الہ آباد

سوال 1: بازار حکیماں کی ادبی مجلسوں میں علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ شریک ہونے والے چند بڑے نام لکھیں؟

جواب: چوہدری شہاب الدین، شیخ عبدالقادر، میاں فضل حسین۔

سوال 2: کیمبرج یونیورسٹی میں علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے کن اساتذہ سے فیض حاصل کیا؟

جواب: پروفیسر تھامس آرنلڈ، پروفیسر براؤن، پروفیسر نکلسن، پروفیسر میک ٹیگرٹ۔

سوال 3: افغانستان کے دورے پر علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ اور کون تھا؟

جواب: مولانا سید سلیمان ندوی، سر راس مسعود۔

سوال 4: علامہ اقبال کی شاعری کے چار ادوار کون سے ہیں؟

جواب: پہلا دور ابتداء سے 1905ء تک، دوسرا دور قیام یورپ کا 1905ء تا 1908ء۔ تیسرا دور 1908ء تا 1924ء یعنی انگلستان واپسی سے بانگ درا کی اشاعت تک، چوتھا دور بانگ درا کی اشاعت (1924ء) سے وفات تک۔

سوال 5: علامہ اقبال کی شاعری کے پہلے دور کی خصوصیات کیا تھیں؟

جواب: اپنی شاعری کے دور میں علامہ اقبال ہندو مسلم اتحاد کے حامی اور وطن پرست نظر آتے ہیں۔ جذبہ وطنیت پر کہی گئی اس دور کی نظموں میں ترانہ ہندی، ہندوستانی بچوں کا گیت، نیا شوالہ اور صدائے درد بہت مشہور ہوئیں اس دور میں اقبال کے افکار بکھرے سے ہیں۔ ان کی شاعری میں کوئی مرکزی نظریہ نہیں ہے بلکہ وطن پرستی کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی ملی تحریک سے وابستہ نظر آتے ہیں۔

سوال 6: علامہ اقبال کی شاعری کے دوسرے دور کی خصوصیات کیا ہیں؟

جواب: اقبال کی شاعری کا دوسرا دور قیام یورپ کا ہے۔ اس دور کی شاعری میں حسن وعشق کا رنگ ہے لیکن یہ کیفیت جلد ہی بدل گئی۔ اس دور میں وہ یورپ کی مادہ پرستی سے بے زار ہوئے اور اسلامی شاعری کا رنگ غالب آیا۔ اسی دور میں انہوں نے علی گڑھ کے طلبا کے نام نظم کہی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ زندگی جہد مسلسل کا نام ہے۔

سوال 7: اقبال کی شاعری کے تیسرے دور کی خصوصیات کیا تھیں؟

جواب: یہ دور یورپ سے واپسی سے 1924ء تک کا ہے۔ اس دور میں اقبال وطنیت اور قومیت کے پیغام کے بجائے عالمگیر قومیت کا پیغام دیتے ہیں۔ وہ اسلام کی طرف متوجہ نظر آتے ہیں اور ساری دنیا کے لیے اسلام کو نجات دہندہ سمجھتے ہیں۔

سوال 8: اقبال کی شاعری کے چوتھے اور آخری دور کی خصوصیات تحریر کریں؟

جواب: یہ دور 1924ء سے آپ کی وفات تک پھیلا ہوا ہے۔ اس دور میں اقبال کے افکار پختہ نظر آتے ہیں اس دور میں ان کا فلسفہ خودی ان کی شاعری کا مرکزی خیال ہے۔ اس دور میں انہوں نے اپنی سیاسی نظموں میں اشتراکیت، جمہوریت اور شہنشاہیت کے خلاف اپنے خیالات کا برملا اظہار کیا ہے۔ اس دور میں علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ فلسفہ کی بجائے اسلامی اقدار اور عالمگیر اتحاد و اخوت پر زور دیتے ہیں۔

سوال 9: علامہ اقبال نے مسلمانوں کی نمائندگی کے لیے کون سی گول میز کانفرنسوں میں شرکت کی؟

جواب: دوسری اور تیسری میں

سوال 10: اتحاد عالم اسلام کے لیے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کن کی سوچ سے متاثر ہوئے؟

جواب: سید جمال الدین افغانی اور مفتی محمد عبدہٗ۔

سوال 11: کون کون سے علماء نے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ سے دو قومی نظریہ پر بحث کی اور اسے مسترد کر دیا؟

جواب: مولانا حسین احمد مدنی۔ مولانا مظہر علی اظہر۔ مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری

سوال 12: متحدہ قومیت کے حامی اور دو قومی نظریہ کے مخالف علماء کن جماعتوں سے تعلق رکھتے تھے؟

جواب: 1۔ کانگریسی علماء۔ 2۔ احراری (مجلس احرار) علماء۔
3۔ جمعیت العلمائے ہند سے وابستہ علماء۔

سوال 13: علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے نظریہ قومیت کے بارے میں قوم پرست علماء پر اپنے کس شعر کے ذریعے بھرپور تنقید کی؟

قوم کیا چیز ہے قوموں کی امامت کیا ہے
اس کو کیا سمجھیں یہ بیچارے دو رکعت کے امام

سوال 14: اتحاد عالم اسلام کے حوالے سے نوجوانانِ اسلام کو اقبال نے اپنے شاعری کے ذریعے کیا پیغام دیا؟

بتانِ رنگ و بو کو چھوڑ کر ملت میں گم ہوجا
نہ تورانی رہے باقی نہ ایرانی نہ افغانی

سوال 15: مسلمانوں کی دیگر اقوام کے مقابلے میں علیحدہ قومیت کی بنیاد کے حوالے سے علامہ کے دو اشعار لکھیے۔

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی ﷺ

ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار
قوت مذہب سے ہے مستحکم تیری جمعیت
بازو تیرا توحید کی قوت سے قوی ہے
اسلام تیرا دیس ہے تو مصطفوی ہے۔

سوال 16: علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا مومن بالخصوص مسلم لیڈر کیسا ہونا چاہیے؟

نرم دم گفتگو گرم دم جستجو
رزم ہو یا بزم پاک دل و پاکباز

باب نمبر 9: چوہدری رحمت علی

سوال 1: چوہدری رحمت علی کے کتابچہ Now or Never پر کس کس کے دستخط تھے؟

جواب: چوہدری رحمت علی کے، محمد اسلم خان خٹک کے، شیخ محمد صادق کے، خان عنایت اللہ خاں کے۔

سوال 2: چوہدری رحمت علی نے اپنے کتابچہ "اب ورنہ کبھی نہیں" میں مجوزہ اسلامی ریاست میں کون کون سے علاقے کیے؟

جواب: پنجاب، صوبہ سرحد، بلوچستان اور کشمیر۔

سوال 3: چوہدری رحمت علی نے پاکستان کا لفظ کہاں سے لیا؟

جواب: پ، پنجاب سے، ا (صوبہ افغانیہ (یعنی سرحد) سے، ک، کشمیر سے، س، سندھ سے، تان، بلوچستان سے۔

سوال 4: چوہدری رحمت علی کے منصوبہ پاکستان پر قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نے کیا تبصرہ کیا؟

جواب: قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نے کہا "نوجوان! عجلت سے کام نہ لو۔ پانی کو بہنے دو وہ اپنا راستہ خود بنا لے گا"

سوال 5: چوہدری رحمت علی نے برصغیر میں کون کون سی تین اسلامی ریاستوں کی تجویز دی؟

جواب: 1۔ پنجاب، سندھ، صوبہ سرحد، بلوچستان اور کشمیر پر مشتمل پاکستان
2۔ بنگال اور صوبہ آسام پر مشتمل بانگ اسلام
3۔ حیدرآباد دکن پر مشتمل عثمانستان۔

سوال 6: چوہدری رحمت علی کا اپنے دفتر میں کام کا طریقہ کار کیا تھا؟

جواب: وہ ساری ساری رات لکھتے رہتے۔ خود ہی ٹائپ کرتے۔ خود ہی آفس کلرک کا کام کرتے اور خود ہی پمفلٹ لکھ کر تقسیم کرتے۔

سوال 7: دہلی کے اخبار States man نے چوہدری رحمت علی کے منصوبہ پاکستان پر کیا سرخی جمائی؟
جواب: عہد رفتہ کی مغل شان وشوکت کے احیاء کا خواب...... پاکستان
سوال 8: 1935ء میں چوہدری رحمت علی نے جو چار ورقہ شائع کیا اس میں انہوں نے وفاق ہند کی کن الفاظ میں مخالفت کی؟
جواب: ہمارے لیے یہ ایک معمہ ہے کہ آخر ہندوستانی وفاق میں پاکستان کو زبردستی کیوں ٹھونسا جائے جبکہ برما کو ہندوستان سے بالکل علیحدہ کیا جارہا ہے۔
سوال 9: چوہدری رحمت علی کا انٹرویو کرنے والی خالدہ ادیب خانم کون تھی؟
جواب: ترکی کی ممتاز سیاستدان، صحافی اور ادیبہ
سوال 10: چوہدری رحمت علی اپنی تین مجوزہ اسلامی ریاستیں بنگال آسام، پنجاب سندھ صوبہ سرحد کشمیر بلوچستان اور حیدرآباد دکن کے علاقوں میں کیوں قائم کرنا چاہتے تھے؟
جواب: کیونکہ یہ مسلم اکثریتی علاقے تھے۔

باب نمبر 10: گول میز کانفرنسیں، گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935ء

سوال 1: پہلی گول میز کانفرنس میں کون کون سے مسلم نمائندے شریک ہوئے؟
جواب: قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ، سر آغا خان، مولانا محمد علی جوہر، میاں محمد شفیع، مولوی فضل الحق، بیگم شاہنواز، صاحبزادہ عبدالقیوم، سر شاہنواز، غلام حسین ہدایت اللہ، نواب سعید اور چھتاری۔
سوال 2: پہلی گول میز کانفرنس کب شروع ہوئی اور کب ختم ہوئی؟
جواب: 12 نومبر 1930ء کو شروع ہوئی اور 19 جنوری 1931ء کو ختم ہوئی۔
سوال 3: پہلی گول میز کانفرنس میں مسلم نمائندوں کے قائد اور نائب قائد کون تھے؟
جواب: قائد سر آغا خان، نائب قائد سر محمد شفیع
سوال 4: پہلی گول میز کانفرنس میں کون کون سے اہم فیصلے کئے گئے؟
جواب:
(i) مرکز میں حکومت وفاقی نوعیت کی ہوگی۔
(ii) صوبوں میں مکمل ذمہ دار حکومتیں قائم کی جائیں گی۔
(iii) مرکز میں جواب دہ حکومت قائم کی جائے گی۔
(iv) مرکز میں دفاع، امور خارجہ اور امن عامہ کے علاوہ تمام وزراء مقامی ہوں گے۔
(v) سندھ کو بمبئی سے الگ کر دیا جائے گا۔
(vi) صوبہ سرحد میں دوسرے صوبوں کے مساوی آئینی اصلاحات نافذ کی جائیں گی۔

سوال 5: پہلی گول میز کانفرنس میں برصغیر کے کل کتنے نمائندے شریک ہوئے، ان میں مسلمانوں کے، دیسی ریاستوں کے اور برطانوی ہند کے کتنے کتنے نمائندے تھے؟
جواب: کل نمائندے 72، مسلمانوں کے 16 دیسی ریاستوں کے 16 اور برطانوی ہند کے 56 نمائندے۔
سوال 6: گاندھی اردن معاہدہ کن لیڈروں کی کوششوں سے ہوا؟
جواب: سر تیج بہادر سپرو، ایم آر جیکار، سری نواس شاستری۔
سوال 7: دوسری گول میز کانفرنس میں پہلے سے موجود مسلم نمائندوں کے علاوہ اور کون سے مسلم نمائندے کانفرنس میں شامل ہوئے؟
جواب: علامہ اقبال۔ مولانا شوکت علی۔ مولانا شفیع داؤدی۔ سر علی امام
سوال 8: گاندھی کے اسرار کے باوجود کن کانگریسی مسلمانوں کو گول میز کانفرنس میں شریک نہ کیا گیا؟
جواب: مولانا ابوالکلام آزاد اور ڈاکٹر مختار احمد انصاری کو۔
سوال 9: کمیونل ایوارڈ کے تحت مسلمانوں کو صوبوں میں کتنے فیصد نمائندگی دی گئی؟
جواب:
پنجاب میں مسلم آبادی 57% نمائندگی 49%
بنگال میں آبادی 54.7 نمائندگی 48%
سندھ میں آبادی 71% نمائندگی 57%
صوبہ سرحد میں آبادی 92% نمائندگی 72%
آسام میں آبادی 34% نمائندگی 31%
یوپی میں آبادی 15% نمائندگی 29%
سوال 10: دوسری گول میز کانفرنس کا کب آغاز ہوا اور کب اختتام ہوا؟
جواب: 7 ستمبر 1931ء تا یکم دسمبر 1931ء
سوال 11: تیسری گول میز کانفرنس کتنا عرصہ جاری رہی؟
جواب: 17 نومبر 1932ء تا 24 دسمبر 1932ء
سوال 12: گول میز کانفرنسوں کے نتیجے میں کون سے نئے صوبے معرض وجود میں آئے؟
جواب: صوبہ سندھ۔ اڑیسہ۔ صوبہ سرحد میں آئینی اصلاحات۔
سوال 13: علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے کون کون سی گول میز کانفرنس میں شرکت کی؟
جواب: دوسری اور تیسری۔

سوال 14: قائداعظم ﷺ نے کون کون سی گول میز کانفرنس میں شرکت کی؟

جواب: پہلی اور دوسری میں۔

سوال 15: 1935ء تک فرقہ وارانہ مسئلہ کے حل کی کون کون سی کوششیں ہوئیں؟

جواب: معاہدہ لکھنؤ، دہلی مسلم تجاویز، سائمن کمیشن رپورٹ، نہرو رپورٹ، قائداعظم ﷺ کے چودہ نکات، گول میز کانفرنسیں۔

سوال 16: پہلی گول میز کانفرنس میں کل کتنے نمائندے شریک ہوئے اور ان میں برصغیر کے کتنے نمائندے تھے؟

جواب: کل 89، برصغیر کے 72۔

سوال 17: مولانا محمد علی جوہر کہاں فوت ہوئے اور انہیں کہاں دفن کیا گیا؟

جواب: فوت ہوئے لندن میں، دفن ہوئے بیت المقدس میں۔

گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935ء

سوال 1: 1935ء کے ایکٹ کے تحت کون کون سے صوبے میں ایوان بالا بھی قائم کیا گیا؟

جواب: صوبہ مدارس، بمبئی، بنگال، یو۔پی، بہار اور آسام میں۔

سوال 2: ایکٹ 1935ء کے تحت صوبائی ایوان بالا کو کس نام سے پکارا جاتا ہے؟

جواب: لیجسلیٹو کونسل۔

سوال 3: 1935ء کے آئین کے تحت صوبائی اسمبلیوں کی کم از کم اور زیادہ سے زیادہ تعداد کتنی تھی؟

جواب: کم از کم 150 ارکان اور زیادہ سے زیادہ 250 ارکان۔

سوال 4: 1935ء کے ایکٹ کے تحت مرکز میں جو دو ایوان قائم کئے گئے۔ انہیں کن ناموں سے پکارا جاتا تھا؟

جواب: ایوان بالا کو کونسل آف سٹیٹ اور ایوان زیریں کو وفاقی اسمبلی کہا جاتا تھا۔

سوال 5: 1935ء کے آئینی بل پر برطانوی دارالعوام اور دارالامراء میں کتنے دن بحث ہوئی؟

جواب: دارالعوام میں 43 دن، دارالامراء میں 13 دن۔

سوال 6: 1935ء کے ایکٹ پر بادشاہ کے توثیقی دستخط کب ہوئے اور اس کو نافذ کب کیا گیا؟

جواب: 4 اگست 1935ء کو شاہی دستخط ہوئے۔ یکم اپریل 1937ء کو نفاذ ہوا۔

سوال 7: 1935ء کے ایکٹ کے تحت کونسل آف سٹیٹ کے ارکان کی کل تعداد کتنی تھی؟ ان میں

ریاستوں اور صوبوں کے کتنے کتنے نمائندے تھے؟

جواب: کل ارکان 260، ریاستوں کے 104 اور صوبوں کے 156 نمائندے تھے۔

سوال 8: 1935ء کے ایکٹ کے تحت وفاقی اسمبلی کے کل ارکان کی تعداد کتنی تھی؟ ان میں ریاستوں کے اور صوبوں کے کتنے کتنے نمائندے تھے؟

جواب: کل ارکان 375، ریاستوں کے 125 اور صوبوں کے 250 نمائندے

سوال 9: 1935ء کے آئین کے تحت ریاستوں کی وفاق میں شمولیت کے لئے کیا شرائط تھیں؟

جواب: (i) وفاق میں شرکت کا اعلان

(ii) حکومت کو حق تھا کہ ریاستی حکمران کی پیش کردہ شرائط کو منظور یا مسترد کر دے۔

(iii) معاہدے میں وفاق کو دیئے جانے والے اختیارات کی وضاحت۔

(iv) بعد از معاہدہ وفاق کو دیئے گئے اختیارات میں کمی بیشی نہ ہو سکتی تھی۔

(v) معاہدے کے مطابق ریاست میں قانون کا مناسب نفاذ۔

سوال 10: 1935ء کے ایکٹ کے تحت مرکز میں قائم کی گئی فیڈرل کورٹ کتنے ججوں پر مشتمل تھی؟

جواب: 1935ء ایک چیف جج اور پندرہ ججوں پر مشتمل تھی۔

سوال 11: بنگال کے وزیراعلیٰ مولوی فضل الحق نے 1935ء کے ایکٹ پر کیا تبصرہ کیا؟

جواب: ''اس کے تحت نہ تو مسلم راج قائم ہوا اور نہ ہندو راج بلکہ برطانوی راج قائم ہوا۔''

سوال 12: 1935ء کے ایکٹ کے بارے میں راج گوپال اچاریہ کی کیا رائے تھی؟

جواب: ''نیا آئین 1919ء کی دوعملی حکومت سے بھی برتر ہے۔''

سوال 13: آئین 1935ء کے تحت مرکز کے سپرد کون کون سے شعبے کئے گئے؟

جواب: دفاع، خارجہ، مذہبی امور، قبائلی علاقوں اور ریاستوں کا نظام۔

سوال 14: کانگریسی لیڈر مدن موہن مالویہ نے 1935ء کے ایکٹ پر کیا رائے دی؟

جواب: ''بظاہر یہ جمہوری شکل وشباہت رکھتا ہے لیکن اندر سے کھوکھلا ہے۔''

سوال 15: نہرو نے آئین 1935ء پر کن الفاظ میں تنقید کی؟

جواب: ''ایک ایسی مشین جس میں انجن نہ ہو بریکیں ہی بریکیں ہوں۔''

"A machine with strong brakes and no engine."

سوال 16: آئین 1935ء پر جناح کا تبصرہ کیا تھا؟

جواب: ''مکمل طور پر گندا، بنیادی طور پر برا اور قطعاً ناقابل قبول۔''

"Throughly rotten fundamentally bad and totally unacceptable."

حصہ دوم (Subjective Part II)

نوٹ: مندرجہ ذیل سوالات میں سے صرف تین کے جوابات تحریر کریں۔ 10 × 3 = 30

1۔ گول میز کانفرنسوں کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟ یہ برعظیم کے مسائل حال کرنے میں کیوں ناکام رہیں؟

2۔ 1935ء ایکٹ کی چیدہ چیدہ خصوصیات بیان کریں۔(بہاولپور بورڈ 11-2007ء) یا
گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935ء کی اہم دفعات پر نوٹ لکھیے۔(بہاولپور بورڈ 2008ء)

3۔ گورنمنٹ انڈیا ایکٹ 1935ء کے تحت دی گئی صوبائی خودمختاری پر روشنی ڈالیں۔

4۔ 1930ء سے 1932ء تک لندن میں گول میز کانفرنسیں کیوں منعقد ہوئیں؟ ان میں کیا فیصلے ہوئے؟

5۔ مندرجہ ذیل پر نوٹ لکھیں۔

① مولانا محمد علی جوہر کی وفات ② پونا پیکٹ
③ کمیونل ایوارڈ ④ گاندھی-اروِن پیکٹ



سیکشن "سی"

باب 11: 1937ء کے انتخابات اور کانگریسی وزارتیں
کانگریسی وزارتوں کے مسلم دشمن اقدامات

باب 12: مسلم لیگ کی تنظیم نو اور قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ

باب 13: قرارداد لاہور 1940ء

باب 14: قیام پاکستان

(i) کرپس مشن (ii) کابینہ مشن
(iii) 1945-46ء کے انتخابات (iv) عبوری حکومت
(v) 3 جون 1947ء کا منصوبہ (vi) قیام پاکستان

نوٹ: نئے امتحانی پیٹرن کے مطابق نمبروں کی تقسیم درج ذیل ہے۔ کل نمبر 100

سوال نمبر 1: (حصہ معروضی) کثیرالانتخابی سوالات پوری کتاب میں سے آئیں گے۔ 20

سوال نمبر 2: (حصہ انشائی، حصہ اول) مختصر سوالات کے جوابات سیکشن "اے" سے لیے جائیں گے۔(کوئی سے آٹھ سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں) 8×2=16

سوال نمبر 3: (حصہ انشائی، حصہ اول) مختصر سوالات کے جوابات سیکشن "بی" سے لیے جائیں گے۔(کوئی سے آٹھ سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں) 8×2=16

سوال نمبر 4: (حصہ انشائی، حصہ اول) مختصر سوالات کے جوابات سیکشن "سی" سے لیے جائیں گے۔(کوئی سے نو سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں) 9×2=18

سوال نمبر 9,8,7,6,5 (حصہ انشائی، حصہ دوم) کوئی سے تین سوالات کے جوابات تحریر کریں۔(یہ سوالات تمام کتاب میں سے آئیں گے) 10×3=30

باب 11

انتخاب 1937ء اور کانگریسی وزارتیں

1935ء کے آئین کے صوبائی حصے کو نافذ کیا گیا اور اس سلسلے میں انتخابات کا اعلان بھی کر دیا گیا۔ چنانچہ تمام سیاسی جماعتوں نے انتخابات کی تیاری شروع کر دی۔ قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نے کوشش کی کہ دیگر مسلم سیاسی جماعتیں بھی مسلم لیگ کے ساتھ مل جائیں مگر وہ اس مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے سارے ملک کا انتخابی دورہ کیا۔ مسلم لیگ کا پارلیمانی بورڈ قائم کیا اور انتخابی منشور شائع کیا۔ مسلم لیگ کا منشور تقریباً وہی تھا جو کانگرس کا تھا لیکن صرف دو امور میں اختلاف تھا۔ اول مسلم لیگ اردو زبان کو اور کانگرس ہندی زبان کو قومی زبان بنانا چاہتی تھی۔ دوم مسلم لیگ جداگانہ انتخاب کے حق میں اور کانگرس اس کے خلاف تھی۔

انتخابات: 1937ء میں صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات مکمل ہو گئے۔ کانگرس نے گیارہ صوبوں میں سے پانچ صوبوں میں واضح اکثریت حاصل کر لی۔ چھٹے صوبے بمبئی میں بھی وہ دو تین ممبروں کو اپنے ساتھ ملا کر وزارت بنا سکتی تھی۔ دوسری طرف دوسری مسلم سیاسی جماعتوں کے عدم تعاون کی وجہ سے مسلم لیگ نمایاں کامیابی حاصل نہ کر سکی۔ اس نے کل چار سو بیاسی (482) مسلم نشستوں میں سے ایک سو دو (102) نشستیں حاصل کیں۔ پنجاب میں سر سکندر کی یونینسٹ پارٹی اور بنگال میں مولوی فضل الحق کی کرشک پرجا پارٹی نے کافی تعداد میں مسلم نشستوں پر قبضہ کر لیا۔

انتخابات میں پارٹی پوزیشن درج ذیل تھی:

نام صوبہ	کل سیٹیں	کانگرس	کل مسلم سیٹیں	مسلم لیگ	دیگر مسلم جماعتیں
مدراس	215	159	28	11	17
بمبئی	175	86	29	20	9
بنگال	250	54	117	40	77
یو-پی	228	134	64	27	37
پنجاب	175	18	84	2	82
بہار	152	98	39	-	39
سی-پی	112	70	14	-	14
صوبہ سرحد	50	19	36	-	36
آسام	108	33	34	9	25
اڑیسہ	60	36	4	-	4
سندھ	60	7	35	-	35
میزان	1585	714	484	109	375

کانگریسی وزارتیں: انتخابات میں کانگرس کو دوسری جماعتوں کے مقابلے میں نمایاں کامیابی حاصل ہوئی۔ اس کامیابی نے کانگریسی لیڈروں کو مغرور بنا دیا۔ پنڈت جواہر لال نہرو نے مارچ 1937ء میں کہا "آج ہندوستان میں دو فریق ہیں یعنی کانگرس اور برطانوی حکومت۔ باقی جتنی جماعتیں ہیں ان کو کانگرس کے پیچھے چلنا ہوگا یا برطانوی حکومت کا ساتھ دینا ہوگا" اس موقع پر قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فوراً اس دعوے کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ "ہندوستان میں ایک تیسرا فریق بھی ہے اور وہ مسلمان ہیں" لیکن کانگریسی لیڈر کامیابی کے نشے میں ذہنی توازن کھو بیٹھے تھے۔

پیرپور رپورٹ

پیرپور کمیٹی کی تشکیل: اقتدار سنبھالنے کے بعد ہندو صوبوں کی کانگریسی وزارتوں نے مسلمانوں کے خلاف انتقامی کارروائیاں شروع کر دیں تھیں جن کا ذکر اخبارات میں ہوتا رہتا تھا۔ جب شکایتوں کا سلسلہ بہت بڑھ گیا تو ان کی تحقیقات کے سلسلے میں مسلم لیگ کونسل نے قدم اٹھایا۔ اس نے 20 مارچ 1938ء کو ایک تحقیقاتی کمیٹی تشکیل دی جس کے صدر ریاست پیرپور کے راجا سید محمد مہدی تھے۔ پیرپور کمیٹی درج ذیل اراکین پر مشتمل تھی:

1. راجا سید محمد مہدی آف پیرپور صدر
2. مسٹر اے۔ بی حبیب اللہ سیکرٹری
3. خان بہادر حاجی رشید احمد
4. سید اشرف احمد

5 مولوی عبدالغنی 6 میاں غیاث الدین
7 سید ذاکر علی 8 سید حسن ریاض 9 سید تقی ہادی رضوی

پیر پور کمیٹی نے یو پی، سی پی، بہار، اڑیسہ، مدارس اور بمبئی کے پانچوں ہندو اکثریتی صوبوں کے وسیع دورے کیے۔ اس نے مسلمانوں کے ہر طبقے اور خاص طور پر مسلم لیگ کی مقامی شاخوں کے عہدیداروں سے تحریری اور زبانی شہادتیں حاصل کیں۔ بعض جگہ غیر مسلموں نے بھی تعاون کیا اور واقعات بتائے۔ کمیٹی نے اکتوبر 1938ء کے آخری ہفتے میں اپنی رپورٹ مکمل کی اور 15 نومبر 1938ء کو مسلم لیگ کونسل کے سامنے پیش کی۔

پیر پور رپورٹ تین حصوں پر مشتمل تھی۔ پہلے حصے میں فرقہ وارانہ مسئلے کی نوعیت کو بیان کیا گیا ہے۔ دوسرے حصے میں ہندو مسلم تصادم اور اس کے اسباب پر بحث کی گئی ہے اور تیسرے حصے میں مسلمانوں کے ساتھ ہونے والے ظلم و ستم کا جائزہ لیا گیا ہے۔ یہ رپورٹ بڑی جامع اور محنت سے تیار کی گئی تھی۔

1937ء کی کانگرسی وزارتوں میں مسلمانوں سے ظالمانہ سلوک

1937ء کے الیکشن کے بعد کانگرس نے پانچ صوبوں مدراس۔ یو پی۔ سی پی، بہار اور اڑیسہ میں (جہاں اسے قطعی اکثریت حاصل تھی) اپنی حکومتیں بنالیں۔ جبکہ ممبئی، بنگال، پنجاب، آسام اور صوبہ سرحد میں آزاد ارکان اور مقامی جماعتوں کے ساتھ جوڑ توڑ کرکے مخلوط حکومتیں قائم کرلیں۔

اس کے ساتھ ہی ہندو محسوس کرنے لگے کہ جس راج کا انہیں صدیوں سے انتظار تھا۔ وہ انہیں حاصل ہوگیا ہے۔ لہٰذا انہوں نے ہندو اکثریتی صوبوں میں مسلمانوں سے گن گن کر تاریخی انتقام لینا شروع کردیا۔ کانگرسی وزارتوں کے مسلمانوں کے ساتھ انتہائی گھٹیا، غیر انسانی، غیر جمہوری اور ظالمانہ سلوک کی مختصر اُروئیداد درج ذیل ہے:۔

1- مسلم لیگ کو اقتدار میں شامل کرنے سے انکار: مسلم لیگ نے ہندو اکثریتی صدیوں میں کافی نشستیں حاصل کی تھیں۔ اس لئے بجا طور پر امید کی جاسکتی تھی کہ ان صوبوں میں مسلم لیگ کو اقتدار میں شامل کرلیا جائے گا۔ لیکن اس نے اعلان کیا کہ مخلوط وزارتیں قائم کرنا کانگرس کی پالیسی نہیں ہے۔ صوبہ یو پی میں تو بالخصوص دونوں پارٹیوں کا منشور ایک جیسا تھا، دونوں نے الیکشن میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون بھی کیا تھا نیز مسلم لیگ نے یہاں سے 26 نشستیں حاصل کی تھی۔ لیکن کانگرس نے اس صوبے کی وزارت میں مسلم لیگ کو شامل کرنے کیلئے انتہائی نامناسب شرائط رکھ دیں کہ مسلم لیگ کے ارکان صوبائی

مسلم لیگ توڑ دیں اور حلف نامے پر دستخط کر کے کانگرس میں شامل ہو جائیں، نیز کانگرس کے آئین و ضوابط کی پابندی کریں۔ اس کے جواب میں چوہدری خلیق الزمان نے ابوالکلام آزاد کو لکھا کہ:

''آپ چاہتے ہیں کہ میں مسلم لیگ کی موت کے پروانے پر دستخط کردوں'' (سید نور احمد صفحہ)

یہ شرائط اس قدر نامعقول تھیں کہ بقول آئی ایچ قریشی:

''کوئی بھی سیاسی جماعت جس میں ذرہ برابر بھی عزت نفس موجود ہو ایسی شرائط قبول نہیں کرسکتی اور اگر قبول کرلے تو زندہ نہیں رہ سکتی۔''

2- اردو زبان کے خاتمے کی کوششیں: صوبوں میں اقتدار ملتے ہی گاندھی نے اپنے اصل روپ میں آتے ہوئے کہا کہ:

''ہندی ہی ہندوستان کی قومی زبان ہے اور دیوناگری اس کا رسم الخط ہے۔''

لہٰذا اردو کی جگہ ہندی کو سرکاری زبان اور ذریعہ تعلیم قرار دیا گیا۔ اردو کو مقامی زبانوں سے بھی خارج کردیا گیا۔ مسلمانوں کا اس کے خلاف شدید ردِّ عمل فطری بات تھی۔

3- مسلم رابطہ مہم: یہ اسکیم نہرو کے ذہن کی پیداوار تھی۔ ابوالکلام آزاد کو اس کا نگران بنایا گیا۔ اس کا مقصد مسلمانوں کو مسلم لیگ سے بدول کر کے کانگرس مین شامل کرنا تھا۔ چونکہ مسلم لیگ ہی مسلمانوں کی سب بڑی جماعت تھی اس لئے نہرو اس کے وجود کو ختم کرنا چاہتا تھا۔ لہٰذا مسلم رابطہ مہم بڑے زور وشور سے شروع کی گئی۔ کانگرس نے اس مقصد کے لئے سرکاری خزانے کا بے دریغ استعمال کیا۔ مسلم لیگ کے ارکان کو خریدنے اور وزارتوں کا لالچ دے کر مسلم لیگ سے علیحدہ کرنے کی کوششیں کی گئیں۔ مسلم لیگ کے مقابلے میں آزاد لیگ کھڑی کرکے مسلم لیگ کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کی گئیں۔

4- ترنگا پرچم کو سلامی: ہندوؤں کے برسر اقتدار آتے ہی کانگرس کا تین رنگوں والا پرچم سرکاری عمارتوں پر لہرایا جانے لگا۔ یہاں تک کہ اسمبلی کی کارروائی اور اسکولوں میں پڑھائی کا آغاز ترنگا پرچم کی سلامی سے ہوتا تھا۔ مسلمان بچوں کو کانگرس کے جھنڈے کی سلامی پر مجبور کیا جاتا تھا۔ قائداعظم نے جب اس طرف نہرو کی توجہ دلائی تو اس نے کانگرس کے جھنڈے کو آرٹ کے نقطہ نظر سے خوبصورت اور مسلم لیگ کے پرچم کو فرقہ وارانہ قرار دیا۔

5- بندے ماترم: کانگرسی حکومتوں نے بندے ماتر کو قومی ترانہ قرار دے دیا جو ایک متعصب بنگالی ہندو بنکم چندر چیٹرجی کے ناول انند ماٹھ سے لیا گیا تھا۔ اس ترانے میں مسلمانوں کو غاصب، لیڑے اور ڈاکو قرار دے کر ہندوؤں کو تلقین کی گئی تھی کہ وہ ہندوستان کو جلد از جلد مسلمانوں کے وجود سے پاک

کردیں اور مسجدوں کو برباد کر کے ان کی جگہ مندر تعمیر کر دیں۔

کانگرس نے برسر اقتدار آتے ہی حکم دیا کہ یہ ترانہ کانگرس کے ہر اجلاس، سرکاری وغیر سرکاری تقریبات، اسمبلیوں کے اجلاسوں اور تعلیمی اداروں میں پورے سازوں کے ساتھ گایا جائے۔ ترانے کے وقت مسلمان بچوں کو ہاتھ جوڑ کر کھڑے رہنے کی تلقین کی جاتی تھی۔ جب قائداعظم نے اس بارے میں شکوہ کیا تو نہرو نے بے اعتنائی سے جواب دیا کہ:

''ایسے گیت فرمائش سے نہیں لکھوائے جاتے بلکہ جذبات کی دنیا میں خود بخود جنم لیتے ہیں۔''

6-مورتی پوجا: گاندھی کی شخصیت کا نقش مسلمان بچوں کے ذہنوں پر جمانے کے لئے اسکولوں میں اس کی مورتی کی پوجا کرائی جاتی تھی۔ ہندوؤں کے ساتھ مسلمان بچوں کو بھی گاندھی کی مورتی کے سامنے جھکنے، ہاتھ جوڑ کر مؤدب کھڑا رہنے اور اس کی پوجا پاٹ کرنے پر مجبور کیا جاتا تھا۔

7-واردھا اسکیم: یہ ایک تعلیمی اسکیم تھی جو گاندھی کے ہندوانہ ذہن کی پیداوار تھی۔ دراصل یہ متحدہ قومیت اور وطن کی محبت کے نام پر شدھی کی تحریک تھی۔ اس کے لئے سات سال سے چودہ سال کے بچوں کا انتخاب کیا جاتا تھا اور انہیں کانگرس کا عقیدہ، پالیسی، کانگرسی جمہوریت، گاندھی کا عدم تشدد، ستیہ گرہ اور اہنسا ذہن نشین کرائے جاتے تھے۔ اس اسکیم کے تحت دنیا کے تمام مذاہب کو ایک قرار دے کر بھگت کبیر، گورونک، رامانج، اکبر اور داراشکوہ کے نظریات کا پرچار کیا جاتا اور ہندو لیڈروں کے کارناموں کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا جاتا تھا۔ اس تعلیمی اسکیم پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا مودودی لکھتے ہیں کہ:

''اس سے مسلمان بچوں میں پنچھی سماج اور برہمو سماج کا شعور تو پیدا ہو سکتا ہے لیکن اسلامی شعور ہرگز پیدا نہیں ہو سکتا۔''

8-ودیا مندر اسکیم: یہ تعلیمی اسکیم صوبہ سی پی کے وزیر اعلیٰ شکلا نے نافذ کی۔ اس کا مقصد مسلمان بچوں کو عملاً ہندو بنانا تھا۔ اس کے تحت مندروں کی طرز پر ہندی اسکول کھولے گئے۔ اردو کے سوا ہر مقامی زبان ذریعہ تعلیم قرار دی گئی۔ ان اسکولوں میں ہندوؤں کے مذہبی تہوار منائے جاتے تھے۔ مسلمان بچوں کو زبردستی ان میں شریک کیا جاتا تھا۔ انہیں ہندوؤں کی طرح دھوتی باندھنی پڑتی اور مورتی کی پوجا کرنا پڑتی تھی۔ اس اسکیم کے باعث بیشتر مقامات پر ہندو مسلم فسادات ہوئے۔

9-معاشی اور سماجی دباؤ: کانگرس کے وزارتی دور میں مسلمانوں کو معاشی میدان میں پیچھے دھکیلنے کی کوشش کی گئی۔ صوبہ یوپی میں جہاں مسلمان زمینداروں اور ہندو مزارعین کی تعداد زیادہ تھی وہاں مزارعین کے تحفظ کے لئے نئے قوانین بنا کر مسلمان زمینداروں کو ان کی زمینوں سے محروم کر دیا گیا۔

لیکن بنگال میں جہاں ہندو جاگیرداروں کی تعداد زیادہ تھی ایسے قوانین کی سخت مخالفت کی گئی۔

درآمدی اور برآمدی پالیسیاں بناتے اور ٹیکسوں کا نفاذ کرتے وقت ہندوؤں کے مفادات کا خیال رکھا جاتا تھا۔ ملازمتوں کا حصول مسلمانوں کے لئے ناممکن بنا دیا گیا۔ مسلمان افسروں کو غیر اہم عہدوں پر تبدیل کر دیا گیا۔ مسلمان ملازمین کے ہندو افسروں نے ان پر اعتماد کرنا اور مسلمان افسروں کے ہندو ماتحتوں نے ان کی عزت کرنا چھوڑ دی۔ سماجی دباؤ کا یہ عالم تھا کہ ایک ہندو عورت پھیری والے سے سودا سلف خریدنے سے پہلے پوچھ لیتی تھی کہ وہ ''مُسلا'' تو نہیں ہے۔

10-گائے کی حفاظت: اقتدار میں آتے ہی ہندوؤں کو گائے کے تحفظ کا خیال ستانے لگا۔ گاندھی نے کانگرس کے سالانہ اجلاس میں پُرزور انداز میں کہا کہ:

''گاؤ رکھشا (حفاظت) ہندو دھرم کا بنیادی عقیدہ ہے''۔

گائے کی حفاظت کے لئے فوجداری قوانین بنائے گئے۔ عملی طور پر صورتحال یہ تھی کہ گائے ذبح ہونے کی اطلاع یا افواہ کے ساتھ ہی ہندو بھیڑیئے مسلمانوں پر حملہ کر دیتے۔ بے گناہ مسلمان مردوں، عورتوں اور بچوں کو قتل کر دیتے اور گھروں کو لوٹ کر جلا دیتے تھے۔ پولیس جان بوجھ کر لاپرواہی سے کام لیتی تھی۔ اگر مداخلت بھی کرتی تو مسلمانوں سے معافی منگوا کر اور آئندہ گائے ذبح نہ کرنے کا وعدہ لے کر صلح کرا دیتی۔

11-مسلمانوں کی عبادت ورسومات میں مداخلت: کانگرسی راج آتے ہی ہندوؤں نے مسلمانوں سے تاریخی انتقام لینا شروع کر دیا۔ محرم اور عید میلاد النبیؐ کے موقعوں پر دفعہ 144 لگا دی جاتی۔ مذہبی جلوسوں پر مسلح حملے کئے جاتے۔ عیدالاضحیٰ کے موقع پر گائے ذبح کرنے پر پابندی لگا دی جاتی۔ عین نماز کے وقت مساجد کے سامنے ڈھول پیٹنا، سنکھ بجانا، ارتھی کے جلوس نکالنا، باجے کے ساتھ گانا گانا اور ناچنا روزمرہ کا معمول بن گیا۔ کئی جگہوں پر اذان پر پابندی لگا دی گئی اور بہت سی مساجد پر قبضہ کر لیا گیا۔

12-فسادات، قتل وغارت اور عدالتی فیصلے: کانگرسی وزارتوں کے مسلم کش اقدامات کا نتیجہ وسیع پیمانے پر ہندو مسلم فسادات کی صورت میں نکلنا لازمی امر تھا۔ مسلمانوں پر حملے کرنے میں ہندو مہاسبھائی پیش پیش ہوتے تھے۔ کانگرسی وزارتیں ان کی حوصلہ افزائی اور پشت پناہی کرتیں۔ مجرموں کے لئے جھوٹی گواہیوں کا بندوبست کیا جاتا۔ ان کے مقدمات گول کرائے جاتے۔ مجسٹریٹوں اور ججوں کو ان مجرموں کو رہائی کے لئے سفارشی خط لکھے جاتے۔ عدلیہ کو دھمکیاں دی جاتیں۔ اس کے کام میں مداخلت کر کے ہندو مجرموں کے حق میں فیصلے کرائے جاتے۔ مسلمانوں کا قتل عام کیا جاتا۔ ان کا مال واسباب لوٹا جاتا، ان کے گھر جلا دیئے جاتے، پھر عدالتوں سے انہی کو سزائیں دلوائیں جاتیں۔

Objective معروضی

سوال نمبر 1: کثیر الانتخابی سوالات امتحان میں بیس آئیں گے جن کو حل کرنا لازمی ہوگا۔ ہر سوال کے چار (4) ممکنہ جواب A,B,C اور D سامنے دیئے گئے دائروں میں سے ایک دائرے کو پین یا مارکر کی سیاہی سے بھر دیں۔ (کل نمبر 20)

-1 1935ء کے آئین کے تحت صوبائی الیکشن کب ہوئے؟
(ا) 1935ء (ب) 1936ء
(ج) 1937ء ✓ (د) 1939ء

-2 کانگریس نے 1937ء کے الیکشن میں کتنے صوبوں میں اکثریت حاصل کر لی؟
(ا) پانچ صوبوں ✓ (ب) سات صوبوں
(ج) چھ صوبوں (د) نو صوبوں

-3 1937ء کے صوبائی انتخابات میں ووٹروں کی کل تعداد کتنی تھی؟
(ا) 15 ملین (ب) 35 ملین ✓
(ج) 60 ملین (د) 20 ملین

-4 1937ء کے صوبائی الیکشن کی کل نشستوں میں سے کانگریس نے کتنی سیٹیں حاصل کیں؟
(ا) 706 ✓ (ب) 506
(ج) 406 (د) 306

-5 کانگریس نے 1937ء کے صوبائی الیکشن میں کل 482 مسلم نشستوں میں سے صرف 154 پر اپنے امیدوار کھڑے کئے، ان میں کتنے کامیاب ہوئے؟
(ا) 36 (ب) 56
(ج) 45 (د) 26 ✓

-6 1937ء کے صوبائی الیکشن کے تحت مسلم لیگ نے 482 مسلم نشستوں میں سے کتنی حاصل کیں؟
(ا) 312 (ب) 102 ✓
(ج) 212 (د) 202

-7 1937ء کے الیکشن میں پنجاب میں کونسی جماعت نے زیادہ سیٹیں حاصل کیں؟
(ا) مسلم لیگ (ب) کانگرس
(ج) یونینسٹ پارٹی ✓ (د) اکالی دَل

-8 کانگریس نے 1937ء کے الیکشن میں کل کتنے ووٹ حاصل کیے؟
(ا) 10 ملین (ب) 25 ملین (ج) 15 ملین ✓ (د) 30 ملین

-9 1937ء کے الیکشن میں مسلم لیگ کو پنجاب کی کل 175 نشستوں میں سے کتنی حاصل ہوئیں؟
(ا) 82 (ب) 88 (ج) 02 ✓ (د) 22

-10 صوبہ بنگال کی کل 250 نشستوں میں مسلم لیگ نے 1937ء کے الیکشن میں کتنی نشستوں پر کامیابی حاصل کی؟
(ا) 140 (ب) 40 ✓ (ج) 160 (د) 60

-11 1937ء کے الیکشن میں مسلم لیگ کو کون سے صوبے سے زیادہ نشستیں حاصل ہوئیں۔
(ا) پنجاب (ب) سندھ (ج) صوبہ سرحد (د) صوبہ بنگال ✓

-12 1937ء کے الیکشن میں صوبہ پنجاب میں کون سی جماعت نے سب سے زیادہ نشستیں حاصل کیں؟
(ا) کانگریس (ب) مسلم لیگ
(ج) یونینسٹ پارٹی (د) ہندو مہاسبھا

-13 سر فضل حسین کب فوت ہوئے؟
(ا) 8 اگست 1942ء (ب) 8 اگست 1936ء ✓
(ج) 8 اگست 1938ء (د) 8 اگست 1940ء

-14 1937ء کے الیکشن میں کتنی ہندو نشستوں پر غیر کانگریسی کامیاب ہوئے؟
(ا) 211 ✓ (ب) 111 (ج) 151 (د) 161

-15 1937ء کے الیکشن کے نتیجے میں مسلم لیگ کی صوبہ بنگال میں کب حکومت بنی؟
(ا) 1937ء (ب) 1939ء (ج) 1940ء (د) 1943ء ✓

-16 1937ء کے الیکشن کے بعد کس صوبے میں مسلم لیگ کی حکومت بنی؟
(ا) پنجاب (ب) سندھ (ج) بنگال ✓ (د) صوبہ سرحد

-17 1937ء کے الیکشن کے بعد کون سے مسلم اکثریتی صوبے میں کانگریس کی وزارت قائم ہوئی؟
(ا) پنجاب (ب) بنگال (ج) صوبہ سندھ (د) صوبہ سرحد ✓

-18 1937ء میں کانگریس کا صدر کون تھا؟
(ا) گاندھی (ب) نہرو ✓
(ج) ابوالکلام آزاد (د) ڈاکٹر ایم ایچ انصاری

-19 1937ء کے صوبائی الیکشن کے بعد کتنے صوبوں میں تنہا کانگریس نے وزارتیں بنائیں؟

(ا) پانچ (ب) چھ ✓

(ج) سات (د) آٹھ

-20 واردھا تعلیمی سکیم کس نے تیار کی؟

(ا) نہرو (ب) گاندھی

(ج) ڈاکٹر ذاکر حسین ✓ (د) ابوالکلام آزاد

-21 کانگریس کی تعلیمی سکیم ودیا مندر سکیم کون سے صوبے میں نافذ کی گئی؟

(ا) بمبئی (ب) سی۔پی ✓

(ج) مدراس (د) صوبہ بہار

-22 پیرپور کمیٹی نے کانگریسی وزارتوں کے مظالم کے بارے میں اپنی رپورٹ کب پیش کی؟

(ا) 15 نومبر 1937ء (ب) 15 نومبر 1938ء

(ج) 15 نومبر 1939ء (د) 15 دسمبر 1938ء

-23 کانگریسی مظالم کے بارے شریف رپورٹ کون سے صوبے کے بارے میں تھی؟

(ا) صوبہ یو۔پی ✓ (ب) صوبہ سی۔پی

(ج) صوبہ بہار (د) صوبہ اڑیسہ

-24 ''سی پی میں کانگریسی راج'' کے عنوان سے کس نے کانگریسی مظالم کے بارے جائزہ پیش کیا؟

(ا) مولوی فضل الحق (ب) حکیم اسرار احمد ✓

(ج) نواب بہادر یار جنگ (د) چوہدری خلیق الزماں

-25 ''کانگریسی راج میں مسلمانوں کے مصائب'' نامی پمفلٹ کس نے جاری کیا؟

(ا) مولوی فضل الحق ✓ (ب) نواب کمال یار جنگ

(ج) قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ (د) خواجہ ناظم الدین

-26 کانگریسی وزارتوں کے خاتمہ پر ''It Shall never Happen again'' (ایسا دوبارہ کبھی نہیں ہوسکتا) نامی کتابچہ کس نے جاری کیا؟

(ا) خاکسار پارٹی (ب) یونینسٹ پارٹی

(ج) مسلم لیگ ✓ (د) ان میں سے کوئی نہیں

-27 کانگریس نے اپنی صوبائی حکومتوں کو مستعفی ہونے کے لئے کون سی آخری تاریخ دی؟

(ا) 10 دسمبر 1939ء (ب) 21 دسمبر 1939ء

(ج) 25 دسمبر 1939ء (د) 31 دسمبر 1939ء ✓

-28 کانگریسی وزارتوں کے مستعفی ہونے پر قائداعظم علیہ الرحمۃ کی اپیل پر مسلمانوں نے کب یوم نجات منایا؟

(ا) 22 دسمبر 1939ء ✓ (ب) 25 دسمبر 1939ء

(ج) 31 دسمبر 1939ء (د) 12 دسمبر 1939ء

حصہ انشائیہ (Subjective Part - I) 25 × 2 = 50

نوٹ: سوال نمبر 2، 3 اور 4 میں سے 25 (پچیس) مختصر سوالات کے جوابات تحریر کریں اور ہر سیکشن سے کم از کم 8 سوالات حل کرنا ضروری ہے۔ جواب تحریر کرتے وقت سوال کا نمبر ضرور تحریر کریں۔

سوال نمبر 4: (سیکشن ''سی'') مختصر سوالات کے جوابات تحریر کریں۔ (جوابات کیلئے صفحہ 398 پر دیکھیں)

حصہ دوم (Subjective Part II)

نوٹ: مندرجہ ذیل سوالات میں سے صرف تین کے جوابات تحریر کریں۔ 10 × 3 = 30

1۔ یہ کہنا کہاں تک درست ہے کہ کانگریسی وزارتوں کی مسلم آزاد پالیسی مطالبہ پاکستان کا فوری سبب بنی؟

2۔ 1937ء سے 1939ء کے دوران کانگریسی وزارتوں نے مسلمانوں کے ساتھ جو سلوک روا رکھا، اس کا جائزہ لیجئے۔ (لاہور بورڈ 2011ء)

3۔ کانگریسی وزارتوں کے دوران مسلمانوں کو درپیش مسائل پر بحث کریں۔

(آزاد کشمیر بورڈ 2010ء، سرگودھا بورڈ 2009ء)

4۔ کانگریسی وزارتوں کے مسلمانوں کے خلاف مظالم کی داستان تحریر کریں۔ (بہاولپور 2010ء)



باب 12

قائداعظم اور مسلم لیگ کی تنظیم نو

(1) ابتدائی زندگی: علامہ اقبال کے ''مردِ مومن''، ہندی مسلمانوں کے ''میر کارواں''، مملکت اسلامیہ ''پاکستان کے بانی'' اور بیسویں صدی کے سب سے بڑے مسلمان راہنما قائداعظم محمد علی جناح 25 دسمبر 1876ء کو اتوار کے روز وزیر مینشن کھارادر کراچی میں پیدا ہوئے۔ چھ بہن بھائیوں میں آپ سب سے بڑے تھے۔ آپ کے والد کا نام ''پونجا علی جینا'' اور والدہ کا نام ''مِٹھی بائی'' تھا۔ آپ نے سندھ مدرسۃ الاسلام کراچی اور گوکل داس تیج پال سکول بمبئی سے ابتدائی حاصل کی اور چرچ مشن ہائی سکول کراچی سے ممبئی یونیورسٹی کے تحت میٹرک کا امتحان پاس کیا۔

(2) انگلستان روانگی: آپ کے والد نے اپنے ہونہار بیٹے کو اعلیٰ تعلیم کیلئے انگلستان بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ لیکن روانگی سے چند ماہ قبل انہوں نے گجرات کاٹھیاوار میں اپنے آبائی گاؤں ''پانیلی'' میں اپنی برادری کی ایک 14 سالہ لڑکی ''ایمی بائی'' سے آپ کی شادی کر دی۔ 1892ء کے آخر میں قائداعظم انگلستان چلے گئے۔ 5 جون 1993ء کو آپ نے لندن کی ''لنکنز اِن'' میں بیرسٹری میں داخلہ لے لیا۔ 14 اپریل 1894ء کو آپ نے اپنا نام ''محمد علی جینا بائی'' سے ''محمد علی جناح'' کرلیا۔ 29 اپریل 1896ء کو آپ بیرسٹر بن گئے۔ [1] جناح سب سے کم عمر ہندوستانی بیرسٹر تھے۔

(3) وکالت: 1896ء میں جب قائداعظم کراچی واپس لوٹے تو آپ کی والدہ اور بیوی کا انتقال ہو چکا تھا اور والد کا کاروبار مسلسل خسارے کی وجہ سے ٹھپ ہو گیا تھا۔ تاہم جناح 1897ء میں وکالت کیلئے کراچی چھوڑ کر ممبئی جیسے بڑے شہر میں چلے آئے۔ ممبئی میں آپ واحد مسلمان بیرسٹر تھے۔ نوخیز محمد علی جناح کے وکالت کے ابتدائی تین سال بڑے کٹھن تھے۔ 1900ء میں آپ نے پانچ ماہ تک ''پریذیڈنسی مجسٹریٹ'' کی حیثیت سے کام کیا۔ مگر مستقل ملازمت کو ٹھکرا کر انتہائی کامیاب وکیل بن گئے۔ ابتداء سے ہی آپ کی مستقل مزاجی اور آہنی عزم کا یہ عالم تھا کہ فرمایا کرتے تھے کہ ''میں ناکامی کے لفظ سے ناآشنا ہوں۔'' ("Failure is the thing unknown to me")

1- حصول پاکستان صفحہ 184

4- سیاسی زندگی کا آغاز: قیامِ انگلستان کے دوران محمد علی جناح نے مشہور پارسی لیڈر ''دادا بھائی نوروجی'' (جو کہ برطانوی پارلیمنٹ کا انتخاب لڑ رہے تھے) کے سیاسی کارکن کی حیثیت سے کام کیا۔ آپ نے اپنی باقاعدہ سیاسی زندگی کا آغاز کانگرس کے پلیٹ فارم سے کیا۔ 1906ء میں آپ کانگرس کے کلکتہ کے سالانہ اجلاس میں شریک ہوئے۔ اس زمانے میں آپ دادا بھائی نوروجی، فیروز شاہ مہتہ، جسٹس راناڈے اور کرشن گوپال کھوکھلے کو بہت پسند کرتے تھے۔ 1909ء میں آپ ممبئی سے مرکزی قانون ساز کونسل کے رکن منتخب ہوئے۔ آپ نے اسمبلی میں قومی تعلیم اور حکومتِ خود اختیاری پر اتنی خوبصورتی اور بیباکی سے قانونی بحث کی اور 7 مارچ 1913ء کو اتنی مہارت اور قابلیت سے مسلم اوقاف بل منظور کرایا کہ پورے برصغیر میں ان کو شہرت حاصل ہوگئی۔

5 مسلم لیگ میں شمولیت: محمد علی جناح کی سیاسی زندگی کو تین ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ابتداء میں آپ کٹر قوم پرست تھے۔ 1911ء سے آپ ہندو مسلم اتحاد کیلئے کوشاں رہے جبکہ تیسرے دور میں آپ نے مسلمانوں کی آزادی کی جنگ لڑی اور پاکستان قائم کر کے دم لیا۔

سیاسی زندگی کے آغاز میں آپ کٹر قوم پرست، متحدہ قومیت کے سخت حامی، علیحدہ مسلم قومیت اور جداگانہ الیکشن کے مخالف تھے۔ جنوری 1911ء میں آپ نے الٰہ آباد میں ہندو مسلم اتحاد کانفرنس میں شرکت کی جہاں آپ مسلمانوں کے خدشات اور مسلم لیگ کے موقف سے پورے طور پر آگاہ ہوئے۔ 1912ء میں آپ نے مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس منعقدہ آگرہ میں شرکت کی۔ 1913ء میں محمد علی جناح گوکھلے کے ساتھ یورپ کے دورے پر تھے کہ مولانا محمد علی جوہر کی تحریک وترغیب پر مسلم لیگ میں شامل ہوگئے۔

6- معاہدہ لکھنؤ: قائداعظم نے 1911ء سے 1915ء تک مسلمانوں اور ہندوؤں میں اتحاد کی زبردست کوششیں کیں۔ دونوں بڑی جماعتوں کے ممبر ہونے کی حیثیت سے آپ ہندو مسلم لیڈروں میں آئینی مفاہمت کرانے میں کامیاب ہوگئے۔ آپ کی کوششوں سے 1916ء میں مسلم لیگ اور کانگرس کے درمیان معاہدہ لکھنؤ طے پا گیا۔ اس عظیم کارنامے پر مس سروجنی نائیڈو نے آپ کو ہندو مسلم اتحاد کے سفیر کا خطاب دیا۔

7- انیس ارکان کی یادداشت: 1916ء میں ہی آپ نے مرکزی قانون کونسل کے انیس ارکان کے تعاون سے دستوری اصلاحات کی ایک جامع یادداشت حکومت کو پیش کی۔

8- ہوم رول تحریک میں شرکت: حکومت خود اختیاری کے حصول کے لئے مسز اینی بیسنٹ نے ہوم

رول تحریک قائم کی تو محمد علی جناح 18 جون 1917ء کو اس میں شامل ہو گئے۔اسی روز آپ کو ہوم رول لیگ ممبئی کا صدر چنا گیا۔آپ نے اپنی کوششوں سے اس تحریک میں جان ڈال دی۔

9-شادی: 19 اپریل 1918ء کو ممبئی کی مریم بائی سے آپ کی شادی ہوگئی۔1919ء میں آپ کے ہاں بیٹی دینا جناح کی ولادت ہوئی۔1929ء میں مریم بائی کا انتقال ہوگیا۔

10-جناح میموریل ہال: جون 1918ء میں وارکونسل میں قائداعظم کی ممبئی کے گورنر لارڈ ولنگڈن سے سخت جھڑپ ہوگئی۔جناح کا موقف اصولی تھا اس لئے وہ گورنر کے سامنے ڈٹ گئے۔دسمبر 1918ء میں گورنر کے عہدے کی معیاد ختم ہونے پر چند خوشامدیوں نے لارڈ ولنگڈن کی الوداعی تقریب کا اہتمام کیا۔جناح نے عوامی جذبات کے پیش نظر بڑی خوبصورتی سے اس تقریب کو ناکام بنادیا۔ممبئی کے شہریوں نے اس واقعہ کی یاد میں فوری طور پر اپنے ہیرو کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے 65 ہزار روپے کی لاگت سے جناح میموریل ہال تعمیر کرایا۔

11-تحریک خلافت اور جناح: محمد علی جناح بھی خلافت کا تحفظ چاہتے تھے۔اس سلسلے میں وائسرائے سے ملاقات کرنے والے خلافت وفد کے آپ بھی ممبر تھے۔آپ نے وزیراعظم برطانیہ کو خط لکھ کر ترکی سے اچھا سلوک کرنے کے وعدے یاد دلائے۔لیکن اس کیلئے آپ تحریک عدم تعاون جیسے غیر آئینی اقدامات کے حق نہ تھے۔قائداعظم نے گاندھی کو خبردار کرتے ہوئے مسلمانوں کے مذہبی جذبات سے کھیلنے سے منع کیا۔آپ نے تحریک ہجرت کی۔بھی مخالفت کی وقت نے ثابت کردیا کہ آپ ہی کا موقف درست تھا۔

12-رولٹ ایکٹ کی مخالفت: محمد علی جناح نے 1919ء میں رولٹ ایکٹ نامی ''کالے قانون'' کی سخت مخالفت کی۔جب یہ ظالمانہ قانون منظور ہوگیا تو آپ نے 28 مارچ کو احتجاجاً مرکزی قانون ساز اسمبلی سے استعفیٰ دیدیا۔

13-کانگرس اور ہوم رول لیگ سے استعفیٰ: محمد علی جناح نے گاندھی کے غیر آئینی طرزِ عمل کے خلاف 25 اکتوبر 1920ء کو ہوم رول لیگ سے استعفیٰ دے دیا۔دسمبر 1920ء میں کانگرس کا اجلاس ناگپور میں ہوا۔اس اجلاس میں گاندھی نے کانگرس کے بنیادی مقصد میں تبدیلی کی غرض سے سول نافرمانی اور عدم تعاون کی تحریک چلانے کے لئے ایک قرارداد پیش کی۔جناح ایک بااصول قانون دان تھے۔انہوں نے قرارداد کی سخت مخالفت کی۔جب یہ قرارداد منظور ہوگئی تو انہوں نے دسمبر 1920ء میں کانگرس چھوڑدی۔

14-دہلی تجاویز 1927ء: تحریک خلافت کے جوش وخروش اور کانگرس کی عدم تعاون کی تحریک کے زمانے میں مسلم لیگ زوال پذیر ہوگئی اور ہندو مسلم اتحاد کے سفیر محمد علی جناح بھی پس منظر میں چلے گئے۔1923ء میں آپ پھر مرکزی کونسل کے رکن منتخب ہوئے۔1924ء سے آپ نے پھر ہندو مسلم اتحاد کیلئے زبردست کوششیں شروع کیں۔بدلتے ہوئے حالات کے تحت آپ ہندوؤں کے ساتھ ''نئی طرز کا معاہدہ لکھنؤ'' کرنا چاہتے تھے۔1927ء میں جناح نے ہندوؤں کو مسلمانوں کے چند مطالبات تسلیم کرنے کے عوض جداگانہ الیکشن سے دستبردار ہونے کی پیش کی۔کانگرس کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے دونوں قوموں کا اتحاد تو نہ ہوسکا البتہ مسلم لیگ جداگانہ الیکشن کے سوال پر دو گروپوں میں تقسیم ہوگئی۔

15-نہرو رپورٹ کی مخالفت: 1928ء میں نہرو رپورٹ مرتب ہوئی۔اس میں مسلمانوں کے آئینی مفادات اور سیاسی حقوق کو یکسر مسترد کردیا گیا تھا۔جناح نے نہرو رپورٹ کی سخت مخالفت کی۔جب یہ منظور ہوگئی تو جناح نے ہندو رویہ سے مایوس کر اپنی راہیں جدا کرلیں۔

16-جناح کے چودہ نکات: آپ نے 1929ء میں نہرو رپورٹ کے مقابلے میں اپنے مشہور چودہ نکات پیش کئے اور حکومت پر واضح کیا کہ یہی مسلمانوں کے مطالبات ہیں۔

17- گول میز کانفرنسوں میں شرکت: 1930ء سے 1932ء تک لندن میں تین گول میز کانفرنسوں کا انعقاد ہوا۔اس میں برصغیر کے تمام طبقات کے نمائندے شریک ہوئے۔محمد علی جناح نے پہلی دو کانفرنسوں میں شرکت کی۔آپ نے فرقہ وارانہ مسائل کے آئینی حل کیلئے سرتوڑ کوشش کی۔لیکن ہندوؤں کے تعصب و تنگ نظری اور مسلمانوں کے باہمی اختلاف کی وجہ سے آپ کی کوششیں کامیاب نہ ہوسکیں۔لہٰذا آپ اس قدر بددل ہوگئے کہ تیسری کانفرنس میں شرکت نہ کی۔

18-انگلستان میں قیام: جناح کی برصغیر کے سیاسی حالات سے مایوسی اور بددلی کا آغاز تو 1926ء میں ہوگیا تھا لیکن اس کا اظہار گول میز کانفرنسوں کے دوران ہوا۔1931ء میں دوسری گول میز کانفرنس سے پہلے وہ اس عالیشان مکان میں منتقل ہوگئے جو انہوں نے لندن میں خریدا تھا۔ان کی اکلوتی صاحبزادی اور ہمشیرہ محترمہ فاطمہ جناح بھی ان کے پاس آگئیں۔یہاں آپ نے برطانیہ کی سب سے بڑی عدالت پریوی کونسل میں وکالت شروع کردی۔

19-وطن واپسی: انگلستان میں قیام کے دوران بھی آپ برصغیر کے سیاسی حالات سے بے خبر نہیں رہے بلکہ عبدالمتین چوہدری، نواب محمد یامین، علامہ اقبال اور سر سعد اللہ خاں کے ذریعے حالات سے لحہ بہ لحہ باخبر رہے۔قائداعظم کی عدم موجودگی میں برصغیر کے مسلمان سخت پریشان تھے مولانا جوہر، سر محمد

شفیع اور کئی دیگر لیڈر وفات پا چکے تھے۔ جبکہ مسلمان کئی گروہوں میں بٹے ہوئے تھے۔ قومی سطح کا کوئی لیڈر موجود نہ تھا۔ چنانچہ علامہ اقبال نے آپ کو کئی خطوط لکھے اور ان سے واپس لوٹنے کی درخواست کی۔ جولائی 1933ء میں لیاقت علی خاں خود لندن گئے اور آپ کو وطن واپسی پر آمادہ کیا۔ لہٰذا آپ اپریل 1934ء میں برصغیر واپس لوٹے۔ کچھ عرصہ بعد اپنا کاروبار سمیٹنے پھر لندن چلے گئے۔ آپ کی غیر حاضری میں ممبئی کے مسلمانوں نے انہیں مرکزی اسمبلی کا رکن بلا مقابلہ منتخب کرلیا۔ اکتوبر 1935ء میں آپ مستقل طور پر ہندوستان واپس آ گئے۔

20- مسلم لیگ کی تنظیم نو: جناح جب واپس آئے تو مسلم لیگ دو گروپوں میں بٹی ہوئی تھی۔ جبکہ برصغیر کے مسلمان مسلم کانفرنس، مسلم یونٹی بورڈ، مسلم قوم پرست پارٹی، انڈی پینڈنٹ پارٹی، جمعیت العلمائے ہند، ایگری کلچرل پارٹی، یونینسٹ پارٹی، مومن پارٹی، سرخپوش تحریک، مجلس احرار، خاکسار تحریک اور نجانے کتنی پارٹیوں اور گروہوں میں تقسیم ہو چکے تھے۔ 1935ء کے آئین کے تحت ہونے والے الیکشن سر پر تھے اور مسلم لیگ کا عوام سے کوئی رابطہ نہ تھا۔ لیکن جناح کو ان تمام مشکلات کو عبور کرکے مسلمانوں میں اتحاد و اتفاق پیدا کرنا اور انہیں مسلم لیگ کے پرچم تلے متحد کرنا تھا۔ یہ عظیم کام انہوں نے مختصر ترین مدت میں سرانجام دے کر سب کو حیران کر دیا۔

21-1937ء کے انتخابات: قائداعظم نے مسلم لیگ کے دونوں دھڑوں کو مدغم کرنے کے علاوہ مسلم یونٹی بورڈ اور مسلم کانفرنس کو مسلم لیگ میں شامل کرلیا۔ انہوں نے ہندوستان کے طوفانی دورے کئے اور جمعیت العلمائے ہند، مجلس احرار اور قوم پرستوں کے تعاون سے 54 رکنی پارلیمانی بورڈ قائم کیا۔ ان کوششوں کے باوجود جب 1937ء میں صوبائی اسمبلی کے الیکشن ہوئے تو مسلمانوں کی 484 مخصوص سیٹوں میں سے مسلم لیگ صرف 108 سیٹیں حاصل کر سکی۔ مسلم اکثریتی صوبوں سندھ اور سرحد میں اسے کوئی سیٹ نہ ملی جبکہ پنجاب میں اسے صرف دو نشستیں اور بنگال سے 40 نشستیں ملیں۔

22- کانگرسی وزارتوں کا قیام: انتخابات میں کانگرس نے کل 1585 نشستوں میں سے 714 سیٹیں جیت لیں۔ اس پر کانگرس نے 19 مارچ 1937ء کو فتح کا جشن منایا۔ کانگرس نے ہندو اکثریت کے پانچ صوبوں مدراس، بہار، اڑیسہ، یوپی اور سی پی میں قطعی اکثریت حاصل کر لی جبکہ ممبئی، بنگال، پنجاب، آسام اور صوبہ سرحد میں اس نے آزاد امیدواروں اور دیگر جماعتوں کے ساتھ مل کر مخلوط حکومتیں قائم کرلیں۔

23- کانگرسی وزارتوں کے مظالم: دس صوبوں میں حکومتیں قائم کرکے ہندو نے سمجھا کہ جس راج کا اسے صدیوں سے انتظار تھا وہ آ گیا ہے۔ اقتدار کے نشے نے اسے بدمست کر دیا۔ نہرو نے اعلان کیا کہ

اس وقت ہندوستان میں صرف دو ہی طاقتیں ہیں ایک انگریز اور دوسری کانگرس۔ پنڈت نہرو نے مسلم رابطہ مہم کے ذریعے مسلم لیگ کو ختم کرنے کی کوشش کی۔ گاندھی نے ہندی کو قومی زبان قرار دیتے ہوئے واردھا اور ودیا مندر کے نام سے تعلیمی اسکیمیں نافذ کیں۔ کانگرس نے ہندو کلچر کو فروغ دینے اور مسلم کلچر کو کچلنے کی کوششیں کیں۔ کانگرس کے ترنگا پرچم کو قومی جھنڈا اور بندے ماترم کو قومی ترانہ قرار دیا گیا۔ مسلمان بچوں کو ہندو نصاب پڑھنے اور گاندھی کی مورتی کی پوجا کرنے پر مجبور کیا گیا۔ الغرض ہندوؤں نے مسلمان سے گن گن کر تاریخی بدلے لینے شروع کر دیئے۔

24- مسلم لیگ کی تنظیم نو: قائداعظم نے مسلم لیگ کی تنظیم نو کی۔ آپ نے 1937ء میں اس کے منشور میں تبدیلی کرکے عوامی سطح پر اس کی تنظیم کی۔ سالانہ چندہ چار روپے کی بجائے دو آنہ مقرر کرکے ہر بالغ مسلمان کو اس کی رکنیت کا اہل قرار دیا۔ یوں آپ نے تمام مسلمانوں پر مسلم لیگ کے دروازے کھول دیئے۔ آپ نے پورے ملک کے دورے کرکے رائے عامہ کو مسلم لیگ کے حق میں ہموار کیا۔ پہلے ہی سال لاکھوں مسلمان مسلم لیگ کے رکن بن گئے۔ مسلم لیگ میں زندگی کی نئی لہر پیدا ہو گئی۔ تمام صوبوں اور اضلاع میں مسلم لیگ کی شاخیں اور پرائمری یونٹ قائم ہو گئے۔

25- مسلم لیگ کا اجلاس لکھنؤ 1937ء: 15 اکتوبر 1937ء کو مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس لکھنؤ میں ہوا۔ 13 اکتوبر کو قائداعظم کی لکھنؤ آمد پر ان کے اعزاز میں شاہانہ جلوس نکالا گیا۔ اس تاریخی اجلاس میں پنجاب کے وزیراعلیٰ سرسکندر حیات، بنگال کے وزیراعلیٰ مولوی فضل الحق اور آسام کے وزیراعلیٰ سرسعد اللہ خاں نے اپنے ارکان اسمبلی سمیت شرکت کی اور قائداعظم کو اپنا لیڈر تسلیم کرلیا۔ مسلم اقلیتی صوبوں کے ممبران اسمبلی بھی مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔ اسی موقع پر سکندر جناح معاہدہ ہوا، جس کا پورے ملک میں خیر مقدم کیا گیا۔ جناح نے اپنی صدارتی تقریر میں کانگرس کو خالص ہندو جماعت قرار دیا۔ انہوں نے ہندو لیڈروں کو خبردار کیا کہ کانگرس کی پالیسوں کا نتیجہ فرقہ وارانہ جنگ کی صورت میں نکلے گا۔

26- کانگرسی وزارتوں پر بھرپور تنقید: قائداعظم نے کانگرسی وزارتوں کے مسلمانوں پر ظلم و ستم اور پالیسیوں پر بھرپور تنقید کی۔ یہ تنقید درحقیقت کروڑوں مسلمانوں کی آواز اور ان کے دل کی ترجمانی تھی۔ محمد علی جناح نے کانگرسی حکومتوں کے مظالم کی تحقیقات کیلئے کمیٹیاں تشکیل دیں اور ان کی رپورٹوں کی خوب تشہیر کی۔ انہوں نے کانگرس کی غلطیوں کو بروقت پکڑا اور انہیں خوب اچھالا۔ انہوں نے مسلمانوں کو آگاہ کیا کہ:

> ''ہندی اب پورے ملک کی زبان بننے والی ہے اور بندے ماترم قومی ترانہ۔ ان کو قبول کرنے کیلئے سب مجبور کئے جائیں گے۔ کانگرس کے جھنڈے کے سامنے سب کو جھکنا

پڑے گا..........(ہندو) اکثریت نے اپنے منصوبے سے صاف صاف ظاہر کر دیا ہے کہ ہندوستان صرف ہندوؤں کے لئے ہے۔"

27- کانگرسی راہنماؤں سے مذاکرات: 19 اکتوبر 1938ء کو گاندھی نے جناح کو خط لکھا۔ اس میں ان کی لکھنؤ کی تقریر کو اعلان جنگ قرار دیا۔ جناح نے کانگرسی وزارتوں کے مسلم مخالف اقدامات کی طرف ان کی توجہ دلاتے ہوئے ہندو مسلم اتحاد کی ضرورت پر زور دیا تو گاندھی نے جواب لکھا کہ

"میں قطعاً بے بس ہوں۔ موجودہ بے پناہ تاریکی میں مجھے روشنی نظر نہیں آتی۔ [2]

گاندھی سمیت نہرو، راجندر پرشاد اور سبھاش چندر بوس سے جناح کے مذاکرات بھی ہوئے اور خط وکتابت بھی۔ جناح نے اس اہم نکتے پر زور دیا کہ کانگرس مسلم لیگ کو مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت تسلیم کرے، جسے ہندو راہنما تسلیم کرنے پر تیار نہ ہوئے۔ مارچ 1938ء میں قائداعظم نے راجہ سید مہدی آف پیر پور کی سرکردگی میں کانگرسی مظالم کی تحقیقات کیلئے 9 رکنی، تحقیقاتی کمشن قائم کیا۔ جس کی رپورٹ نے کانگرس کا اصل چہرہ دکھا کر مسلمانوں کو مسلم لیگ کی جانب راغب کر دیا۔

28- اجلاس پٹنہ 1938ء: 26 تا 28 دسمبر مسلم لیگ کا پٹنہ میں سالانہ اجلاس ہوا۔ جو لکھنؤ اجلاس سے بھی زیادہ پر رونق اور کامیاب رہا۔ حاضرین میں بڑا جوش وخروش تھا۔ قائداعظم نے اپنی تقریر میں کانگرس کا اصل چہرہ دکھاتے ہوئے کہا کہ "کانگرس بات سوراج (آزادی) کی کرتی ہے اور قائم ہندو راج کرنا چاہتی ہے۔" انہوں نے 1935ء کے آئین کے تحت مرکزی حکومت کے قیام کو ہمیشہ کیلئے ترک کرنے کا مطالبہ کرتے ہوئے کہا کہ اس کا صاف مطلب ہندو راج کا قیام ہے۔ انہوں نے اس عزم کا اظہار کیا کہ مسلمان اپنے حقوق حاصل کر کے ہی دم لیں گے۔

29- جناح سے قائداعظم: پٹنہ کے اجلاس میں ہی لاہور کے میاں فیروزالدین نے قائداعظم محمد علی جناح زندہ باد کا نعرہ لگایا۔ (سید نور احمد صفحہ 160) رضی حیدر لکھتے ہیں کہ "اجلاس لکھنؤ میں مولانا ظفر علی خاں نے اپنی تقریر میں محمد علی جناح کو قائداعظم کے خطاب سے مخاطب کیا تھا۔" ان کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ "1938ء کے درمیانی عرصہ میں دہلی کے اخبار "الامان" کے ایڈیٹر مولانا مظہر الدین نے انہیں قائداعظم کا خطاب دیا تھا۔ [3] اب قائداعظم واحد ہر دلعزیز قومی لیڈر بن چکے تھے اور برصغیر کے مسلمانوں کے دلوں کی دھڑکن بھی۔ لکھنؤ کے اجلاس میں انہوں نے نواب اسماعیل سے ان کی سیاہ رنگ کی سموری ٹوپی لے کر پہن لی۔ اجلاس ختم ہونے سے پہلے ہی شہر کے بہت سے نوجوانوں اور معمر مسلمانوں نے یہ ٹوپی پہننا شروع کر دی۔ [4]

2- رضی حیدر صفحہ 223   3- قائداعظم کے 72 سال رضی حیدر صفحہ 234

4- قائداعظم جیس اکہ میں انہیں جانتا ہوں۔ ابوالحسن اصفہانی صفحہ 51

30- مسلم لیگ کی مقبولیت: اب قائداعظم کی قیادت میں مسلم لیگ مسلمانوں میں دن بدن تیزی سے مقبولیت حاصل کر رہی تھی۔ جگہ جگہ اس کے یونٹ قائم ہو رہے تھے۔ مسلمان جوق در جوق اس میں شامل ہو رہے تھے۔ 1937ء میں مسلم سٹوڈنٹ فیڈریشن قائم ہوئی۔ 1938ء بیگم مولانا جوہر کی قیادت میں مسلم لیگ خواتین ونگ قائم کیا گیا۔ 1939ء میں بلوچستان مسلم لیگ کا قیام عمل میں لایا گیا۔ ریاستی مسلم لیگ قائم کی گئی۔ جون 1940ء میں نواب صدیق علی سالار کی سرکردگی میں مسلم لیگ نیشنل گارڈ قائم ہوگئی۔ طالبات کی مسلم لیگ تنظیم بنی۔ قائداعظم نے مسلمانوں سے چندے کی اپیل کی تو 1943ء تک ساڑھے پانچ لاکھ روپے کے فنڈ زجمع ہوگئے۔

31- مسلم لیگ اور مسلم پریس: مسلم لیگ کے منشور، پالیسیوں اور مقاصد کی تشہیر کیلئے سیّد حسن ریاض نے 1938ء میں دہلی سے اخبار "منشور" جاری کیا۔ حمید نظامی نے 1940ء میں لاہور سے "نوائے وقت" جاری کیا۔ 1941ء سے دہلی سے "ڈان" کا پرچہ نکلنا شروع ہوگیا۔ اس کے علاوہ "زمیندار"، "انقلاب"، "پاکستان ٹائمز"، "انجام" اور "جنگ" نے مسلم لیگ کے حق میں پراپیگنڈا شروع کیا۔

32- یوم نجات: ستمبر 1939ء میں دوسری عالمی جنگ شروع ہوگئی۔ وائسرائے ہند نے برصغیر کے لیڈروں سے جنگ کے لئے تعاون مانگا تو کانگرس نے حکومت سے کامل آزادی کا مطالبہ کیا۔ حکومت نے اس کا وعدہ کرنے سے گریز کیا تو کانگرس نے صوبائی حکومتوں کے استعفیٰ کی دھمکی دے دی۔ پھر 27 اکتوبر سے 15 نومبر 1939ء تک تمام کانگرسی وزارتیں مستعفی ہوگئیں۔ اس سے مسلمانوں میں مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ قائداعظم نے مسلمانوں سے 22 دسمبر کو یوم نجات منانے کی اپیل کی۔ مقررہ دن مسلمانوں نے مساجد میں شکرانے کے نفل ادا کئے۔ کانگرسی حکومتوں سے نجات ملنے پر قراردادوں کے ذریعے مسرت واطمینان کا اظہار کیا گیا۔ پارسیوں، عیسائیوں اور اچھوتوں نے بھی یوم نجات کی تقریبات میں بھرپور شرکت کی۔ دیہاتوں، قصبوں اور شہروں میں پُرامن جلسے منعقد ہوئے اور شاندار جلوس نکالے گئے۔ ممبئی کے جلسے میں ایک لاکھ سے زائد افراد نے شرکت کی۔ [5]

33- مسلم لیگ کا عروج: قائداعظم کی ولولہ انگیز قیادت میں مسلم لیگ نے تیزی سے ترقی کی منازل طے کیں۔ اس کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ 1937ء سے 1943ء تک 51 نشستوں پر ضمنی الیکشن ہوئے۔ ان میں سے 47 مسلم لیگ اور صرف چار کانگرس نے حاصل کیں۔ اور 1943ء سے 1945ء تک 11 ضمنی انتخابات میں سے مسلم لیگ نے آٹھ سیٹیں حاصل کیں جبکہ

5- قائداعظم کے 72 سال رضی حیدر صفحہ 244

کانگرس کو ایک بھی سیٹ نہ مل سکی۔ قائداعظم نے ثابت کر دیا کہ مسلم لیگ ہی مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہے۔ 25 دسمبر 1939ء کو وائسرائے ہند لارڈ لنلتھگو نے اپنی تقریر میں اعتراف کیا کہ:

"آل انڈیا مسلم لیگ ہی مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہے۔"[6]

وائسرائے نے جنگ کے لئے تعاون حاصل کرنے کے لئے برصغیر کے لیڈروں سے ملاقاتیں کیں تو پہلی مرتبہ قائداعظم کو گاندھی کے برابر حیثیت دی۔ جناح نے مطالبہ کیا کہ مسلم لیگ کی رضامندی کے بغیر کوئی آئین نافذ نہ کیا جائے۔ وائسرائے جناح کے اس مطالبے کو رد نہ کر سکے۔

34- تقسیم ہند کا مطالبہ: قائداعظم کی قیادت میں مسلم لیگ کی شہرت کی ان بلندیوں پر پہنچ گئی کہ اس نے 23 مارچ 1940ء کو تقسیم ہند اور قیام پاکستان کا مطالبہ کر دیا۔

Objective معروضی

سوال نمبر 1: کثیر الانتخابی سوالات امتحان میں بیس آئیں گے جن کو حل کرنا لازمی ہوگا۔ ہر سوال کے چار (4) ممکنہ جواب A، B، C اور D سامنے دیئے گئے دائروں میں سے ایک دائرے کو پین یا مارکر کی سیاہی سے بھر دیں۔ (کل نمبر 20)

1- دُنیائے اسلام کی واحد نظریاتی مملکت کون سی ہے؟
(ا) سعودی عرب (ب) پاکستان ✓
(ج) مصر (د) انڈونیشیا

2- قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نے کون سے تعلیمی ادارے سے میٹرک کا امتحان پاس کیا؟
(ا) گوکل داس تیج اسکول (ب) سندھ مدرسۃ الاسلام
(ج) کرسچین مشنری اسکول ✓ (د) ان میں سے کوئی نہیں

3- قائداعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ نے کون سے ادارے سے بیرسٹری کا امتحان پاس کیا؟
(ا) لنکنز ان سے ✓ (ب) کیمبرج یونیورسٹی سے
(ج) آکسفورڈ یونیورسٹی سے (د) ان میں سے کوئی نہیں

4- قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نے کتنی عمر میں بیرسٹری کا امتحان پاس کیا؟
(ا) 16 سال (ب) 18 سال
(ج) 20 سال ✓ (د) 24 سال

6- مسلم لیگ کی تاریخ جلد اصفحہ 248 مہتاز رفیع

5- قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نے سب سے پہلے کون سی جماعت میں شمولیت اختیار کی؟
(ا) مسلم لیگ (ب) احرار پارٹی
(ج) جماعت اسلامی (د) کانگریس ✓

6- قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نے کانگریس میں کب شمولیت اختیار کی؟
(ا) 1896ء (ب) 1908ء
(ج) 1905ء (د) 1906ء ✓

7- وائسرائے کی سپریم کونسل کے لئے قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کو 1909ء میں کس شہر کے لوگوں نے منتخب کیا؟
(ا) کراچی (ب) لاہور (ج) بمبئی ✓ (د) دہلی

8- قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نے مسلم لیگ میں کب شمولیت اختیار کی؟
(ا) 1906ء (ب) 1913ء ✓
(ج) 1911ء (د) 1909ء

9- قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نے بمبئی کے کس گورنر کی الوداعی دعوت نہ ہونے دی؟
(ا) لارڈ ولنگڈن ✓ (ب) لارڈ ریڈنگ
(ج) لارڈ رپن (د) لارڈ ہارڈنگ

10- قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کو اتحاد کا سفیر کیوں کہا جاتا ہے؟
(ا) برطانوی سامراج سے ٹکر لینے کی وجہ سے
(ب) تحریک خلافت میں حصہ لینے کی وجہ سے
(ج) میثاق لکھنؤ کی وجہ سے ✓ (د) ان میں سے کوئی نہیں

11- 1919ء میں قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نے لیجسلیٹو کونسل کی رکنیت سے استعفیٰ کیوں دیا؟
(ا) البرٹ بل کی وجہ سے (ب) رولٹ ایکٹ کی وجہ سے ✓
(ج) سانحہ جلیانوالہ باغ کی وجہ سے (د) تحریک خلافت میں ناکامی کی وجہ سے

12- قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ ایک پارٹی کی بمبئی شاخ کے صدر رہے پارٹی کا نام بتائیں؟
(ا) مسلم لیگ (ب) کانگریس
(ج) انجمن خدام کعبہ (د) ہوم رول لیگ ✓

13- قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نے کانگریس کو کب چھوڑا؟
(ا) 1913ء میں (ب) 1919ء میں
(ج) 1917ء میں (د) 1920ء میں ✓

-14 قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نے دہلی مسلم تجاویز کب پیش کیں؟
(ا) مارچ 1924ء (ب) مارچ 1927ء ✓
(ج) مارچ 1929ء (د) مارچ 1926ء

-15 قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کا ہندو مسلم اتحاد پر سے یقین کب ختم ہوا؟
(ا) 1919ء (ب) 1929ء ✓
(ج) 1937ء (د) 1946ء

-16 قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مشہور چودہ نکات کب پیش کئے؟
(ا) مارچ 1927ء (ب) مارچ 1928ء
(ج) مارچ 1930ء (د) مارچ 1929ء ✓

-17 قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کتنے سال ہوم رول لیگ کے ممبر رہے؟
(ا) 4 سال ✓ (ب) 34 سال
(ج) 41 سال (د) 24 سال

-18 قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ برصغیر کی سیاست سے مایوس ہوکر کب لندن میں قیام پذیر ہو گئے؟
(ا) 1930ء کے بعد (ب) 1929ء کے بعد
(ج) 1931ء کے بعد (د) 1932ء کے بعد ✓

-19 قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ انگلستان سے مستقل طور پر کب واپس برصغیر آ گئے؟
(ا) 1933ء ✓ (ب) 1936ء (ج) 1935ء (د) 1937ء

-20 محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ کو قائداعظم کا خطاب کس سال ملا؟
(ا) 1938ء ✓ (ب) 1937ء (ج) 1939ء (د) 1940ء

-21 وائسرائے ہند نے کب قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کو کانگریسی لیڈروں کے ہم مرتبہ سمجھا؟
(ا) 1940ء (ب) 1939ء ✓ (ج) 1938ء (د) 1937ء

-22 کانگریسی وزارتیں کب تک مستعفی ہو گئیں؟
(ا) 23 اکتوبر 1939ء تک (ب) 15 نومبر 1939ء تک ✓
(ج) 22 دسمبر 1939ء تک (د) 31 دسمبر 1939ء تک

-23 22 دسمبر 1939ء کو جس دن مسلم لیگ نے یوم نجات منایا ہفتہ کا کون سا دن تھا؟
(ا) سوموار (ب) جمعۃ المبارک ✓
(د) اتوار

-24 قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نے برصغیر کی تقسیم کی جانب پہلی مرتبہ کب اشارہ کیا؟
(ا) 13 مارچ 1937ء (ب) 13 مارچ 1938ء
(ج) 13 مارچ 1939ء (د) 13 مارچ 1940ء ✓

-25 برطانوی حکومت نے مسلم لیگ کو مسلمانوں کی واحد ترجمان جماعت کب تسلیم کیا؟
(ا) 1938ء (ب) 1939ء ✓ (ج) 1937ء (د) 1940ء

-26 جناح، اسکندر معاہدہ کب ہوا؟
(ا) 1936ء (ب) 1939ء (ج) 1937ء ✓ (د) 1940ء

-27 1937ء کے الیکشن کے بعد مرکزی اسمبلی میں مسلم لیگ پارلیمانی پارٹی کس سال تشکیل دی گئی؟
(ا) 1938ء ✓ (ب) 1939ء (ج) 1940ء (د) 1937ء

-28 لیاقت علی خان نے کس سن میں برطانیہ جا کر قائداعظم کو برصغیر واپس آنے کی اپیل کی؟
(ا) 1932ء (ب) 1933ء ✓ (ج) 1934ء (د) 1935ء

حصہ انشائیہ (Subjective Part - I) 25 × 2 = 50

نوٹ: سوال نمبر 2، 3 اور 4 میں سے 25 (پچیس) مختصر سوالات کے جوابات تحریر کریں اور ہر سیکشن سے کم از کم 8 سوالات حل کرنا ضروری ہے۔ جواب تحریر کرتے وقت سوال کا نمبر ضرور تحریر کریں۔
سوال نمبر 4: (سیکشن "سی") مختصر سوالات کے جوابات تحریر کریں۔ (جوابات کیلئے صفحہ 399 پر دیکھیں)

حصہ دوم (Subjective Part II)

نوٹ: مندرجہ ذیل سوالات میں سے صرف تین کے جوابات تحریر کریں۔ 10 × 3 = 30

1۔ قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کی ابتدائی زندگی اور ہندو مسلم اتحاد کے سلسلے میں ان کی کوششوں کا حال بیان کیجیے۔

2۔ 1934ء میں مسلم لیگ کی کیا حالت تھی؟ قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تنظیم نو کے سلسلہ میں جو کارہائے نمایاں انجام دیئے ان کا تذکرہ کیجیے۔

3۔ مندرجہ ذیل پر نوٹ لکھیے۔
1۔ مسلم لیگ کا اجلاس لکھنؤ 2۔ کانگریس وزارتوں کا استعفیٰ 3۔ یوم نجات

■❖◆❖■



باب 13

قراردادِ لاہور 1940ء

مطالبہ پاکستان کے اسباب: مطالبہ پاکستان کے محرکات یکا یک پیدا نہیں ہوئے بلکہ تاریخی حقائق اور روزمرہ کے حالات ازخود اس منزل کی طرف مسلمانوں کی رہنمائی کرتے رہے۔ 1857ء سے 1947ء تک کی داستان قومی تاریخ کا ایک اہم حصہ ہے۔ مندرجہ ذیل عوامل مطالبہ پاکستان کے متروک بنے:

① اسلامی ریاست کے قیام کی خواہش: اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ زندگی کا کوئی ایسا پہلو نہیں جس کا احاطہ اسلامی تعلیمات نے نہ کیا ہو۔ یہاں ریاست، معیشت اور معاشرت کے لئے رہنمائی کے اصول موجود ہیں۔ مذہب کو سیاست سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔ بقول شاعر مشرق:

جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

دنیا میں اس طرح زندگی بسر کرنا کہ اللہ کی رضا حاصل رہے، اسلامی تعلیمات کا نچوڑ ہے۔ ہر مسلمان کی یہ دلی خواہش اور تمنا ہے کہ اس کی زندگی اور موت دارالاسلام میں ہو۔ کلام پاک، سنت رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین کے احسن طور طریق اس کے لئے مشعل راہ رہیں۔ انگریزوں کی غلامی کے تاریک دور میں اسلامی حکومت کے قیام کی خواہش زیادہ شدت سے ہر مسلمان کے دل میں موجزن تھی۔ برصغیر میں انگریزی اقتدار کے قیام کے بعد اسی بنا پر اس علاقے کو دارالحرب قرار دیا۔ تحریک خلافت کے دوران تحریک ہجرت ایسے ہی فتویٰ کا شاخسانہ تھی۔ خود تحریک خلافت اسی جذبے کا مظہر تھی۔ بعد ازاں جب مولانا محمد علی جوہر نے سلطان عبدالعزیز ابن سعود کو خلیفہ بنانے کی تجویز پیش کی تو اس کی پشت پر بھی حکومت الٰہیہ کی تشکیل کا جذبہ کارفرما تھا۔ غرض مسلمان اسلامی ریاست کے قیام کی زبردست خواہش رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ تحریک پاکستان کے زمانے میں ہر مسلمان بچے اور بڑے کی زبان پر تھا "پاکستان کا مطلب کیا لا الٰہ الا اللہ"۔

② دوقومی نظریہ: مسلمانوں کی قومیت کی اساس مذہب اسلام ہے۔ سرسید احمد خان کو بھی مسلمانوں کے جداگانہ وجود کا شدت سے احساس تھا۔ انہوں نے یہ بات اچھی طرح سمجھ کر کی تھی کہ رائے شماری

کے ذریعے جو بھی حکومت برصغیر میں قائم ہوگی، اس میں ہندو اکثریت ہمیشہ غالب رہ کر مسلمانوں کے حقوق کو پامال کرے گی۔ مولانا محمد علی جوہر نے تحریک عدم تعاون میں گاندھی جی کے دوش بدوش کام کرنے کے باوجود اس عقیدے کا واضح اعلان کیا کہ "میں پہلے مسلمان اور پھر ہندوستانی ہوں۔" کانگریسی مسلمانوں کی وطنی قومیت کی راگنی کی طرف مسلمانوں نے من حیث القوم کان نہ دھرا۔ دوقومی نظریہ ابتدا میں اس کوشش کا آغاز تھا کہ متحدہ ہندوستان میں مسلمانوں کی اہم اقدار کا تحفظ کیا جائے جب یہ کوشش بارآور نہ ہوئی تو مسلمانوں سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی تھی کہ تا ابد ہندوؤں کی غلامی کا جوا اپنے گلے میں ڈال لیتے۔ اب ایک ہی راستہ باقی رہ گیا تھا اور وہ یہ تھا کہ ہندوستان کو تقسیم کر کے مسلمانوں کے لئے ایک علیحدہ وطن بنایا جائے۔ لہٰذا پاکستان اس لئے وجود میں آیا کہ مسلمانوں کی عزیز ترین متاع کا تحفظ کیا جائے۔

③ انگریزوں کی مسلمانوں کے ساتھ بدسلوکی: برصغیر میں مسلمان انگریزوں کے سیاسی حریف تھے۔ انہوں نے مسند اقتدار ہندوؤں سے نہیں بلکہ مسلمانوں سے چھینی تھی۔ جنگ آزادی سے پہلے بطل حریت حیدر علی اور ٹیپو سلطان نے انگریزوں کو ناکوں چنے چبوائے تھے۔ ہندو انگریزوں کے دوست اور خیر خواہ تھے۔ سید احمد شہید بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک جہاد جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد بھی جاری رہی۔ سرحد کے غیور پٹھان 1947ء تک انگریزوں کے ساتھ نبرد آزما رہے۔ چنانچہ جنگ آزادی کے بعد انگریزوں نے اس کا قصوروار صرف مسلمانوں کو گردانا اور ہر ممکن طریقے سے ان کے قومی وجود کو صفحہ ہستی سے ناپید کردینے کی مذموم کوشش کی۔ مسلمانوں کے خلاف اس محاذ آرائی میں ہندوؤں نے بھی کھل کر انگریزوں کا ساتھ دیا۔ اس طرح انگریزوں اور مسلمانوں کے علاوہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان بھی "پرامن بقائے باہمی" کا راستہ مسدود ہوگیا۔

④ برطانوی جمہوری اداروں کی ترویج: برصغیر میں برطانوی طرز کے جمہوری اداروں کی ترویج نے بھی مسلمانوں کو اپنی جداگانہ حیثیت اور حق تلفیوں کا احساس دلایا۔ اس طرز حکومت میں اکثریت اقتدار کی مالک ہوتی ہے اور برصغیر میں اکثریت اور اقلیت ناقابل تغیر تھی۔ اس کا مطلب مسلمانوں کی ابدی غلامی تھا۔ ہندوؤں کے لئے یہ جمہوری ادارے "آب حیات" اور مسلمانوں کے لئے "زہر قاتل" ہونے کا درجہ رکھتے تھے۔ مسلمان جہد بقا میں مصروف تھے اور ہندو اپنی مستقل بالادستی کے قیام میں۔ جوں جوں حق نمائندگی میں توسیع ہوتی رہی توں توں دونوں قوموں کے درمیان یہ کشمکش شدت اختیار کرتی گئی۔ صوبہ سرحد اور بلوچستان میں اصلاحات کے نافذ اور سندھ کی بمبئی سے علیحدگی کے مطالبات منوانے میں مسلمانوں کو ہندوؤں کی شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ پنجاب اور بنگال میں مسلمانوں کی آئینی اکثریت کے مطالبے کو انہوں نے آخر دم تک قبول نہ کیا۔ ان حالات میں مسلمانوں کو اپنے

دستوری حقوق کے تحفظ کی خاطر میدان عمل میں کودنا پڑا اور بالآخر انہوں نے حصول پاکستان کو اپنی منزل مقصود قرار دیا۔

⑤ ہندومت اور اسلام کی تاریخی آویزش: دیگر محرکات سے قطع نظر ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان آویزش اور محاذ آرائی اس دن سے شروع ہو گئی تھی، جب مجاہد اسلام غازی محمد بن قاسم کے ساتھ ایک سیاسی طاقت کی حیثیت سے برصغیر میں داخل ہوا تھا۔ اسلام پہلا مذہب تھا جس نے ہندومت میں جذب ہو جانے سے انکار اور اپنی انفرادیت برقرار رکھنے پر اصرار کیا۔ ہندو مسلمانوں کو ملیچھ یعنی ناپاک اور غیر ملکی سمجھتے۔ مسلم دور حکومت میں انہوں نے بھگتی تحریک کے ذریعے اسلام کی تبلیغ کا راستہ روکنے اور اس کو ہندومت میں جذب کر لینے کی ناپاک کوشش کی۔ ہندو ذہنیت کا صحیح علم بردار راجا مان سنگھ نہیں راجا پرتاب سنگھ تھا۔ برطانوی دور حکومت میں انہوں نے ''ہندی، ہندو، ہندوستان'' کا نعرہ بلند کیا۔ شدھی اور سنگھٹن کی تحریکیں چلائیں۔ مسلمانوں کے مذہب اور ثقافت کو تباہ کرنے کی کوشش کی۔ بطور اکثریتی فرقہ ہندو مسلم اتحاد کی کنجی ہندوؤں کے پاس تھی لیکن تنگ نظر ہندو مسلمانوں کے وجود کو برداشت کرنے کو تیار نہ تھا۔ ہندو مسلم فسادات کی بڑھتی ہوئی رفتار اس کا واضح ثبوت ہے۔ اس کشمکش نے دونوں کا ایک جگہ اکٹھا رہنا اور مل جل کر حکومت کرنا ناممکن بنا دیا۔

⑥ اسلام اور ہندومت کا نظریاتی اختلاف: صدیوں ساتھ ساتھ رہنے کے باوجود ہندو اور مسلمان ایک دوسرے سے اجنبی اور دور دور رہے اور نہ وہ ساتھ بیٹھ کر کھا سکتے تھے اور نہ آپس میں شادی بیاہ کر سکتے تھے۔ ہندوؤں کے چھوت چھات کا یہ عالم تھا کہ صدیوں کے پڑوسی ہندو اور مسلمان اگر غلطی سے ہاتھ ملا لیں یا ایک دوسرے کو چھو لیں تو ہندو گھر جا کر پہلا کام یہ کرتا تھا کہ اشنان کر کے اس نجاست کو دور کرتا تھا۔ آئینی اصلاحات کے بارے میں برطانوی جوائنٹ سلیکٹ کمیٹی کی رپورٹ نے اس صورت حال کو اس طرح بیان کیا ہے ''ہندوستان میں بہت سی نسلیں آباد ہیں ان میں سے اکثر ... نسل، روایات اور طرز زندگی میں باہم اتنی ہی مختلف ہیں جتنی کہ یورپ کی قومیں۔ ہندوستان کے باشندوں کا دو تہائی حصہ ہندو مذہب کا معتقد ہے۔ سات کروڑ ستر لاکھ اسلام کے پیروکار ہیں اور ان کے درمیان جو اختلافات ہیں وہ صرف مذہبی نہیں بلکہ قانون اور کلچر کا بھی ہے۔ فی الحقیقت یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ مختلف تہذیبوں کی نیابت کرتے ہیں۔ دونوں کے رسوم، تقویم، خوراک اور لباس سب الگ الگ ہیں۔ اس لئے اگر مسلمانوں کو ہندو اکثریتی مملکت میں شامل کر دیا جاتا تو امن و سکون قائم نہ رہ سکتا تھا۔

⑦ ہندو مہاسبھا کا عروج اور میثاق لکھنؤ سے انحراف: مسلمانوں نے ''کچھ لو اور کچھ دو'' کے اصول پر 1916ء میں ہندوؤں سے ایک سیاسی سمجھوتہ کر لیا تھا۔ اس کے بعد ہندو اور مسلمانوں نے مل کر

تحریک خلافت اور عدم تعاون چلائی جس نے برصغیر میں انگریزی اقتدار کو جڑوں سے ہلا دیا لیکن اسی دور میں فرقہ پرست ہندوؤں نے ہندو مہاسبھا کی تشکیل کر لی۔ یو پی میں 1926ء کے انتخابات میں کانگریس کو شکست دے کر ہندو مہاسبھا نے کانگریس کو اس حد تک خوف زدہ کر دیا کہ اس کے بعد کانگریس نے ہندو مہاسبھا سے آنکھ ملانے کی جرأت نہ کی۔ شدھی سنگھٹن فرقہ وارانہ فسادات اور اپنی دریدہ ذہنی کے بل بوتے پر مہاسبھا نے مسلمانوں کو غلام یا شودر بنانے کے عزم کا کھل کر اظہار کرنا شروع کیا۔ انہوں نے مسلمانوں کی ہر معقول تجویز کی مخالفت کی۔ اس فضا میں نہرو رپورٹ نے میثاق لکھنؤ کی دھجیاں بکھیر دیں۔ مسلمانوں کو صرف نجات کا یہ راستہ نظر آیا کہ متحد ہو کر مسلم لیگ کے جھنڈے تلے جمع ہو جائیں اور ہندو کے جارحانہ اقدامات کا مقابلہ کریں۔

⑧ اردو زبان سے عناد: اردو ہندی تنازعے نے سرسید احمد خاں کو ہندو مسلم اتحاد سے مایوس کر دیا تھا۔ اردو زبان لشکری زبان تھی جو اسی ملک میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے ملاپ سے پیدا ہوئی تھی کیونکہ اردو کا مزاج مسلمانوں کے مزاج سے ملتا تھا اس لئے مسلمانوں نے اس کا دامن علوم دینیہ سے بھر دیا اور اردو مسلمانوں کی ترجمان بن گئی۔ یہ بات ہندوؤں کو کھٹکنے لگی اور وہ مسلمانوں کے ساتھ ساتھ اردو کے بھی دشمن بن گئے۔

1937ء کی کانگریس وزارتوں نے اردو کے خلاف محاذ قائم کر لیا۔ اس سے مسلمانوں پر یہ واضح ہو گیا کہ وہ مسلمانوں اور مسلمانوں سے متعلق ہر چیز سے نفرت کرتے ہیں۔ چنانچہ مسلمانوں نے علیحدہ وطن کا مطالبہ کر دیا اور تحریک پاکستان میں اردو زبان ان کی ترجمان بن گئی اس طرح اردو نے ہماری جدو جہد آزادی میں اہم کردار ادا کیا۔

⑨ سماجی دباؤ: ہندو معاشرہ ذات پات کے جھمیلوں میں پھنسا ہونے کے باعث مسلمانوں سے چھوت چھات کا برتاؤ کرتا تھا۔ اس سے مسلمانوں کو سخت کوفت ہوتی تھی۔ ہندو اپنے آریا نسل ہونے پر بھی بڑے نازاں اور اپنی نسلی برتری کے مبلغ تھے۔ جہاں مسلمانوں کی تعداد تھوڑی ہوتی وہاں ان کو ہندو رسوم اپنانے پر مجبور کیا جاتا اور بعض اوقات ایسا معلوم ہوتا کہ وہ مسلمانوں کو آہستہ آہستہ اپنے میں جذب کر لیں گے۔ مسلمان اعلیٰ تہذیب و تمدن کے حامل اور حکمرانی کی شاندار روایات کے علمبردار تھے۔ وہ کسی صورت میں ہندوؤں سے کمتر نہ تھے۔ ہندو ایک ہزار سال تک ان کا محکوم اور ان کی رعایا رہ چکا تھا۔ چنانچہ اس کا معاشرتی مقاطعے اور دباؤ ان کے لئے ناقابل برداشت تھا۔

⑩ معاشی دباؤ: معاشرتی مقاطعے کے ساتھ ساتھ ہندو مسلمانوں کے معاشی مقاطعے کے پروگرام پر بھی عمل پیرا تھے۔ ہندوؤں نے تجارت اور صنعت کے میدان کو اپنے لئے مخصوص کر لیا تھا۔ اگر کوئی

مسلمان اس میدان کا رخ کرتا تو اس کے اخراج کے لئے گردن توڑ مقابلہ کیا جاتا۔ ملازمتوں کے دروازے ان پر تقریباً بند تھے۔ ہندی اور دیوناگری رسم الخط جاری کر کے ملازمتوں کے شعبے سے مسلمانوں کے مکمل اخراج کا منصوبہ تیار کیا تھا۔ مسلمان متوسط طبقے کے لئے ہندوستان میں کوئی بہتر مستقبل نظر نہ آتا تھا لہٰذا مسلمان ہندو سامراجی عزائم کے خطرے سے دوچار تھے۔

⑪ **رام راج قائم کرنے کی کوشش:** 1937ء میں ہندو صوبوں میں کانگریسی وزارتیں قائم ہوتے ہی ہندوؤں کی تنگ نظر اور متعصبانہ ذہنیت مسلمانوں پر آشکار ہوگئی۔ انہوں نے رام راج کی عملی تعبیر پیش کر دی۔ اب تک مسلمان آئینی تحفظات پر قانع تھے۔ اس ڈھائی سالہ دور میں ہندوؤں نے من مانی کارروائیاں کیں۔ چنانچہ مسلمانوں کا ان کاغذی تحفظات پر سے اعتماد اٹھ گیا۔ وہ برصغیر میں برائے نام مسلمان اور عملاً ہندو بن کر رہنے کو تیار نہ تھے۔ شمال مشرقی علاقوں میں ان کی اکثریت تھی۔ چنانچہ انہوں نے اپنے علاقوں کے لئے انہی حقوق و مراعات کا مطالبہ کیا جو اب تک کانگریس ہندوستان کے نام پر ہندوؤں کے لئے طلب کرتی رہی تھی۔ اس مطالبے کا مطلب ایک علیحدہ، آزاد، خود مختار مملکت کا قیام تھا جس کا اظہار حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے خطبہ الہ آباد میں کیا تھا۔ رام راج قائم کرنے کی کوشش مطالبہ کی فوری محرک ثابت ہوئی۔

قرارداد پاکستان 1940ء

23 مارچ 1940ء کو آل انڈیا مسلم لیگ نے اپنے لاہور کے ستائیسویں سالانہ اجلاس میں ہندوستان کی تقسیم اور مسلمانوں کے لئے الگ آزاد و خود مختار ریاست کے قیام کا باقاعدہ مطالبہ کر دیا۔

تاریخی پس منظر: مسلمان 712ء میں ہندوستان میں فاتح کی حیثیت سے داخل ہوئے اور 1857ء تک یہاں حکمران رہے۔ انہوں نے کم و بیش ایک ہزار سال تک نہ صرف شان و شوکت سے برصغیر پر حکومت کی بلکہ ہندو تہذیب و تمدن پر بھی گہرے اثرات مرتب کیے۔ 1707ء میں اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے بعد مسلمانوں کا جو زوال شروع ہوا، 1857ء میں وہ اپنی انتہا کو پہنچ گیا۔ 1857ء کی جنگ آزادی میں ناکامی نے ان کی رہی سہی عزت خاک میں ملا دی۔ انگریز حکمرانوں نے ہندوؤں کے ساتھ مل کر ایسی مسلم کش پالیسیاں اختیار کیں جن کے نتیجے میں مسلمان سیاسی، معاشی اور سماجی طور پر مفلوج ہو کر مجبور، مقہور اور بے بس قوم بن گئے۔

جداگانہ طریقہ انتخاب: برصغیر میں انگریز حکمرانوں اور ہندو اکثریت کی موجودگی میں مسلمانوں کا

بنیادی مسئلہ اپنے مذہب، ثقافت، تہذیب و تمدن، رسوم و رواج، روایات، تاریخ، زبان اور پرسنل لاء کی حفاظت کا تھا۔ انگریزوں نے برصغیر پر قبضہ جمانے کے بعد برطانوی پارلیمانی جمہوری نظام کے بتدریج نفاذ کی پالیسی اختیار کی۔ جس کا صاف مطلب تھا ہندو اکثریت کی حکومت۔ لہٰذا انگریز سرکار نے جب بھی آئینی اصلاحات کی نئی قسط کے نفاذ کی کوشش کی، انہیں فرقہ وارانہ مسئلہ کا سامنا کرنا پڑا۔ یہی وجہ تھی کہ سرسید احمد خاں نے برطانوی نظام کو برصغیر کے لیے غیر موافق قرار دیتے ہوئے مسلمانوں کے آئینی حقوق کے تحفظ کے لئے جداگانہ طریقہ انتخاب کا مطالبہ کیا۔ 1906ء میں وائسرائے نے مسلمانوں کے اس مطالبے کو منظور کر لیا۔ 1909ء میں اسے آئینی حیثیت دے دی گئی۔ 1916ء میں ہندوؤں نے میثاق لکھنؤ کے تحت مسلمانوں کے اس حق کو تسلیم کر لیا۔ جداگانہ طریقہ انتخاب تقسیم ہند کی جانب پہلا قدم تھا۔

آئینی حقوق کے حصول میں ناکامی: مسلم لیگ اور مسلم قائدین نے محمد علی جناح کی قیادت میں مسلمانوں کے آئینی حقوق کے حصول اور ہندو مسلم اتحاد کے لیے 1914ء سے لیکر 1939ء تک انتھک کوششیں کیں لیکن ہندو لیڈروں کے تعصب اور ہٹ دھرمی نے انہیں قیام پاکستان کا مطالبہ کرنے پر مجبور کر دیا۔

اتحاد کا سفیر مطالبہ تقسیم ہند پر مجبور: قائداعظم محمد علی جناح جو کہ ہندو مسلم اتحاد کے سفیر تھے، تقسیم ہند کے مطالبے پر کیوں مجبور ہوئے۔ اس سلسلے میں آپ کی آئینی جدوجہد آزادی کو مندرجہ ذیل ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:۔

1-بحیثیت قوم پرست لیڈر: قائداعظم نے اپنی سیاسی زندگی کا آغاز ایک کٹر قوم پرست لیڈر کی حیثیت سے کیا۔ ابتداء میں وہ متحدہ قومیت کے علمبردار اور مسلمانوں کے مطالبہ جداگانہ طریقہ انتخاب کے سخت مخالف تھے۔

2-اتحاد کا سفیر: ہندو مسلم کانفرنس منعقدہ الہ آباد 1911ء میں انہیں پہلی مرتبہ مسلمانوں کے حقیقی تحفظات اور مسلم لیگ کے موقف سے آگاہی حاصل ہوئی۔ اس مرحلہ پر انہوں نے حکومت خود اختیاری کے حصول لئے ہندو مسلم اتحاد کی اشد ضرورت محسوس کی۔ 1916ء میں وہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں میثاق لکھنؤ کے نام ایک آئینی سمجھوتہ کرانے میں کامیاب ہوگئے۔ انہیں ہندو مسلم اتحاد کے سفیر کا خطاب دیا گیا۔ تحریک خلافت میں گاندھی کی قلابازیوں کی وجہ ہندو مسلم اتحاد ٹوٹ گیا تو قائداعظم ایک نئے میثاق کی جدوجہد میں پھر مصروف ہوگئے۔ محمد علی جناح بڑے محب وطن اور جدوجہد آزادی کے پرجوش مجاہد تھے۔ ان کا پختہ یقین تھا کہ اگر مسلمانوں اور ہندوؤں میں کامل آئینی سمجھوتہ ہوجائے تو ہندوستان

بہت جلد آزادی حاصل کر لے گا۔ مسلمانوں کا سب سے بڑا اور اہم مطالبہ جداگانہ انتخاب کا تھا جسے ہندو، میثاق لکھنؤ کے تحت تسلیم کر چکے تھے۔ اس پر ہندو لیڈروں کے سخت اعتراض کے سبب 1927ء میں جناح دہلی تجاویز کے تحت اس اہم مطالبے سے بھی دستبردار ہو گئے تاکہ دونوں قوموں میں اتحاد قائم ہو سکے۔ مسلمانوں کے اہم ترین مطالبے سے جناح کی دستبرداری کی وجہ سے مسلم لیگ دو گروپوں میں تقسیم ہو کر کمزور ہو گئی۔ پھر بھی وہ مسلمانوں کے آئینی حقوق کی کوششیں اور ہندو مسلم اتحاد کے لئے ہندو قائدین سے التجائیں کرتے رہے۔ لیکن مہاسبھائی لیڈروں کے متعصبانہ، گاندھی کے منافقانہ اور نہرو کے متکبرانہ رویے نے اتحاد کے سفیر کی اتحاد کے لیے تمام آرزوؤں کو خاک میں ملا دیا۔ نہرو رپورٹ میں جناح کی پیش کردہ انتہائی مناسب تینوں ترامیم کو نہ صرف بے رحمی سے مسترد کر دیا گیا بلکہ انہیں ایسا ضدی بچہ قرار دیا گیا جس کا دماغ کانگرس کے لاڈ پیار نے خراب کر دیا ہو۔ انہیں یہ طعنہ دے کر کہ وہ ''کس کی نمائندگی کر رہے ہیں، بے توقیر کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس روز ہندو مسلم اتحاد کے شکستہ دل سفیر نے گلوگیر لہجے میں کہا کہ:

> ''آج سے مسلم انڈیا اور ہندو انڈیا کے راستے جدا ہو گئے۔''

اس وقت ان کی آنکھوں میں دکھ کے آنسو تیر رہے تھے۔ اس کے باوجود انہوں نے اپنے چودہ نکات پیش کر کے اتحاد کے لئے پھر کوشش کی۔ 1932ء تک وہ گول میز کانفرنسوں میں بھی اتحاد کے لئے کوششیں کرتے رہے۔ یہاں تک کہ 1937ء کے الیکشن میں کانگرس کے ساتھ ان کا رویہ مصالحانہ رہا۔ لیکن ہندو تعصب نے ان کی کوششوں کو ثمر بار نہ ہونے دیا۔

(iii) برابری کی حیثیت کا مطالبہ: محمد علی جناح کی سیاسی زندگی کا تیسرا دور 1937ء کے الیکشن کے بعد شروع ہوتا ہے۔ آئین 1935ء کے تحت صوبوں کو خود اختیاری مل چکی تھی۔ لہٰذا کانگرس نے پانچ صوبوں میں خالص اپنی اور دیگر پانچ صوبوں میں مخلوط حکومتیں قائم کر لیں۔ کانگرسی وزارتوں کے دوران جناح کو یہ تلخ تجربہ ہوا کہ میثاق لکھنؤ، نہرو رپورٹ، چودہ نکات، گول میز کانفرنسوں اور کمیونل ایوارڈ کے تحت مسلمانوں کو ملنے والے کاغذی تحفظات کانگرسی اقتدار کے سیلاب میں خس و خاشاک کی طرح بہہ گئے تھے۔ الیکشن میں کامیابی کے نشے میں مخمور جواہر لال نہرو نے مغرور لب و لہجے میں اعلان کیا کہ ہندوستان میں صرف دو طاقتیں ہیں، ایک انگریز اور دوسری کانگرس۔ کانگرسی وزارتوں کے رویے سے قائداعظم نے شدت سے محسوس کیا کہ ہندوستان میں مسلمانوں کا بحیثیت قوم کوئی مستقبل نہیں ہے۔ [1]

قائداعظم نے فرقہ وارانہ مسئلہ کے حل کے لئے 1937ء سے 1939ء تک نہرو، گاندھی اور راجندر پرشاد سے طویل مذاکرات بھی کئے اور خط و کتابت بھی کی۔ لیکن ان کی یہ سب کوششیں

-1 تقسیم ہند، حقیقت اور افسانہ از ایچ سیروائی صفحہ 32

حسب سابق بے نتیجہ رہیں۔ اس دور میں جناح کاغذی آئینی تحفظات کے بجائے فرقہ وارانہ مسئلہ کا ٹھوس عملی حل چاہتے تھے۔ مثلاً (1) مسلمانوں کو اقلیت نہیں بلکہ ایک قوم تسلیم کیا جائے (2) مسلم لیگ کو مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت تسلیم کیا جائے (3) آزادی حاصل کرنے سے پہلے فرقہ وارانہ مسئلہ حل کیا جائے (4) مسلم لیگ کو کانگرس کے برابر حیثیت دی جائے (5) کانگرسی وزارتوں کے مسلم کش اقدامات کی رائل کمشن سے تحقیقات کرائی جائے (6) مسلم لیگ کی منظوری کے بغیر کوئی آئینی اسکیم پاس اور نافذ نہ کی جائے۔ (7) مسلم لیگ ایک وفاق کی اٹل مخالف ہے لہٰذا مسلمانوں کو وفاق میں شمولیت پر مجبور نہ کیا جائے۔

دو قومی نظریہ کا علمبردار: نہرو، گاندھی اور دیگر کانگرسی لیڈروں نے مسلمانوں کو علیحدہ قوم اور مسلم لیگ کو مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت تسلیم کرنے اور فرقہ وارانہ مسئلہ کے وجود سے دوٹوک انکار کر دیا نیز اس بات کو بھی تسلیم نہیں کیا کہ کانگرسی وزارتوں نے مسلمانوں سے کوئی زیادتی کی ہے۔ نہرو نے مسلم لیگ سے مذاکرات کا دروازہ بند کرتے ہوئے اسے تقسیم ہند کے مطالبہ پر مجبور کر دیا۔ [2] کانگرسی وزارتوں کے استعفیٰ پر شکرانے کے طور پر 22 دسمبر کو یوم نجات انتہائی کامیابی سے منانے والے جناح 1939ء کے آخر تک مسلمانوں کے واحد لیڈر اور مسلم قوم کے نجات دہندہ بن چکے تھے۔ لیکن کانگرس نے اپنی آنکھیں بند کر رکھی تھیں۔

قائداعظم نے ہندوؤں کے سیاسی اور روحانی لیڈر مہاتما گاندھی سے اپیل کی کہ ''وہ فرقہ وارانہ مسئلہ حل کر کے ہندوستان کو تقسیم ہونے سے بچا لے''۔ لیکن گاندھی کا جواب بڑا مایوس کن اور تکلیف دہ تھا کہ:

> ''کاش میں کچھ کر سکتا، لیکن میں بالکل بے بس ہوں.......... مجھے دور دور تک روشنی نظر نہیں آتی۔ ہر طرف تاریکی ہے اور مصیبت کے ان لمحات میں، میں خدا سے روشنی مانگتا ہوں۔'' [3]

روحانیت، رہبانیت اور فقیری کا مصنوعی لبادہ اوڑھنے والے سب سے بڑے ہندو لیڈر گاندھی کو خدا کی طرف سے روشنی تو نہ مل سکی البتہ تین سال کی قلیل مدت میں مسلم لیگ کو شہرت کے آسمان تک پہنچا دینے والے محمد علی جناح نے اپنی مومنانہ فراست کی روشنی میں برصغیر کی تقسیم کا مطالبہ کر کے پاکستان کی شکل میں ہندی مسلمانوں کی حتمی اور واضح منزل کا تعین کر دیا۔

25 فروری 1940ء کو دہلی میں مسلم لیگ کونسل کے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے قائداعظم نے جرأت آمیز اعلان کیا کہ:

-2 اشتیاق حسین قریشی صفحات 147 تا 150 -3 تقسیم ہند حقیقت اور افسانہ صفحہ 33

''برطانیہ ہندوستان پر حکومت کرنا چاہتا ہے۔ مسٹر گاندھی اور کانگرس (انگریزوں کی سنگینوں کے سائے تلے) ہندوستان (میں مسلمانوں) پر حکومت کرنا چاہتے ہیں۔ ہم برطانیہ کو ہندوستان پر حکومت کرنے دیں گے اور نہ مسٹر گاندھی اور کانگرس کو۔ ہم آزاد ہونا چاہتے ہیں اور آزاد رہنا چاہتے ہیں، یہی ہمارا مقصد ہے۔'' [4]

قائداعظم مائل بہ تقسیم ہند: کانگرسی وزارتوں کی پالیسیوں اور ہندو لیڈروں کے متکبرانہ رویے نے نہ صرف قائداعظم اور مسلم لیگی قائدین بلکہ برصغیر کے طول و عرض میں بسنے والے مسلمانوں کی سوچوں کا دھارا ہندو مسلم اتحاد کے بجائے تقسیم پاک و ہند کی جانب موڑ دیا۔

سندھ مسلم لیگ کی قرارداد: 10 اکتوبر 1938ء کو صوبائی مسلم لیگ سندھ کا اجلاس قائداعظم کی زیر صدارت کراچی میں ہوا۔ اس میں عبدالمجید سندھی نے ایک قرارداد پیش کی جس میں آل انڈیا مسلم سے مطالبہ کیا گیا وہ برصغیر کی مسلم اور غیر مسلم ریاستوں میں تقسیم کے متعلق آئینی سکیم مرتب کرے۔

اجلاس پٹنہ کا اہم فیصلہ: 15 اکتوبر 1938ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس پٹنہ میں قائداعظم کو مناسب آئینی متبادل اسکیم تیار کرنے کا اختیار دیا گیا۔

تقسیم کے مطالبہ کا فیصلہ: 25 فروری 1940ء کو مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کا دہلی میں اجلاس ہوا۔ اس میں فیصلہ کیا گیا کہ مسلم لیگ کا ستائیسواں سالانہ اجلاس لاہور میں منعقد کیا جائے اور اس میں مسلم لیگ برصغیر کی تقسیم اور مسلمانوں کے لئے الگ آزاد ریاست کے قیام کا مطالبہ کرے۔

نئے آئین کا مطالبہ: 9 مارچ 1940ء کو قائداعظم کا ایک مضمون لندن کے اخبار ''ٹائم اینڈ ٹائیڈ'' میں چھپا۔ اس مضمون میں قائداعظم نے دو قومی نظریہ کی تاریخی دلائل کی روشنی میں تشریح کرتے ہوئے مسلمانوں کے لیے الگ مملکت کی ضرورت پر زور دیا۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ ایک ایسا آئین تیار ہونا چاہیئے جو اس بنیادی تصور پر مبنی ہو کہ ہندوستان میں دو قومیں آباد ہیں۔

وائسرائے کو اطلاع: 13 مارچ 1940ء کو قائداعظم نے وائسرائے سے ملاقات کے دوران واضح کیا کہ مسلم لیگ پاک و ہند کی باقاعدہ تقسیم کا لیگ مطالبہ کرنے والی ہے۔

تقسیم ہند کی مختلف تجاویز: 23 مارچ 1940ء کو مسلم لیگ کی برصغیر کی تقسیم کی تجویز کوئی پہلی تجویز نہ تھی بلکہ 1877ء سے مختلف ادوار میں سیاسی قائدین، دانشور، صحافی، وکلاء اور پروفیسرز ایسی تجاویز پیش کرتے آرہے تھے۔

4- سیاست ملّیہ، امین زبیری صفحہ 381

سب سے پہلے اتحاد عالم اسلام کے داعی سید جمال الدین افغانی نے وسط ایشیا کی مسلم ریاستوں، افغانستان اور برصغیر کے شمال مغربی مسلم اکثریتی علاقوں پر مشتمل ایک اسلامی ریاست قائم کرنے کا خیال ظاہر کیا۔ 1877ء میں جان برائٹ نے برصغیر کو پانچ حصوں میں اور اگست 1890ء کو مشہور صحافی عبدالحلیم شرر نے مسلم ہندوستان اور ہندو ہندوستان میں تقسیم کرکے آبادی کے تبادلہ کا نظریہ پیش کیا۔ 1917ء خیری برادران نے اور 1923ء میں انجمن اسلامیہ ڈیرہ اسمٰعیل خاں کے صدر سردار گل محمد نے تقسیم ہند کی تجویز پیش کی۔ مارچ 1920ء میں رسالہ ذوالقرنین میں عبدالقادر بلگرامی نے، 14 دسمبر 1924ء کو ہندو مہاسبھائی لیڈر لالہ لاجپت رائے نے، 1928ء کو سرآغا خاں نے اور 1929ء میں سرسید احمد خاں کے پوتے سرراس مسعود نے برصغیر کو دو حصوں میں تقسیم کرنے کی تجاویز دیں۔ 1928ء میں مولانا مرتضےٰ میکش نے روزنامہ انقلاب لاہور میں ''ہندی مسلمانوں کے لئے علیحدہ وطن'' کے عنوان کے تحت اپنے چار مضامین میں اور دسمبر 1930ء میں علامہ اقبال نے مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس الٰہ آباد میں ایک علیحدہ اسلامی ریاست کا مطالبہ کیا۔

28 جنوری 1933ء کو چوہدری رحمت علی نے مجوزہ اسلامی ریاست کا نام ''پاکستان'' تجویز کیا اور پاکستان نیشنل موومنٹ کی بنیاد رکھی۔ 1838ء میں حیدر آباد دکن کے ڈاکٹر سید عبداللطیف نے برصغیر کو پندرہ حلقوں میں تقسیم کرکے چار حلقے مسلمانوں کو دینے کی سفارش کی۔ 1939ء میں وزیر اعلیٰ پنجاب سرسکندر حیات نے ''ہندوستانی وفاق کی ایک اسکیم کا خاکہ'' کے عنوان کے تحت ہندوستان کو سات خطوں میں تقسیم کرکے دو خطے مسلمانوں کو دینے کی تجویز پیش کی۔

1939ء میں ہی میجر کفائت علی نے ایک پنجابی کے نام سے تقسیم ہند کی ایک اسکیم مرتب کی۔ اسی سال علی گڑھ یونیورسٹی کے دو پروفیسروں سید ظفر الحسن اور ڈاکٹر افضال حسین قادری نے ایک آئینی اسکیم میں دو آزاد اسلامی ریاستوں، پاکستان اور بنگال اور ایک ہندو ریاست کا تصور پیش کیا۔

اجلاس لاہور کی تیاریاں: مسلم لیگ کے 27ویں اجلاس کی تیاریوں کے لیے کے لئے بیس ہزار روپے چندہ جمع ہوا۔ پوسٹرز، اشتہارات، کتابچوں اور اخبارات کے ذریعے اس کی تشہیر کی گئی۔ اجلاس پر کل پونے گیارہ ہزار روپے خرچ ہوئے۔ [5]

خاکساروں پر فائرنگ: 19 مارچ کو پولیس نے خاکساروں کے ایک دستہ پر فائرنگ کردی جو ٹبی بازار لاہور میں پریڈ کر رہا تھا۔ اس سے سرکاری اعلان کے مطابق 32 خاکسار جاں بحق اور لاتعداد زخمی ہوئے۔ [6]

5- مسلم لیگ کی تاریخ 257-258 6- رضی حیدر 248

قائداعظم کی لاہور آمد: 21 مارچ کو صبح 9 بجے قائداعظم بذریعہ ٹرین لاہور پہنچے۔ 70 ہزار افراد ان کے استقبال کے لئے موجود تھے۔ قائداعظم نے میو ہسپتال جا کر زخمی خاکساروں کی عیادت کی اور ان سے اظہار ہمدردی کیا۔

اجلاس لاہور 22 مارچ: 22 مارچ 1940ء کو اقبال پارک لاہور میں نماز جمعہ کے بعد مسلم لیگ کا عام اجلاس ہوا۔ ایک لاکھ افراد پنڈال میں موجود تھے۔[9] تلاوت قرآن مجید کے بعد غازی انور آبادی نے میاں بشیر احمد کی مشہور نظم ''ملت کا پاسباں ہے محمد علی جناح'' بڑی خوش الحانی سے پڑھی۔ مجلس استقبالیہ کے صدر شاہنواز ممدوٹ نے سپاسنامہ پیش کیا۔[9] اس کے بعد قائداعظم نے صدارتی خطبہ دیا۔ ان کی تقریر فی البدیع تھی۔ انہوں نے پہلے اردو میں چند جملے کہے، پھر انگریزی میں خطاب کیا۔

قائداعظم کا صدارتی خطاب: قائداعظم نے اپنے خطاب میں ہندو مسلم اختلافات کی روشنی میں دو قومی نظریہ کی وضاحت اور دلائل سے ثابت کیا کہ ہندوستان کے مسئلہ کا واحد حل ملک کی تقسیم ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ:

> ''ہندومت اور اسلام صرف دو مذاہب نہیں بلکہ دو مختلف معاشرتی نظام ہیں جو ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ یہ سوچنا کہ وہ مل کر متحدہ قومیت کی تشکیل کر سکتے ہیں محض ایک خوش آئند خواب ہے۔...... نہ وہ باہم شادیاں کرتے ہیں اور اکٹھے کھانا کھاتے ہیں۔............ ایک قوم کے ہیرو دوسری قوم کی نظر میں دشمن اور ایک قوم کی فتح دوسری قوم کی شکست ہوتی ہے۔........... ہندوستان کا مسئلہ فرقہ وارانہ نہیں بلکہ بین الاقوامی ہے۔........... مسلمان ہرگز اقلیت نہیں بلکہ ایک قوم ہیں............ آپ لفظ قوم کی جو چاہیں تعریف کریں، مسلمان ہر لحاظ سے ایک علیحدہ قوم ہیں اور انہیں علیحدہ وطن مانگنے کا پورا حق ہے۔ اگر حکومت برطانیہ صدق دل سے ہندوستان کے باشندوں کی سلامتی چاہتی ہے تو اس کا صرف یہی طریقہ ہے کہ وہ ملک کو بڑی اقوام میں تقسیم کر کے ان کے قومی وطن منظور کرے۔............ اپنے نصب العین کے حصول کے لئے کوئی دھمکی اور خوف ہمارے اوپر اثر انداز نہیں ہو سکتے۔ ہم راستے کی ہر مشکل کا مقابلہ کریں گے اور اس کے لئے کسی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے۔''

قائداعظم نے حاضرین کو لالہ لاجپت رائے کا 15 سال پرانا ایک خط دکھایا جو انہوں نے اپنے بنگالی ہندو دوست سی آر داس کو لکھا تھا۔ اس خط میں انہوں نے لکھا تھا کہ مسلمانوں کے عقائد کی رُو سے ... ممکن ... ہی قابل عمل ہے۔''

Subject کمیٹی کا اجلاس: 22 مارچ کی شام مسلم لیگ کی Subject کمیٹی کا اجلاس ہوا۔ جس میں لیاقت علی کی پیش کردہ تقسیم ہند کی قرارداد کی نوک پلک سنوار کر غور وخوض کے بعد اسے آخری شکل دی گئی۔ کمیٹی نے بحث و مباحثہ کے بعد اسے منظور کیا۔ قرارداد انگریزی زبان میں تھی اس کا اردو ترجمہ مولانا ظفر علی خاں نے کیا۔

23 مارچ کا تاریخی اجلاس: 23 مارچ 1940ء کو سہ پہر کے وقت اقبال پارک لاہور میں مسلم لیگ کا پرشکوہ کھلا اجلاس ہوا۔ اس میں وزیر اعلیٰ بنگال مولوی فضل الحق نے تقسیم ہند کی درج ذیل تاریخی قرار داد پیش کی۔

> **قرارداد:** ''جغرافیائی طور پر ملحقہ علاقوں کے منطقے اس طرح وضع کئے جائیں کہ ضروری علاقائی ردّوبدل کے ساتھ، جن علاقوں میں مسلمانوں کی عددی اکثریت ہے، مثلاً ہندوستان کے شمال مغربی اور مشرقی زون، ان کو باہم ملا کر خود مختار مملکتیں (States) بنا دی جائیں، جن کے ترکیبی یونٹ آزاد اور خود مختار ہوں۔''

قرارداد کی تائید: چوہدری خلیق الزماں نے اس کی تائید کی۔ دوسرے صوبوں کے نمائندوں، یوپی سے بیگم جوہر نے، سی پی سے سر عبدالرؤف، بہار سے نواب محمد اسماعیل، پنجاب سے مولانا ظفر علی خاں، سندھ سے سر عبداللہ ہارون، صوبہ سرحد سے اورنگ زیب خاں اور بلوچستان سے قاضی محمد عیسیٰ نے اس کی مزید تائید کی اور اس کے حق میں تقریریں کیں۔ نعرہ تکبیر کی ایمان افروز اور فلک شگاف گونج میں یہ قرارداد منظور ہوئی۔

کانگرسی لیڈروں کا ردِّ عمل: مہاتما گاندھی نے تقسیم کے مطالبے کو اخلاقی برائی اور پاپ (گناہ) قرار دیا۔ انہوں نے کہا کہ وہ سارا ملک تو جناح کو پیش کر سکتے ہیں لیکن اس کی تقسیم پر راضی نہیں ہو سکتے۔[10] راج گوپال نے کہا کہ ''جناح کا اقدام اس طرح ہے جیسے دو بھائیوں میں گائے کی ملکیت کا جھگڑا ہوا اور وہ اسے دو ٹکڑوں میں کاٹ کر بانٹ لیں، یعنی انہوں نے اسے مذہبی عقیدے سے جوڑ دیا۔[11] مولانا ابوالکلام آزاد نے کہا کہ ''خدا کی زمین کو پاک اور ناپاک میں تقسیم کرنے کا حق کسی کو نہیں پہنچتا۔ راجندر پرشاد نے منصوبہ پاکستان کی تشریح کا مطالبہ کیا۔

کانگرس نے پراپیگنڈا کرتے ہوئے یہ دعویٰ کیا کہ پاکستان مالی لحاظ سے خود کفیل نہیں ہو سکتا لہٰذا مسلمان اس کو قبول نہ کریں۔ مزید کہ قیام پاکستان کی صورت میں اقلیتی صوبوں کے مسلمانوں کو اپنے بزرگوں کی میراث، باپ دادا کی قبروں اور تاریخی ورثہ سے محروم ہونا پڑے گا۔[12]

10- امین زبیری 399   11- زبیری 405   12- پروفیسر خلیل اللہ 377

انڈین اور برطانیہ پریس کا ردِعمل: قرارداد کا پاس ہونا تھا کہ ہندوؤں کے تن بدن میں آگ لگ گئی ہندو پریس نے آسمان سر پر اٹھالیا۔ قرارداد میں ''پاکستان'' کا لفظ استعمال کیا گیا تھا اور نہ ہی سوائے بیگم جوہر کے کسی لیڈر نے اپنی تقریر میں یہ لفظ استعمال کیا تھا۔ لیکن ہندو اخبارات نے تضحیک کے طور پر اس قدر تسلسل سے اسے ''قرارداد پاکستان'' کا نام دیا کہ یہ ہر ایک کی زبان پر چڑھ گیا۔ جبکہ برطانوی پریس نے اس قرارداد کو کوئی اہمیت نہ دی۔ اکثر اخبارات نے خاموشی اختیار کی جبکہ بعض نے اس کی مخالفت کی۔

مسلمانوں کا ردِعمل: 1857ء میں اپنی حکومت کے خاتمہ کے بعد مسلمانوں کو پہلی مرتبہ اپنی آزاد مملکت کا تصور ملا۔ پاکستان کے تصور نے مسلمانوں کو مسحور کرلیا۔ انہوں نے اس قرارداد کا پرجوش خیر مقدم کیا۔ علی گڑھ اور دیگر مسلم تعلیمی اداروں کے طلباء، علماء طبقہ کا ایک کافی بڑا حصہ، وکلاء، صحافی، دانشور، سیاستدان اور ڈان، نوائے وقت اور آزاد جیسے اخبارات اس نصب العین کی اشاعت، حمایت، تحفظ اور تشریح کیلئے سرگرم ہوگئے۔

ہندوؤں، انگریزوں اور نابلد مسلمانوں کی طرف سے اس کی مخالفت ہو رہی تھی مگر ہندوستان کے ایک گوشے سے دوسرے گوشے تک شہروں اور قصبوں کی شاہراہوں اور گلی کوچوں میں، میدانوں، دفتروں، تعلیمی اداروں، کارخانوں، کھیتوں اور کھلیانوں میں مسلمان مزدور، کسان، طلباء وکلاء، اساتذہ، ڈاکٹرز، صحافی سیاسی راہنما اور کارکن، لاکھوں کروڑوں مسلم مرد، عورتیں، بچے، جوان اور بزرگ فلک شگاف نعرے لگا رہے تھے۔

''بٹ کے رہے گا ہندوستان''　　''لے کے رہیں گے پاکستان''

''قائداعظم زندہ باد''　　''پاکستان زندہ باد''

معروضی Objective

سوال نمبر 1: کثیر الانتخابی سوالات امتحان میں بیس آئیں گے جن کو حل کرنا لازمی ہوگا۔ ہر سوال کے چار (4) ممکنہ جواب A، B، C اور D سامنے دیئے گئے دائروں میں سے ایک دائرے کو پین یا مارکر کی سیاہی سے بھر دیں۔ (کل نمبر 20)

ذیل میں ہر سوال کے چار ممکنہ جوابات دیئے گئے ہیں۔ درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے۔

1- مولانا محمد علی جوہر نے کس کو خلیفۂ اسلام بنانے کی تجویز پیش کی؟
(ا) جمال الدین افغانی　(ب) عبدالعزیز ابن سعود ✓
(ج) شریف حسین مکہ　(د) مصطفیٰ کمال پاشا ترک

2- برصغیر کے کس علاقے کے لوگ انگریزوں سے 1947ء تک برسرپیکار رہے؟
(ا) صوبہ سندھ　(ب) صوبہ بنگال
(ج) صوبہ بہار　(د) صوبہ سرحد ✓

3- سرسید احمد خان ہندو مسلم اتحاد سے کب مایوس ہوئے؟
(ا) جنگ آزادی کی وجہ سے　(ب) بنارس ہندو یونیورسٹی کی وجہ سے
(ج) اردو ہندی تنازع کی وجہ سے ✓　(د) کانگریس کے قیام کی وجہ سے

4- مسلمانوں کا آئینی تحفظات سے اعتماد کب ختم ہوا؟
(ا) کانگریسی وزارتوں کی وجہ سے ✓　(ب) نہرو رپورٹ کی وجہ سے
(ج) کابینہ مشن کی وجہ سے　(د) ان میں سے کوئی نہیں

5- مولانا عبدالحلیم شرر نے کب تقسیم برصغیر کی تجویز پیش کی؟
(ا) اگست 1928ء　(ب) اگست 1910ء
(ج) اگست 1890ء ✓　(د) اگست 1937ء

6- محمد عبدالقادر بلگرامی نے 1920ء میں اپنے کون سے اردو رسالے میں آبادی کے لحاظ سے تقسیم ملک کی تجویز دی؟
(ا) ذوالقرنین　(ب) تہذیب ✓
(ج) اب ورنہ کبھی نہیں　(د) آزادی

7- جان برائٹ نے برصغیر کو کب پانچ، چھ مملکتوں میں تقسیم کرنے کی تجویز پیش کی؟
(ا) 1877ء ✓　(ب) 1893ء　(ج) 1913ء　(د) 1921ء

8- برصغیر کی تقسیم کا پہلا اور واضح منصوبہ کس نے پیش کیا؟
(ا) چوہدری رحمت علی ✓　(ب) علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ
(ج) سردار گل محمد　(د) مولانا محمد علی جوہر

9- سندھ مسلم لیگ نے کب برصغیر کی تقسیم کی قرارداد پاس کرنے کا آل انڈیا مسلم لیگ سے مطالبہ کیا؟
(ا) 10 اکتوبر 1937ء　(ب) 10 اکتوبر 1939ء
(ج) 10 اکتوبر 1938ء ✓　(د) 10 فروری 1940ء

10- مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کا فروری 1940ء میں اجلاس کہاں ہوا جس میں فیصلہ ہوا کہ لاہور کے سالانہ اجلاس میں ملک کی تقسیم کا مطالبہ کیا جائے؟
(ا) بمبئی　(ب) کراچی　(ج) ڈھاکہ　(د) دہلی ✓

-11 قرارداد پاکستان کا اردو ترجمہ کس نے کیا؟

(ا) چوہدری خلیق الزماں (ب) مولانا ظفر علی خان ✓

(ج) مولوی فضل الحق (د) نوابزادہ لیاقت علی خان

-12 22 مارچ 1940ء کو اقبال پارک، لاہور میں مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں مسلم عوام کے ہجوم کی تعداد کتنی تھی؟

(ا) 30 ہزار سے زائد (ب) 50 ہزار سے زائد ✓

(ج) 60 ہزار سے زائد (د) ایک لاکھ سے زائد

-13 مسلم لیگ کے 27 ویں سالانہ اجلاس میں 23 مارچ 1940ء کو کس نے قرارداد پاکستان پیش کی؟

(ا) قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ (ب) نواب زادہ لیاقت علی خان

(ج) چوہدری خلیق الزماں (د) مولوی فضل الحق ✓

-14 قرارداد پاکستان کی تائید کس نے کی؟

(ا) مولانا ظفر علی خان (ب) لیاقت علی خان

(ج) چوہدری خلیق الزماں ✓ (د) سردار عبدالرب نشتر

-15 قرارداد پاکستان کی تائید میں تقریریں کرنے والے راہنماؤں میں سے کس نے پاکستان کا لفظ استعمال کیا؟

(ا) بیگم مولانا محمد علی جوہر ✓ (ب) لیاقت علی خان

(ج) ڈاکٹر غضنفر علی (د) مولانا ظفر علی خان

-16 کس مسلم لیگی راہنما نے خدشہ ظاہر کیا کہ قرارداد پاکستان میں "علاقائی ردوبدل" کے الفاظ سے پنجاب تقسیم ہو جائے گا؟

(ا) ملک برکت علی (ب) عاشق حسین بٹالوی ✓

(ج) ڈاکٹر غضنفر علی (د) مولانا ظفر علی خان

-17 برصغیر کی تقسیم کے مطالبے کو کس ہندو لیڈر نے گائے کے ٹکڑے کرنے سے تشبیہ دی؟

(ا) نہرو (ب) گاندھی

(ج) اچاریہ کرپلانی (د) گوپال ✓

-18 کس ہندو لیڈر نے برصغیر کی تقسیم کے مطالبہ کو گناہ (پاپ) قرار دیا؟

(ا) ( ) گاندھی ✓ (ج) بھولا بھائی ڈیسائی (د) راجندر پرشاد

-19 23 مارچ 1940ء کو اپنے صدارتی خطبہ کے دوران قائداعظمؒ نے کس لیڈر کا خط پڑھ کر سنایا؟

(ا) لالہ لاجپت رائے ✓ (ب) علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ

(ج) چوہدری رحمت علی (د) گاندھی

-20 19 مارچ 1940ء کو پولیس نے کس پارٹی کے کارکنوں پر بھاٹی گیٹ لاہور میں گولی چلائی؟

(ا) خاکسار ✓ (ب) نیلی پوش

(ج) نیشنل گارڈز (د) سرخ پوش

-21 پولیس فائرنگ سے 19 مارچ 1940ء کو لاہور میں کتنے خاکسار جاں بحق ہوئے؟

(ا) 15 (ب) 25

(ج) 32 ✓ (د) 55

-22 23 مارچ 1940ء کے مسلم لیگ کے 27 ویں سالانہ اجلاس کے لئے منٹو پارک کا محکمہ زراعت پنجاب نے کتنا کرایہ طلب کیا؟

(ا) 500 روپے (ب) 5,000 روپے

(ج) 10,000 روپے (د) 8,000 روپے ✓

-23 مارچ 1940ء کے مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کے لئے قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کب لاہور پہنچے؟

(ا) 20 مارچ 1940ء (ب) 21 مارچ 1940ء ✓

(ج) 22 مارچ 1940ء (د) 23 مارچ 1940ء

-24 21 مارچ 1940ء کو قائداعظمؒ فرنٹیئر میل سے لاہور سٹیشن پہنچنے کے بعد سب سے پہلے کہاں گئے؟

(ا) جلسہ گاہ (ب) میو ہسپتال

(ج) مسلم لیگ کی سلیکٹ کمیٹی کے اجلاس (د) شاہنواز ممدوٹ کی رہائش ✓

-25 قرارداد لاہور کو قرارداد پاکستان کا نام کس نے دیا؟

(ا) ہندو پریس (ب) مسلم لیگ

(ج) مسلم عوام (د) برطانوی پریس

-26 1939ء میں خلافت پاکستان کی تجویز کس نے دی؟

(ا) پنجاب مسلم لیگ (ب) مولانا مرتضیٰ احمد مکیش

(ج) جمعیت العلمائے ہند (د) پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن ✓

-27 1928ء میں مولانا مرتضیٰ احمد مکیش نے "ہندی مسلمانوں کے لئے علیحدہ وطن" کے عنوان سے

مقالات کون سے اخبار میں لکھے؟

(ا) روزنامہ احسان (ب) روزنامہ کامریڈ

(ج) روزنامہ ہمدرد (د) روزنامہ انقلاب ✓

-28 مسلم لیگ کا لیجسلیٹو کنونشن دہلی میں کب ہوا؟

(ا) 9 اپریل 1940ء (ب) 9 اپریل 1945ء

(ج) 9 اپریل 1946ء ✓ (د) 9 اپریل 1947ء

-29 مسلم لیگ لیجسلیٹو کنونشن میں وہ قرارداد کس نے پیش کی جس میں مجوزہ پاکستان میں شامل ہونے والے علاقوں کا نام لیا گیا؟

(ا) سردار عبدالرب نشتر (ب) حسین شہید سہروردی ✓

(ج) لیاقت علی خان (د) خواجہ ناظم الدین

-30 22 مارچ 1940ء کو مسلم لیگ کے جلسے میں کونسے راہنما نے دومرتبہ تقریر کی؟

(ا) قائداعظم ✓ (ب) لیاقت علی خاں

(ج) بیگم محمد علی جوہر ✓ (د) نواب بہادر یار جنگ ✓

حصہ انشائیہ (Subjective Part - I) 25 × 2 = 50

نوٹ: سوال نمبر 3،2 اور 4 میں سے 25 (پچیس) مختصر سوالات کے جوابات تحریر کریں اور ہر سیکشن سے کم از کم 8 سوالات حل کرنا ضروری ہے۔ جواب تحریر کرتے وقت سوال کا نمبر ضرور تحریر کریں۔

سوال نمبر 4: (سیکشن ''سی'') مختصر سوالات کے جوابات تحریر کریں۔ (جوابات کیلئے صفحہ 402 پر دیکھیں)

حصہ دوم (Subjective Part II)

نوٹ: مندرجہ ذیل سوالات میں سے صرف تین کے جوابات تحریر کریں۔ 10 × 3 = 30

1۔ مطالبہ پاکستان کے اسباب پر روشنی ڈالیں؟

2۔ 1939ء تک برعظیم کی تقسیم کی جو تجاویز پیش ہوئیں ان کا مختصر جائزہ پیش کریں؟

3۔ قرارداد لاہور کے اہم نکات پر روشنی ڈالیں۔ اس کا مسلمانوں اور غیر مسلموں پر کیا اثر پڑا؟

4۔ قرارداد لاہور پر ایک مفصل نوٹ لکھیے۔ (لاہور بورڈ 2011ء)

5۔ قرارداد لاہور پر تفصیل سے نوٹ تحریر کیجئے۔ (بہاولپور بورڈ 2007ء)

■❖◆❖■

باب 14

قیام پاکستان

قرارداد پاکستان منظور ہو جانے کے بعد مسلم لیگ کا واحد نصب العین حصول پاکستان قرار پایا۔ قرارداد پاکستان نے مسلمانوں کی منزل مقصود متعین کر دی تھی۔ اب مسلمان قائداعظم محمد علی جناحؒ کی سرکردگی میں متحد اور منظم ہو کر اس کے حصول کے لیے جدوجہد کرنے لگے۔ مسلم لیگ کی بڑھتی ہوئی مقبولیت سے انگریزی حکومت بھی متاثر ہوئی اور اسے مسلمانوں کو نظرانداز کرنے کی پالیسی ترک کرنا پڑی۔

اگست 1940ء کی پیشکش: جون 1940ء کے تیسرے ہفتے میں جنگ عظیم میں انگریزوں کی حالت بہت خراب ہوگئی۔ پولینڈ، ہالینڈ، بلجیم اور فرانس نے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔ یہ وہ وقت تھا جب حکومت برطانیہ کو ہندوستانیوں کے تعاون اور امداد کی سخت ضرورت تھی۔

گاندھی نے نہایت عمدہ چال چلی اور یہ اعلان کیا کہ ہندوستان نہیں چاہتا کہ برطانیہ کی بربادی کے بعد آزادی حاصل کرے۔ لہٰذا ہندوستان میں ابھی سے قومی حکومت قائم کر دی جائے تاکہ جنگ میں صحیح تعاون کی بدولت ہندوستانی اس جنگ کو جیتنے میں انگریزوں کی مدد کر سکیں۔

وائسرائے ہند لارڈ لنلتھگو نے ہندوستان کی سیاسی پارٹیوں کو اس بات پر آمادہ کرنے کی کوشش کی کہ وہ بعد از جنگ کے آئین پر بحث کو طول نہ دیں بلکہ فوری طور پر حکومت کا عملی چارج سنبھالنے کے لیے انتظامی کونسل میں اپنے نمائندوں کو شامل کر دیں۔ اس غرض کے پیش نظر 8 اگست 1940ء کو ایک اہم اعلان کے ذریعے حسب ذیل پیشکش کی گئی:

1۔ یہ فیصلہ کر لیا گیا ہے کہ وائسرائے کی انتظامی کونسل میں توسیع کی جائے اور ایک دفاعی مشاورتی کونسل قائم کی جائے۔

2۔ آئندہ کوئی ایسا آئین نافذ نہیں کیا جائے جسے ملک کو کوئی بڑا طبقہ منظور نہ کرتا ہو۔

3۔ جنگ کے خاتمے کے بعد آئین سازی کے لیے ایک نمائندہ ادارہ قائم کیا جائے گا۔

وائسرائے کا یہ اعلان اس لحاظ سے بڑا اہم تھا کہ حکومت برطانیہ نے پہلی مرتبہ یعنی ایسی دستور ساز اسمبلی جس کے فیصلوں پر کانگریس پوری طرح حاوی ہو، مسلمانوں کے حقوق [illegible]

کانگریس کی خوشنودی کی طلب گار نہ ہو سکتی تھی۔ تاہم اس پیشکش میں بعض ایسے پہلو تھے جو مسلمانوں کے نقطہ نظر سے پسندیدہ نہ تھے۔

مسلم لیگ کا ردعمل: قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نے بعض باتوں کی وضاحت حاصل کرنے کے لئے وائسرائے سے ملاقات کی۔ وائسرائے ہند نے وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ جہاں تک اقلیتوں کا تعلق ہے ان کی مرضی کے خلاف کوئی دستور ان پر مسلط نہیں کیا جائے گا۔ اس پر مسلم لیگ نے حکومت کی تعریف کرتے ہوئے اعلان کیا کہ وہ قرارداد لاہور پر قائم ہے، ہندوستان کی تقسیم چاہتی ہے اور اس نظریہ پر قائم ہے کہ مسلمان ایک قوم ہیں اور خود ارادیت حاصل کرنے کے لیے وہ اپنا حق استعمال کریں گے۔ عارضی انتظامات کے سلسلے میں وائسرائے کی پیش کردہ تفصیلات پر مسلم لیگ نے اپنی بے اطمینانی کا اظہار کیا۔

کابینہ میں ہندو اور مسلمانوں کے درمیان مساوات کے علاوہ قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کا موقف یہ تھا کہ ''آج جب کہ کانگریس عدم تعاون کر رہی ہے مسلم لیگ نظم و نسق میں ہاتھ بٹانے کی بیشتر ذمہ داری سنبھالتی ہے۔ اگر آئندہ کسی وقت کانگریس نے ایگزیکٹو کونسل میں شامل ہونے کا فیصلہ کا لیا تو کیا ہوگا؟ لہٰذا حکومت اس بات کی ضمانت دے کہ آئندہ کسی مرحلے پر مسلم لیگ کی منشاء کے خلاف کانگریس کے ساتھ کوئی سمجھوتہ نہ کیا جائے گا۔ وائسرائے یہ ضمانت دینے کو تیار نہ ہوا۔ اس گفت و شنید کے بعد مسلم لیگ نے 26 ستمبر 1940ء کو کابینہ میں توسیع کی پیشکش کو ٹھکرا دیا مگر برطانوی حکومت نے اس اعلان میں مسلم لیگ کے دو مطالبات تسلیم کر لیے تھے۔ اول یہ کہ دستور پر نظر ثانی کی جائے گی دوم یہ کہ اقلیتوں کی منشاء اور منظوری کے بغیر کوئی دستور نافذ نہ کیا جائے گا۔

کانگریس کا ردعمل: کانگریس نے اس پیشکش پر شدید برہمی کا اظہار کیا اور حکومت کی تجاویز کو قطعی طور پر مسترد کر دیا۔ کانگریس کا اعتراض یہ تھا کہ انگریز برصغیر میں اپنا اقتدار برقرار رکھنا چاہتا ہے [illegible] لیے وہ نفاق اور جھگڑوں کی حوصلہ افزائی کرتا ہے اور اقلیتوں کے غیر اہم مسئلوں کو آزادی کی راہ میں حائل کر دیتا ہے۔ اس انکار کے ساتھ کانگریس نے حکومت کو دھمکی دی کہ وہ اب سول نافرمانی کا راستہ اختیار کرے گی۔

بظاہر اگست 1940ء کی برطانوی پیشکش کا کوئی ٹھوس نتیجہ برآمد نہ ہوا لیکن یہ پیش کش اس لحاظ سے بڑی اہم تھی کہ اس میں مسلم لیگ کا وزن پوری طرح محسوس کیا گیا۔ حکومت کا یہ وعدہ کر لینا کہ دستور سازی میں مسلمانوں کی منظوری لازمی ہوگی، مسلم لیگ کی اہمیت پر مہر تصدیق ثبت کر دینا تھا۔ مسلم لیگ نے چند ماہ بیشتر ہی قرارداد لاہور منظور کی تھی۔ اتنی جلدی یہ یقین دہانی حاصل کرنا زبردست کارنامہ اور بڑی فتح تھی۔ برصغیر میں کانگریس کی سیاسی اجارہ داری اب قصہ پارینہ بن گئی۔

قومی دفاعی کونسل اور مسلم لیگ: وائسرائے نے 8 اگست کی پیشکش کو ملتوی کر دیا تھا مگر وہ دفاعی

مشاورتی کونسل کی تشکیل کا خواہشمند تھا۔ اس نے جولائی 1941ء میں سرسکندر حیات خان وزیراعظم پنجاب، مولوی فضل الحق وزیراعظم بنگال اور سر محمد سعد اللہ وزیراعظم آسام، نواب سعید چھتاری اور سرسلطان احمد کو قومی دفاع کونسل کا رکن نامزد کر دیا۔ پنجاب، بنگال اور آسام کے وزرائے اعظم کا خیال تھا کہ انہیں مسلم لیگ کے نمائندوں کی حیثیت سے نہیں بلکہ اپنے اپنے صوبے کے وزیراعظم کی حیثیت سے اس ادارے میں شرکت کی دعوت دی گئی ہے اور چونکہ مسلم لیگ کی جانب سے انہیں وزیروں کی حیثیت سے جنگ مساعی کے ساتھ تعاون کی عدم اجازت ہے لہٰذا اگر وہ اس دعوت کو قبول کر لیں تو یہ بات مسلم لیگ کے نقطہ نگاہ سے قابل اعتراض نہ ہوگی۔

وائسرائے نے 21 جولائی کو اپنے خط میں قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کو اس کی اطلاع دی۔ وائسرائے کے خط کی عبارت کے یہ معنی نکلتے تھے کہ ان صاحبان کو مسلمانوں کے نمائندوں کی حیثیت سے لیا گیا ہے۔ اس حیثیت سے ان کا تقرر مسلم لیگ کی معرفت ہونا چاہیے تھا۔ قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نے وائسرائے سے ایک خط میں اس بات پر سخت احتجاج کیا کہ اس نے مسلم لیگی ارکان سے تنظیم کے صدر کے توسط کے بغیر رابطہ قائم کر کے ایک غیر اصولی اور غیر جمہوری حرکت کی ہے۔ وائسرائے کے اقدام کا صاف مطلب یہی تھا کہ وہ اس طرح مسلم اکثریتی صوبوں میں مسلم لیگ کا اثر و نفوذ کم کرنا چاہتا ہے۔ قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر ان وزرائے اعظم سے جواب طلبی کر لی اور ان کے جوابات پر غور کرنے کے لئے مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کا اجلاس بمبئی میں 24 اگست 1941ء کو طلب کر لیا۔ سرسکندر کو یہ نوٹس موصول ہوا تو حیران رہ گئے اور اس ارادے سے بمبئی گئے کہ اگر ان کی بات نہ مانی گئی تو وہ مسلم لیگ سے استعفیٰ دے دیں گے۔ مگر قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کے بعد جو اصل سوال ان کے سامنے آیا، وہ یہ تھا کہ ''اگر وہ اس بنیاد کے ساتھ متفق ہیں کہ وائسرائے اور کانگریس کے ساتھ معاملہ طے کرنے کے لیے مسلمانوں کی پوزیشن مضبوط رہنی چاہیے تو پھر اس کے مطابق کون سا راستہ بہتر تھا؟ قوم کے اتحاد پر ضرب کاری یا محض ایک رسمی شے سے استعفیٰ۔ سرسکندر حیات خان نے دفاعی مشاورتی کونسل سے مستعفی ہونے کا فیصلہ کر لیا۔

مجلس عاملہ کے اجلاس میں سرسکندر نے کہا ''یہ کمیٹی جو فیصلہ کرے گی اس پر عمل کرنا میرا فرض ہوگا۔'' سرسکندر حیات خان کے ساتھ ہی سر محمد سعد اللہ نے قومی دفاعی کونسل سے استعفیٰ دینے کا اعلان کر دیا۔ ''مسٹر فضل الحق اس پر خاصے پریشان ہوئے۔ چند دنوں کے تامل کے بعد انہوں نے بھی دفاعی کونسل سے مستعفی ہونے کا فیصلہ کر لیا لیکن ساتھ ہی مسلم لیگ کے سیکرٹری کو خط لکھا جس میں انہوں نے مسلم لیگ کی مجلس عاملہ اور کونسل سے استعفیٰ دیتے ہوئے صدر کے رویے کے خلاف احتجاج کیا اور ناروا الفاظ استعمال کیے، پھر دوستوں کے سمجھانے بجھانے پر 14 نومبر کو ان کے لیے معذرت کر لی'' لیکن مولوی فضل الحق نے اپنے دل میں قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف بغاوت کرنے کا فیصلہ کر لیا اور 1941

کے اواخر میں مسلم لیگ کولیشن وزارت کی بجائے نئی وزارت بنالی۔ جس میں مسلم لیگ پارٹی کا کوئی نمائندہ شامل نہ تھا۔ نواب چھتاری کو حیدر آباد کی وزارت عظمٰی کی پیشکش کی گئی تھی جوانہوں نے قبول کر لی تھی۔ لہٰذا ان کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی گئی۔ سر سلطان احمد کو پانچ سال کے لیے مسلم لیگ سے خارج کر دیا گیا۔

دفاعی کونسل سے ان استعفوں نے مسلم لیگ کے وقار کو بلند اور ساکھ کو مضبوط بنا دیا۔ حکومت اور کانگریس دونوں کو اچھی طرح معلوم ہو گیا کہ مسلم قوم کی نظر میں مسلم لیگ اور اس کے صدر قائداعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ کی کیا قدر و قیمت ہے۔ مسلم لیگ نے وائسرائے کو اپنے اثر و نفوذ کا عملی مظاہرہ دکھا دیا۔ اس سے مسلم لیگ کی حیثیت پہلے سے زیادہ مضبوط اور مستحکم ہو گئی۔ یہ واقعہ قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتی فتح مندی تھا اور اس بات کی علامت کہ مسلم لیگ میں نظم و ضبط سخت تر ہوتا جا رہا تھا۔

کانگریس کی تحریک سول نافرمانی: کانگریس نے اگست پیشکش کو مسترد کرنے کے بعد حکومت پر مزید دباؤ ڈالنے کے لیے سول نافرمانی کی دھمکی دی۔ کانگریس کا مطالبہ تھا کہ کامل آزادی کا اعلان اور دستور ساز اسمبلی کی تشکیل کی جائے اور مرکز میں قومی حکومت قائم کر کے مسلمانوں اور اقلیتوں کے حقوق کا مسئلہ دستور ساز اسمبلی پر چھوڑ دیا جائے۔ حکومت کا موقف تھا کہ اس سے پہلے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان حقوق و اختیارات کا فیصلہ ہونا چاہیے۔ برطانیہ نے کانگریس کا یہ مطالبہ منظور نہ کیا۔ مسٹر گاندھی نے کہا ''برطانوی حکومت کبھی ایک مشترکہ سمجھوتے پر اصرار نہ کرتی اگر وہ کسی ایک پارٹی کو اقتدار سنبھالنے کے لیے کما حقہ مضبوط و طاقت ور مان لیتی۔ ہم نے خود ہی یہ فریب نظر پیدا کیا ہے کہ آگے بڑھنے سے پہلے تمام فریقوں سے سمجھوتہ ہمارے لیے ضروری ہے۔''

کانگریس نے مسٹر گاندھی کو ڈکٹیٹر بنا کر 17 اکتوبر کو انفرادی تحریک سول نافرمانی شروع کر دی۔ ایک ماہ بعد تحریک کا دوسرا دور شروع ہوا جسے ''نمائندہ ستیہ گرہ'' کا نام دیا گیا اور کانگریسی لیڈر گرفتار ہو گئے۔ چند ماہ میں سول نافرمانی کی تحریک کمزور پڑنے لگی تو حکومت نے قیدی رہا کرنے شروع کر دیے۔ رہائی کے بعد کسی نے دوبارہ ستیہ گرہ کی کوشش نہ کی۔ اس طرح تقریباً ایک سال تحریک چل کر خود بخود ختم ہو گئی۔

کانگریس نے یہ تحریک اس لیے شروع کی تھی کہ دباؤ ڈال کر حکومت کو اس بات پر مجبور کر دیں کہ وہ مسلمانوں اور اقلیتوں کو نظر انداز کر کے کانگریس کے مطالبات منظور کر لے۔ ہندو مہاسبھا کے لیڈر ساورکر نے کہا کہ ہندوستان میں مسلمان ایسے ہی ہیں جیسے جرمنی میں یہودی تھے اور ان کے ساتھ وہی برتاؤ ہونا چاہیے۔ ''قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے بلیک میل سے تشبیہ دی۔ اس موقع پر قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نے

کیا۔ انہوں نے کانگریس کے لیڈروں کی سازشوں، ریشہ دوانیوں اور حیلہ سازیوں کو کھول کھول کر بیان کیا۔

کرپس مشن: جس وقت جنگ دوم جو ستمبر 1939ء میں شروع ہوئی تھی، زوروں پر تھی اور اس میں جاپان کی شمولیت نے اتحادیوں کو سخت مشکلات سے دوچار کر دیا تھا اور برطانوی مقبوضات خطرے میں پڑ گئے تھے۔ اس وقت ہندوستان کی دو بڑی جماعتیں مسلم لیگ اور کانگریس بھی، آزادی کا مطالبہ کر رہی تھیں۔ جنگ کے نازک حالات میں ہندوستان کے لوگوں کو اعتماد میں لینا اور مطمئن کرنا ضروری تھا کیونکہ جنگ عظیم اول کی طرح اب بھی ہندوستان برطانیہ کا بڑا مددگار تھا اس لیے برطانوی کابینہ کا ایک وزیر سر سٹیفورڈ کرپس ہندوستان بھیجا گیا تا کہ یہاں کے عوام کو جنگ کے خاتمے پر آزادی دینے کا وعدہ کر کے مطمئن کرے۔ مسٹر کرپس نے 29 مارچ 1942ء کو مندرجہ ذیل تجاویز پیش کیں:

1۔ جنگ کے خاتمے پر ہندوستان کی دستور ساز اسمبلی تشکیل کی جائے جو آزاد ہندوستان کا دستور تیار کرے اور پھر اس ملک کو برطانوی نو آبادی (Dominion Status) کا درجہ دیا جائے۔
2۔ مرکزی حکومت میں دفاع کے علاوہ باقی کے تمام محکمے ہندوستانیوں کے سپرد کئے جائیں:
3۔ جو صوبے اس دستور کو قبول نہ کریں وہ ہندوستانی وفاق سے الگ ہو کر اپنی علیحدہ مملکت قائم کر سکتے ہیں اور اپنے الگ دستور بنا سکتے ہیں۔

کانگریس نے ان تجاویز کو مسترد کر دیا کیونکہ ان کے نزدیک صوبوں کو الگ حکومت اور دستور بنانے کا حق ملنے کی صورت میں تقسیم ملک کا یا دوسرے لفظوں میں قیام پاکستان کا امکان پیدا ہو جاتا تھا۔ مسلم لیگ نے اس بات پر اطمینان کا ظاہر کیا کہ ان تجاویز میں پاکستان کے امکان کو تسلیم کر لیا گیا ہے لیکن اس بات پر سخت تنقید کی کہ پاکستان کو براہ راست اور واضح طور پر کیوں نہیں تسلیم کیا گیا۔ قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات پر شدید ناراضگی کا اظہار کیا کہ کرپس کانگریسی لیڈروں کے ساتھ ساز باز کر رہا ہے۔ اس طرح مسلم لیگ نے بھی کرپس تجاویز کو مسترد کر دیا۔

''ہندوستان چھوڑ دو'' کی قرارداد: کرپس مشن کی تجاویز شائع ہونے پر مہاتما گاندھی نے حکومت ہند کے خلاف ''ہندوستان چھوڑ دو'' (Quit India Movement) کی زبردست تحریک چلائی۔ انگریزی حکومت کو برصغیر ہندوستان سے نکالنے کے لیے بغاوت کا منصوبہ تیار کیا گیا۔ 7 اگست 1942ء کو کانگریس نے اپنے اجلاس میں ''ہندوستان چھوڑ دو'' کی قرارداد منظور کی اور ہندوستان کی فوری آزادی کا مطالبہ کیا اور برطانوی اقتدار کو یہاں سے فی الفور ہٹانے پر زور دیا۔ مطلب یہ تھا کہ اس طرح آزادی

کرنے کا پرزور مطالبہ کیا اور اس کے بغیر ہندوستان کی آزادی کو بے معنی قرار دیا۔ انہوں نے اس تحریک کو ''مسلمانوں اور مسلم لیگ کو غلام بنانے کا ہتھکنڈا قرار دیا''۔ ہندوستان چھوڑ دو کے مقابلے میں انہوں نے نعرہ لگایا ''تقسیم کرو اور چھوڑ دو''

جناح گاندھی مذاکرات: مہاتما گاندھی کی ''ہندوستان چھوڑ دو'' کی تحریک کے نتیجے میں ہندوستان میں بغاوت پھیل گئی۔ جس دن ''ہندوستان چھوڑ دو'' کی قرارداد کانگریس نے منظور کی اسی رات کانگریس کو غیر قانونی جماعت قرار دے کر اس کے رہنماؤں کو قید کر لیا گیا لیکن اس کے باوجود ملک میں عام فسادات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

جب کانگریس کی ایک نہ چلی تو پھر باہمی سمجھوتے کے لیے قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ اور گاندھی جی کے مابین مذاکرات شروع ہوئے۔ (گاندھی جی 1942ء میں جیل سے رہا ہو گئے تھے) کانگریس کے ایک عظیم رہنما گوپال اچاریہ نے 1942ء ہی میں ہندو مسلم اتحاد کا منصوبہ تیار کیا۔ اس منصوبے کے مطابق مسلم اکثریت کے علاقوں میں حصول آزادی کے بعد استصواب رائے کرایا جانا تجویز کیا گیا تھا۔ ستمبر 1944ء میں اس منصوبے پر غور کرنے کے لیے بمبئی میں قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ اور گاندھی جی کے درمیان مذاکرات ہوئے لیکن قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اس منصوبے کو رد کر دیا کیونکہ اس کے مطابق مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلم آبادی بھی استصواب رائے میں حصہ لے سکتی تھی اور پھر آزادی کے بعد اس بات کی ضمانت بھی کیا تھی کہ استصواب رائے کا موقع عملاً مل سکے گا یا نہیں۔ نیز ان مذاکرات میں گاندھی جی نے سارے ہندوستان کے لوگوں کو ایک قوم قرار دیا لیکن قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی گفتگوؤں اور خطوط میں یہ بات واضح کر دی کہ ''مسلمان ایک الگ قوم ہیں وہ اپنی الگ اور جداگانہ تہذیب و تمدن، زبان و ادب، فنون و تعمیرات، ضوابط اخلاق، رسم و رواج، تاریخ و روایات اور رجحانات و عزائم رکھتے ہیں اس لیے بین الاقوامی قانون کے تمام اصولوں کے مطابق وہ ایک الگ قوم ہیں۔'' چنانچہ عین توقعات کے مطابق یہ مذاکرات ناکام ہوئے۔

لیاقت ڈیسائی فارمولا: مسلم لیگ اور کانگریس کے درمیان مفاہمت کے سلسلے میں ایک اور کوشش ہوئی جو کہ ''لیاقت ڈیسائی پیکٹ'' کے نام سے مشہور ہے۔ مرکزی اسمبلی میں کانگریس پارٹی کے لیڈر مسٹر بھولا ڈیسائی اور مسلم لیگ کے ڈپٹی لیڈر لیاقت علی خان کے درمیان قومی حکومت کی تشکیل پر گفتگو ہوئی اور وہ بالآخر اس تجویز پر متفق ہو گئے کہ عبوری حکومت میں کانگریس اور مسلم لیگ کی مساوی نمائندگی ہو، ایک دو نشستیں چھوٹی اقلیتوں کے نمائندوں کو دی جائیں، اس حکومت کو اسمبلی کے منتخب شدہ ممبروں کے تابع نہ کیا جائے اور اس عارضی انتظام کو آئندہ آئین کے سوال سے الگ رکھا جائے۔

یہ سمجھوتا مسٹر گاندھی کے علم میں تھا اور انہوں نے مسٹر بھولا ڈیسائی کو اس کی اجازت دی تھی لیکن قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کو اس کا قطعی علم نہ تھا۔ مسٹر ڈیسائی نے یہ تجویز وائسرائے کے سامنے جنوری 1945ء میں یہ کہہ کر پیش کر دی کہ اسے گاندھی اور لیاقت علی خان دونوں منظور کرتے ہیں اور امید کرنی چاہیے کہ مسٹر جناح بھی اسے قبول کر لیں گے۔ کچھ تعجب نہیں کہ لارڈ ویول (وائسرائے) ہی کی حوصلہ افزائی سے یہ سمجھوتہ ہوا ہو۔

وائسرائے سیاسی امور پر حکومت برطانیہ سے مشورہ کرنے کے لیے لندن جا رہا تھا۔ اس نے اس بات کی کوشش کی کہ جانے سے پہلے ''لیاقت ڈیسائی فارمولے'' کے متعلق قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کا ردعمل معلوم کرے۔ قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نے صاف کہہ دیا کہ انہیں یا مسلم لیگ کو اس کا بالکل علم نہیں ہے، لیاقت علی خان نے کسی ایسے پیکٹ کے وجود سے انکار کیا۔ مسٹر گاندھی اور کانگریس نے بھی اس سے قطعاً لاتعلقی ظاہر کی۔ پیکٹ کی اصلیت خواہ کچھ بھی ہو لیکن نتائج کے اعتبار سے یہ نہایت اہم تھا۔ کانگریس اور مسلم لیگ کی مساوی نمائندگی کا اصول پہلی بار اسی پیکٹ میں تسلیم کیا گیا۔ عارضی حکومت میں مسلم اراکین کی نمائندگی کا اختیار مسلم لیگ کو دیا گیا۔ اس طرح کانگریس نے نہ صرف دو قومی نظریے کی تائید کر دی بلکہ مسلم لیگ کو مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت تسلیم کر لیا۔ جب وائسرائے لندن گیا تو یہ منصوبہ اس کے ذہن میں اور اس کی کاپی جیب میں تھی۔ آئندہ کا ویول منصوبہ کم و بیش اسی پیکٹ کا چربہ تھا۔

ویول پلان: اکتوبر 1943ء میں لارڈ لنلتھگو کی جگہ لارڈ ویول برصغیر کا وائسرائے بن کر آیا۔ اس سے پہلے وہ فوج کا کمانڈر انچیف رہ چکا تھا۔ برصغیر کا دفاع اس کے دل و دماغ پر حاوی تھا اس لیے وہ ''اکھنڈ بھارت'' کا نعرہ لگاتا ہوا آیا۔ اب جنگ کا رخ بدل چکا تھا اور اتحادیوں کی جیت یقینی تھی۔ اس نے 17 فروری 1944ء کو اپنی پالیسی کی وضاحت مرکزی مجالس قانون ساز کے مشترکہ اجلاس میں کی۔ ''ہمارا پہلا کام جنگ جیتنا ہے، ہماری تمنا ہے کہ ہندوستان ایک آزاد، خوشحال اور متحدہ ملک بن جائے۔ ہندوستان ایک جغرافیائی وحدت ہے، جغرافیہ کو بدلنا ممکن نہیں، کانگریس کی صفوں میں بہت سے قابل قدر لوگ موجود ہیں۔'' یہ اشارے خاصے واضح تھے مسلمانوں اور مسلم لیگ کو وائسرائے کے یہ الفاظ ناگوار گزرے۔ اس پر قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''لارڈ ویول کانگریس کے سمندر میں مچھلیاں پکڑ رہے ہیں۔''

جنگ کی طرف سے قدرے اطمینان حاصل ہو جانے کے بعد برطانیہ نے برصغیر کے سیاسی تعطل کو ختم کرنے اور عوام کا تعاون حاصل کرنے کی کوشش کی۔ کافی سوچ بچار اور صوبائی گورنروں سے مشورے کے بعد لارڈ ویول نے برصغیر کی آزادی کی جانب پہلا قدم اٹھانے کے لیے وائسرائے کی انتظامی کونسل میں توسیع اور اس میں سیاسی پارٹیوں کے نمائندوں کی شرکت کے بارے میں ایک منصوبہ بنایا۔ وہ اس

سلسلے میں مشورے کے لیے لندن بھی گیا۔ 14 جون 1945ء کو اس منصوبے کا اعلان کیا گیا جو ویول پلان کے نام سے مشہور ہوا۔

ویول تجاویز: ویول پلان کی تجاویز مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ حکومت برطانیہ برصغیر میں آئینی سمجھوتے کی طلبگار ہے لیکن برصغیر کی بڑی قوموں کی مرضی کے خلاف کوئی دستوری ردو بدل نہیں کیا جائے گا۔

2۔ تاہم اگر سیاسی جماعتیں متحد و متفق ہو کر جنگ میں تعاون کریں تو حکومت عبوری دور کے لیے چند اقدامات کرنے کو تیار ہے۔

3۔ وائسرائے کی انتظامی کونسل کی تشکیل نو ہو گی اس میں اعلیٰ ذات کے ہندوؤں اور مسلمانوں کو مساوی نمائندگی دی جائے گی۔

4۔ نئی کونسل جاپان کے خلاف جنگ کا انتظام کرے گی اور نئے دستور پر اتفاق رائے حاصل کرے گی۔

5۔ وائسرائے اور کمانڈر انچیف کے علاوہ انتظامی کونسل کے تمام ارکان دیسی ہوں گے۔

6۔ امور خارجہ کا قلمدان کسی ہندوستانی کے سپرد ہو گا۔

7۔ انتظامی کونسل کے ارکان کا انتخاب کرنے کے لیے اہم سیاسی لیڈروں کی ایک کانفرنس طلب کی جائے گی۔

8۔ اگر مرکز کے لیے یہ منصوبہ تسلیم کر لیا گیا تو صوبوں میں بھی عوامی وزارتیں قائم کر دی جائیں گی جو مخلوط ہوں گی۔

9۔ برطانیہ کے تجارتی اور دیگر مفادات کی نگرانی کے لیے برصغیر میں ایک برطانوی ہائی کمشنر قائم کیا جائے گا۔

اسی شام وائسرائے نے ریڈیو سے تقریر کرتے ہوئے اس منصوبے کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ نئی حکومت موجودہ دستور کے تحت ہی کام کرے گی اور اس سے برصغیر کے آئندہ دستور پر کوئی فرق نہ پڑے گا۔ یہ منصوبہ دراصل کانگریس کے لیے بڑی خوشخبری تھی۔

مسلمانوں کے نزدیک یہ تجویز محض ایک فریب تھی کیونکہ ہندو اپنے مفادات میں اعلیٰ اور ادنیٰ کی کوئی تمیز روا نہیں رکھتے۔ اس اعلان کے ساتھ ہی کانگریسی لیڈروں کو غیر مشروط طور پر رہا کر دیا گیا۔

شملہ کانفرنس: ویول پلان پر غور کرنے کے لیے شملہ کانفرنس 25 جون سے لے کر 14 جولائی 1945ء تک جاری رہی، اس میں سیاسی جماعتوں کے نمائندے شریک ہوئے۔ کانگریس اور مسلم لیگ کی طرف سے مولانا ابوالکلام آزاد اور قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ شریک ہوئے۔

کانفرنس کے اجلاس: 25 جون 1945ء کو دن کے گیارہ بجے شملہ کانفرنس کا اجلاس شروع ہوا۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے کانگریس کے قومی مزاج پر اصرار کیا۔ اس موقع پر قائداعظم بولے ''کانگریس صرف ہندوؤں کی نیابت کرتی ہے''۔ 27 جون کو قائداعظم اور پنڈت گوبند بلبھ پنتھ نے مسلم لیگ اور کانگریس کے درمیان سمجھوتے کی بات چیت شروع کی مگر یہ گفتگو ناکام رہی۔ 29 جون کو سیاسی پارٹیوں سے وائسرائے کی انتظامی کونسل کے لئے نام طلب کئے گئے اور کہا گیا کہ ہر پارٹی اپنے کوٹے سے تین گنا تعداد میں ناموں کی فہرست پیش کرے۔

وائسرائے کے ذہن میں اپنی انتظامی کونسل کا عملی نقشہ یہ تھا۔ پانچ ہندو، پانچ مسلمان، ایک سکھ، ایک اچھوت اور عیسائی یا کوئی اور، یعنی کل تیرہ۔ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق تھا وہ چار مسلم لیگ سے اور پانچواں پنجاب کی یونینسٹ پارٹی سے چننا چاہتا تھا۔ کانگریس نے یہ بات مان لی لیکن ایک فرد واحد اپنی شرائط لے کر وائسرائے کے راستے میں چٹان بن کر کھڑا ہو گیا۔ یہ قائداعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ آپ نے فرمایا کہ:

''میں مسلم لیگ کی جانب سے ناموں کی فہرست پیش کرنے کے لئے تیار نہیں تاوقتیکہ یہ شرائط مان لی جائیں۔ اول یہ کہ پانچوں مسلمانوں کے نام مسلم لیگ کی فہرست سے لئے جائیں۔ دوم یہ کہ کونسل کی کارکردگی کا یہ ضابطہ مقرر کیا جائے کہ پوری کابینہ کی دو تہائی اکثریت کی حمایت کے بغیر کونسل کوئی فیصلہ نہ کرے گی''۔

وائسرائے نے سمجھوتے کے لئے درمیانی راہ نکالنے کی کوشش کی لیکن قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رویے میں لچک نہ آنے دی۔ کانگریس بھی کونسل میں مسلمان نمائندوں کو نامزد کرنے کا حق مانگتی تھی اور مسلم لیگ کی نمائندہ حیثیت پر معترض تھی۔ لہٰذا کانفرنس ناکام ہو گئی۔

شملہ کانفرنس کی ناکامی کے اعلان کے بعد 14 جولائی کو قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اخباری کانفرنس میں فرمایا ''ویول پلان ایک جال اور ایک پھندا تھا۔ وہاں ایک اتحاد قائم تھا جو اس کے لئے کوشاں تھا کہ ہم کو دھکیل کر اس نظام میں پھنسا دے۔ اگر ہم لارڈ ویول کی تجویز پر متفق ہو جاتے تو گویا ہم اپنے لئے موت کی سزا کے حکم پر خود ہی دستخط کرتے''۔

اہمیت: مسلم لیگ نے ویول پلان میں تعاون سے انکار کر کے مطالبہ پاکستان کی بنیادیں مضبوط کر دیں۔ حکومت ہند کا آئینی مشیر مسٹر وی پی مینن لکھتا ہے ''پلان کی ناکامی سے بلاشبہ جناحؒ اور مسلم لیگ کی پوزیشن مضبوط ہو گئی۔ ان مسلمانوں کی پوزیشن کمزور ہو گئی جو مسلم لیگ کی مخالفت کر رہے تھے اور

چونکہ یہ بات واضح ہوگئی کہ مسٹر جناح ہی ایک ایسے شخص ہیں جو کچھ کر سکتے ہیں اس لئے متذبذب مسلمان بھی مسلم لیگ کی طرف جھک پڑے''۔

وجہ ناکامی: شملہ کانفرنس کی ناکامی کی وجہ یہ تھی کہ کانگریس نے مسلم لیگ کو مسلمانوں کی نمائندہ جماعت تسلیم کرنے سے انکار کردیا۔ اس کی وجہ دیگر مسلم جماعتوں کا وجود اور انتخابات 1937ء میں مسلم لیگ کی معمولی کامیابی تھی۔ لیکن اس دوران مسلم لیگ اپنی مقبولیت کا بھرپور مظاہرہ کر چکی تھی۔ 1937ء تا 1942ء کے 61 ضمنی انتخابات میں 47 نشستیں مسلم لیگ نے، 10 آزاد امیدواروں نے اور صرف 4 کانگریس نے حاصل کیں۔ جب کہ 1943ء سے 1945ء تک کے عرصے میں 11 ضمنی انتخابات میں مسلم لیگ نے 8 اور آزاد امیدواروں نے 3 سیٹیں جیتیں۔ مسلم لیگ کی نمائندہ جماعت ہونے کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہوگا؟

انتخابات 1946ء: شملہ کانفرنس کی ناکامی کا بنیادی سبب یہ تھا کہ حکومت مسلم لیگ اور کانگریس کی نمائندہ حیثیت کے دعوؤں پر کوئی فیصلہ کرنے کی پوزیشن میں نہ تھی۔ اس کا فیصلہ صرف عوام ہی کر سکتے تھے۔ 6 اگست کو قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نے بمبئی کے ایک جلسے میں فرمایا ''ہم الیکشن لڑنا چاہتے ہیں اس لئے کہ جن کو ہماری نمائندہ حیثیت میں شبہ ہے ان کو ہمیشہ کے لئے اس کا یقین دلا دیں۔ سابقہ انتخابات مرکز کے لئے 1934ء میں اور صوبوں کے لئے 1937ء میں ہوئے تھے اور یہ 1945ء تھا اس لئے مسلم لیگ کا یہ مطالبہ برمحل تھا۔

شملہ کانفرنس ختم ہونے کے بعد انگلستان میں نئے انتخابات ہوئے اور لیبر پارٹی برسر اقتدار آ گئی۔ وہ برصغیر کا اصلی وارث کانگریس کو سمجھتی تھی اس لئے کانگریسی حلقوں نے بڑی خوشیاں منائیں۔ حکومت سنبھالنے پر صدر کانگریس نے نئے وزیر اعظم اٹیلی کو مبارکباد کا تار دیا۔ اس سے مسلمانوں کو تشویش پیدا ہوئی۔ مسٹر جناح نے برطانیہ میں سیاسی تبدیلی پر کوئی خاص ردعمل ظاہر نہ کیا۔ سوائے اس کے کہ انہوں نے اپنی مجلس عاملہ کا اجلاس طلب کر کے ایک قرارداد پاس کرائی کہ ہندوستان میں جلد از جلد نئے انتخابات کرائے جائیں۔ مسلم لیگ کے نقطہ نظر سے اس وقت سب سے بڑی ضرورت بھی اسی بات کی تھی کہ وہ آئینی طریقوں سے یہ ثابت کر دے کہ اس کے مطالبے کی پشت پر پوری مسلم قوم کی تائید موجود ہے۔

اعلان وائسرائے: 21 اگست کو وائسرائے نے اعلان کر دیا کہ مرکزی و صوبائی انتخابات آئندہ موسم سرما میں کرائے جائیں گے۔ اس نے لندن کا دورہ کیا اور وہاں سے واپس آ کر 19 ستمبر کو حکومت برطانیہ کے آئندہ مقاصد کا اعلان کیا کہ جن میں پاکستان کا کوئی نشان ڈھونڈنے سے بھی نہ ملتا تھا۔

1۔ حکومت اس بات کی پوری کوشش کرے گی کہ ہندوستان کو جلد از جلد آزادی دینے کا بندوبست کرے۔
2۔ انتخابات کے بعد سیاسی پارٹیاں صوبوں میں اقتدار سنبھال لیں گی۔
3۔ حکومت صوبائی اسمبلیوں سے دستور ساز اسمبلی کی ساخت کے بارے میں مشورہ کرے گی۔
4۔ انتخابات کے بعد دستور ساز اسمبلی قائم کرنے کا انتظام کیا جائے گا۔
5۔ حکومت برطانیہ ہندوستان کے ساتھ آئندہ ہونے والے معاہدے کی شرائط پر غور کرنے والی ہے۔
6۔ انتخابات کے بعد (وائسرائے کی) نئی انتظامی کونسل قائم کرنے کا بندوبست کیا جائے گا۔

انتخابات کی تیاری: اب مستقبل کا دارومدار انتخابات کے نتیجے پر تھا۔ مسلم لیگ نے اعلان کر دیا کہ یہ انتخابات پاکستان کے سوال پر لڑے جائیں گے۔ قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نے مسلم ووٹروں سے اپیل کی وہ مسلم لیگی امیدواروں کی انفرادی شخصیت سے قطع نظر کر کے مسلم لیگ اور مطالبہ پاکستان کے نمائندوں کی حیثیت سے ووٹ دیں۔ کانگریس کے لیڈروں نے یہ طے کیا کہ اب مسلم لیگ سے کوئی گفتگو نہ کی جائے بلکہ براہ راست مسلم عوام سے رابطہ قائم کیا جائے۔

مسلم لیگ نے عام انتخابات کے لیے اپنا نظام مرکز سے صوبوں تک درست کر لیا۔ اس نے پارلیمانی بورڈ دوبارہ تشکیل دیا۔ ایک کمیٹی آف ایکشن بنی۔ قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نے مسلم عوام کو انتخابات کی اہمیت ذہن نشین کرانے اور سرمایہ جمع کرنے کے لیے برصغیر کے وسیع دورے کئے اور پرجوش تقریریں کیں جس سے مسلمانوں میں بڑا جوش اور ولولہ پیدا ہوگیا۔

مرکزی انتخابات: دسمبر 1945ء میں مرکزی اسمبلی کے انتخابات ہوئے۔ کانگریس نے مسلم حلقوں میں مسلم لیگی امیدواروں کے مقابلے میں قوم پرست مسلمانوں کو کھڑا کرنے کے لیے خاصی سرگرمی دکھائی۔ خود قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مقابلے میں سیٹھ حسین بھائی لال جی کو کھڑا کیا گیا۔ اس کی ضمانت ضبط ہوگئی۔ مسلم لیگ نے مرکزی اسمبلی کی تمام (30) سیٹوں پر قبضہ کر لیا۔ یہ سو فیصد کامیابی فقید المثال اور حیرت انگیز تھی۔ ووٹوں کی گنتی سے ثابت ہوا کہ تقریباً نوے فیصد مسلم لیگ کے حق میں پڑے۔ کانگریس کو 62 میں سے 57 سیٹیں ملیں۔ یہ بہت اہم مورچہ تھا جو مسلم لیگ نے فتح کیا۔ اس خوشی میں قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک پر مسلمانوں نے 11 جنوری 1946ء کو یوم فتح منایا۔

صوبائی انتخابات: اس کے بعد صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات شروع ہوئے۔ کانگریس نے ہر جگہ مسلمانوں کے حلقوں میں مداخلت کی۔ مسلم لیگ کے لئے ہر جگہ مقابلہ سخت تھا مگر پھر بھی مسلم لیگ انتخابی

میدان سے سرخرو ہوئی۔ صوبہ سرحد کے علاوہ ہر صوبے میں مسلم لیگ کو نمایاں کامیابی ہوئی۔ صوبائی انتخابات کے نتائج 1937ء اور 1946ء کے درمیان مسلم لیگ کی مقبولیت ظاہر کرنے کے لیے 1937ء کے نتائج کی تفصیل بھی درج کی جاتی ہے:

صوبہ	کل مسلم حلقے	کامیاب لیگی امیدوار 1937ء	کامیاب لیگی امیدوار 1946ء
پنجاب	86	2	79
سرحد	36	×	17
سندھ	34	×	28
بنگال	119	40	113
آسام	34	9	31
یوپی	66	26	55
بمبئی	30	20	30
مدراس	29	11	29
س۔پی	14	×	13
اُڑیسہ	4	×	4
بہار	40	×	34
ٹوٹل	492	106	428

اس تقابلی اعداد وشمار سے ظاہر ہے کہ 1937ء میں مسلم لیگ کو بمشکل 22 فیصد نشستیں حاصل ہوئیں تھیں۔ نو سال سے کم عرصے میں مسلم لیگ نے وہ مقام حاصل کرلیا کہ 87 فیصد سے زائد نشستوں پر کامیابی حاصل کرلی۔ پھر دسمبر 1946ء میں سندھ میں دوبارہ انتخابات ہوئے تو مسلم لیگ نے سندھ کی پوری مسلم سیٹوں پر قبضہ کرلیا۔ اب اس کی کامیابی 90 فیصد تک پہنچ گئی اور یہ سب کچھ مخالفتوں کے طوفان میں ہوا۔ اس سے ثابت ہوگیا کہ مسلم لیگ کے مطالبے کی پشت پر پوری قوم کی تائید وحمایت موجود ہے۔ پاکستان کے لیے جو آئینی جنگ لڑی جارہی تھی، اس کی کامیابی کے لیے بنیادی ضرورت پوری ہوگئی۔

مسلم اکثریتی صوبوں میں حکومت سازی: مسلم لیگ کی نمایاں کامیابی نے کانگریس کی مخالفت کو تیز تر کردیا۔ اس کی نمائندہ حیثیت کو قبول کرنے کے بجائے مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کی پالیسی جاری رکھی۔

① **صوبہ سرحد:** صوبہ سرحد میں ڈاکٹر خان صاحب نے کانگریسی وزارت قائم کی۔ یہاں کانگریس نے 19 نشستوں پر قبضہ کیا۔ ہندو اور مسلم ملا کر کانگریسی نشستوں کی مجموعی تعداد 30 ہوگئی تھی۔ یہ حکومت پاکستان کے قیام تک قائم رہی۔

② **پنجاب:** اگرچہ مسلم لیگ سب سے بڑی پارٹی تھی لیکن 175 کے ایوان میں 79 ارکان قطعی اکثریت نہ تھے۔ گورنر کو ایوان کی سب سے بڑی پارٹی یعنی مسلم لیگ کو وزارت سازی کی دعوت دینا چاہیے تھی لیکن اس نے ایسا نہ کیا۔ کانگریس، اکالی پارٹی اور مسلم لیگ کے درمیان وزارت سازی کے بارے میں بات چیت ہوئی لیکن تین ایسی شرطیں پیش کی گئیں جن میں سے دو مسلم لیگ کے بنیادی اصولوں کے خلاف تھیں۔ ایک یہ کہ کانگریس اکالی پارٹی کو یہ حق ہوگا کہ اپنی طرف سے کسی مسلمان کو نامزد کردے۔ دوسری یہ کہ صوبے کی اسمبلی میں پاکستان کا مسئلہ کبھی نہ آئے۔ تیسری یہ کہ مسلم لیگ کے جتنے وزیر ہوں گے اتنے ہی کانگریس، اکالی پارٹی کے ہوں گے۔ بالآخر کانگرس، اکالی سکھ اور یونینسٹ میں اتحاد ہوگیا اور ان کی تعداد 84 ہوگئی۔ گورنر نے خضر حیات کو وزارت قائم کرنے کی دعوت دے دی۔

یہ غیر قدرتی وزارت تاریخ کا ایک عارضی ہنگامہ ثابت ہوئی لیکن اس ہنگامے کا اصل افسوس ناک پہلو یہ تھا کہ انتخابات کے بعد ایک طرف مسلمانوں اور دوسری طرف سکھ اقلیت کے لئے حقیقت پسندانہ مفاہمت کا جو بھلا برا موقع پیدا ہوا تھا، وہ ضائع ہوگیا۔ اگر اس مرحلے پر وزارت سازی کی ذمہ داری قطعی طور پر مسلم لیگ پر ڈال دی جاتی تو اس بات کا امکان تھا کہ مسلم لیگ اور اکالی پارٹی ایک دوسرے کے قریب آنے کی کوشش کرتیں۔ جو ڈراما کھیلا گیا اس سے ہندوؤں اور سکھوں کے دلوں میں یہ غلط اور افسوسناک تاثر پیدا ہوتا تھا کہ انہیں مسلمانوں کے ساتھ من حیث القوم مفاہمت کی ضرورت ہی نہیں کیونکہ ان کے چھوٹے سے گروہ کو ملا کر مسلم لیگ کے منصوبے کو شکست دی جاسکتی ہے۔ اس وزارت سازی میں مولانا ابوالکلام آزاد کا بڑا ہاتھ تھا۔ اس کارنامے پر فخر کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں "اس وقت کانگریس پہلی مرتبہ پنجاب حکومت میں شریک ہوئی۔ ملک بھر کے سیاسی حلقوں نے اس امر کا اعلان کیا کہ میں نے پنجاب کی وزارت سازی کے بارے میں ہونے والی گفت وشنید میں بڑی مہارت اور تدبر کا ثبوت دیا ہے۔"[1]

③ **سندھ:** سندھ کی صوبائی اسمبلی میں نشستوں کی کل تعداد 60 تھی۔ 34 مسلم سیٹوں میں سے 28 پر مسلم لیگ قابض ہوگئی باقی 6 ممبروں نے مسٹر جی ایم سید کے زیر قیادت کانگریس پارٹی کے ساتھ ساز باز شروع کی لیکن گورنر سر فرانس موڈی نے مسلم لیگ کے لیڈر سر غلام حسین ہدایت اللہ کو وزارت سازی

1- ابوالکلام آزاد انڈیا ونز فریڈم صفحہ 209

کی دعوت دی۔ سر غلام حسین نے حکومت تو بنالی لیکن وزارتی پارٹی اور اپوزیشن کے درمیان تعداد کا فرق صرف دو تین کا تھا۔ وزارتی پارٹی نے ایک مسلم لیگی کو اسمبلی کا سپیکر منتخب کرا دیا تو یہ فرق اور بھی کم ہو گیا۔ نومبر 1946ء میں سیشن سے پہلے ایک آدھ ممبر نے گڑبڑ کی تو دونوں پارٹیوں کی تعداد برابر ہو گئی۔ گورنر نے اس حالت میں اسمبلی کو توڑ دیا اور نئے انتخابات کا حکم دیا۔ اس میں مسلم لیگ نے تمام نشستوں پر قبضہ کر لیا۔ سر غلام حسین ہدایت اللہ کی وزارت قائم رہی۔ اس کے بعد قیام پاکستان تک اس صوبے میں کوئی وزارتی بحران پیدا نہ ہوا۔

④ **بنگال:** بنگال میں مسلم لیگ کل 250 میں سے 113 سیٹوں پر قابض ہو چکی تھی لیکن صوبائی اسمبلی میں قطعی اکثریت نہ رکھتی تھی۔ گورنر نے سیدھے اور صاف اصول پر عمل کیا اور ایوان کی سب سے بڑی پارٹی کو وزارت بنانے کی دعوت دی۔ مسلم لیگی لیڈر مسٹر حسین شہید سہروردی نے آزاد ممبروں کے تعاون سے مسلم لیگ کولیشن وزارت قائم کر لی۔ یہ وزارت قیام پاکستان تک کام کرتی رہی۔

کابینہ مشن پلان 1946ء
(Cabinet Mission Plan)

وزارتی وفد کی تشکیل: 19 فروری 1946ء کو وزیر ہند لارڈ پیتھک لارنس نے دار الامراء میں اور وزیر اعظم لارڈ ایٹلی نے دار العوام میں اعلان کیا کہ ہندوستان کا سیاسی مسئلہ حل کرنے کے لیے عنقریب ایک وزارتی وفد برصغیر بھیجا جائے گا۔ 15 مارچ کو پیتھک لارنس، سر اسٹیفورڈ کرپس اور اے وی الیگزینڈر پر مشتمل تین رکنی ایک وفد تشکیل دے دیا گیا۔

وفد کی دہلی آمد: وزارتی وفد 24 مارچ کو دہلی پہنچا۔ اس نے وائسرائے لارڈ ویول، اس کی کونسل کے ارکان، گورنروں، دیسی ریاستوں کے نمائندوں اور مختلف سیاسی جماعتوں کے لیڈروں سے ملاقاتیں کیں۔ وہ سب کے سب پاکستان کے مخالف اور متحدہ ہندوستان کے حامی تھے۔ جبکہ وفد کے ارکان بھی ہندوستان کی تقسیم کے سخت خلاف تھے۔

جناح سے ملاقات: وفد نے 4 اپریل کو قائد اعظم سے ملاقات کی۔ آپ نے تاریخی دلائل دیتے ہوئے وفد کو بتایا کہ مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان اختلافات اتنے وسیع اور گہرے ہیں کہ سوائے تقسیم کے اس مسئلہ کا کوئی حل ممکن نہیں ہے۔

مسلم لیگ کا تاریخی کنونشن اور مطالبہ پاکستان: کانگرسی لیڈر اپنے پے درپے بیانات سے

وزارتی وفد پر اپنا دباؤ بڑھا رہے تھے۔ لہٰذا مسلم لیگ نے 7 تا 9 اپریل عربک کالج دہلی میں مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کے مسلم لیگی ارکان کا کنونشن منعقد کیا۔ اس میں تقریباً 500 آئینی ارکان اور 200 اخباری نمائندوں نے شرکت کی۔

قائد اعظم نے اپنے خطبہ صدارت میں پورے یقین سے اعلان کیا کہ دشمن، قیام پاکستان کو نہیں روک سکتے۔ مسلم قائدین نے حکومت پر واضح کیا کہ اگر متحدہ ہندوستان کی بنیاد پر کوئی حل ٹھونسنے کی کوشش کی گئی تو مسلمان ہر ممکن ذرائع سے اس کی مزاحمت کریں گے۔

9 اپریل 1946ء کو سہروردی وزیر اعلیٰ بنگال نے درج ذیل قرارداد پیش کی جس میں مطالبہ کیا گیا کہ:

> ''بنگال، آسام، پنجاب، صوبہ سرحد، سندھ اور بلوچستان کے چھ صوبوں پر مشتمل پاکستان کی آزاد اور خود مختار ریاست وجود میں لائی جائے۔''⑦

کنونشن میں تمام ممبران نے قیام پاکستان کے لیے ہر قسم کی قربانی دینے کا حلف اٹھایا۔

دوسری شملہ کانفرنس: ایک ماہ کے مذاکرات اور ملاقاتوں کا جب کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا تو وفد نے خود ایک خاکہ تیار کر کے 27 اپریل کو مسلم لیگ اور کانگرس سے کہا کہ وہ اس خاکہ پر گفتگو کے لیے اپنے چار چار نمائندے بھیجیں۔ مذاکرات کے لیے 5 مئی سے 12 مئی تک دوسری شملہ کانفرنس منعقد ہوئی۔ مسلم لیگ کی طرف سے جناح، لیاقت علی، عبدالرب نشتر اور نواب اسماعیل خاں اور کانگرس کی طرف سے نہرو، پٹیل، ابوالکلام آزاد اور عبدالغفار خاں نے اس میں شرکت کی۔ کانفرنس میں وفد نے اپنی سکیم پیش کی۔ وفد کے مطالبے پر دونوں جماعتوں نے تحریری طور پر اپنا اپنا نقطۂ نظر پیش کیا۔ فریقین کے درمیان اس قدر اختلافات تھے کہ کوئی سمجھوتہ نہ ہو سکا۔ اس لیے کانفرنس ناکام ہو گئی۔

کابینہ مشن پلان: 16 مئی کو وزارتی مشن نے قیام پاکستان کا مطالبہ مسترد کرتے ہوئے یہ تسلیم کیا کہ مسلمانوں کا ہندو اکثریت کے غلبہ کا خوف محض کاغذی تحفظات سے دور نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا ہمارے نزدیک درج ذیل تجاویز مسئلہ کا منصفانہ حل ہے۔ اس منصوبے میں ہندوستان کو تقسیم کیے بغیر محدود آزادی کے ساتھ پاکستان کا تصور موجود تھا۔

وزارتی منصوبے کے اہم نکات: وزارتی مشن نے جو منصوبہ پیش کیا اس کے اہم نکات درج ذیل ہیں۔

1- ایک مرکز: متحدہ ہندوستان کی ایک یونین ہو گی۔ جس کے پاس امور خارجہ، دفاع اور مواصلات کے شعبے ہوں گے۔ یونین کو ان شعبہ جات کے لیے مطلوبہ ٹیکس وصول کرنے کا اختیار ہو گا۔

2- ظہور پاکستان 75

2-باقی ماندہ اختیارات: یونین کو تفویض کردہ شعبہ جات کے علاوہ باقی ماندہ اختیارات صوبوں اور ریاستوں کو حاصل ہوں گے۔

3-دستور ساز اسمبلی: یونین کی ایک دستور ساز اسمبلی اور ایک کابینہ ہوگی جو صوبوں اور ریاستوں کے نمائندوں پر مشتمل ہوگی۔ اس کے ارکان کا انتخاب درج ذیل طریقے سے ہوگا۔

(ا) ہر صوبے کو اس کی آبادی کے تناسب سے نشستیں مہیا کرنے کے لیے یونہی ایک اندازے کے مطابق ہر دس لاکھ افراد پر ایک نمائندہ ہوگا۔

(ب) ہر صوبے میں ہر فرقے کے لیے جتنے نمائندے معین کیے گئے ہیں، ان کا چناؤ اسی صوبے کی قانون ساز اسمبلی کے ارکان کریں گے۔

(ج) مرکزی اسمبلی کے ممبران کے لیے ہر صوبے کے حصے کی نشستیں اس طرح تقسیم کی جائیں گی کہ بڑی اقلیتوں کو ان کی تعداد کے مطابق نمائندگی مل جائے۔

نوٹ: اس منصوبے میں صرف تین فرقے عام، مسلمان اور سکھ تسلیم کیے گئے۔ عام میں وہ تمام لوگ شامل کیے گئے جو مسلمان یا سکھ نہ تھے۔

4-صوبوں کی گروپ بندی: کابینہ مشن نے مذہبی بنیادوں پر صوبوں کے درج ذیل تین گروپ تجویز کیے۔

(ا) A ہندو گروپ: اس گروپ میں مدراس، اڑیسہ، بمبئی، یوپی، سی پی اور بہار کے صوبے شامل تھے۔

(ب) B مسلم گروپ: اس گروپ میں پنجاب، سندھ اور صوبہ سرحد شامل تھے۔ بلوچستان کو ابھی صوبائی درجہ نہیں ملا تھا۔

(ج) C مسلم گروپ: یہ گروپ صوبہ بنگال اور آسام پر مشتمل تھا۔

5- گروپوں اور فرقوں کی نمائندگی: دستور ساز اسمبلی کے کل ارکان کی تعداد 385 تھی۔ ان میں 93 نشستیں ریاستوں اور 292 صوبوں کو دی گئیں۔ جبکہ مسلمانوں کے لیے 78 اور سکھوں کے لیے 4 نشستیں مختص کی گئیں۔

6- آئین سازی کا طریقہ: مرکزی دستور ساز اسمبلی کے لیے تمام صوبوں کے نمائندے مشترکہ دستور ساز اسمبلی کے پہلے اجلاس میں شرکت کریں گے۔ اور اسمبلی کے چیئر مین (اسپیکر) کے انتخاب اور دوسری رسمی کاروائیوں کے بعد تین گروپوں میں بٹ جائیں گے۔ ہر گروپ اپنے اپنے صوبے کے لیے دستور وضع کرے گا۔ اور ضروری سمجھیں گے تو اپنے صوبوں کے گروپوں (مجموعوں) کے لیے بھی آئین وضع کریں گے۔ اس کے بعد پھر تینوں گروپ اکٹھے ہو کر یونین کا دستور وضع کریں گے۔

7- گروپ کا آئین: ہر گروپ (مجموعہ) کو اپنی کابینہ مقرر کرنے اور اپنا دستور بنانے کا اختیار ہوگا۔ نیز ہر گروپ تعین کرے گا کہ کون کونسے شعبے گروپ کے پاس رہیں گے اور کون کونسے صوبوں کی تحویل میں رہیں گے۔

8- گروپ سے علیحدگی کا حق: یونین اور ہر گروپ/صوبہ کے آئین میں ایک دفعہ ایسی رکھی جائے گی جس کے تحت کوئی صوبہ اپنی قانون ساز اسمبلی کی اکثریت کے فیصلے سے ابتدائی دس سال گزرنے کے بعد پھر ہر دس سال بعد اپنے گروپ سے علیحدہ ہو سکے گا۔

9- آئین میں ترمیم کا طریقہ: آئین میں ترمیم اور فرقہ وارانہ نوعیت کے امور کے متعلق قانون سازی کے لیے نہ صرف پورے ایوان کی بلکہ ہندو اور مسلمان ارکان کی علیحدہ علیحدہ اکثریت کی حمایت درکار ہوگی۔

10- عبوری حکومت: نئے آئین کے نفاذ تک ایک ایسی عارضی حکومت قائم کی جائے گی جس کو تمام بڑی پارٹیوں کی تائید حاصل ہو۔ نیز اس کے تمام وزراء ہندوستانی ہوں گے۔
مشن نے واضح کیا کہ پارٹیوں کے لیے لازم ہے وہ اس منصوبے کو مکمل طور پر منظور یا مسترد کریں۔ جو پارٹی اسے کلی یا جزوی طور پر رد کر دے گی اسے عبوری حکومت میں شامل نہیں کیا جائے گا۔

گاندھی کا ردعمل: کابینہ مشن پلان پر سب سے پہلے گاندھی نے اظہار رائے کیا۔ انہوں نے منصوبے کو اپنی تشریحات اور تاویلات سے اپنی مرضی اور ہندو مفاد کے معنی پہنا کر اس کا حلیہ بگاڑ دیا۔ انہوں نے صوبوں کی گروپ بندی کی مخالفت کرتے ہوئے اصرار کیا کہ اسمبلی با اختیار ہے وہ ان تجاویز میں جو چاہے ترمیم کر سکتی ہے۔ یہاں تک کہ ہندو مسلم کا امتیاز بھی ختم کر سکتی ہے۔

مشن کا وضاحتی بیان: 25 مئی کو وزارتی وفد نے منصوبے کے نکات کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ:

1- یہ منصوبہ ایک وحدت ہے۔

2- گروپ بندی اس کا لازمی حصہ ہے۔

3- فریقین کی باہمی رضامندی کے بغیر اس میں کوئی ترمیم نہیں ہو سکتی۔

مسلم لیگ کی منظوری: مسلم لیگ کونسل نے 6 جون 1946ء کو اس امید کا اظہار کرتے ہوئے کابینہ مشن پلان کی منظوری دے دی کہ اس کے تحت بالآخر گروپ بی اور سی کے چھ صوبوں پر مشتمل پاکستان قائم ہو جائے گا۔ [3]

3- قریشی 365

کانگرس کی منافقانہ منظوری: کانگرس نے وزارتی مشن کے منصوبے کے متعلق مشن کی وضاحتوں کے بعد 24 جون کی شام کو پلان کو مسترد کرنے کا فیصلہ کرلیا۔لیکن 25 جون کی صبح کرپس نے گاندھی سے اور وزیر ہند لارنس نے سردار پٹیل سے التجا کی کہ کانگرس اپنی من مانی تشریح کے تحت منصوبہ منظور کرلے۔ ورنہ اس کے تحت مجبوراً عارضی حکومت مسلم لیگ کے حوالے کرنا پڑے گی۔ چنانچہ کانگرس نے اپنی تلاویلات کے ساتھ منصوبہ منظور کرتے ہوئے عبوری حکومت میں شرکت سے انکار کردیا جبکہ اپنا من پسند آئین بنانے کے لیے دستور ساز اسمبلی میں شریک ہونے پر رضامندی دے دی۔ [4]

نہرو کی پریس کانفرنس: کانگرس کے صدر پنڈت نہرو نے 10 جولائی 1946ء کو اخباری پریس کانفرنس میں سارے کابینہ مشن پلان کو ہی مسمار کرکے رکھ دیا۔اس نے کہا کہ:

1- ہم نے صرف دستور ساز اسمبلی میں جانے کا وعدہ کیا ہے۔اس کے علاوہ ہم کسی چیز کے پابند نہیں ہیں۔
2- اقلیتوں کا مسئلہ ہم خود حل کریں گے۔اس سلسلے میں ہم کسی کی مداخلت برداشت نہیں کریں گے۔
3- صوبوں کی گروپ بندی بالکل نہیں ہوگی۔
4- مرکزی شعبہ جات میں امور خارجہ کے ساتھ بین الاقوامی تجارت کا محکمہ بھی شامل ہوگا۔محکمہ دفاع کے ساتھ اس سے متعلقہ دیگر محکمے بھی شامل ہوں گے اور وزارت خزانہ کے ساتھ ساتھ کرنسی، کسٹم ،انکم ٹیکس وغیرہ کے محکمے بھی مرکز کے کنٹرول میں ہوں گے نیز وقت کے ساتھ ساتھ مرکزی محکمہ جات میں مزید اضافہ ہوگا۔
5- مرکز کو صوبوں اور ریاستوں کے باہمی تنازعات کو حل کرنے کا بھی اختیار حاصل ہوگا۔الغرض مرکز کے پاس وسیع اختیارات ہوں گے۔ [5]

نہرو کے بیان پر ردعمل: ابوالکلام آزاد نے لکھا ہے کہ ''نہرو کا بیان غلط تھا کہ کانگرس جس طرح چاہے پلان میں تبدیلی کرسکتی ہے۔'' [6] آزاد کا بیان ہے کہ نہرو کے بیان نے تاریخ کا رُخ موڑ دیا۔ پینڈرل مورن کے خیال میں ''نہرو کے بیان نے ہندوستان کی تقسیم کو یقینی بنا دیا۔ [7]

مسلم لیگ کا تاریخی فیصلہ............کابینہ مشن پلان مسترد: جولائی 1946ء کے آخری ہفتے تک ہندو لیڈروں کی نیت اور ارادے صاف ظاہر ہوچکے تھے۔کانگرس نے دستور ساز اسمبلی میں اپنی اکثریت کے زور پر منصوبے کو مسترد کرکے اپنی مرضی کا آئین بنانے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ایسا آئین جو مسلمانوں کو

4- سید نوراحمد 208، 209 ‏ 5- ظہور پاکستان صفحہ 90-91 حسن ریاض (422 تا 425)
6- انڈیا ونس فریڈم صفحہ 155 بحوالہ حسن ریاض 426 ‏ 7- بحوالہ آئی۔ایچ قریشی 368

ہندوؤں کا مستقل غلام بنادے۔دوسری طرف وزارتی وفد کانگرس سے مرعوب تھا۔اور برطانوی حکومت کانگرس کی نئی سول نافرمانی تحریک سے خوفزدہ تھی۔ان حالات میں قائداعظم نے وہ تاریخی فیصلہ کیا کہ جس نے اُن کے بیسویں صدی کے عظیم ترین لیڈر ہونے پر مہر تصدیق ثبت کردی۔

قائداعظم نے کونسل مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ 27 تا 29 جولائی میں خطاب کرتے ہوئے کانگری لیڈروں کے کردار وعمل اور وائسرائے کی وعدہ خلافیوں کا تذکرہ کرنے کے بعد دوٹوک انداز میں فرمایا کہ ہندوستان کے قضیئے کا واحد حل پاکستان ہے۔29 جولائی کو مسلم لیگ کونسل نے اپنی پہلی قرارداد کے ذریعے کابینہ مشن پلان کی منظور واپس لیتے ہوئے اسے مسترد کردیا۔جبکہ دوسری قرارداد کے ذریعے آئینی ذرائع ترک کرکے راست اقدام کا فیصلہ کیا۔

عبوری حکومت کے قیام کی کوشش: وائسرائے لارڈ ویول نے یقین دلایا تھا کہ عبوری حکومت میں مسلمانوں اور ہندوؤں کی مساوی نمائندگی ہوگی۔یعنی 5 ہندو، 5 مسلمان اور 2 اقلیتی نمائندے۔ نہرو نے یہ فارمولا مسترد کرتے ہوئے 15 رکنی وزارت کا مطالبہ کیا جس میں صرف 4 مسلم لیگی وزیر ہوں۔وائسرائے نے جھک کر 13 رکنی حکومت یعنی 2:5:6 کا فارمولا پیش کیا۔جناح نے اسے منظور جبکہ کانگرس نے اسے بھی مسترد کردیا۔

نیا مشروط فارمولا: وائسرائے کانگرس کے سامنے مزید جھک گیا۔اس نے 16 جون کو کانگرس کو 14 رکنی حکومت یعنی 3:5:6 کا فارمولا کی پیش کش کرتے ہوئے شرط عائد کی کہ جس جماعت نے عبوری حکومت کا یہ فارمولا اور صوبوں کی گروپ بندی کے ساتھ وزارتی منصوبہ تسلیم کرلیا صرف اسے حکومت میں شریک کیا جائے گا۔

وائسرائے کی عہدشکنی: کانگرس نے 25 جون کی مشن کی التجا پر، منصوبہ، گروپ بندی کے بغیر یعنی اپنی من مانی تشریح کے ساتھ منظور کرلیا لیکن عبوری حکومت میں شرکت سے انکار کردیا۔جبکہ قائداعظم نے اسی روز وائسرائے کی پیش کش قبول کرلی۔لیکن وائسرائے نے وعدہ خلافی کرتے ہوئے کانگرس کی شمولیت کے بغیر حکومت کی تشکیل سے انکار کردیا۔اسی کشمکش میں وفد 29 جون کو واپس لندن چلا گیا جبکہ ہندوستان اس وقت خانہ جنگی کے کنارے پر کھڑا تھا۔

نہرو کو حکومت بنانے کی دعوت: مسلم لیگ کے منصوبہ کو مسترد کرنے کی دیر تھی کہ 6 اگست 1946ء کو وائسرائے نے وزیر ہند کی ہدایت کے تحت قائداعظم سے بالا بالا نہرو کو حکومت بنانے کی دعوت دے دی۔8 اگست کو کانگرس نے یہ دعوت قبول کرلی۔17 اگست کو نہرو نے وائسرائے کو بتایا کہ 14 رکنی حکومت میں مسلمانوں کو پانچ نشستیں غیر مسلم لیگی مسلمانوں سے پُر کی جائیں گی۔وائسرائے کی رائے

تھی کہ مسلم نشستیں ابھی خالی رکھی جائیں نیز قائداعظم کو شمولیت کی ترغیب دینے تک رسم حلف برداری ملتوی رکھی جائے۔ لیکن نہرو اور برطانوی حکومت نے یہ رائے مسترد کر دی۔

24 اگست کو وزراء کے ناموں کا سرکاری اعلان کیا گیا۔ اس کونسل نے 2 ستمبر کو کام شروع کرنا تھا۔ 2 ستمبر کو پورے ملک میں مسلمانوں نے اپنے مکانوں اور دوکانوں پر کالے جھنڈے لہرائے۔[8] اس دن سیٹھ رامیہ نے اعلان کیا کہ "اب ہمیں اپنے آپ کو ملک کا حکمران سمجھنا چاہیئے۔"[9]

مسلم لیگ کا راست اقدام: مسلم لیگ نے راست اقدام (Direct Action) کیلئے 16 اگست کا دن مقرر کیا۔ قائداعظم نے مسلمانوں کو اس دن نظم وضبط برقرار رکھنے کی اور پرامن رہنے کی ہدایت کی۔ بنگال کی حکومت نے 16 اگست کو عام تعطیل کا اعلان کر دیا۔

کلکتہ میں خون ریزی: 16 اگست کو پورے ملک میں مسلمانوں نے جلسے کئے، جلوس نکالے اور لیڈروں نے وضاحت کی کہ مسلم لیگ نے وزارتی منصوبہ کیوں مسترد کیا ہے۔ سارا دن امن سے گزر گیا لیکن سہ پہر کے وقت کلکتہ میں فسادات پھوٹ پڑے۔ ہندوؤں کی شہہ پر سکھوں کے مسلح جتھوں نے نہتے مسلمانوں پر بے دریغ حملے کئے۔ 5000 ہزار افراد موت کے منہ میں چلے گئے، 15000 زخمی اور ایک لاکھ بے گھر ہو گئے۔[10] جبکہ لاکھوں کی املاک برباد ہو گئیں۔

مسلم لیگ کی عبوری حکومت میں شمولیت: کلکتہ کے وحشتناک حالات اور ہولناک قتل وغارت دیکھ کر وائسرائے کو یقین ہو گیا کہ اگر مسلم لیگ اور کانگرس میں مفاہمت نہ ہوئی تو پورا ملک خانہ جنگی کی لپیٹ میں آ جائے گا۔ لہٰذا اس نے نہرو، گاندھی اور جناح سے مذاکرات کئے۔ قائداعظم کا موقف تھا کہ صرف مسلم لیگ کو ہی مسلمانوں کی نمائندگی کا حق ہے۔ نواب بھوپال نے ایک سمجھوتے تحت گاندھی سے یہ اصول منوالیا۔ جناح نے بھی اس بات کو تسلیم کر لیا کہ اگر کانگرس اپنے کوٹے سے کسی قوم پرست مسلمان کو نامزد کرنا چاہتی ہے تو مسلم لیگ کو بھی کسی اچھوت کو نامزد کرنے کا حق حاصل ہے۔

مسلم لیگ وائسرائے کی دعوت پر اس شان سے عبوری حکومت میں شامل ہوئی کہ نہ اس کی خودداری پر حرف آیا نہ اس نے کانگرس کی شرائط قبول کیں اور نہ ہی اس نے وزارتی منصوبہ کو منظور کیا۔ 14 اکتوبر 1946ء کو جناح نے مسلم لیگ کی طرف سے پانچ وزراء نامزد کر دیئے۔ 25 اکتوبر کو درج ذیل نئی عاملہ کا اعلان کر دیا گیا۔

کانگرس: پنڈت نہرو (امور خارجہ) سردار پٹیل (وزارت داخلہ واطلاعات) راجندر پرشاد (خوراک و زراعت) جگجیون رام (محنت) گوپال اچاریہ (تعلیم) آصف علی (ریلوے، رسل ورسائل)

8- آئی۔ایچ قریشی 389 9- آئی۔ایچ قریشی 388 10- حقیقت اور افسانہ صفحہ 82

مسلم لیگ: لیاقت علی (وزارت خزانہ) آئی آئی چندریگر (تجارت) عبدالرب نشتر (مواصلات) غضنفر علی (صحت) جی این منڈل (قانون)

اقلیتیں: جان متھائی (صنعت ورسد) سی ایچ بھابھا (تعمیرات ومعدنیات) بلدیو سنگھ (دفاع)

دستور ساز اسمبلی: جولائی 1946ء کے پہلے ہفتے میں آئین ساز اسمبلی کے الیکشن ہوئے تھے۔ مسلم لیگ نے 79 مسلم نشستوں میں 74 جبکہ کانگرس نے عام نشستوں میں سے سوائے 9 کے باقی تمام نشستیں جیت لیں۔ اسمبلی کے پہلے اجلاس کے لئے 9 دسمبر کی تاریخ مقرر کی گئی۔ 20 نومبر 1946ء کو ارکان اسمبلی کو پہلے اجلاس کے لئے دعوت نامے جاری کئے گئے۔

قائداعظم نے کہا کہ جب تک کانگرس صوبوں کی گروپ بندی کو تسلیم نہیں کر لیتی۔ تب تک مسلم لیگ کا کوئی نمائندہ اسمبلی کے اجلاس میں شرکت نہیں کرے گا۔ کانگرس نے حکومت سے پُر زور مطالبہ کیا کہ اگر مسلم لیگ اسمبلی کے اجلاس میں شرکت نہیں کرتی تو اسے حکومت سے علیحدہ کر دیا جائے۔

لندن کانگرس: حکومت برطانیہ نے مسلم لیگ اور کانگرس میں سمجھوتے کے لئے دونوں جماعتوں کے دو دو نمائندوں اور سکھوں کے ایک نمائندے کو لندن بلایا۔ قائداعظم، لیاقت علی، پنڈت نہرو اور بلدیو سنگھ 2 دسمبر کو لندن پہنچے۔ سردار پٹیل سمندر پار جانے پر رضامند نہ ہوا۔ لیکن یہ مذاکرات بھی بے نتیجہ رہے۔

منصوبہ کی ناکامی: 6 دسمبر کو حکومت نے لندن کانفرنس کی ناکامی کا اعلان کرتے ہوئے کہا کہ صوبوں کی گروپ بندی منصوبے کا لازمی جزو ہے۔ لیکن 15 جنوری 1947ء کو کانگرس نے اس وضاحت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ 31 جنوری کو مسلم لیگ نے ایک قرارداد کے ذریعے حکومت سے مطالبہ کیا کہ چونکہ کانگرس، اچھوتوں اور سکھوں نے منصوبے کے اہم جزو کو تسلیم نہ کر کے عملاً اس کو مسترد کر دیا ہے۔ لہٰذا دستور ساز اسمبلی کی حیثیت غیر قانونی اور ناجائز ہو گئی ہے۔ اس لیے اسمبلی کو فوراً توڑ دیا جائے۔

اس طرح کابینہ مشن پلان عملی طور پر ختم ہو گیا۔

تقسیم ہند کا منصوبہ 3 جون 1947ء

3 جون 1947ء کو تقسیم ہند کے منصوبے کے تحت برصغیر کو پاکستان اور بھارت میں تقسیم کر دیا گیا۔ درج ذیل مخصوص سیاسی حالات نے کانگرس کو مطالبہ پاکستان تسلیم کرنے پر مجبور کر دیا۔

(i) کابینہ مشن پلان کا خاتمہ: دسمبر 1946ء تک حکومتِ برطانیہ اس نتیجہ پر پہنچ چکی تھی کہ کانگرس کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے کابینہ مشن پلان کا خاتمہ ہو چکا ہے۔ اس کا صاف مطلب تھا کہ اب ملک کی تقسیم کے علاوہ مسئلے کا اور کوئی حل نہیں ہے۔

(ii) دوسری عالمی جنگ نے برطانیہ کو اتنا کمزور کر دیا تھا کہ اب وہ برصغیر پر اپنا قبضہ برقرار نہ رکھ سکتا تھا۔ لہٰذا 20 فروری 1947ء کو برطانوی وزیرِاعظم لارڈ اٹیلی نے اعلان کیا کہ جون 1948ء تک برطانیہ اقتدار منتقل کر کے ہندوستان سے چلا جائے گا۔

(iii) کانگرس کی بوکھلاہٹ: ہندو لیڈر، اٹیلے کے اس اعلان سے سخت پریشان ہوئے کیونکہ اگر اس دوران مسلم لیگ اور کانگرس کے درمیان کوئی سمجھوتہ نہ ہوتا تو اس بات کا غالب امکان تھا کہ اقتدار صوبوں کو منتقل کر دیا جائے گا۔ اس صورت میں ہندوستان کئی چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم ہو جاتا۔

(iv) فرقہ وارانہ فسادات: پنجاب اور بنگال میں بالخصوص اور دیگر تمام صوبوں میں بالعموم فرقہ وارانہ فسادات کی آگ تیزی سے پھیل رہی تھی۔ جس سے پورا ملک خانہ جنگی کے کنارے پر کھڑا تھا۔

(v) لیاقت علی خاں کا بجٹ: فروری 1947ء میں وزیرِ خزانہ لیاقت علی نے بجٹ میں سرمایہ داروں پر 25% ٹیکس عائد کر کے دولتمند ہندوؤں کی کمر توڑ دی۔ وہ کانگرس کو کثیر چندہ دیتے تھے۔ ان کی ناراضگی نے ہندو لیڈروں کو مطالبہ پاکستان تسلیم کرنے پر مجبور کر دیا۔

(vi) ہندو لیڈروں کی بے بسی: نہرو اور پٹیل سمیت ہندو وزراء اور لیڈر وزیرِ خزانہ لیاقت علی خان کی وزارت کی پالیسیوں کے باعث بے دست و پا ہو گئے تھے۔ نہ وہ کانگرس کے منشور اور پروگرام پر عمل کر سکتے تھے اور نہ اپنے اختیارات پورے طور پر استعمال کر سکتے تھے۔

پٹیل تقسیم کے لیے تیار: پہلا ہندو لیڈر جو تقسیم ہند کے لیے ذہنی اور نفسیاتی طور پر تیار ہوا وہ کانگرس کا مردِ آہن ولبھ بھائی پٹیل تھا۔ اس نے دسمبر 1946ء کے آخر یا جنوری 1947ء کے شروع میں وائسرائے کے ذاتی عملے کے اہم رکن وی۔ پی۔ مینن سے رازداری سے کہا کہ ''اگر تقسیم ہند کی بنیاد پر حکومت برطانیہ کوئی تجویز مرتب کرے تو کانگرس اسے قبول کر لے گی۔''[11] 4 مارچ 1947ء کو اس نے بمبئی میں اپنے ایک دوست کو خط لکھا کہ ''اگر مسلم لیگ پاکستان کے لیے اصرار جاری رکھتی ہے تو پھر بنگال اور پنجاب کی تقسیم لازمی ہے۔''[12]

کانگرس کا پنجاب اور بنگال کی تقسیم کا مطالبہ: پٹیل نے پنڈت نہرو کو قائل کر لیا کہ اگر پنجاب اور

-11 سید نور احمد 233 -12 ظہورِ پاکستان 144

بنگال کی تقسیم کا مطالبہ کر دیا جائے تو جناح کٹا پھٹا پاکستان قبول کرنے سے انکار کر دیں گے۔[13] لہٰذا نہرو اور پٹیل نے 8 مارچ 1947ء کو کانگرس کی ورکنگ کمیٹی سے پنجاب اور بنگال کی مذہبی بنیادوں پر تقسیم کے مطالبہ پر مبنی قراردیں منظور کرائیں۔ یہی قراردادیں تقسیم ہند کا پیش خیمہ ثابت ہوئیں۔

نہرو نے مطالبہ پاکستان تسلیم کر لیا: 18 مارچ کو نہرو نے اپنی تقریر میں اعتراف کیا کہ کانگرس نے ملک کی تقسیم کو منظور کر لیا ہے۔[14] 20 اپریل کو نہرو نے کہا کہ

> ''اگر مسلم لیگ پاکستان لینا چاہتی ہے تو لے سکتی ہے۔ اس شرط پر کہ وہ ہندوستان کے ان حصوں کو نہیں لے سکتی جو پاکستان میں شامل نہیں ہونا چاہتے۔''[15]

28 اپریل کو راجندر پرشاد نے ہندوستان کی تقسیم کو پنجاب اور بنگال کو مذہبی بنیاد پر تقسیم کرنے کی شرط پر منظور کر لیا۔

آخری وائسرائے کی آمد: مارچ 1947ء کو لارڈ ویول کی جگہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو وائسرائے مقرر کیا گیا۔ وہ 22 مارچ کو وسیع اختیارات کے ساتھ دہلی پہنچا۔ اسے ہدایت کی گئی تھی کہ وہ ہندوستان کو متحد رکھنے کے لیے سیاسی جماعتوں اور لیڈروں کو کابینہ مشن پلان پر متفق کرنے کی پوری کوشش کرے۔ لیکن پہلے ہفتے میں ہی گاندھی، نہرو، پٹیل، راجندر پرشاد، اچاریہ کرپلانی، جناح اور لیاقت علی سے ملاقاتوں کے بعد اسے یقین ہو گیا کہ وہ کابینہ مشن پلان پر متفق نہیں ہو سکتے اور واحد حل ملک کی تقسیم ہے۔ لہٰذا اس نے لیڈروں کے ساتھ مذاکرات کے دوران ہی متبادل منصوبے (یعنی تقسیم ہند) پر غور کرنا شروع کر دیا۔

تقسیم ہند کا خاکہ: ماؤنٹ بیٹن نے 15 اور 16 اپریل کو گورنروں کے بلائے گئے اجلاس میں تقسیم کا وہ خاکہ پیش کیا جو اس نے چند روز میں تیار کیا تھا۔ گورنروں کے ساتھ گفت و شنید اور غور و خوض کے بعد اس منصوبے کو حتمی شکل دی گئی۔

منصوبے کی منظوری: وائسرائے نے یہ منصوبہ 2 مئی 1947ء کو جارج ایبل اور لارڈ ازمے کے ہاتھ لندن روانہ کرتے ہوئے اصرار کے ساتھ درخواست کی کہ حکومت 10 مئی تک اس کی منظوری بھیج دے۔ اس کے ساتھ ہی اس نے 17 مئی کو لیڈروں کا اجلاس طلب کر لیا۔ حکومت برطانیہ نے ضروری ترمیم کے بعد مقررہ تاریخ تک وائسرائے کو اس کی منظوری کی اطلاع دے دی۔ منصوبے میں کی گئی ترامیم مسلمانوں کے حق میں مفید تھیں۔

منصوبے میں نہرو کی منشا کے مطابق تبدیلی: منظوری کے لیے منصوبہ لندن بھیج کر وائسرائے شملہ

-13 سید نور احمد 234 -14 ظہورِ پاکستان 145 -15 حسن ریاض 500

چلا گیا۔ 8 مئی کو نہرو بھی شملہ پہنچ گیا۔ اس دوران منصوبے کی منظوری آ گئی۔ یہ ماؤنٹ کی بددیانتی تھی کہ اس نے نہرو کو قبل از وقت منصوبہ دکھا دیا۔ نہرو اسے دیکھ کر غصے سے پاگل ہو گیا۔ وائسرائے نے پریشان ہو کر وی۔ پی۔ مینن کو ہدایت کی کہ وہ منصوبے کو نہرو کی خواہش کے مطابق ڈھال دے۔ اس نے نہرو کی منشا کے مطابق صرف چار گھنٹے میں نیا خاکہ تیار کر دیا۔

تبدیل شدہ منصوبے کی منظوری: وائسرائے نے اس وضاحت کے ساتھ نیا منصوبہ منظوری کے لیے لندن روانہ کیا کہ پہلے سے منظور شدہ منصوبہ کو منسوخ سمجھا جائے۔ ماؤنٹ بیٹن 14 مئی کو دہلی پہنچا تو اسے وزیر اعظم کا پیغام ملا کہ وہ انگلستان آ کر اس تبدیلی کی وجہ بیان کرے۔ وائسرائے چاہتا تھا کہ وہ لندن روانہ ہونے سے پہلے لیڈروں سے بھی اس منصوبے کی منظوری حاصل کر لے۔ اس کے مطالبہ پر نہرو اور پٹیل نے کانگرس کی جانب سے اور بلدیو سنگھ نے سکھوں کی جانب سے اسے تحریری رضا مندی بھیج دی۔ لیکن قائداعظم نے صرف اصولی طور پر اسے قبول کیا۔ اس کے بعد وائسرائے 18 مئی کو لندن روانہ ہو گیا اور منصوبے کی منظوری لے کر 31 مئی کو واپس دہلی پہنچا۔

لیڈروں کی کانفرنس: ماؤنٹ بیٹن نے 2 جون کو سات لیڈروں کا اجلاس طلب کیا۔ مسلم لیگ کی طرف سے قائداعظم، لیاقت علی خاں اور سردار عبدالرب نشتر، کانگرس کی طرف سے نہرو، پٹیل اور کرپلانی اور سکھوں کی جانب سے بلدیو سنگھ اس میں شریک ہوئے۔ وائسرائے نے لیڈروں کو منصوبہ کی کاپیاں دیتے ہوئے کہا کہ آج رات بارہ بجے تک مجھے اپنی منظوری بھیج دیں۔ تاکہ کل وزیر اعظم ایٹلی دارالعوام میں اس کا اعلان کر سکیں۔ کرپلانی اور بلدیو سنگھ نے رات گئے تک اپنی اپنی منظوری بھیج دی۔ لیکن جناح نے مسلم لیگ کونسل کی منظوری کے بغیر ایسا کرنے سے معذرت کر لی۔ اس پر وائسرائے نے جناح سے التجا کی کہ میں کل کے اجلاس میں کہہ دوں گا کہ جناح کو بھی یہ منظور ہے تو آپ اثبات میں اپنے سر کو ہلکی سی جنبش دے دیں۔

جناح کے سر کی جنبش: 3 جون کی صبح لیڈروں کا پھر اجلاس ہوا۔ وائسرائے نے یہ کہتے ہوئے کہ جناح بھی اس منصوبے پر راضی ہیں، ان کی طرف دیکھا۔ انہوں اثبات میں سر ہلا دیا۔ یوں قائداعظم کے سر کی ہلکی سی جنبش نے ہندوستان کی آزادی اور پاکستان کے قیام کو ممکن بنا دیا۔

ریڈیو سے لیڈروں کی نشری تقریریں: 3 جون کو شام کے بعد آل انڈیا ریڈیو سے قائداعظم، نہرو اور بلدیو سنگھ کی تقریریں نشر کی گئیں۔ قائداعظم نے اپنی تقریر کے آخر میں ''پاکستان زندہ باد'' کا پرجوش نعرہ لگا کر پاک و ہند کے مسلمانوں کے دامنِ مراد آزادی کی مسرتوں سے لبریز دیئے۔

3 جون پلان کے اہم نکات: تقسیم ہند کے 3 جون کے منصوبے کے اہم نکات مندرجہ ذیل ہیں۔

1- ہندوستان کو دو حصوں پاکستان اور بھارت میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ مسلم اکثریت کے علاقے پاکستان میں اور غیر مسلم اکثریت کے علاقے بھارت میں شامل ہوں گے۔

2- صوبہ پنجاب اور بنگال کی قانون ساز اسمبلیاں دو دو گروپوں (مسلم اکثریتی اضلاع اور غیر مسلم اکثریتی اضلاع کے نمائندوں) میں تقسیم ہو جائیں گی۔ ہر گروپ کے ارکان اپنے علیحدہ علیحدہ اجلاس میں کثرتِ رائے سے فیصلہ کریں گے کہ آیا وہ اپنا صوبہ کی تقسیم چاہتے ہیں یا نہیں۔ اگر کسی ایک گروپ نے بھی تقسیم کے حق میں فیصلہ دے دیا تو وہ گروپ پھر کثرتِ رائے سے فیصلہ کریں گے کہ وہ موجودہ قانون ساز اسمبلی (یعنی بھارت) میں شامل ہونا چاہتے ہیں یا نئی اسمبلی (یعنی پاکستان) میں شریک ہونا چاہتے ہیں۔

3- تقسیم کے حق میں فیصلہ کی صورت میں گورنر جنرل دونوں صوبوں کی سرحدوں کے تعین کے لیے حد بندی کمشن قائم کرے گا۔

4- صوبہ سندھ کی اسمبلی کے ارکان اپنے اجلاس میں فیصلہ کریں گے کہ وہ پاکستان میں شامل ہونا چاہتے ہیں یا بھارت میں۔

5- صوبہ سرحد میں استصواب رائے سے فیصلہ ہوگا کہ یہ صوبہ کونسے ملک میں شامل ہونا چاہتا ہے۔

6- بلوچستان کا شاہی جرگہ اور کوئٹہ میونسپلٹی کے ارکان اپنے صوبے کے مستقبل کا فیصلہ کریں گے۔

7- صوبہ آسام کے ضلع سلہٹ کے لوگ ریفرنڈم کے ذریعے فیصلہ کریں گے کہ یہ ضلع آسام کا حصہ رہے گا یا مشرقی بنگال میں شامل ہوگا۔

8- شمال مغربی سرحدی صوبہ کے قبائلی علاقوں سے متعلقہ حکومت سمجھوتے کرے گی۔

9- اس منصوبے کا نفاذ صرف برطانوی ہند پر ہوگا۔ دیسی ریاستیں اپنے جغرافیائی حالات اور عوامی منشا کے پیشِ نظر کسی بھی ملک کے ساتھ الحاق کرنے میں آزاد ہوں گی۔

10- ایکٹ 1935ء کے تحت دونوں حکومتوں کو جون 1948ء تک اقتدار منتقل کر دیا جائے گا۔

11- اس منصوبہ کی عملی صورت کے لیے برطانوی پارلیمنٹ قانون آزادئ ہند پاس کرے گی جس کے تحت دونوں ممالک کو درجہ نوآبادیات عطا کیا جائے گا۔ دولتِ مشترکہ میں شامل رہنے یا نہ رہنے کا فیصلہ متعلقہ قانون ساز اسمبلیاں کریں گی۔

12- تقسیم کی صورت میں پیدا ہونے والے مسائل حل کرنے کیلئے فوری طور پر گفتگو کا جلد آغاز ہوگا اور نئی حکومتوں کو اختیارات سنبھالنے کے قابل بنانے کیلئے ابتدائی مراحل جلد طے کیے جائیں گے۔ اس منصوبے کے ساتھ ایک ضمیمہ بھی منسلک کیا گیا جس میں 1941ء کی مردم شماری کے مطابق

پنجاب اور بنگال کے مسلم اکثریتی اضلاع کی ایک فہرست بھی شامل تھی۔ اس فہرست کے مطابق پنجاب کا ضلع گورداسپور اور بنگال کے اضلاع مرشد آباد اور نادیہ مسلم اکثریت کے اضلاع میں شامل تھے۔ 4 جون کو لارڈ مونٹ بیٹن نے ایک اخباری پریس کانفرنس میں منصوبے کی وضاحت کرنے کے علاوہ واضح کیا کہ 15 اگست 1947ء تک دونوں ممالک کو اقتدار منتقل کر دیا جائے گا۔ 9 جون کو مسلم لیگ نے اور 14 جون کو کانگرس نے اس منصوبے کی منظوری دے دی۔

3 جون کے منصوبے پر عملدرآمد: 20 جون 1947ء کو بنگال اور 23 جون کو پنجاب کی اسمبلیوں کے غیر مسلم اکثریتی ارکان نے صوبائی تقسیم کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ جبکہ مسلم اکثریتی ارکان نے پاکستان میں شمولیت کا اعلان کر دیا۔ 26 جون کو سندھ اسمبلی نے کثرت رائے سے اور 29 جون کو بلوچستان کے شاہی جرگہ کے 53 اور کوئٹہ میونسپلٹی کے 12 غیر سرکاری ارکان نے پاکستان کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ 6 اور 7 جولائی کو ضلع سلہٹ کے 1/2 8 لاکھ کے مقابلے میں 24 لاکھ ووٹروں نے اور 6 تا 17 جولائی کو صوبہ سرحد میں 2874 کے مقابلے میں 289244 ووٹروں نے ریفرنڈم کے ذریعے پاکستان کے حق میں رائے دے دی۔ بنگال اور پنجاب کی تقسیم کے فیصلے کے بعد 30 جون کو باؤنڈری کمشن قائم کیا گیا۔ 8 جولائی کو باؤنڈری کمشنوں کا سربراہ ریڈکلف برصغیر پہنچا۔ 21 جولائی کو باؤنڈری کمشن نے کام شروع کر دیا۔ 17 اگست 1947ء کو ریڈکلف فیصلے کا اعلان ہوا۔ 18 جولائی کو قانون آزادئ ہند کا نفاذ کر دیا گیا۔ 19 جولائی کو مرکزی قانون ساز اسمبلی کی تقسیم عمل آئی۔ اسی روز قائداعظم نے کراچی کو پاکستان کا دارالحکومت بنانے کا فیصلہ کیا۔ 20 جولائی کو پاکستان اور بھارت کی عارضی حکومتیں قائم کر دی گئیں۔ اثاثہ جات کی تقسیم کا عمل بھی ساتھ ہی شروع ہو گیا۔ 14 اگست 1947ء کو پاکستان کی مقننہ کو اور 15 اگست 1947ء کو بھارت کی مقننہ کو اقتدار منتقل کر کے آزادی کا اعلان کر دیا گیا۔

قانون آزادی ہند 1947ء
(Indian Independence Act, 1947)

3 جون کے منصوبہ کو قانونی شکل دینے کے لیے برطانوی وزیر اعظم لارڈ اٹیلے نے 20 دفعات پر مشتمل مسودۂ قانون 4 جولائی 1947ء کو برطانوی پارلیمنٹ کے ایوان زیریں دارالعوام (House of Commons) میں پیش کیا۔ 15 جولائی کو دارالعوام نے اور 6 جولائی کو دارالامراء (House of Lords) نے اس کی منظوری دے دی۔ 18 جولائی کو شاہی دستخطوں کے بعد اس کو نافذ کر دیا گیا۔

اہم نکات: قانون آزادئ ہند کے اہم نکات درج ذیل ہیں:

1- 15 اگست 1947ء کو ہندوستان سے برطانوی اقتدار ختم ہو جائے گا۔
2- برطانوی ہند کو دو آزاد ریاستوں پاکستان اور ہندوستان میں تقسیم کر دیا جائے گا۔
3- دونوں ممالک اپنے اپنے نئے دستور کی تیاری اور نفاذ تک حکومت کا نظم و نسق ایکٹ 1935ء کے تحت چلائیں گے۔
4- ایکٹ آزادی ہند 1947ء کی روشنی میں گورنر جنرل آئین 1935ء میں 31 مارچ 1948ء تک ضروری ترامیم کرنے کے مجاز ہوں گے۔ اس کے بعد یہ اختیار قانون ساز اسمبلیوں کو منتقل ہو جائے گا۔
5- ہر ملک کا اپنا اپنا گورنر جنرل ہو گا۔ تاہم کوئی ایک شخص بھی دونوں ریاستوں کا گورنر جنرل ہو سکتا ہے۔
6- گورنر جنرل کی نامزدگی تاج برطانیہ کرے گا۔
7- گورنر جنرل کو قانون ساز اسمبلی کے پاس کردہ قانون کو منظور یا مسترد کرنے کا اختیار ہو گا۔
8- دونوں ممالک کو برطانوی دولت مشترکہ میں شامل رہنے یا نہ رہنے کا اختیار ہو گا۔
9- برطانوی کابینہ میں وزیر امور ہند کا عہدہ ختم ہو جائے گا۔
10- اس ایکٹ کے تحت ہندوستان میں برطانوی عملداری ختم ہو جائے گی۔ دونوں ممالک کی قانون ساز اسمبلیاں اعلیٰ اختیارات کی مالک ہوں گی۔
11- دونوں ممالک کے درمیان حد بندی، کمشن کی رپورٹ کے مطابق کی جائے گی۔
12- تاج برطانیہ اور دیسی ریاستوں کے مابین معاہدات 15 اگست 1947ء سے ختم ہو جائیں گے۔
13- دیسی ریاستوں کو اختیار ہو گا کہ وہ اپنے جغرافیائی عوامل اور عوامی منشا کے پیش نظر دونوں ممالک میں سے جس کے ساتھ چاہیں الحاق کر لیں۔
14- برطانوی بادشاہ کے خطابات سے ''شہنشاہ ہند'' کا خطاب ختم کر دیا جائے گا۔

اس ایکٹ کے تحت قائداعظم پاکستان کے اور مونٹ بیٹن بھارت کے گورنر جنرل مقرر ہوئے۔

ایکٹ آزادی ہند کے تحت 20 جولائی 1947ء کو دونوں ممالک کی عارضی حکومتوں نے کام شروع کر دیا۔ 7 اگست کو قائداعظم کراچی پہنچ گئے۔ 10 اگست سے 14 اگست تک پاکستان کی قانون ساز اسمبلی کا اجلاس ہوا۔ 11 اگست کو قائداعظم کو اسمبلی کا صدر منتخب کیا گیا۔ اسی دن پاکستان کے قومی پرچم کی منظوری دی گئی۔ 14 اگست 1947ء کو تاج برطانیہ کی طرف سے گورنر جنرل لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے پاکستان کی قانون ساز اسمبلی کو اقتدار منتقل کرتے ہوئے قیام پاکستان اور آزادی کا اعلان کیا۔ اس روز

برطانیہ کا جھنڈا اتار کر پاکستانی پرچم لہرایا گیا۔ رات کو چراغاں کیا گیا۔ یہ رمضان المبارک کی 27 ویں شب تھی جب پاکستان دنیا کے نقشے پر نمودار ہوا۔

اگلی صبح 15 اگست کو جمعۃ المبارک کا دن تھا۔ اس دن صبح نو بجے قائد اعظم نے بطور گورنر جنرل پاکستان اور لیاقت علی خاں نے بحیثیتِ وزیر اعظم اپنے اپنے عہدے کا حلف اٹھایا۔

ریڈکلف ایوارڈ

تین جون کے منصوبے کے تحت بنگال اور پنجاب کی تقسیم کا فیصلہ ہو گیا۔ اب سرحدوں کے تعین کے لیے قائم کیے جانے والے بونڈری کمشن کے لیے لازم تھا کہ وہ غیر جانبدار ہو، اس کی دیانت مسلّمہ ہو اور دونوں فریقوں کو اس پر پورا اعتماد ہو۔

جناح کی تجاویز: قائد اعظم کی خواہش تھی کہ یہ نازک کام اقوام متحدہ کے سپرد کر دیا جائے لیکن نہرو نے اس سے اتفاق نہ کیا۔ قائد اعظم نے تجویز دی کہ پریوی کونسل کے تین لاء لارڈز غیر جانبدار ارکان کے طور پر مقرر کیے جائیں۔ انہیں جواب دیا گیا کہ وہ بڑی عمر کے لوگ ہیں برصغیر کی گرمی برداشت نہ کر پائیں گے۔

بونڈری کمشن کا قیام: 30 جون 1947ء کو بنگال اور پنجاب کی حد بندی کے لیے مندرجہ ذیل دو کمشن تشکیل دیئے گئے۔

1- پنجاب حد بندی کمشن: پاکستان کی جانب سے جسٹس دین محمد اور جسٹس محمد منیر اور بھارت کی طرف سے جسٹس مہر چند مہاجن اور جسٹس تیجا سنگھ۔

2- بنگال حد بندی کمشن: جسٹس ابوصالح محمد اکرام اور جسٹس ایس اے رحمان پاکستان اور جسٹس سی سی بسواس اور بی کے مکر جی بھارت کی طرف سے بطور رکن مقرر ہوئے۔ جبکہ فریقین کی رضامندی سے مونٹ بیٹن نے ایک وکیل سر سیرل ریڈکلف کو دونوں کمشنوں کا صدر مقرر کر کے اسے ثالثی فیصلہ دینے کا اختیار دے دیا۔

فریقین کا منظوری کا عہد: ریڈکلف کو بتایا گیا کہ وہ سرحدوں کا تعین مسلم اور غیر مسلم آبادی کی اکثریت کی اساس پر کرے اور دیگر عوامل کو بھی پیشِ نظر کرے۔ دونوں حکموتوں نے ثالثی فیصلے کو تسلیم کرنے کا وعدہ کیا۔

ریڈکلف ایوارڈ کی تیاری اور اعلان: ریڈکلف 8 جولائی کو دہلی پہنچا۔ کچھ دنوں بعد اس نے کلکتہ کا دورہ کیا۔ 13 جولائی کو وہ لاہور پہنچا۔ فریقین کے مختلف علاقوں کے بارے میں متضاد دعوے تھے۔ اس لیے ریڈکلف نے تنہا ثالثی فیصلے کیے۔ 13 اگست تک ریڈکلف ایوارڈ تیار ہو گیا۔ 17 اگست کو اس کا اعلان کیا گیا۔

ریڈکلف کی ناانصافیاں: ریڈکلف نے بعض معلوم اور نامعلوم وجوہات کی بنا پر سرحدوں کے تعین میں پاکستان کے ساتھ سخت انصافیاں کیں۔ درحقیقت ماؤنٹ بیٹن کانگرس کو تقسیم ہند پر راضی کرنے کے لیے کلکتہ کو بھارت میں شامل کرنے کے لیے پٹیل سے اور ضلع گورداسپور اور کشمیر کے لیے پنڈت نہرو سے سوداباز ی کر چکا تھا۔

(i) بنگال کی تقسیم: کلکتہ سے محرومی پاکستان کے لیے بحری مواصلاتی نظام اور معاشی توانائی کے لحاظ سے ناقابل برداشت تھی۔ اس لیے گورنر بنگال کے سیکرٹری ٹائی سن نے کہا تھا کہ "کلکتہ کے بغیر مشرقی بنگال ایک خستہ حال دیہاتی علاقہ رہ جائے گا۔ جبکہ گورنر فریڈرک کلکتہ کو آزاد بندرگاہ بنانے کا حامی تھا۔ لیکن ایوارڈ میں نہ صرف کلکتہ بلکہ مسلم اکثریت کا ضلع مرشد آباد اور ضلع نادیہ کا 6000 مربع میل کا مسلم اکثریتی علاقہ جو 35 لاکھ آبادی پر مشتمل تھا، دریائی نظام سمیت بھارت کے حوالے کر دیا گیا۔[16]

(ii) پنجاب: پنجاب کی تقسیم کرتے ہوئے ضلع گورداسپور کی مسلم اکثریت کی دو تحصیلیں گورداسپور اور بٹالہ، اسی طرح ضلع جالندھر کی مسلم اکثریتی دو تحصیلیں نکودر اور جالندھر، ضلع فیروز پور کی دو تحصیلیں زیرہ اور فیروز پور اور ضلع امرتسر کی تحصیل اجنالہ (کل سات تحصیلیں) کھلی ناانصافی کرتے ہوئے بھارت کی جھولی میں ڈال دی گئیں حالانکہ یہ سارا علاقہ نہ صرف مسلم اکثریت کا تھا بلکہ مغربی پاکستان سے ملحق اور متصل تھا۔

تحصیل پٹھان کوٹ میں اگرچہ غیر مسلم آبادی قدرے اکثریت میں تھی تاہم دیگر عوامل کے پیش نظر دیگر سات تحصیلوں کے ساتھ اسے بھی پاکستان میں شامل کیا جانا چاہیے تھا۔ لیکن راوی پر تعمیر شدہ مادھوپور ہیڈ ورکس، ستلج پر فیروز پور ہیڈ ورکس اور بالخصوص بھارت کو کشمیر تک زمینی رابطہ اور رسائی دینے کے لیے نہ صرف تحصیل پٹھانکوٹ بلکہ مذکورہ بالا سات تحصیلوں سے بھی پاکستان کو محروم کر دیا گیا۔

ظالمانہ ناانصافی کی بڑی وجہ: ماؤنٹ بیٹن، پاکستان اور بھارت دونوں کا مشترکہ گورنر جنرل بننا چاہتا تھا۔ لیکن جب قائد اعظم نے اسے مطلع کیا کہ انہوں نے خود پاکستان کا گورنر جنرل بننے کا فیصلہ کیا

16- ظہور پاکستان صفحہ 25

ہے تو اس شاہی شہزادے کی انا کو سخت ٹھیس اور اس کے غرور کو سخت صدمہ پہنچا۔ لہٰذا اس نے پاکستان کو اس کی سزا دینے کا مصمم ارادہ کرلیا۔ وائسرائے نے وعدہ کیا تھا کہ ایوارڈ کا اعلان 15 اگست سے بہت پہلے کردیا جائے گا۔ ریڈکلف نے 9 اگست کو اپنا ثالثی فیصلہ مکمل کرلیا تھا۔ 12 اگست کو پنجاب کے ثالثی فیصلہ پر اس نے دستخط کردیے تھے۔ لیکن اس کا اعلان 17 اگست کو کیا گیا۔ ایوارڈ میں تبدیلی کے لیے یہ درمیانی عرصہ کافی تھا۔

ایوارڈ پر جناح کا تبصرہ: جناح کو اس فیصلہ سے بڑا دکھ پہنچا، تاہم انہوں نے ایک آبرومند قوم کے باوقار لیڈر کے طور پر اسے تسلیم کرتے ہوئے فرمایا کہ:

> "یہ ایک غیر منصفانہ، ناقابل فہم بلکہ مکروہ فیصلہ ہے۔ لیکن یہ غلط ہو، غیر منصفانہ ہو، مکروہ ہو، یہ عادلانہ فیصلہ نہ ہو بلکہ سیاسی فیصلہ ہو، ہم اس کی پابندی کا وعدہ کرچکے ہیں...... لہٰذا ایک آبرومند قوم کی طرح ہمیں یہ قبول کرلینا چاہیے۔" [11]

ریڈکلف ایوارڈ سے پاکستان کو ہونے والے نقصانات اور نتائج: لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے اپنے اثر ورسوخ سے ریڈکلف ایوارڈ میں جو صریح بددیانتی اور ناانصافیاں کیں وہ انگریزوں کے دامن پر بدنما داغ ہیں۔ ان سے پاکستان کو بے اندازہ، لامحدود اور ناقابل تلافی نقصان اٹھانا پڑا۔ پاکستان کو لگائے گئے یہ ایسے زخم تھے جو کبھی مندمل نہ ہوسکے۔

1- وسیع اور زرخیز رقبہ سے محرومی: سات تحصیلوں کو بے جا طور پر بھارت کے حوالے کردینے سے پاکستان بڑے وسیع رقبے سے محروم ہوگیا۔ اس علاقے کی زمین بڑی زرخیز اور پانی وافر تھا۔ اس لیے اسے اناج گھر یا پنجاب کا گودام کہا جاسکتا تھا۔ اس سے پاکستان کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔

2- آبادی کا تبادلہ: ثالثی فیصلہ کی ناانصافیوں کے باعث لاکھوں مسلمانوں کو پاکستان ہجرت کرنا پڑی۔ آبادی کے تبادلہ کے نتیجے میں قتل وغارت میں بے انتہا اضافہ ہوا۔ ہزاروں گھرانے اس کی بھینٹ چڑھ گئے۔

3- مہاجرین کی تعداد میں اضافہ: ہزاروں میل رقبہ سے محرومی کی وجہ سے یہاں بسنے والے مسلمان اپنے گھر بار چھوڑ کر پاکستان کا رُخ کرنے پر مجبور ہوئے۔ اس طرح مہاجرین کی تعداد میں لاکھوں افراد کا اضافہ ہوا۔ اس سے پاکستان کے لیے مہاجرین کے مسائل میں بے تحاشہ اضافہ ہوگیا۔

4- قیمتی اثاثہ جات سے محرومی: مذکورہ سات تحصیلوں کے مسلمان اپنی زمینوں، مکانات اور دیگر

-17 حسن ریاض 528، ظہور پاکستان 270

اثاثہ جات سے محروم ہوکر بے شمار مسائل کا شکار ہوگئے۔ جبکہ پاکستان بٹالہ جیسے بارونق اور صنعتی شہر سے محروم ہوگیا۔

5- نہری پانی کے مسائل: ریڈکلف کے ثالثی فیصلے سے ستلج اور فیروز پور ہیڈ ورکس اور تحصیل پٹھانکوٹ میں واقع بھارت کی تحویل میں چلے گئے۔ مغربی پنجاب کی زراعت کا سارا کا انحصار نہری نظام پر تھا۔ اور مذکورہ دونوں ہیڈ ورکس سے نکلنے والی نہریں مغربی پنجاب کی زمینوں کو سیراب کرتی تھیں۔ ان کی محرومی سے لاکھوں ایکڑ زمین کے بنجر ہونے کا خطرہ لاحق ہوگیا۔ ضلع گورداسپور کی تین تحصیلیں بھارت کو دے کر عملاً کشمیر بھی اس کے حوالے کردیا گیا۔ اس کا خمیازہ پاکستان کو دریائی پانی سے محرومی صورت میں بھگتنا پڑ رہا ہے۔

6- لاہور کے دفاع کا مسئلہ: لاہور ملک کا دوسرا بڑا شہر، پنجاب کا دارالخلافہ اور پاکستان کا دل ہے۔ ریڈکلف نے وائسرائے کے ایما پر پاکستان کے رقبے کو سکیڑتے ہوئے لاہور کی دفاعی حیثیت کو بھی نظرانداز کردیا۔ سرحدوں کا تعین کرتے ہوئے سرحدی لائن کو جتنا ممکن ہوسکا لاہور کے قریب تر کردیا۔ اس سے پاکستان کے لیے لاہور کے دفاع کا نازک مسئلہ پیدا ہوگیا۔ پاکستان 1965ء کی جنگ میں عملاً اس صورتحال کا سامنا ہوچکا ہے۔

7- مسئلہ کشمیر: ریڈکلف ایوارڈ میں بددیانتی کا نتیجہ مسئلہ کشمیر کی صورت میں برآمد ہوا۔ ضلع گورداسپور بھارت کے حوالے کرنے سے اس کو کشمیر تک زمینی رسائی حاصل ہوگئی۔ اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بھارت نے کشمیر پر ناجائز قبضہ جمالیا۔ کشمیری بھارت سے آزادی حاصل کرنے کی جدوجہد میں لاکھوں جانوں اور بے انتہا مالی قربانی دے چکے ہیں۔ پھر بھی وہ ابھی تک آزادی سے ہمکنار نہیں ہوسکے۔

8- پاکستان اور بھارت میں باہمی نفرت: ثالثی فیصلوں میں ناانصافیوں کے باعث دونوں ممالک میں بے شمار تنازعات کھڑے ہوگئے۔ تبادلہ آبادی کے وقت قتل وغارت، باہمی تنازعات اور نفرتوں نے جنم لیا۔ جن میں وقت کے ساتھ ساتھ کمی آنے کے بجائے اضافہ ہوتا چلا گیا۔ اس کے نتیجے میں پاک بھارت کے درمیان تین بڑی جنگیں ہوچکی ہیں۔ جبکہ ایک بڑی اور ہولناک جنگ کے خطرات منڈلا رہے ہیں۔ اس وجہ سے خطے میں امن وامان کی صورتحال غیر یقینی ہے۔ دونوں ریاستوں کے بڑھتے ہوئے عسکری بجٹ، باہمی تجارت کے خاتمہ اور ایک بڑی جنگ کے خطرے نے اس خطے کے عوام کو خوشحالی اور آسودہ حال زندگی سے محروم کررکھا ہے۔

پاکستان کی پہلی وفاقی حکومت کا قیام

7اگست 1947ء کو بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح دہلی سے کراچی تشریف لائے۔ 11اگست کو پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کا پہلا اجلاس ہوا۔ 13اگست کو لارڈ مونٹ اقتدار کی منتقلی کے لیے کراچی آیا۔ 13اور14اگست کی درمیانی رات 12بج کر ایک منٹ پر آزادی کا اعلان کیا گیا۔ 14اگست کو انتقال اقتدار کی رسم ادا ہوئی۔ 15اگست کو صبح 9 بجے قائداعظم نے پاکستان کے پہلے گورنر جنرل کی حیثیت سے اپنے عہدے کا حلف لیا۔ اسی روز لیاقت علی خاں نے پاکستان کے وزیراعظم کی حیثیت سے اپنے عہدے کا حلف اٹھایا اور 7 سات رکنی وفاقی کابینہ تشکیل دی۔

Objective معروضی

سوال نمبر1: کثیر الانتخابی سوالات امتحان میں بیس آئیں گے جن کو حل کرنا لازمی ہوگا۔ ہر سوال کے چار (4) ممکنہ جواب C,B,A اور D سامنے دیئے گئے دائروں میں سے ایک دائرے کو پین یا مارکر کی سیاہی سے بھردیں۔ (کل نمبر 20)

-1 دوسری عالمگیر جنگ میں کس نے برطانیہ کی شکست کے آثار دیکھ کر لاہور پر قبضہ کرنے کے انتظامات کر لئے تھے؟

(ا) مسلم لیگ (ب) کانگریس
(ج) سکھوں ✓ (د) ہندو رضا کار تنظیموں

-2 وائسرائے لارڈ لنلتھگو نے جنگ میں سیاسی جماعتوں کا تعاون حاصل کرنے کے لئے مقامی نمائندوں کو حکومت میں شامل کرنے کا اعلان کب کیا؟

(ا) 23مارچ 1940ء (ب) 8اگست 1940ء ✓
(ج) 8اگست 1942ء (د) 18اگست 1940ء

-3 دوسری عالمگیر جنگ میں ہندوستانی فوج کا کتنے فیصد حصہ مسلمانوں پر مشتمل تھا؟

(ا) 20% (ب) 30%
(ج) 25% (د) 60% ✓

-4 17اکتوبر 1940ء کو حکومت کے خلاف کس نے تحریک سول نافرمانی چلائی؟

(ا) کانگریس ✓ (ب) مسلم لیگ
(ج) مجلس احرار (د) ہندو مہاسبھا

-5 1940ء میں وائسرائے ہند نے مسلم وزرائے اعلیٰ کو کس ادارے کا رکن بنایا؟

(ا) انتظامی کونسل (ب) قومی مالیاتی کونسل
(ج) قومی دفاعی کونسل ✓ (د) ان میں سے کوئی نہیں

-6 کون سے مسلم وزیراعلیٰ نے قومی دفاعی کونسل سے استعفیٰ تو دے دیا لیکن قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف بغاوت کردی؟

(ا) مولوی فضل الحق وزیراعلیٰ بنگال ✓ (ب) سر محمد سعد اللہ وزیراعلیٰ آسام
(ج) سر سکندر حیات وزیراعلیٰ پنجاب
(د) سر غلام حسین ہدایت اللہ وزیراعلیٰ سندھ

-7 برطانوی جنگی کونسل کا رکن سر سٹیفورڈ کرپس تجاویز لے کر کب برصغیر پہنچا؟

(ا) 11مارچ 1942ء (ب) 22مارچ 1942ء ✓
(ج) 11فروری 1942ء (د) 22فروری 1942ء

-8 کرپس مشن نے اپنی تجاویز کب پیش کیں؟

(ا) 29مارچ 1940ء (ب) 29مارچ 1942ء ✓
(ج) 22مارچ 1942ء (د) 22مارچ 1940ء

-9 پہلی بار کب پاکستان کے امکان کو برطانوی حکومت نے تسلیم کیا؟

(ا) 8اگست کی پیش کش میں (ب) کرپس تجاویز میں ✓
(ج) ویول پلان میں (د) کابینہ مشن پلان میں

-10 کانگریس نے "انڈیا چھوڑ دو" تحریک کب شروع کی؟

(ا) 1939ء (ب) 1940ء
(ج) 1942ء ✓ (د) 1944ء

-11 کانگریس اور مسلم لیگ کی مساوی نمائندگی کا اصول کب تسلیم کیا گیا؟

(ا) 8اگست کی پیش کش میں (ب) کرپس تجاویز میں
(ج) راجگو پال اچاریہ فارمولا میں ✓ (د) لیاقت، ڈیسائی فارمولا میں ✓

12- پہلی بار کس ہندو لیڈر نے تقسیم برصغیر کی حمایت کی؟
(ا) راجندر پرشاد (ب) بھولا بھائی ڈیسائی
(ج) راجگوپال اچاریہ ✓ (د) گاندھی

13- مسلم لیگ نے پہلی مرتبہ یوم پاکستان کب منایا؟
(ا) 23مارچ 1941ء ✓ (ب) 23مارچ 1940ء
(ج) 23مارچ 1947ء (د) 23مارچ 1948ء

14- سندھ کی قانون ساز اسمبلی نے سرکاری طور پر قرارداد پاکستان کب پاس کی؟
(ا) 23مارچ 1941ء (ب) 23مارچ 1947ء
(ج) 23مارچ 1942ء (د) 23مارچ 1943ء

15- 1944ء میں گاندھی نے قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کو کتنے خطوط لکھے؟
(ا) 10خطوط ✓ (ب) 15خطوط
(ج) 5خطوط (د) 2خطوط

16- 1940ء میں برصغیر کا وائسرائے کون تھا؟
(ا) لارڈ ولنگڈن (ب) لارڈ اردن
(ج) لارڈ ویول (د) لارڈ لنلتھگو ✓

17- لارڈ ویول کب برصغیر کا وائسرائے بنا؟
(ا) اکتوبر 1940ء (ب) اکتوبر 1943ء ✓
(ج) اکتوبر 1944ء (د) اکتوبر 1945ء

18- لیاقت، ڈیسائی فارمولا کب منظر عام پر آیا؟
(ا) 1942ء (ب) 1943ء
(ج) 1944ء (د) 1945ء ✓

19- قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ اور گاندھی کے درمیان مذاکرات 1944ء کو کون سے مہینے میں ہوئے؟
(ا) جولائی (ب) اگست
(ج) ستمبر ✓ (د) فروری

20- لارڈ ویول وائسرائے ہند بن کر آیا تو اس کا اولین مقصد کیا تھا؟
(ا) برصغیر کو آزادی دینا (ب) برصغیر کو بدستور غلام رکھنا
(ج) پاکستان قائم کرنا (د) اکھنڈ بھارت قائم رکھنا ✓

21- لارڈ ویول نے اپنے منصوبے کا اعلان کب کیا؟
(ا) 14جون 1945ء ✓ (ب) 4جون 1945ء
(ج) 4جولائی 1945ء (د) 14جولائی 1945ء

22- 1945ء میں شملہ کانفرنس کس گورنر جنرل نے طلب کی؟
(ا) لارڈ ویول ✓ (ب) لارڈ لنلتھگو
(ج) لارڈ مونٹ بیٹن (د) لارڈ ولنگڈن

23- 1945ء کی شملہ کانفرنس میں کانگریس کی نمائندگی کس نے کی؟
(ا) گاندھی (ب) ابوالکلام آزاد ✓
(ج) خان عبدالغفار خان (د) نہرو

24- شملہ کانفرنس 1945ء میں کب شروع ہوئی؟
(ا) 5جون (ب) 25جون ✓ (ج) 15جون (د) 20جون

25- شملہ کانفرنس 25جون 1945ء سے کب تک جاری رہی؟
(ا) 24جولائی 45ء (ب) 31جولائی 45ء
(ج) 14جولائی 45ء ✓ (د) 10جولائی 45ء

26- ویول پلان کے تحت مرکزی حکومت میں صرف ایک وزارت برطانوی نمائندے کے پاس رہنا تھی کون سی؟
(ا) وزارت دفاع ✓ (ب) وزارت خزانہ
(ج) وزارت داخلہ (د) وزارت خارجہ

27- قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نے کس وائسرائے سے کہا کہ وہ کانگریس کے سمندر میں مچھلیاں پکڑ رہا ہے؟
(ا) لارڈ ماؤنٹ بیٹن (ب) لارڈ لنلتھگو
(ج) لارڈ ولنگڈن (د) لارڈ ویول ✓

28- لارڈ ویول اپنی انتظامی کونسل میں ایک مسلم نمائندہ مسلم لیگ کے علاوہ کس پارٹی سے لینا چاہتا تھا؟
(ا) کانگریس سے (ب) سرخ پوش تنظیم سے
(ج) یونینسٹ پارٹی سے ✓ (د) کرشک سرامک پرجا پارٹی سے

29- شملہ کانفرنس 1945ء کی ناکامی کا اعلان کس نے کیا؟
(ا) وائسرائے ہند ✓ (ب) مسلم لیگ
(ج) کانگریس (د) گاندھی

-30 جاپان دوسری عالم گیر جنگ میں کب شامل ہوا؟

(ا) ستمبر 1939ء ✓ (ب) مارچ 1940ء

(ج) اگست 1940ء (د) دسمبر 1940ء

-31 دوسری عالمگیر جنگ کب ختم ہوئی؟

(ا) مئی 1945ء ✓ (ب) مارچ 1945ء

(ج) ستمبر 1945ء (د) اگست 1945ء

عنوانات

الیکشن 1946ء، دہلی کنونشن، کابینہ مشن پلان، عبوری حکومت کا قیام، لارڈ مونٹ بیٹن کی آمد، 3 جون کا منصوبہ، قانون آزادی ہند، ریڈکلف ایوارڈ، قیام پاکستان۔

-1 چرچل کی حکومت کے بعد لارڈ اٹیلی کی حکومت کب بنی؟

(ا) 20 جولائی 1945ء ✓ (ب) 20 جولائی 1946ء

(ج) 14 جولائی 1946ء (د) 14 جولائی 1947ء

-2 1945ء میں قائداعظم نے کب عام انتخابات کا مطالبہ کیا؟

(ا) 14 جولائی (ب) 21 جولائی

(ج) 6 اگست ✓ (د) 21 اگست

-3 لارڈ ویول نے کب اعلان کیا کہ الیکشن آئندہ موسم سرما میں کرائے جائیں گے؟

(ا) 21 اگست 1944ء (ب) 21 اگست 1945ء ✓

(ج) 21 اگست 1946ء (د) ان میں سے کوئی نہیں

-4 مسلم لیگ نے دسمبر 1945ء کے الیکشن میں مرکزی اسمبلی کی 30 مسلم نشستوں میں سے کتنی جیت لیں؟

(ا) 29 (ب) 30 ✓ (ج) 28 (د) 26

-5 مسلم لیگ نے 1945ء کے مرکزی اسمبلی کے الیکشن 100% جیت کر کب یوم فتح منایا؟

(ا) 22 دسمبر 1945ء (ب) 25 دسمبر 1945ء

(ج) 31 دسمبر 1945ء (د) 11 جنوری 1946ء ✓

-6 دسمبر 1946ء میں کون سے مسلم اکثریتی صوبے میں دوبارہ الیکشن ہوئے؟

(ا) صوبہ سرحد ✓ (ب) صوبہ پنجاب (ج) صوبہ سندھ (د) صوبہ بنگال

-7 1946ء کے صوبائی الیکشن میں کانگریس کو کون سے مسلم اکثریتی صوبے میں کامیابی حاصل ہوئی؟

(ا) صوبہ پنجاب (ب) صوبہ آسام ✓

(ج) صوبہ بنگال (د) صوبہ سرحد

-8 کابینہ مشن کے کل کتنے ارکان تھے؟

(ا) دو (ب) تین ✓

(ج) ایک (د) چار

-9 کابینہ مشن کب برصغیر آیا؟

(ا) 20 مارچ 1946ء (ب) 22 مارچ 1946ء

(ج) 23 مارچ 1946ء (د) 24 مارچ 1946ء ✓

-10 کابینہ مشن کی کون سے سیاسی لیڈر سے پہلی ملاقات ہوئی؟

(ا) قائداعظمؒ (ب) گاندھی

(ج) ابوالکلام آزاد ✓ (د) نہرو

-11 کابینہ مشن نے صوبوں کے کتنے گروپ تجویز کئے؟

(ا) 2 گروپ (ب) 4 گروپ

(ج) 3 گروپ ✓ (د) 6 گروپ

-12 کابینہ مشن پلان کے مطابق دستور ساز اسمبلی کے ارکان کی کل تعداد کتنی مقرر کی گئی؟

(ا) 385 ✓ (ب) 292

(ج) 600 (د) 93

-13 مسلم لیگ نے کابینہ مشن پلان کو کب منظور کیا؟

(ا) 25 مئی 1946ء (ب) 4 جون 1946ء

(ج) 6 جون 1946ء ✓ (د) 12 جون 1946ء

-14 کابینہ مشن کی آمد کے وقت کانگریس کا صدر تھا:

(ا) گاندھی (ب) ابوالکلام آزاد ✓

(ج) نہرو (د) سردار پٹیل

-15 کابینہ مشن پلان کی رو سے مرکزی اسمبلی کی کل 385 نشستوں میں مسلم نشستیں کتنی تھیں؟

(ا) 79 ✓ (ب) 128

(ج) 96 (د) 108

16- 1946ء میں مرکزی عبوری کابینہ کتنے ارکان پر مشتمل تھی؟
(ا) 12ارکان (ب) 13ارکان
(ج) 14ارکان ✓ (د) 15ارکان

17- 1946ء کی عبوری حکومت میں مسلم لیگ کو کونسی اہم وزارت دی گئی؟
(ا) وزارت داخلہ (ب) وزارت خزانہ ✓
(ج) وزارت دفاع (د) وزارت خارجہ

18- 1946ء کی عبوری حکومت میں مسلم لیگ کے کتنے وزیر تھے؟
(ا) پانچ ✓ (ب) چھ
(ج) تین (د) چار

19- مسلم لیگ نے ڈائریکٹ ایکشن ڈے کب منایا؟
(ا) 16جولائی 1946ء (ب) 14جون 1946ء
(ج) 16اگست 1946ء ✓ (د) 16 ستمبر 1946ء

20- دستور ساز اسمبلی کی کل 79 مسلم نشستوں میں سے مسلم لیگ نے کتنی حاصل کیں؟
(ا) 79 (ب) 78
(ج) 60 (د) 76 ✓

21- غریب آدمی کا بجٹ کس نے پیش کیا؟
(ا) نہرو (ب) پٹیل
(ج) ابوالکلام آزاد (د) لیاقت علی خان ✓

22- مونٹ بیٹن وائسرائے بن کر کب برصغیر پہنچا؟
(ا) 20فروری 1947ء (ب) 24مارچ 1947ء ✓
(ج) 22مارچ 1947ء (د) ان میں سے کوئی نہیں

23- ماؤنٹ بیٹن کے تقسیم ہند کے پہلے منصوبے کو کس نے تبدیل کرایا؟
(ا) قائداعظم (ب) گاندھی
(ج) نہرو ✓ (د) ریڈکلف

24- ماؤنٹ بیٹن نے کانگریسی لیڈروں میں سے کس کو سب سے پہلے تقسیم برصغیر کے لئے راضی کیا؟
(ا) نہرو (ب) گاندھی
(ج) پٹیل ✓ (د) ابوالکلام آزاد

25- مسلم لیگ نے 3 جون پلان کی منظوری کب دی؟
(ا) 10جون ✓ (ب) 2جون
(ج) 3جون (د) 5جون

26- ماؤنٹ بیٹن نے مشترکہ گورنر جنرل بننے کے لئے کس کو مسلم لیگ کو راضی کرنے کے لئے بھیجا؟
(ا) وی پی مینن (ب) سرآغا خان
(ج) نواب بھوپال ✓ (د) مہاراجہ بیکانیر

27- ریڈکلف ایوارڈ 18 اگست کو تیار ہو گیا اس کا اعلان کب کیا گیا؟
(ا) 9اگست ✓ (ب) 17اگست
(ج) 13اگست (د) 10اگست

28- پاکستان اور بھارت کی عارضی حکومتیں کب قائم ہوئیں؟
(ا) 14اگست 1947ء (ب) 15اگست 1947ء
(ج) 3جون 1947ء (د) 20جون 1947ء ✓

29- پاکستان کو انتقال اقتدار کی رسم کس دن ادا ہوئی؟
(ا) 13اگست (ب) 14اگست ✓
(ج) 15اگست (د) 11اگست

30- قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ دہلی سے کب پاکستان آئے؟
(ا) 7اگست ✓ (ب) 11اگست
(ج) 13اگست (د) 14اگست

31- پاکستان کی پہلی دستور یہ کا پہلا اجلاس کب ہوا؟
(ا) 6اگست (ب) 11اگست ✓
(ج) 13اگست (د) 14اگست

حصہ انشائیہ (Subjective Part - I) 25 × 2 = 50

نوٹ: سوال نمبر 3,2 اور 4 میں سے 25 (پچیس) مختصر سوالات کے جوابات تحریر کریں اور ہر سیکشن سے کم از کم 8 سوالات حل کرنا ضروری ہے۔ جواب تحریر کرتے وقت سوال کا نمبر ضرور تحریر کریں۔

سوال 4: مختصر سوالات کے جوابات تحریر کریں۔ سیکشن ''سی'' میں سے کم از کم نو سوالات حل کرنا ضروری ہیں۔

باب نمبر 11: الیکشن 1937ء اور کانگریسی وزارتیں

سوال 1: 1935ء کا آئین کب نافذ ہوا اور اس کے تحت صوبائی الیکشن کب ہوئے؟
جواب: نفاذ یکم اپریل 1937ء، الیکشن 1937ء۔

سوال 2: 1937ء کے صوبائی الیکشن کے لئے مسلم لیگ اور کانگریس کے منشور میں کن امور پر اختلاف تھا؟
جواب: صرف دو امور پر۔ (i) کانگریس ہندی کو اور مسلم لیگ اردو کو قومی زبان قرار دیتی تھی۔
(ii) کانگریس مخلوط الیکشن کی اور مسلم لیگ جداگانہ الیکشن کی حامی تھی۔

سوال 3: 1937ء کے الیکشن میں پنجاب اور بنگال سے کن جماعتوں نے نمایاں کامیابی حاصل کی؟
جواب: پنجاب سے یونینسٹ پارٹی اور بنگال سے کرشک پرجا پارٹی نے۔

سوال 4: 1937ء کے الیکشن کے نتائج دیکھ کر نہرو نے اعلان کیا کہ ہندوستان میں صرف دو طاقتیں ہیں کون کون سی؟
جواب: کانگریس اور برطانوی حکومت۔

سوال 5: مسلم لیگ کو اقتدار میں شامل کرنے کے لئے کانگریس کی طرف سے ابوالکلام آزاد نے کیا شرطیں لگائیں؟
جواب: (i) یوپی اسمبلی میں مسلم لیگ الگ گروپ کی حیثیت سے اپنا وجود ختم کردے۔
(ii) لیگی ارکان کانگریس کا جزو بن جائیں اور پارٹی ڈسپلن کی پابندی کریں۔ کانگریس کے اجلاس میں شریک اور اس کی پالیسیوں پر عمل کریں۔ لیگ کا پارلیمانی بورڈ ختم کردیا جائے۔ آئندہ ضمنی الیکشن میں کانگریسی امیدواروں کی مدد کریں۔ کانگریس اگر استعفیٰ کی ہدایت دے تو عمل کریں۔

سوال 6: کانگریس نے صوبائی کنٹرول کے لئے جو ہائی کمان قائم کی، اس کے ممبران کون تھے؟
جواب: (i) مولانا ابوالکلام آزاد (ii) راجندر پرشاد (iii) ولبھ بھائی پٹیل

سوال 7: واردھا تعلیمی اسکیم کس کے ذہن کی پیداوار تھی اور اس سکیم کو کس نے تیار کیا؟
جواب: گاندھی کے ذہن کی پیداوار تھی۔ تیار کیا ڈاکٹر ذاکر حسین نے کی۔

سوال 8: ودیا مندر اسکیم کون سے صوبے کے کس وزیر اعلیٰ نے نافذ کی؟
جواب: سی۔ پی کے وزیر اعلیٰ پنڈت شکلا نے۔

سوال 9: پیر پور کمیٹی کے ممبران کون کون تھے؟
جواب: راجہ سید محمد مہدی آف پیر پور صدر۔ مسٹر اے بی حبیب اللہ سیکرٹری۔ خان بہادر حاجی رشید احمد۔

سید اشرف احمد۔ مولوی عبدالغنی۔ میاں غیاث الدین۔ سید ذاکر علی۔ سید حسن ریاض۔ سید ہادی تقی رضوی۔

سوال 10: پیر پور کمیٹی کے ممبران نے کانگریسی وزارتوں کے مظالم کی تحقیقات کے لئے کون کون سے صوبوں کا دورہ کیا؟
جواب: سی۔ پی۔ بہار، اڑیسہ، مدارس اور بمبئی کا۔

سوال 11: 1937ء کے صوبائی الیکشن میں کل ووٹران کتنے تھے اور کل نشستیں کتنی تھیں؟
جواب: ووٹر 35 ملین ، کل نشستیں 1771۔

سوال 12: کل 1771 نشستوں میں صوبائی الیکشن میں 1937ء میں کانگریس نے کتنی اور مسلم لیگ نے کتنی سیٹیں حاصل کیں۔
جواب: کانگریس 706 ، مسلم لیگ 102۔

سوال 13: پنجاب سے 1937ء کے صوبائی الیکشن میں مسلم لیگ کے صرف دو ممبران کامیاب ہوئے کون کون سے؟
جواب: (i) ملک برکت علی (ii) ڈاکٹر غضنفر علی

سوال 14: 1937ء کے صوبائی الیکشن میں بنگال کی 250 نشستوں میں سے مسلم لیگ کو کتنی نشستیں ملیں اور کانگریس کو کتنی؟
جواب: مسلم لیگ 40، کانگریس 54۔

سوال 15: صوبہ آسام میں مسلم لیگ نے کتنی نشستیں حاصل کیں اور یہاں مسلم نشستوں کی تعداد کیا تھی؟
جواب: تعداد 34، مسلم لیگ 9۔

باب نمبر 12: قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ اور مسلم لیگ کی تنظیم نو

سوال 1: قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کب کس دن اور کہاں پیدا ہوئے؟
جواب: 25 دسمبر 1876ء بروز اتوار کراچی۔

سوال 2: قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کے والد اور والدہ کا نام بتائیں؟
جواب: والد پونجا جناح اور والدہ کا نام مٹھی بائی۔

سوال 3: قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کن کانگریسی لیڈروں کے مداح تھے؟
جواب: دادا بھائی نوروجی۔ فیروز شاہ مہتہ، جسٹس راناڈے۔ گوپال کرشن گوکھلے۔

سوال 4: **قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ کس کی ترغیب پر مسلم لیگ میں شامل ہوئے؟**

جواب: مولانا محمد علی جوہر اور سید وزیر حسن کی ترغیب پر۔

سوال 5: **جناح میموریل ہال کے کتبے پر کیا الفاظ کندہ ہیں؟**

جواب: ''جب بمبئی کے شہریوں نے محمد علی جناح کی جرأت آموز راہنمائی میں تاریخی فتح حاصل کی۔''

سوال 6: **1919ء میں جناح نے مرکزی قانون ساز کونسل سے کیوں استعفیٰ دیا؟**

جواب: رولٹ ایکٹ کی مخالفت کے باوجود منظوری کی وجہ سے۔

سوال 7: **قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے 1920ء میں کانگریس سے استعفیٰ کیوں دیا؟**

جواب: گاندھی کے عدم تعاون کی مخالفت کے باوجود منظوری کی وجہ سے۔

سوال 8: **قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے ہوم رول لیگ سے 1920ء میں استعفیٰ کیوں دیا؟**

جواب: گاندھی نے ضابطوں کی پابندی کے بغیر تنظیم کا نام بدل کر سوراج پارٹی رکھ دیا تھا۔

سوال 9: **قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو انگلستان سے واپسی پر آمادہ کرنے کے لئے 1933ء میں لندن کون گیا؟**

جواب: لیاقت علی خان اور ان کی بیگم رعنا لیاقت علی خان۔

سوال 10: **قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے کون کون سی گول میز کانفرنس میں شرکت کی؟**

جواب: پہلی اور دوسری۔

سوال 11: **1932ء کے بعد قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے مستقل طور لندن قیام کا کیوں ارادہ کرلیا؟**

جواب: مسلمانوں کی بے حسی اور ہندوؤں کی تنگ نظری کی وجہ سے۔

سوال 12: **1937ء میں برصغیر کی کل آبادی، کل ووٹروں اور ووٹروں میں مسلمانوں کی تعداد کتنی تھی؟**

جواب: آبادی 30 کروڑ، ووٹر ساڑھے 3 کروڑ، مسلمان ووٹرز 30%۔

سوال 13: **مسلم لیگ کی مقبولیت کو اس کی سالانہ اجلاس 1937ء اور 1938ء نے چار چاند لگا دیئے یہ اجلاس کب کس کس شہر میں ہوئے؟**

جواب: 1937ء کا اجلاس لکھنؤ 15 اکتوبر 1937ء۔ 1938ء کا اجلاس پٹنہ دسمبر 1938ء۔

سوال 14: **1937ء کے مسلم لیگ کا اجلاس میں کس کس صوبے کے وزیر اعلیٰ نے مسلم لیگ کی حمایت کا اعلان کیا؟**

جواب: بنگال کے وزیر اعلیٰ فضل الحق، پنجاب کے سر سکندر حیات، آسام کے سر سعد اللہ خان۔

سوال 15: **محمد علی جناح کے لئے قائد اعظم کا نعرہ کس نے کہاں اور کس اجلاس میں لگایا؟**

جواب: لاہور کے نوجوان میاں فیروز الدین احمد نے مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس پٹنہ میں۔

سوال 16: **1937ء سے 1942ء تک کل کتنے حلقوں میں صوبائی الیکشن ہوئے، ان میں سے مسلم لیگ اور کانگریس نے کتنی کتنی نشستوں پر کامیابی حاصل کی؟**

جواب: کل 51 نشستوں پر۔ مسلم لیگ نے 47 اور کانگریس نے چار پر کامیابی حاصل کی۔

سوال 17: **دوسری عالمگیر جنگ سے پہلے مسلم لیگ حکومت سے کون سے تین مطالبے کرتی رہی؟**

جواب: (i) ایکٹ 1935ء کے فیڈرل حصے کو منسوخ کیا جائے۔

(ii) وعدہ کیا جائے کہ مستقبل میں کوئی آئین مسلمانوں کی مرضی کے خلاف نہیں بنایا جائے گا۔

(iii) کانگریسی وزارتوں کے مسلمانوں پر مظالم کی روک تھام کی جائے۔

سوال 18: **کانگریس نے دوسری عالمگیر جنگ کے موقع پر کیا مطالبات کئے؟**

جواب: برصغیر کو مکمل آزادی اور خود مختاری دی جائے تاکہ وہ دستور ساز اسمبلی میں اپنے لئے خود دستور بنائے۔

سوال 19: **1938ء میں مسلم لیگ نے اپنے سالانہ اجلاس منعقدہ پٹنہ میں کن مسلم راہنماؤں کی وفات پر اظہار افسوس کیا؟**

جواب: (i) علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ (ii) مولانا شوکت علی

سوال 20: **1913ء میں قائد اعظم کس کے ساتھ انگلستان گئے اور برطانوی حکومت سے کیا مطالبہ کیا؟**

جواب: گوپال کرشن گوکھلے کے ساتھ۔ نئی دستوری اصلاحات کا مطالبہ کیا۔

سوال 21: **1920ء میں کانگریس کے سالانہ اجلاس میں جناح نے تحریک خلافت اور رولٹ ایکٹ پر کیا تبصرہ کیا؟**

جواب: ''پہلے رولٹ ایکٹ آیا جس کے ساتھ پنجاب کے مظالم بھی آئے۔ پھر عثمانی خلافت کی تباہی آئی۔ ایک ہماری آزادی پر حملہ ہے دوسرا ہمارے مذہب پر۔''

سوال 22: **1931ء میں مسلم لیگ کی مقبولیت کو شدید دھچکا کیوں لگا؟**

جواب: سر ظفر اللہ خان قادیانی کو مسلم لیگ کا صدر بنانے کی وجہ سے۔

سوال 23: **مسلم لیگ دو مرتبہ دو دھڑوں میں تقسیم ہوئی کب اور کیوں؟**

جواب: پہلی بار 1927ء میں جداگانہ الیکشن کے سوال پر۔ دوسری مرتبہ 1933ء میں عبدالعزیز صدر مسلم لیگ اور سیکرٹری سر محمد یعقوب کو ان کے عہدے سے الگ کرنے کی وجہ سے۔ پہلی مرتبہ جناح ایک طرف اور سر محمد شفیع دوسرے دھڑے میں تھے۔ دوسری مرتبہ میاں عبدالعزیز اور ملک

برکت علی ایک طرف اور سر محمد یعقوب اور حافظ ہدایت حسین دوسرے دھڑے میں تھے۔

سوال 24: 1934ء میں قائداعظم رحمتہ اللہ علیہ نے مسلم لیگ کی تنظیم نو شروع کی تو مسلمان کون کون سے گروہوں میں منقسم تھے؟

جواب: اس وقت مسلم لیگ دو حصوں میں منقسم تھی۔ پھر مجلس احرار تھی۔ جمعیت العلمائے ہند تھی۔ یونینسٹ پارٹی تھی۔ یوپی میں مومن پارٹی تھی۔ خاکسار پارٹی تھی۔ زمیندار ٹوڈیوں کا گروہ تھا۔ تعلیم یافتہ مسلمانوں میں کیمونسٹ وسوشلسٹ تھے اور قوم پرست مسلمان تھے۔

باب نمبر 13: قرارداد لاہور 1940ء

سوال 1: کانگریس نے کن مسلم اکثریتی صوبوں میں مسلمانوں کی آئینی اکثریت تسلیم کرنے سے انکار کیا؟

جواب: پنجاب اور بنگال میں۔

سوال 2: سید جمال الدین افغانی نے کیسی مسلم جمہوریہ کا خواب دیکھا؟

جواب: ایسی مسلم جمہوریہ جس میں وسط ایشیا کی مسلم سوشلسٹ ریاستیں، افغانستان اور برصغیر کے شمال مغربی مسلم اکثریت کے علاقے میں شامل ہوں۔

سوال 3: مولانا عبدالحلیم شرر کون تھے؟ اور انہوں نے برصغیر کے فرقہ وارانہ مسئلہ کا کیا حل پیش کیا؟

جواب: ایک بلند پایۂ ادیب، کامیاب ناول نگار اور ہفت روزہ اخبار تہذیب کے مدیر تھے۔ انہوں نے 13 اگست 1890ء کو اپنے اخبار میں لکھا کہ ہندوستان کو ہندو اور مسلمان صوبوں میں تقسیم کر دیا جائے اور آبادی کا تبادلہ کر لیا جائے۔

سوال 4: خیری برادران کون تھے؟

جواب: ڈاکٹر عبدالجبار خیری اور پروفیسر عبدالستار خیری دو سگے بھائی تھے۔ انہوں نے سٹاک ہوم کی بین الاقوامی کانفرنس میں برصغیر کی مذہبی بنیادوں پر تقسیم کا منصوبہ پیش کیا اور ان خطوں کے ایک یا ایک سے زائد وفاق بنانے کی تجویز دی۔

سوال 5: ڈیرہ اسمٰعیل خان کے سردار گل محمد نے 1923ء میں برصغیر کی تقسیم کے لئے کیا منصوبہ پیش کیا؟

جواب: انہوں نے کہا 23 کروڑ ہندو جنوب میں 8 کروڑ مسلمان شمال میں ہیں۔ راس کماری سے آگرہ تک کا علاقہ مسلمانوں کو دے دیا جائے۔ ہم ہندوؤں اور مسلمانوں کو الگ الگ دیکھنا پسند کریں گے۔

سوال 6: مولانا مرتضٰی احمد مکیش نے تقسیم برصغیر کے لئے کیا خیالات پیش کئے؟

جواب: مولانا نے 1928ء میں علامہ اقبال کے مشورے سے روزنامہ انقلاب میں مقالات کا ایک سلسلہ شروع کیا جس کا عنوان تھا ''ہندی مسلمانوں کے لئے علیحدہ وطن'' اس میں مطالبہ کیا گیا کہ پنجاب، صوبہ سرحد، بلوچستان اور سندھ کو یکجا کر کے ایک آزاد مملکت بنا دی جائے تاکہ اس میں مسلمانوں کی تہذیب وثقافت کی حفاظت ہو سکے۔

سوال 7: چوہدری رحمت علی کے منصوبہ تقسیم برصغیر میں مسلمانوں کے لئے کون کون سے علاقے تھے؟

جواب: پنجاب۔ سندھ۔ صوبہ سرحد۔ بلوچستان۔ کشمیر۔ بنگال۔ آسام اور حیدر آباد۔

سوال 8: 20 مارچ 1940ء کو وزیر اعلیٰ پنجاب سر سکندر حیات خاں نے مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کو ملتوی کرانے کی غرض سے کن راہنماؤں کو سیکرٹریٹ بلایا؟

جواب: سر شاہنواز ممدوٹ اور میاں امیر الدین کو۔

سوال 9: مسلم لیگ کے مارچ 1940ء کے لاہور کے سالانہ اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے قائداعظم رحمتہ اللہ علیہ نے کس ہندو لیڈر کا خط دکھایا اور یہ کس کے نام لکھا گیا تھا؟

جواب: یہ خط 1924ء میں لالہ لاجپت رائے نے سی آر داس کے نام لکھا تھا کہ ہندو اور مسلم دو الگ الگ قومیں ہیں ان کو مدغم نہیں کیا جا سکتا۔

سوال 10: قرارداد پاکستان کس نے پیش کی، اس کی تائید کس نے کی اور مزید تائید کن راہنماؤں نے کی؟

جواب: شیر بنگال مولوی فضل الحق نے پیش کی۔ تائید چوہدری خلیق الزماں نے کی۔ مزید تائید یوپی سے بیگم محمد علی جوہر نے، پنجاب سے مولانا ظفر علی خان نے، سرحد سے اورنگ زیب خاں نے، بلوچستان سے قاضی محمد عیسیٰ نے، سندھ سے سر عبداللہ ہارون نے، سی پی سے سر عبدالرؤف نے اور بہار سے نواب محمد اسماعیل خان نے کی۔

سوال 11: قرارداد پاکستان پر گاندھی کا کیا ردعمل تھا؟

جواب: تقسیم کا مطلب بھارت ماتا کے ٹکڑے کرنا ہے یہ اخلاقی برائی اور پاپ ہے۔ دو قومی نظریہ ایک جھوٹ ہے۔ یہ میرا خیال ہے کہ مسلمان اسے قبول نہیں کریں گے۔

سوال 12: قرارداد تقسیم ہند پر راج گوپال کا کیا تبصرہ تھا؟

جواب: یہ اقدام ایسے ہے کہ جیسے دو بھائیوں میں گائے کی ملکیت کا جھگڑا ہوا اور وہ اسے دو حصوں

میں کاٹ کر بانٹ لیں۔

سوال 13: علی گڑھ کے ان پروفیسروں کے نام بتائیں جنہوں نے برصغیر کی تقسیم کی جامع اسکیم پیش کی؟

جواب: (i) پروفیسر سید ظفر الحسن (ii) ڈاکٹر افضال حسین قادری

سوال 14: 22 مارچ 1940ء کو مسلم لیگ لاہور کے جلسے کے لئے سٹیج پر لگے بینرز پر علامہ اقبال ؒ کا کون سا شعر لکھا ہوا تھا؟

جہاں میں اہل ایمان صورت خورشید رہتے ہیں
ادھر ڈوبے ادھر نکلے ادھر ڈوبے ادھر نکلے

باب نمبر 14 قیام پاکستان

عنوانات

(1) اگست 1940ء کی پیش کش (2) کرپس مشن
(3) کانگریس کی سول نافرمانی تحریک
(4) جناح گاندھی مذاکرات (5) ویول پلان

سوال 1: جون 1940ء کے تیسرے ہفتے تک دوسری عالمی جنگ میں کون کون سے ملکوں نے جرمنی کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے؟

جواب: پولینڈ۔ ہالینڈ۔ فرانس۔ بلجیئم

سوال 2: 8 اگست 1940ء کی پیش کش کے دو اہم نکات بیان کریں؟

جواب: (i) وائسرائے کی انتظامی کونسل میں توسیع اور دفاعی مشاورتی کونسل کا قیام
(ii) جنگ کے بعد آئین ساز اسمبلی کا قیام
(iii) ملک کے کسی بڑے طبقے کی منظوری کے بغیر نیا آئین نافذ نہ کرنے کا اعلان۔

سوال 3: جولائی 1941ء میں وائسرائے نے کن مسلم راہنماؤں کو دفاعی مشاورتی کونسل کا رکن نامزد کیا؟

جواب: سر سکندر حیات وزیر اعلیٰ پنجاب، مولوی فضل الحق وزیر اعلیٰ بنگال، سر سعد اللہ خان وزیر اعلیٰ آسام، نواب چھتاری اور سلطان احمد خان کو۔

سوال 4: کرپس مشن تجاویز کے تین اہم نکات بیان کریں؟

جواب: (i) جنگ کے بعد دستور ساز اسمبلی تشکیل دی جائے گی جو آزاد ہندوستان کا دستور بنائے گی اور ہندوستان کو برطانوی نوآبادی کا درجہ دیا جائے گا۔

(ii) دفاع کے علاوہ باقی تمام محکمے ہندوستانی ممبروں کے پاس ہوں گے
(iii) جو صوبے نیا دستور قبول نہ کریں وہ اپنی علیحدہ مملکت اور علیحدہ دستور بنا سکتے ہیں۔

سوال 5: 1942ء میں کانگریس نے کیا نعرہ لگایا اور قائداعظم ؒ نے اس کا کیا جواب دیا؟

جواب: کانگریس نے نعرہ لگایا ہندوستان چھوڑ (Quit India) قائداعظم ؒ نے جواب دیا تقسیم کرو اور چھوڑ دو (Divide and Quit)۔

سوال 6: لیاقت ڈیسائی معاہدہ کن راہنماؤں کے درمیان ہوا؟

جواب: مرکزی اسمبلی میں مسلم لیگ کے ڈپٹی پارلیمانی لیڈر لیاقت علی خان اور کانگریس کے ڈپٹی پارلیمانی لیڈر بھولا بھائی ڈیسائی کے درمیان۔

سوال 7: لارڈ ویول وائسرائے ہند نے 17 فروری 1944ء کو اپنے دو مقاصد بیان کئے کون کون سے؟

جواب: جنگ جیتنا اور اکھنڈ بھارت کی تشکیل

سوال 8: ویول پلان کے اہم نکات کیا تھے؟

جواب: (i) آئینی سمجھوتہ لیکن بڑی قوموں کے بغیر دستوری ردوبدل نہ کریں۔
(ii) عبوری طور پر کابینہ میں توسیع مسلمانوں اور اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کی مساوی نمائندگی ہو۔
(iii) وائسرائے اور وزیر دفاع کے علاوہ تمام ارکان دیسی ہوں گے۔
(iv) مرکز میں منصوبہ کی منظوری کی صورت میں صوبوں میں مخلوط وزارتوں کا قیام۔

سوال 9: لارڈ ویول کی انتظامی کونسل میں مختلف قوموں کی نمائندگی کا متوقع نقشہ کیا تھا؟

جواب: 5 اعلیٰ ذات کے ہندو، 5 مسلمان، ایک سکھ، ایک اچھوت اور ایک کوئی اور کل تیرہ

سوال 10: وائسرائے کی انتظامی کونسل میں توسیع کے ویول منصوبے میں قائداعظم ؒ نے کون سی دو شرائط پیش کیں؟

جواب: (i) پانچوں مسلمان مسلم لیگ کی فہرست سے لئے جائیں۔
(ii) پوری کابینہ کی دو تہائی اکثریت کے بغیر کوئی فیصلہ نہ کیا جائے۔

سوال 11: 1943ء سے 1945ء تک مسلم حلقوں میں کل کتنے ضمنی الیکشن ہوئے اور نتیجہ کیا رہا؟

جواب: کل 11 مسلم نشستوں پر ضمنی الیکشن 8 مسلم لیگ اور 3 آزاد امیدوار کامیاب ہوئے۔

سوال 12: دسمبر 1941ء میں کون کونسے ملک عالمی جنگ میں کود پڑے؟

جواب: جاپان۔ روس اور امریکہ۔

سوال 13: جاپان نے جنگ میں شامل ہوتے ہی کن ملکوں پر قبضہ کرلیا؟

جواب: انڈونیشیا، ملائشیا اور برما۔

سوال 14: راج گوپال اچاریہ نے 23 مارچ 1942ء کو مدارس اسمبلی اور صوبائی کانگریس کے اجلاس سے کون سی دو قراردادیں منظور کروائیں؟

جواب: (i) کانگریس کو مسلم لیگ کا مطالبہ پاکستان تسلیم کر لینا چاہیے۔

(ii) مدارس اسمبلی اور وزارت بحال کی جائے اور مسلم لیگ کو وزارت میں شریک کیا جائے۔

سوال 15: جناح گاندھی مذاکرات 1944ء کتنے دن جاری رہے؟

جواب: 9 ستمبر تا 27 ستمبر، 18 دن۔

سوال 16: جناح اور گاندھی نے 1944ء میں ایک دوسرے کو کتنے خطوط لکھے؟

جواب: کل 21 خطوط 10 گاندھی نے اور 11 قائداعظم نے۔

سوال 17: 1943ء میں پانچوں مسلم اکثریتی صوبوں میں مسلم لیگ کی وزارتیں قائم تھیں کون کون سی؟

جواب: پنجاب میں سر اسکندر حیات خان، بنگال میں خواجہ ناظم الدین، آسام میں سر سعد اللہ خان، سندھ میں سر غلام حسین ہدایت اللہ اور صوبہ سرحد میں اورنگ زیب خان کی وزارت تھی۔

سوال 18: شملہ کانفرنس کب شروع ہوئی اور کب ختم ہوئی؟

جواب: 25 جون 1945ء تا 14 جولائی 1945ء۔

عنوانات

الیکشن 1946ء، دہلی کنونشن، کابینہ مشن پلان، عبوری حکومت کا قیام،

لارڈ مونٹ بیٹن کی آمد، 3 جون کا منصوبہ، قانون آزادی ہند، ریڈکلف ایوارڈ، قیام پاکستان۔

سوال 1: 1946ء کے الیکشن کے لئے قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نے مسلمانوں سے پاکستان کے بدلے کیا مانگا؟

جواب: سلور بُلٹس (چندہ) اور پیپر بُلٹس (ووٹ)

سوال 2: دسمبر 1945ء میں مرکزی دستور ساز اسمبلی کے الیکشن کے نتائج کیا تھے؟

جواب: کل نشستیں 102، مسلمانوں کی 30، مسلم لیگ نے جیتیں 30، ہندوؤں کی سیٹیں 62، کانگریس نے جیتیں 57۔

سوال 3: 1946ء میں کتنے صوبوں میں صوبائی الیکشن ہوئے ان میں مسلم اکثریت کے کتنے صوبے تھے؟

جواب: کل گیارہ صوبے۔ مسلم اکثریت کے پنجاب، بنگال، سندھ، سرحد، آسام یعنی 5 صوبے تھے۔

سوال 4: صوبائی الیکشن 1946ء میں مسلمانوں کے لئے کل کتنی نشستیں تھیں اور مسلم لیگ نے کتنی حاصل کیں؟

جواب: کل مسلم نشستیں 496 مسلم لیگ نے 434 حاصل کیں۔ دسمبر میں سندھ میں دوبارہ الیکشن کے بعد کل 441 نشستیں حاصل ہوگئیں۔

سوال 5: 1937ء میں مسلم لیگ نے کتنے فیصد مسلم نشستیں حاصل کیں 1946ء کے الیکشن میں کامیابی کا تناسب کیا تھا؟

جواب: 1937ء میں 22%، 1946ء میں 90%

سوال 6: کون کون سے مسلم اکثریتی صوبوں میں مسلم لیگ کی وزارتیں 1946ء میں قائم نہ ہوسکیں؟

جواب: پنجاب اور صوبہ سرحد میں

سوال 7: کن مسلم اقلیتی صوبوں میں مسلم لیگ کو 1946ء کے الیکشن میں 100% کامیابی ہوئی؟

جواب: بمبئی، مدارس، سی۔ پی اور اڑیسہ میں۔

سوال 8: 1946ء کے صوبائی الیکشن میں صوبہ بہار، یو۔ پی اور آسام میں مسلم لیگ کو کتنے فیصد کامیابی ہوئی؟

جواب: صوبہ بہار میں 83%، صوبہ یو۔ پی میں 85%، اور آسام میں 90% سے زیادہ۔

سوال 9: 1946ء کے الیکشن کے نتیجہ میں کون کون سے صوبوں میں مسلم لیگ کی حکومتیں بن سکیں؟

جواب: صرف صوبہ بنگال اور سندھ میں۔

سوال 10: 1946ء کے الیکشن کے بعد بنگال اور سندھ میں کون کون وزیراعلیٰ بنے؟

جواب: بنگال میں حسین شہید سہروردی۔ سندھ میں سر غلام حسین ہدایت اللہ۔

سوال 11: پنجاب میں 1946ء میں مسلم لیگ کی وزارت کیوں نہ بنی؟

جواب: ابوالکلام آزاد نے کانگریس، سکھوں اور یونینسٹ پارٹی کا اتحاد قائم کرادیا اور خضر حیات کو وزیراعلیٰ بنوادیا۔ اس اتحادی سیٹیں 94 ہوگئیں مسلم لیگ کے پاس 84 تھیں۔

سوال 12: 9 اپریل 1946ء کو مسلم لیگ کے دہلی کنونشن میں قرارداد پاکستان میں تصحیح کی قرارداد کس نے پیش کی نیز اس کی تائید کس نے کی؟

جواب: حسین شہید سہروردی نے ترمیم کی قرارداد پیش کی، چوہدری خلیق الزماں نے تائید کی۔

سوال 13: کابینہ مشن میں کون کون سے اور کتنے ارکان تھے؟

جواب: کل تین۔ سرسٹیفورڈ کرپس۔ اے وی الیگزینڈر۔ لارڈ پیتھک لارنس۔

سوال 14: کابینہ مشن کے قیام کے موقع پر برطانوی وزیر اعظم کے کس اعلان نے کانگریس کو خوش کردیا؟

جواب: کہ ''کسی اقلیت کو اکثریت کی آزادی روکنے کا حق نہیں دیا جاسکتا''

سوال 15: لارڈ اٹیلی کے مندرجہ بالا بیان پر کانگریسیوں نے کیا تبصرے کیے؟

جواب: گاندھی نے اسے حتمی فیصلے کی خواہش قرار دیا۔ نہرو نے اسے خوشگوار تبدیلی قرار دیا۔ پٹیل نے اسے خلوص کا مظہر کہا۔

سوال 16: لارڈ اٹیلی کے اعلان نے کانگریس کو خوش اور مسلم لیگ کو پریشان کردیا۔ وزیر ہند نے اس کا ازالہ کس طرح کی؟

جواب: وزیر ہند نے کہا کہ مسلم لیگ محض اقلیتی جماعت نہیں بلکہ مسلمانوں کی صاحب اکثریت پارٹی ہے۔

سوال 17: کابینہ مشن برصغیر آیا تو اس کے سامنے کن جماعتوں اور لیڈروں نے پاکستان کی مخالفت کی؟

جواب: کانگریس سمیت تمام سیاسی جماعتوں۔ تمام گورنروں اور وائسرائے کی انتظامی کونسل کے تمام ارکان اور قوم پرست مسلمانوں نے۔

سوال 18: دوسری شملہ کانفرنس میں کن دو جماعتوں کو شرکت کی دعوت دی گئی؟

جواب: مسلم لیگ اور کانگریس کو۔

سوال 19: دوسری شملہ کانفرنس کب شروع ہوئی اور کب تک جاری رہی؟

جواب: 6 مئی 1947ء سے 12 مئی تک۔

سوال 20: دوسری شملہ کانفرنس میں مسلم لیگ اور کانگریس کے کون کون سے نمائندے شریک ہوئے؟

جواب: مسلم لیگ کے قائداعظم، لیاقت علی خان، عبدالرب نشتر، نواب اسماعیل خان۔ کانگریس کے ابوالکلام آزاد، خان عبدالغفار خاں، نہرو اور سردار پٹیل۔

سوال 21: کابینہ مشن نے کل ہندو یونین کے لئے کون کون سے محکمے تجویز کیے؟

جواب: دفاع۔ امور خارجہ۔ مواصلات۔

سوال 22: کابینہ مشن نے صوبوں کے کون سے تین گروپ بنائے؟

جواب: گروپ A: بمبئی مدارس، اڑیسہ، بہار، یوپی اور صوبہ سی پی۔

گروپ B: پنجاب۔ سندھ صوبہ سرحد اور بلوچستان۔

گروپ C: بنگال اور آسام۔

سوال 23: دستور ساز اسمبلی میں گروپوں کی نمائندگی کا نقشہ کیا تھا؟

جواب: گروپ A: غیر مسلم نشستیں 167، مسلم نشستیں 20 کل 187

گروپ B: غیر مسلم نشستیں 8، سکھ 4، مسلم نشستیں 22 کل 35

گروپ C: غیر مسلم 34، مسلم 36، کل 70

سوال 24: کابینہ مشن منصوبہ کے تحت مرکزی اسمبلی ریاستوں اور صوبوں کی نمائندگی کا نقشہ کیا تھا؟

جواب: کل نشستیں 385۔ صوبوں کی 292، ریاستوں کی 93۔

سوال 25: کابینہ مشن نے اپنے منصوبے کے سلسلے میں پارٹیوں پر کیا شرط عائد کی؟

جواب: اسے مکمل طور پر قبول یا مسترد کرنا ہوگا۔ جو پارٹی اسے مکمل طور پر قبول کرلے اسے ہی عبوری حکومت میں شامل کیا جائے گا۔

سوال 26: لندن اکانومسٹ نے کابینہ مشن کی شرط پر کیا تبصرہ کیا؟

جواب: ''اگر کانگریس بات نہیں مانتی تو مسلمانوں کو کچھ نہیں ملے گا۔ اگر مسلم لیگ انکار کردے تو اقتدار کانگریس کے حوالے کردیا جائے گا''۔

سوال 27: کانگریس نے کابینہ مشن پلان کو کیا معنی پہنائے؟

جواب: یہ ثالثی فیصلہ نہیں محض تجویز ہے۔ دستور ساز اسمبلی خود مختار اور آزاد ہوگی۔ مرکزی محکموں کی تعداد میں اضافہ کیا جاسکتا ہے۔ صوبوں کی گروپنگ لازمی نہیں ہے۔

سوال 28: کانگریس کون کون سے صوبوں کو گروپوں سے نکالنا چاہتی تھی؟

جواب: صوبہ آسام اور صوبہ سرحد کو۔

سوال 29: کابینہ مشن پلان کو مسلم لیگ اور کانگریس نے کن معنوں میں منظور کیا؟

جواب: مسلم لیگ نے بلاشرط مکمل منصوبہ منظور کیا۔ کانگریس نے مشروط طور پر جزوی طور پر قبول کیا۔

سوال 30: مسلم لیگ نے منظوری دینے کے بعد کابینہ مشن پلان کو کیوں مسترد کردیا؟

جواب: کیونکہ کانگریس نے اسے اپنی منشا کے معنی پہنائے اور حکومت نے کانگریس کی ناز برداریاں کیں۔

سوال 31: عبوری حکومت کے قیام کے لئے وائسرائے نے کانگریس کی کس حد تک خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کی؟

جواب: وائسرائے نے کہا کہ عبوری حکومت کے 12 ارکان ہوں گے۔

5 مسلم لیگی، 5 کانگریس، ایک سکھ، ایک کوئی اور 12 جون کو نہرو نے کہا کہ 15 ارکان ہوں۔ 7 کانگریسی ایک غیر کانگریسی ہندو۔ چار لیگی مسلم ایک غیر لیگی مسلم ایک سکھ اور ایک عیسائی۔ وائسرائے نے تعداد 12 سے 13 کر دی اور کانگریس کو 5 کی بجائے 6 سیٹیں پیش کیں۔ کانگریس نہ مانی اور اس نے 14 ارکان پر مشتمل حکومت قائم کرنے کا اعلان کر دیا اور ساتھ ہی اعلان کر دیا کہ اب اگر کوئی جماعت انکار کرے گی تو اسے حکومت میں شامل نہیں کیا جائے گا۔ مسلم لیگ نے پیش کش قبول کر لی لیکن کانگریس نے انکار کر دیا لیکن وائسرائے کانگریس کے بغیر حکومت بنانے پر تیار نہ ہوا۔

سوال 32: مسلم لیگ نے کابینہ مشن پلان کو مسترد کیا اور یوم راست اقدام منانے کا اعلان کیا تو کون کون سے علاقوں میں زبردست فسادات ہوئے؟

جواب: کلکتہ، نواکھلی، گڑھ مکتیشر اور بہار کے لئے علاقے۔

سوال 33: 24 اگست 1946ء کو عبوری حکومت کے کن وزراء کا اعلان ہوا؟

جواب: نہرو خارجہ۔ پٹیل داخلہ۔ راجگو پال اچاریہ۔ راجندر پرشاد۔ جگ جیون رام۔ بلدیو سنگھ دفاع۔ جان متھائی۔ سی۔ ایچ بھابھا۔ آصف علی۔ سید علی ظہیر۔ شفاعت احمد خان۔

سوال 34: عبوری حکومت میں مسلم لیگ کے کون کون سے ارکان شامل ہوئے؟

جواب: لیاقت علی خزانہ، ابراہیم اسماعیل چندریگر تجارت، سردار عبدالرب نشتر مواصلات، راجہ غضنفر علی صحت، جوگندر ناتھ منڈل قانون۔

سوال 35: لندن کانفرنس منعقدہ دسمبر 1946ء میں کون کون سے لیڈروں کو دعوت دی گئی؟

جواب: نہرو پٹیل، قائداعظمؒ، لیاقت علی، بلدیو سنگھ۔

سوال 36: مسلم لیگ نے 1947ء میں کون کون سے صوبوں میں سول نافرمانی تحریک شروع کی؟

جواب: صوبہ سرحد اور صوبہ پنجاب میں۔

سوال 37: 3 مارچ 1947ء کو پنجاب اسمبلی کے چبوترے پر کھڑے ہو کر تارا سنگھ نے کیا اعلان کیا؟

جواب: راج کرے گا خالصہ باقی رہے نہ کو۔

سوال 38: تین جون کے منصوبہ کی منظوری کیلئے کن لیڈروں کی کانفرنس بلائی گئی؟

جواب: قائداعظمؒ، لیاقت علی خان، عبدالرب نشتر، نہرو، پٹیل، اچاریہ کرپلانی اور بلدیو سنگھ۔

سوال 39: بنگال اور پنجاب کے لئے حد بندی کمیشن کے ارکان کون کون سے تھے؟

جواب: پنجاب حد بندی کمیشن، پاکستان کی جانب سے جسٹس دین محمد، جسٹس محمد منیر۔

بھارت کی جانب سے جسٹس مہر چند مہاجن اور جسٹس تیجا سنگھ۔ پنجاب مسلم لیگ کی طرف سے سر ظفر اللہ خان وکیل تھے۔ سربراہ ریڈکلف تھا۔ بنگال حد بندی کمشن پاکستان کی طرف سے جسٹس ایس اے رحمان۔ بھارت کی طرف سے جسٹس سی۔ سی بسواس اور جسٹس جی کے مکر جی۔

سوال 40: ریڈکلف نے پنجاب کی کون کون سی تحصیلیں اور بنگال کے کون کون سے علاقے بددیانتی سے بھارت کو دے دیئے؟

جواب: گورداس پور۔ بٹالہ اور پٹھانکوٹ۔ زیرہ۔ فیروز پور۔ نکودر۔ جالندھر۔ انبالہ۔ بنگال کے علاقے مرشد آباد۔ نادیہ اور مالدہ۔

سوال 41: 7 اگست کو قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ جہاز میں کون کون پاکستان آیا؟

جواب: محترمہ فاطمہ جناح۔ نیول اے ڈی۔ سی۔ ایس ایم احسن۔ اے۔ ڈی۔ سی فلائیٹ لیفٹیننٹ عطار بانی۔

سوال 42: قائداعظمؒ 7 اگست کو کراچی ہوائی اڈے پر اترے تو انہوں نے کون سا لباس پہن رکھا تھا؟

جواب: سفید شیروانی۔ پاجامہ اور جناح کیپ۔

سوال 43: تین جون 1947ء کی شام کون کون سے لیڈروں نے ریڈیو سے تقریریں کیں؟

جواب: 1۔ قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ 2۔ نہرو 3۔ بلدیو سنگھ اور ماؤنٹ بیٹن نے۔

حصہ دوم (Subjective Part II)

نوٹ: مندرجہ ذیل سوالات میں سے صرف تین کے جوابات تحریر کریں۔ **10 × 3 = 30**

1۔ 1940ء سے 1947ء تک حصول پاک کے مختلف مراحل کا ذکر کریں۔

2۔ کابینہ مشن کے منصوبے کا خاکہ بیان کریں۔ اس کو عملی جامہ کیوں نہ پہنایا جاسکا؟

3۔ کرپس مشن پر ایک نوٹ لکھیں اور یہ بتائیں کہ اس کو مسلم لیگ اور کانگریس دونوں نے کیوں مسترد کر دیا؟

4۔ کرپس مشن پر نوٹ لکھئے۔ (گوجرانوالہ بورڈ 2008ء)

5۔ کرپس مشن کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟ (بہاولپور بورڈ 2007ء)

6۔ کرپس مشن کی تفصیلات بیان کیجئے۔ (بہاولپور بورڈ 2009ء)

7۔ 3 جون کے منصوبہ پر روشنی ڈالیں اور اس پر عمل درآمد کا جائزہ لیں۔

8۔ کابینہ مشن کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟ تفصیل سے روشنی ڈالیے۔(بہاولپور بورڈ 2007ء)

9۔ کابینہ مشن پلان کے اہم نکات کی وضاحت کریں۔(بہاولپور بورڈ 2007ء)

10۔ حصول پاکستان میں قائداعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ نے جو عظیم کردار ادا کیا؟ اس کا جائزہ پیش کریں۔

11۔ مندرجہ ذیل پر نوٹ لکھیں۔

① ہندوستان چھوڑ دو تحریک ② ریڈکلف

③ قانون آزادی ہند ④ ویول پلان اور 1945-46ء کے انتخابات

⑥ راست اقدام



پرچہ جات

تاریخ پاکستان (معروضی) انٹرمیڈیٹ پارٹ-I لاہور بورڈ 2015ء

وقت: 30 منٹ — کل نمبر: 20

نوٹ: ہر سوال کے چار ممکنہ جوابات A، B، C اور D دیئے گئے ہیں۔ جوابی کاپی پر ہر سوال کے سامنے دیئے گئے دائروں میں سے درست جواب کے مطابق متعلقہ دائرہ کو مار کر یا پین سے بھر دیجئے۔ ایک سے زیادہ دائروں کو پُر کرنے یا کاٹ کر پُر کرنے کی صورت میں مذکورہ جواب غلط تصور ہوگا۔

1- علی گڑھ کالج کب قائم ہوا:
(A) 1870ء (B) 1875ء (C) 1877ء (D) 1872ء

2- ''اب یا کبھی نہیں'' کے مصنف کون تھے:
(A) علامہ اقبال (B) محمد علی جوہر (C) سر آغا خان (D) چوہدری رحمت علی

3- ندوۃ العلماء لکھنؤ کے بانی کون تھے:
(A) سید محمد علی (B) شبلی نعمانی (C) نواب وقار الملک (D) شبیر عثمانی

4- قائداعظمؒ نے اپنے چودہ نکات کب پیش کئے:
(A) 1927ء (B) 1928ء (C) 1929ء (D) 1930ء

5- شاہ ولی اللہؒ نے کس الہامی کتاب کا فارسی میں ترجمہ کیا:
(A) انجیل (B) زبور (C) قرآن پاک (D) توریت

6- میثاق لکھنؤ کب ہوا:
(A) 1906ء (B) 1909ء (C) 1913ء (D) 1916ء

7- قرارداد لاہور کس شہر میں پیش کی گئی:
(A) دہلی (B) لاہور (C) لکھنؤ (D) ڈھاکہ

8- کابینہ مشن کب ہندوستان آیا:
(A) 1945ء (B) 1946ء (C) 1944ء (D) 1947ء

9- ترنگا جھنڈا کس جماعت کا نشان تھا:
(A) مسلم لیگ (B) کانگریس (C) کمیونسٹ پارٹی (D) اکالی دل

10- ہندوستان کا آخری گورنر جنرل کون تھا:
(A) لارڈ ڈلہوزی (B) لارڈ ماؤنٹ بیٹن (C) لارڈ منٹو (D) لارڈ کرزن

11- آل انڈیا مسلم لیگ کا قیام کس شہر میں ہوا:
(A) لاہور (B) دہلی (C) ڈھاکہ (D) کراچی

12- موتی لال نہرو کس جماعت سے منسلک تھے:
(A) ہندو مہا سبھا (B) انڈین نیشنل کانگریس (C) کمیونسٹ پارٹی (D) مسلم لیگ

13- دوسری جنگ عظیم کا آغاز کب ہوا:
(A) 1937ء (B) 1939ء (C) 1938ء (D) 1940ء

14- علامہ اقبال کس شہر میں پیدا ہوئے:
(A) لاہور (B) سیالکوٹ (C) ملتان (D) جہلم

15- انجمن حمایت اسلام کی بنیاد کب رکھی گئی:
(A) 1886ء (B) 1885ء (C) 1884ء (D) 1882ء

16- تقسیم بنگال کس کے دور حکومت میں ہوئی:
(A) لارڈ کیننگ (B) لارڈ کرزن (C) لارڈ منٹو (D) لارڈ ہارڈنگ

17- آل انڈین نیشنل کانگریس کب قائم ہوئی:
(A) 1880ء (B) 1885ء (C) 1886ء (D) 1882ء

18- تحریک خلافت کے اہم رہنما کون تھے:
(A) سر آغا خان (B) علامہ اقبال (C) محمد علی جوہر (D) ابوالکلام آزاد

19- گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935ء کے تحت کونسا نظام حکومت تجویز کیا گیا تھا:
(A) وفاقی (B) صدارتی (C) پارلیمانی (D) وحدانی

20- سر سید احمد خان کب پیدا ہوئے:
(A) 1817ء (B) 1830ء (C) 1818ء (D) 1820ء

تاریخ پاکستان (انشائیہ) انٹرمیڈیٹ پارٹ-I لاہور بورڈ 2015ء

وقت: 2.30 گھنٹے — (حصہ اول) — کل نمبر: 80

-2 کوئی سے آٹھ (8) سوالات کے مختصر جوابات لکھئے: 16

i- اصول الحاق سے کیا مراد ہے؟
ii- سر سید احمد خان نے ''خطبات احمدیہ'' کیوں لکھی؟
iii- اُردو ہندی تنازعہ کب اور کہاں سے شروع ہوا؟
iv- ''شدھی'' کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟
v- ''رسالہ اسباب بغاوت ہند'' کس نے لکھا؟
vi- جنرل بخت خان کون تھا؟
vii- کانگریس کے قیام کے دو اسباب لکھئے۔
viii- اے۔ جے۔ آرچ بولڈ کون تھا؟
ix- ندوۃ العلماء لکھنؤ کے قیام کے دو مقاصد لکھئے۔
x- سنٹرل محمڈن ایسوی ایشن کی بنیاد کب اور کس نے رکھی؟
xi- دو قومی نظریہ سے کیا مراد ہے؟
xii- ایم۔ اے۔ او سکول علی گڑھ کب اور کس نے قائم کیا؟

-3 کوئی سے آٹھ (8) سوالات کے مختصر جوابات لکھئے: 16

i- نئے صوبہ مشرقی بنگال میں مسلمانوں کی آبادی کتنی تھی؟
ii- تقسیم بنگال کے دو اسباب تحریر کیجئے۔

-iii شملہ وفد میں شامل دو مسلمان قائدین کے نام لکھیے۔ -iv آل انڈیا مسلم لیگ کی تشکیل کیوں کی گئی؟
-v مسلمانوں نے مخلوط طریقہ انتخاب کی مخالفت کیوں کی؟ -vi ''حکومت خود اختیاری'' سے کیا مراد ہے؟
-vii میثاق لکھنؤ کے دو اہم پہلو تحریر کیجیے۔
-viii وفد خلافت میں شامل دو مسلمان قائدین کے نام لکھیے۔ -ix تحریک خلافت کا انجام کیا ہوا؟
-x سنگھٹن کی تحریک کب اور کس قوم نے شروع کی؟
-xi قائداعظمؒ کے چودہ نکات میں سے کوئی سے دو نکات تحریر کیجیے۔ -xii مسجد کانپور کا واقعہ کب ہوا؟

-4 کوئی سے نو (9) سوالات کے مختصر جوابات لکھیے: 18

-i چوہدری رحمت علی کو کہاں دفن کیا گیا؟
-ii کس گول میز کانفرنس کے دوران محمد علی جوہر فوت ہوئے؟
-iii 1935ء کے ایکٹ پر مختصر نوٹ تحریر کیجیے۔ -iv یوم نجات کب منایا گیا؟
-v ''پاکستان ناگزیر تھا''، کس کی تصنیف ہے؟ -vi گاندھی کا اصل نام کیا تھا؟
-vii قرارداد پاکستان کس نے پیش کی؟ -viii ہندوستان چھوڑ دو تحریک کیا تھی؟
-ix 1940ء میں برصغیر کا وائسرائے کون تھا؟ -x شملہ کانفرنس کب ہوئی؟
-xi دوسری جنگ عظیم کب ختم ہوئی؟ -xii سرحدی گاندھی کون تھا؟

(حصہ دوم)

نوٹ: درج ذیل سوالات میں سے صرف تین کے جوابات لکھیے۔

-5 بطور مذہبی مصلح شاہ ولی اللہؒ کی خدمات بیان کیجیے۔ 10
-6 1857ء کی جنگ آزادی کی ناکامی کی کیا وجوہات تھیں؟ 10
-7 سرسید احمد خان کی تعلیمی اور مذہبی خدمات بیان کیجیے۔ 10
-8 تحریک آزادی ہند میں قائداعظمؒ کے کردار پر روشنی ڈالیے۔ 10
-9 قیام پاکستان کے محرکات پر نوٹ لکھیے۔ 10

پرچہ تاریخ پاکستان (معروضی) انٹرمیڈیٹ پارٹ-I فیصل آباد بورڈ 2016ء

وقت: 30 منٹ کل نمبر: 20

س: ہر سوال کے چار ممکنہ جوابات A، B، C اور D دیئے گئے ہیں۔ جوابی کاپی پر ہر سوال کے سامنے دیئے گئے دائروں میں سے درست جواب کے مطابق متعلقہ دائرہ کو مارکر یا پین سے بھر دیجیے۔ ایک سے زیادہ دائروں کو پُر کرنے کی صورت میں مذکورہ جواب غلط تصور ہوگا۔

-1 1937ء کے صوبائی الیکشن کے تحت مسلم لیگ نے 482 مسلم نشستوں میں سے کتنی حاصل کیں؟
(A) 312 (B) 102 (C) 212 (D) 202

-2 کیمونل ایوارڈ کا اعلان کب ہوا؟
(A) 16 اگست 1932ء (B) 24 دسمبر 1932ء
(C) 14 اگست 1932ء (D) 25 اگست 1932ء

-3 چوہدری رحمت علی کس ضلع میں پیدا ہوئے؟
(A) جالندھر (B) ہوشیار پور (C) گورداسپور (D) امرتسر

-4 علامہ اقبال کی والدہ کا کیا نام تھا؟
(A) امام بی بی (B) رحمت بی بی (C) برکت بی بی (D) محمد بی بی

-5 شملہ وفد کا قائد کون تھا؟
(A) نواب محسن الملک (B) نواب وقار الملک (C) سید امیر علی (D) سر آغا خان

-6 تقسیم بنگال کے وقت برصغیر کا وائسرائے کون تھا؟
(A) لارڈ کرزن (B) لارڈ رپن (C) لارڈ منٹو (D) لارڈ ڈفرون

-7 مسز اینی بیسنٹ کا تعلق کس ملک سے تھا؟
(A) ڈنمارک (B) آئرلینڈ (C) سوئٹزرلینڈ (D) سویڈن

-8 غازی پور سائنٹفک سوسائٹی کے قیام کا کیا مقصد تھا؟
(A) مغربی کتابوں کا اردو ترجمہ (B) انگریزوں کی غلط فہمی دور کرنا
(C) مسلمانوں کو سیاست سے دور رکھنا (D) مسلمانوں کے عقائد کی اصلاح

-9 کانپور کے عظیم مسلمان راہنما کا نام کیا تھا؟
(A) مولوی احمد شاہ (B) عظیم اللہ (C) غلام محمد غوث خان (D) مولوی لیاقت علی

-10 برصغیر میں سب سے پہلے دو قومی نظریہ کس نے پیش کیا؟
(A) مجدد الف ثانی (B) سرسید احمد خان (C) قائداعظم (D) حضرت شاہ ولی اللہ

-11 کانپور کی مسجد کا سانحہ کب پیش آیا؟
(A) 1911ء (B) 1912ء (C) 1913ء (D) 1914ء

-12 ہوم رول تحریک کی بنیاد کس نے رکھی؟
(A) گاندھی (B) دیانند سرسوتی (C) مدہن موہن (D) مسز اینی بیسنٹ

-13 1911ء میں طرابلس پر کس نے حملہ کیا؟
(A) فرانس (B) برطانیہ (C) اٹلی (D) جرمنی

-14 1909ء کی اصلاحات کے تحت مرکزی کونسل میں ارکان کی تعداد کیا تھی؟
(A) 50 (B) 100 (C) 75 (D) 60

-15 دوسری جنگ عظیم کب ختم ہوئی؟
(A) مئی 1945ء (B) مارچ 1945ء (C) ستمبر 1945ء (D) اگست 1945ء

16- برطانوی جنگی کونسل کا رکن سرسٹیفورڈ کرپس تجاویز لے کر کب برصغیر پہنچا؟
(A) 11 مارچ 1942 (B) 22 مارچ 1942 (C) 11 فروری 1942 (D) 24 فروری 1942

17- قراردادِ لاہور کو قرارداد پاکستان کا نام کس نے دیا؟
(A) ہندو پریس (B) مسلم لیگ (C) مسلم عوام (D) برطانوی پریس

18- قرارداد پاکستان کا اردو ترجمہ کس نے کیا؟
(A) چوہدری خلیق الزماں (B) مولانا ظفر علی خان
(C) مولوی فضل الحق (D) نوابزادہ لیاقت علی خان

19- محمد علی جناح کو قائداعظم کا خطاب کب ملا؟
(A) 1938ء (B) 1937ء (C) 1939ء (D) 1940ء

20- قائداعظم نے کانگریس کو کب چھوڑا؟
(A) 1913ء (B) 1919ء (C) 1917ء (D) 1920ء

پرچہ تاریخ پاکستان (انشائیہ) انٹرمیڈیٹ پارٹ-I فیصل آباد بورڈ 2016ء

وقت: 2:30 گھنٹے (حصہ اول) نمبر: 80

-2 کوئی سے آٹھ اجزاء کے مختصر جوابات لکھیے۔ 16

(i) ہندوؤں کا ذات پات کا نظام بتائیے۔ (ii) دو قومی نظریہ کیا ہے؟
(iii) امدادی نظام کیا تھا؟ (iv) جنگ آزادی کا آغاز کب اور کہاں سے ہوا؟
(v) جنگ آزادی کی ناکامی کے دو اسباب لکھیے۔ (vi) سائنٹیفک سوسائٹی کے مقاصد کیا تھے؟
(vii) سرسید کی دو کتابوں کے نام لکھیے۔ (viii) نواب محسن الملک کون تھے؟
(xi) اردو ہندی تنازعہ سے کیا مراد ہے؟ (x) دارالعلوم دیوبند کے مقاصد کیا تھے؟
(xi) انڈین نیشنل کانگریس کے قیام کے دو اسباب لکھیے۔ (xii) حضرت مجدد الف ثانی کی دو خدمات لکھیے۔

-3 کوئی سے آٹھ اجزاء کے مختصر جوابات لکھیے۔ 16

(i) 1905ء میں یونائیٹڈ بنگال کا رقبہ کیا تھا؟ (ii) شملہ وفد کس کو ملا؟
(iii) آرچ بولڈ کون تھا؟ (iv) مسلم لیگ کہاں قائم کی گئی؟
(v) سودیشی تحریک کیا تھی؟ (vi) منٹو مارلے اصلاحات کب متعارف ہوئیں؟
(vii) میثاق لکھنؤ کیا تھا؟ (viii) 1919ء میں ہندوستان کا وائسرائے کون تھا؟
(ix) جلیانوالہ باغ کا سانحہ کب ہوا؟ (x) تحریک خلافت پر دو لائنیں لکھیے۔
(xi) گاندھی کا اصل نام کیا تھا؟ (xii) سائمن کمیشن کب ہندوستان آیا؟

-4 کوئی سے نو اجزاء کے مختصر جوابات لکھیے۔ 18

(i) لفظ پاکستان کس نے تجویز کیا؟ (ii) گاندھی اروِن پیکٹ کب ہوا؟

(iii) جناح کو قائداعظم کا خطاب کس نے دیا؟ (iv) قائداعظم نے کابینہ مشن پلان کو کیوں تسلیم کیا؟
(v) تین جون کا منصوبہ کیا تھا؟ (vi) ہندوستان چھوڑ دو تحریک کیا تھی؟
(vii) دوسری جنگ عظیم کب ختم ہوئی؟ (viii) سندھ کو بمبئی سے کب علیحدہ کیا گیا؟
(ix) قرارداد پاکستان کب پاس ہوئی؟ (x) پیر پور کمیٹی کیا تھی؟
(xi) ویول پلان کب پیش کیا گیا؟ (xii) کیمونل ایوارڈ کیا تھا؟
(xiii) عبدالغفار خان کو کیا لقب ملا؟

(حصہ دوم)

نوٹ: کوئی سے تین سوالات کے جوابات تحریر کیجیے۔ ہر سوال کے 10 نمبر ہیں۔

-5 سرسید کی تعلیمی خدمات پر مفصل نوٹ لکھیے۔
-6 تقسیم بنگال کے اسباب بیان کیجیے نیز اس کی تنسیخ کے اثرات بھی تحریر کیجیے۔
-7 تحریک خلافت پر نوٹ لکھیے۔
-8 قائداعظم کے تحریک پاکستان میں کردار پر روشنی ڈالیے۔
-9 ریڈکلف ایوارڈ میں مسلمانوں کے ساتھ رکھی گئی زیادتیوں کی نشاندہی کیجیے۔

تاریخ پاکستان (معروضی) انٹرمیڈیٹ پارٹ-I لاہور بورڈ 2016ء

وقت: 30 منٹ نمبر: 20

نوٹ: ہر سوال کے چار ممکنہ جوابات A، B، C اور D دیے گئے ہیں۔ جوابی کاپی پر ہر سوال کے سامنے دیے گئے دائروں میں سے درست جواب کے مطابق متعلقہ دائرہ کو مارکر یا پین سے بھر دیجیے۔ ایک سے زیادہ دائروں کو پُر کرنے یا کاٹ کر پُر کرنے کی صورت میں مذکورہ جواب غلط تصور ہو گا۔

1-1 بنگال کو کس سال دو صوبوں میں تقسیم کیا گیا:
(A) 1904ء (B) 1905ء (C) 1906ء (D) 1907ء

-2 گول میز کانفرنسیں منعقد ہوئیں:
(A) دہلی (B) پیرس (C) لندن (D) نیویارک

-3 مسلم لیگ کے پہلے صدر تھے:
(A) قائداعظمؒ (B) امیر علی (C) آغا خان (D) سلیم اللہ خان

-4 علامہ محمد اقبالؒ کب پیدا ہوئے:
(A) 1875ء (B) 1876ء (C) 1877ء (D) 1878ء

-5 شاہ اللہؒ پیدا ہوئے:
(A) 1700ء (B) 1701ء (C) 1703ء (D) 1704ء

-6 قائداعظم مسلم لیگ کے ممبر بنے:
(A) 1910ء (B) 1911ء (C) 1913ء (D) 1915ء

-7 بلوچستان سے کس رہنما نے قراردادِ لاہور کی حمایت کی:
(A) ظفر علی خان (B) آئی-آئی-چندریگر (C) قاضی محمد عیسیٰ (D) خلیق الزمان

-8 مسلم لیگ نے یوم راست اقدام کب منایا:
(A) 16 اگست 1946ء (B) 17 اگست 1946ء
(C) 18 اگست 1946ء (D) 20 اگست 1946ء

-9 1938ء میں سندھ مسلم لیگ کے صدر کون تھے:
(A) قائداعظمؒ (B) سر عبداللہ ہارون (C) سر فضل حسین (D) ظفر علی خان

-10 سردار عبدالرب نشتر کا تعلق کس صوبہ سے تھا:
(A) پنجاب (B) بنگال (C) سندھ (D) سرحد

-11 جنگ عظیم اول شروع ہوئی:
(A) 1910ء (B) 1914ء (C) 1915ء (D) 1916ء

-12 1934ء میں مسلم لیگ کے سیکرٹری کون بنے:
(A) قائداعظمؒ (B) حافظ ہدایت اللہ (C) آغا خان (D) امیر علی

-13 تین جون کا منصوبہ کس نے پیش کیا:
(A) لارڈ ماؤنٹ بیٹن (B) وی۔پی۔مینن
(C) گلیڈسٹون (D) لارڈ ویول

-14 چوہدری رحمت علی کس شہر میں پیدا ہوئے:
(A) لاہور (B) ملتان (C) ہوشیار پور (D) کراچی

-15 کانگریس کے بانی کون تھے:
(A) نہرو (B) گاندھی (C) اے۔او۔ہیوم (D) لارڈ ماؤنٹ بیٹن

-16 مسلمانوں نے جداگانہ انتخابات کا حق کب مانگا:
(A) 1906ء (B) 1909ء (C) 1913ء (D) 1914ء

-17 اردو ہندی جھگڑا کب شروع ہوا:
(A) 1860ء (B) 1865ء (C) 1867ء (D) 1880ء

-18 واقعہ چوراچوری پیش آیا:
(A) 1920ء (B) 1922ء (C) 1923ء (D) 1924ء

-19 1973ء کے انتخابات میں کتنے صوبوں نے حصہ لیا:
(A) 8 (B) 9 (C) 10 (D) 11

-20 مغلیہ سلطنت کے آخری حکمران تھے:
(A) بابر (B) اکبر (C) شاہ جہاں (D) بہادر شاہ ظفر

تاریخ پاکستان (انشائیہ) انٹرمیڈیٹ پارٹ-I لاہور بورڈ 2016ء

وقت: 2:30 گھنٹے (حصہ اول) نمبر: 80

-2 کوئی سے آٹھ (8) سوالات کے مختصر جوابات لکھئے: 16

(i) ناناصاحب کون تھا؟
(ii) بہادر شاہ ظفر کا اصل نام کیا تھا؟
(iii) مدرسہ رحیمیہ کس نے قائم کیا؟
(iv) بھگتی تحریک سے کیا مراد ہے؟
(v) ''ہمارے ہندوستانی مسلمان'' کتاب کس نے لکھی؟
(vi) پانی پت کی تیسری لڑائی کب لڑی گئی؟
(vii) ایم۔اے۔او سکول کب قائم ہوا؟
(viii) اے۔جے۔آرچ بولڈ کون تھا؟
(ix) قرآن مجید کا فارسی میں ترجمہ کس نے کیا؟
(x) آریہ سماج کا بانی کون تھا؟
(xi) سائنٹیفک سوسائٹی کب قائم ہوئی؟
(xii) محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کس نے قائم کی؟

-3 کوئی سے آٹھ (8) سوالات کے مختصر جوابات لکھئے: 16

(i) تقسیم بنگال کب منسوخ ہوئی؟
(ii) بنگال میں پہلی یونیورسٹی کب اور کہاں بنی؟
(iii) بنگال کی دو بڑی فصلوں کے نام لکھئے۔
(iv) شملہ وفد کا بنیادی مطالبہ کیا تھا؟
(v) مسلم لیگ کا پہلا صدر کون تھا؟
(vi) مسلم لیگ کے دو بانی ارکان کا نام لکھئے۔
(vii) زمیندار اخبار کس نے جاری کیا؟
(viii) میثاق لکھنؤ کی دو دفعات لکھئے۔
(ix) جلیانوالہ باغ سانحہ کب ہوا؟
(x) پہلی جنگ عظیم میں ترکی نے کس کا ساتھ دیا؟
(xi) تحریک خلافت کے دو راہنماؤں کے نام لکھئے۔
(xii) زبور عجم کس کی کتاب ہے؟

-4 کوئی سے نو (9) سوالات کے مختصر جوابات لکھئے: 18

(i) مسلم لیگ نے یوم نجات کیوں منایا؟
(ii) ''بندے ماترم'' سے کیا مراد ہے؟
(iii) گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935ء کی دو خصوصیات لکھئے۔
(iv) لارڈ اٹیلی کون تھا؟
(v) لارڈ مونٹ بیٹن کون تھا؟
(vi) شملہ کانفرنس کب اور کہاں ہوئی؟
(vii) منٹو پارک کا موجودہ نام کیا ہے؟
(viii) ویول پلان کا اعلان کب کیا گیا؟
(ix) کیمونل ایوارڈ کیا تھا؟
(x) پیرپور رپورٹ کیوں پیش کی گئی؟
(xi) کابینہ مشن کی دو تجاویز تحریر کیجئے۔
(xii) پونا پیکٹ کیا تھا؟
(xiii) تقسیم ہند کا اعلان کب اور کس نے کیا؟

(حصہ دوم)

نوٹ: درج ذیل سوالات میں سے صرف تین کے جوابات لکھئے۔

-5 1857ء کی جنگ آزادی کی سیاسی وجوہات بیان کیجئے۔ 8

-6 کن وجوہات کی بنا پر تقسیم بنگال عمل میں آئی؟ ہندوؤں کا اس تقسیم پر کیا ردِعمل تھا؟ 8

-7 تحریک خلافت کے مقاصد اور اثرات لکھئے۔ 8

-8 1937ء کی کانگریسی وزارتوں پر تنقیدی نوٹ تحریر کیجیے۔ 8

-9 کابینہ مشن پلان کیا تھا؟ بحث کیجیے۔ 8

تاریخ پاکستان (معروضی) انٹرمیڈیٹ پارٹ-I ساہیوال بورڈ 2017ء

وقت: 30 منٹ کل نمبر 20

نوٹ: ہر سوال کے چار ممکنہ جوابات C,B,A اور D دیئے گئے ہیں۔ جوابی کاپی پر ہر سوال کے سامنے دیئے گئے دائروں میں سے درست جواب کے مطابق متعلقہ دائرہ کو مارکر یا پین سے بھر دیجیے۔ ایک سے زیادہ دائروں کو پر کرنے یا کاٹ کر پر کرنے کی صورت میں مذکورہ جواب غلط تصور ہوگا۔ جوابی کاپی پر ہر سوال کے سامنے دیئے گئے (✓) کا نشان لگائیں۔

-1 شاہ ولی اللہؒ پیدا ہوئے۔
(A) لاہور میں (B) دلی میں (C) پشاور میں (D) کراچی میں

-2 ایم۔اے۔او کالج کا بانی تھا۔
(A) علامہ اقبال (B) محمد علی جوہر (C) لیاقت علی خان (D) سرسید احمد خان

-3 انڈین نیشنل کانگریس قائم ہوئی۔
(A) 1885ء (B) 1886ء (C) 1888ء (D) 1920ء

-4 قائداعظمؒ پیدا ہوئے۔
(A) 1876ء (B) 1875ء (C) 1885ء (D) 1890ء

-5 پاکستان کے تعلقات اچھے نہیں ہیں۔
(A) چین کے ساتھ (B) انڈیا کے ساتھ (C) افغانستان کیساتھ (D) شام کے ساتھ

-6 شملہ وفد کا قائد تھا۔
(A) محمد علی جوہر (B) علامہ اقبالؒ (C) سر آغا خان (D) لیاقت علی خان

-7 قائداعظمؒ نے مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کی۔
(A) 1913ء (B) 1916ء (C) 1920ء (D) 1914ء

-8 چودہ نکات پیش کئے۔
(A) محمد علی جوہر نے (B) قائداعظمؒ نے (C) لیاقت علی خان نے (D) زیڈ۔اے۔بھٹو

-9 علی گڑھ کالج کو یونیورسٹی کا درجہ دیا گیا۔
(A) 1918ء (B) 1920ء (C) 1924ء (D) 1925ء

-10 "Now or Never" لکھی گئی۔
(A) 1933ء (B) 1914ء (C) 1916ء (D) 1918ء

-11 تحریک خلافت شروع ہوئی۔
(A) 1918ء (B) 1919ء (C) 1920ء (D) 1922ء

-12 نہرو رپورٹ پیش کی گئی۔
(A) 1927ء (B) 1928ء (C) 1930ء (D) 1929ء

-13 علامہ اقبالؒ تھے۔
(A) شاعر (B) جنرل (C) سیاستدان (D) تاجر

-14 قراردادِ پاکستان منظور ہوئی۔
(A) 1945ء (B) 1940ء (C) 1946ء (D) 1930ء

-15 پاکستان کے پہلے گورنر جنرل ہیں۔
(A) ایم۔اے جناح (B) مسٹر نہرو
(C) چوہدری محمد علی (D) چوہدری رحمت علی

-16 پاکستان کا پہلا دارالحکومت تھا۔
(A) لاہور (B) کراچی (C) پشاور (D) ڈھاکہ

-17 پاکستان اقوام متحدہ کا رکن بنا۔
(A) 1945ء (B) 1947ء (C) 1948ء (D) 1950ء

-18 قائداعظمؒ دفن ہوئے۔
(A) لاہور (B) کراچی (C) اسلام آباد (D) قلات

-19 ہندوستان چھوڑ دو تحریک شروع ہوئی۔
(A) 1945ء (B) 1942ء (C) 1948ء (D) 1930ء

-20 پاکستان کے پہلے وزیر اعظم تھے۔
(A) سکندر مرزا (B) ایوب خان (C) لیاقت علی خان (D) رحمت علی

تاریخ پاکستان (انشائیہ) انٹرمیڈیٹ پارٹ-I ساہیوال بورڈ 2017ء

وقت: 2.30 گھنٹے (حصہ اوّل) کل نمبر: 80

-2 کوئی سے آٹھ (8) سوالات کے مختصر جوابات لکھئے: 16

(i) جنگ آزادی 1857ء کے مذہبی اسباب تحریر کیجیے۔ (ii) خطبات احمدیہ کس نے تحریر کی؟
(iii) دیوبند کس صوبے میں واقع ہے؟ (iv) جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کی بنیاد کس نے رکھی؟
(v) البرٹ بل کس نے پیش کیا؟ (vi) سید حسن بلگرامی کون تھے؟
(vii) کامریڈ اخبار کس نے جاری کیا؟ (viii) شبلی نعمانی نے اعظم گڑھ میں کس نام سے ادارہ قائم کیا؟
(ix) اردو ہندی تنازعہ کہاں سے شروع ہوا؟ (x) آل انڈیا مسلم لیگ کا پہلا سالانہ اجلاس کس شہر میں ہوا؟
(xi) محسنیہ کالج ہگلی کس نے قائم کیا؟ (xii) حویلی سکندر حیات کہاں واقع ہے؟

-3 کوئی سے آٹھ (8) سوالات کے مختصر جوابات لکھئے: 16

(i) پہلی جنگ عظیم کا آغاز کب ہوا؟ (ii) ہندو مسلم اتحاد کا سفیر کس کا لقب تھا؟

(iii) مشرقی بنگال کا دارالحکومت کونسا شہر تھا؟ (iv) شدھی سے کیا مراد ہے؟
(v) تحریک خلافت کا انجام کیا ہوا؟ (vi) علامہ اقبالؒ کی دو کتب کے نام تحریر کیجیے۔
(vii) علامہ اقبالؒ نے ڈاکٹریٹ کی ڈگری کہاں سے حاصل کی؟
(viii) ''اب یا کبھی نہیں'' کس کا پمفلٹ تھا؟
(ix) علامہ اقبالؒ کس اسمبلی کے رکن بنے؟ (x) پہلی گول میز کانفرنس کب ہوئی؟
(xi) دوسری گول میز کانفرنس میں کونسے مسلمان رہنما شریک ہوئے۔ (xii) کمیونل ایوارڈ کیا تھا؟

-4 **کوئی سے نو (9) سوالات کے مختصر جوابات لکھیے:** 18

(i) دوسری گول میز کانفرنس کہاں منعقد ہوئی؟ (ii) کمیونل ایوارڈ کے کوئی سے دو نکات تحریر کیجیے۔
(iii) ودیا مندر سکیم کیا تھی؟ (iv) متحدہ ہندوستان کے دو مسلم اکثریتی صوبوں کے نام تحریر کیجیے۔
(v) محمد علی جناح کو قائداعظمؒ کا خطاب کب اور کس نے دیا؟
(vi) ''ہندوستان چھوڑ دو تحریک'' کیا تھی؟
(vii) 1935ء کے ایکٹ کی رو سے وفاقی مقننہ کتنے ایوانوں پر مشتمل تھی؟
(viii) ہندوستان میں صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات کب اور کس ایکٹ کے تحت منعقد ہوئے؟
(ix) مسلمانوں نے یوم نجات کیوں منایا؟ (x) کابینہ مشن ہندوستان کیوں آیا؟
(xi) ڈیفنس کونسل واقعہ کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟
(xii) قائداعظمؒ نے کابینہ مشن پلان کو کیوں تسلیم کیا؟ (xiii) بنگال باؤنڈری کمیشن کے دو ارکان کے نام تحریر کیجیے۔

(حصہ دوم۔ ہر سوال کے 10 نمبر ہیں)

-5 مسلمانوں کے لئے سرسید احمد خان کی تعلیمی خدمات پر روشنی ڈالیے۔
-6 آل انڈیا مسلم لیگ کے قیام کے اسباب تحریر کیجیے۔
-7 معاہدہ لکھنؤ کے اہم نکات بیان کیجیے۔
-8 کانگریسی وزارتوں کے دوران مسلمانوں کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا؟
-9 تحریک پاکستان میں قائداعظمؒ کی خدمات بیان کیجیے۔

تاریخ پاکستان (معروضی) انٹرمیڈیٹ پارٹ-I ملتان بورڈ 2017ء

وقت: 30 منٹ کل نمبر: 20

نوٹ: ہر سوال کے چار ممکنہ جوابات A, B, C اور D دیئے گئے ہیں۔ جوابی کاپی پر ہر سوال کے سامنے دیئے گئے دائروں میں سے درست جواب کے مطابق متعلقہ دائرہ کو مارکر یا پین سے بھر دیجیے۔ ایک سے زیادہ دائروں کو پُر کرنے یا کاٹ کر پُر کرنے کی صورت میں مذکورہ جواب غلط تصور ہوگا۔ Bubbles پُر نہ کرنے کی صورت میں کوئی نمبر نہیں دیا جائے گا۔ اس سوالیہ پرچہ پر سوالات ہرگز حل نہ کریں۔

-1 قرارداد لاہور پیش کی۔
(A) لیاقت علی خان (B) قاضی محمد عیسیٰ (C) قائداعظمؒ (D) اے۔کے فضل الحق

-2 کابینہ مشن ہندوستان آیا۔
(A) 1945ء میں (B) 1946ء میں (C) 1947ء میں (D) 1948ء میں

-3 ترنگا جھنڈا متعارف کروایا۔
(A) مسلم لیگ (B) کانگریس (C) کمیونسٹ پارٹی (D) یونینسٹ پارٹی

-4 ہندوستان کا آخری مغل بادشاہ تھا۔
(A) جہانگیر (B) بابر (C) بہادر شاہ ظفر (D) شاہ جہاں

-5 کانگریس کے بانی تھے۔
(A) ڈبلیو۔ڈبلیو ہنٹر (B) اے او ہیوم (C) گاندھی (D) موتی لال نہرو

-6 پہلی جنگ عظیم شروع ہوئی۔
(A) 1912ء میں (B) 1913ء میں (C) 1914ء میں (D) 1916ء میں

-7 علامہ محمد اقبالؒ نے وفات پائی۔
(A) 1938ء میں (B) 1940ء میں (C) 1942ء میں (D) 1948ء میں

-8 تقسیم بنگال .... کے دور حکومت میں ہوئی۔
(A) لارڈ مِنٹو (B) لارڈ کرزن (C) لارڈ لارنس (D) لارڈ منٹو

-9 مسلم لیگ قائم ہوئی۔
(A) 1902ء میں (B) 1905ء میں (C) 1906ء میں (D) 1908ء میں

-10 سرسید احمد خان فوت ہوئے۔
(A) 1892ء میں (B) 1900ء میں (C) 1896ء میں (D) 1898ء میں

-11 منٹو مارلے اصلاحات متعارف ہوئیں۔
(A) 1892ء میں (B) 1909ء میں (C) 1919ء میں (D) 1935ء میں

-12 ہندوستان کا آخری گورنر جنرل تھا۔
(A) لارڈ ڈلہوزی (B) لارڈ کرزن (C) لارڈ ماؤنٹ بیٹن (D) لارڈ منٹو

-13 کرپس مشن ہندوستان آیا۔
(A) 1939ء میں (B) 1940ء میں (C) 1941ء میں (D) 1942ء میں

-14 گاندھی منسلک تھے۔
(A) مسلم لیگ سے (B) کمیونسٹ پارٹی (C) ہندو مہاسبھا (D) کانگریس

-15 تحریک خلافت کے اہم رہنما تھے۔
(A) قائداعظم (B) علامہ محمد اقبالؒ (C) محمد علی جوہر (D) سرسید احمد خان

-16 ایم اے او ہائی سکول قائم ہوا۔
(A) 1863ء میں (B) 1867ء میں (C) 1873ء میں (D) 1875ء میں

-17 رسالہ ''اسباب بغاوت ہند'' لکھا۔
(A) محمد علی جوہر نے (B) سرسید احمد خان نے (C) الطاف حسین حالی نے (D) ظفر علی خان نے

-18 قائداعظمؒ نے اپنے چودہ نکات پیش کیے۔
(A) 1913ء میں (B) 1919ء میں (C) 1927ء میں (D) 1929ء میں

-19 شاہ ولی اللہؒ نے قرآن پاک کا ترجمہ.......... زبان میں کیا۔
(A) اردو (B) انگلش (C) فارسی (D) عربی

-20 مسلمانوں اور ہندوؤں میں 1916ء میں معاہدہ ہوا۔
(A) میثاقِ لکھنؤ (B) میثاقِ مدینہ (C) میثاقِ استنبول (D) میثاقِ لاہور

تاریخ پاکستان (انشائیہ) انٹرمیڈیٹ پارٹ-I ملتان بورڈ 2017ء

وقت: 2:30 گھنٹے کل نمبر: 80

نوٹ: جوابی کاپی پر وہی سوال نمبر اور جزو نمبر درج کیجئے جو کہ سوالیہ پرچے میں درج ہے۔

-2 کوئی سے آٹھ اجزا کے جوابات تحریر کیجئے۔ 16

(i) نظریہ پاکستان کیا ہے؟ (ii) ہندوؤں کا ذات پات کا نظام کیا تھا؟
(iii) حضرت محل کون تھی؟ (iv) اردو ہندی تنازعہ سے کیا مراد ہے؟
(v) سرسید احمد خاں کے قائم کردہ دو تعلیمی اداروں کے نام لکھیے۔
(vi) انڈین نیشنل کانگریس کے قیام کے دو اسباب لکھیے۔
(vii) انڈین نیشنل کانگریس کا بانی کون تھا؟ (viii) سودیشی تحریک کیا تھی؟
(ix) ہندوؤں نے تقسیم بنگال کی مخالفت کیوں کی؟ (x) مسلم لیگ کے دو ابتدائی مقاصد کیا تھے؟
(xi) الطاف حسین حالی کون تھے؟ (xii) اردو ہندی تنازعہ کس شہر سے شروع ہوا؟

-3 کوئی سے آٹھ اجزا کے جوابات تحریر کیجئے۔ 16

(i) خلافت کمیٹی کے صدر کون تھے؟ (ii) نہرو رپورٹ کو ہندو رپورٹ کس نے قرار دیا؟
(iii) میثاق لکھنؤ کب ہوا؟ (iv) خطبہ الہ آباد کے دو نکات تحریر کریں۔
(v) سائمن کمیشن کب ہندوستان آیا؟ (vi) قائداعظمؒ مسلم لیگ میں کب شامل ہوئے؟
(vii) سانحہ کانپور کیا تھا؟ (viii) منٹو مارلے اصلاحات کب نافذ ہوئیں؟
(ix) جنرل ڈائر کون تھا؟ (x) رولٹ ایکٹ کیا تھا؟
(xi) تجاویز دہلی کس نے پیش کیں؟ (xii) پہلی جنگ عظیم کب ختم ہوئی؟

-4 کوئی سے نو اجزا کے جوابات تحریر کیجئے۔ 18

(i) محمد علی جوہر کب فوت ہوئے؟ (ii) لفظ ''پاکستان'' کس نے تجویز کیا؟
(iii) یوم نجات کب منایا گیا؟ (iv) گاندھی کا اصل نام کیا تھا؟
(v) قاضی محمد عیسیٰ کون تھا۔ (vi) 1940ء میں کس نے خطبہ صدارت دیا؟

(vii) ہندوستان چھوڑ دو تحریک کس نے شروع کی؟ (viii) شملہ کانفرنس کب ہوئی؟
(ix) کابینہ مشن کے ارکان کے نام لکھیے۔ (x) دوسری جنگ عظیم کب شروع ہوئی؟
(xi) سرحدی گاندھی کون تھا؟ (xii) 3 جون کا منصوبہ کس نے پیش کیا؟
(xiii) ریڈکلف کا پورا نام تحریر کریں۔

(حصہ دوم)

نوٹ: کوئی سے تین سوالات کے جوابات تحریر کیجئے۔ 30

-5 سرسید احمد خان کی تعلیمی خدمات بیان کیجئے۔
-6 سیر امیر علی کی سیاسی اور علمی خدمات کا جائزہ لیں۔
-7 میثاق لکھنؤ کی اہمیت بیان کیجئے۔
-8 علامہ محمد اقبالؒ کے خطبہ الہ آباد کے اہم نکات بیان کریں۔
-9 قائداعظمؒ کی قیام پاکستان کے لیے خدمات بیان کریں۔

تاریخ پاکستان (معروضی) انٹرمیڈیٹ پارٹ-I لاہور بورڈ 2017ء

وقت: 30 منٹ نمبر: 20

نوٹ: ہر سوال کے چار ممکنہ جوابات A'B'C اور D دیئے گئے ہیں۔ جوابی کاپی پر ہر سوال کے سامنے دیئے گئے دائروں میں سے درست جواب کے مطابق متعلقہ دائرہ کو مارکر یا پین سے بھر دیجئے۔ ایک سے زیادہ دائروں کو پُر کرنے یا کاٹ کر پُر کرنے کی صورت میں مذکورہ جواب غلط تصور ہوگا۔

-1 البیرونی کہاں پیدا ہوئے:
(A) ترکستان (B) عراق (C) ایران (D) چین

-2 جنگ آزادی کا آغاز کہاں سے ہوا:
(A) آگرہ (B) ڈھاکہ (C) میرٹھ (D) دہلی

-3 سرسید احمد خان کب پیدا ہوئے:
(A) 1815ء (B) 1817ء (C) 1819ء (D) 1821ء

-4 آل انڈیا کانگریس کا بانی کون تھا:
(A) اے۔او۔ہیوم (B) نہرو (C) گاندھی (D) راجہ رام

-5 بنگال کو کب دو صوبوں میں تقسیم کیا گیا:
(A) 1902ء (B) 1903ء (C) 1904ء (D) 1905ء

-6 شملہ کہاں واقع ہے:
(A) بھارت (B) پاکستان (C) برطانیہ (D) چین

-7 مسلم لیگ کب تشکیل پائی:
(A) 1903ء (B) 1904ء (C) 1905ء (D) 1906ء

-8 کس ایکٹ میں حکومت نے جداگانہ حق انتخاب تسلیم کیا:
(A) 1892ء (B) 1909ء (C) 1919ء (D) 1935ء

-9 ''ہمدرد'' اخبار کے ایڈیٹر کون تھے:
(A) محمد علی جوہر (B) سرسید (C) علامہ اقبالؒ (D) ظفر علی خاں

-10 تحریک خلافت کا مرکزی کردار کون تھا:
(A) محمد علی جوہر (B) سرسید (C) علامہ اقبالؒ (D) قائداعظمؒ

-11 سائمن کمیشن کا اعلان کب کیا گیا:
(A) 1925ء (B) 1927ء (C) 1928ء (D) 1929ء

-12 نہرو رپورٹ کمیٹی کی صدارت کس نے کی:
(A) موتی لال (B) جواہر لال (C) موہن داس (D) امبیدکر

-13 علامہ اقبالؒ کس شہر میں پیدا ہوئے:
(A) لاہور (B) کراچی (C) سیالکوٹ (D) ملتان

-14 ''اب یا کبھی نہیں'' کب لکھا گیا:
(A) 1933ء (B) 1934ء (C) 1935ء (D) 1936ء

-15 گول میز کانفرنس کس شہر میں منعقد ہوئیں:
(A) لاہور (B) لندن (C) کراچی (D) ڈھاکہ

-16 محمد علی جوہر کس شہر میں دفن کیے گئے:
(A) لاہور (B) کراچی (C) بیت المقدس (D) ملتان

-17 مسلم رابطہ عوام مہم کس نے شروع کی:
(A) نہرو (B) گاندھی (C) امبیدکر (D) پٹیل

-18 یوم فتح کب منایا گیا:
(A) 1945ء (B) 1946ء (C) 1947ء (D) 1948ء

-19 ''بندے ماترم'' کس نے لکھا:
(A) چیٹر جی (B) نہرو (C) گاندھی (D) پٹیل

-20 کرپس مشن کب ہندوستان آیا:
(A) 1940ء (B) 1941ء (C) 1942ء (D) 1943ء

تاریخ پاکستان (انشائیہ) انٹرمیڈیٹ پارٹ-I لاہور بورڈ 2017ء

وقت: 2.30 گھنٹے (حصہ اوّل) کل نمبر: 80

-2 کوئی سے آٹھ (8) سوالات کے مختصر جوابات لکھیے: 16
(i) جھانسی کی رانی کا نام لکھیے۔ (ii) پانی پت کی تیسری لڑائی کب لڑی گئی؟
(iii) جنرل بخت خان کون تھا؟ (iv) لارڈ ڈلہوزی کا مختصر اتعارف کروائیے۔

(v) ایم۔اے۔او۔سکول کب قائم ہوا؟ (vi) تقسیم بنگال کی دو انتظامی وجوہات بیان کیجئے۔
(vii) سرسید احمد خان کہاں پیدا ہوئے؟ (viii) آریہ سماج کا بانی کون تھا؟
(ix) دارالعلوم دیوبند کب قائم ہوا؟ (x) دین الٰہی کیا تھا؟
(xi) سائنٹیفک سوسائٹی کب قائم ہوئی؟ (xii) حضرت مجدد الف ثانیؒ کا اصل نام لکھیے۔

-3 کوئی سے آٹھ (8) سوالات کے مختصر جوابات لکھیے: 16
(i) 1909ء کی اصلاحات کس نام سے مشہور ہیں؟
(ii) میثاق لکھنؤ میں پاسنگ (weightage) کے اصول سے کیا مراد ہے؟
(iii) رولٹ ایکٹ کا کوئی سا ایک نکتہ لکھیے۔ (iv) جنرل ڈائر کون تھا؟
(v) واقعہ چوراچوری کی وضاحت کیجئے۔ (vi) شدھی اور سنگھٹن جیسی تنظیموں کے مقاصد کیا تھے؟
(vii) نہرو رپورٹ کا کوئی سا ایک نکتہ لکھیے۔
(viii) شمال مغربی سرحدی صوبہ (خیبر پختونخوا) کے بارے میں قائداعظمؒ نے چودہ نکات میں کیا مطالبہ کیا؟
(ix) نہرو کمیٹی میں شامل دو مسلمان رہنماؤں کے نام لکھیے۔ (x) خیری برادران کے نام لکھیے۔
(xi) علامہ محمد اقبالؒ نے کن دو غیر ملکی یونیورسٹیوں سے ڈگری حاصل کی؟
(xii) چوہدری رحمت علی کی تقسیم ہند کی تجویز پر ہندوؤں کا ردِ عمل کیا تھا؟

-4 کوئی سے نو (9) سوالات کے مختصر جوابات لکھیے: 18
(i) کس گول میز کانفرنس میں محمد علی جوہر کا انتقال ہوا؟ (ii) 1935ء کے ایکٹ کی دو دفعات تحریر کیجئے۔
(iii) آل انڈیا مسلم لیگ نے یوم نجات کب منایا؟ (iv) قرارداد پاکستان کب اور کہاں پاس ہوئی؟
(v) ہندوستان چھوڑ دو تحریک کیا تھی؟ (vi) گاندھی کا اصل نام کیا تھا؟
(vii) دوسری جنگ عظیم کب ختم ہوئی؟ (viii) کابینہ مشن کب برصغیر آیا؟
(ix) مسلم لیگ نے ''یوم راست اقدام'' کیوں منایا؟ (x) عبوری حکومت میں وزیر خزانہ کون تھا؟
(xi) تین جون 1947ء کا منصوبہ کس نے پیش کیا؟
(xii) ہندوستان کا آخری وائسرائے کون تھا اور وہ کب ہندوستان آیا؟
(xiii) عبداللہ ہارون کا تعارف کروائیے۔

(حصہ دوم)

نوٹ: درج ذیل سوالات میں سے صرف تین کے جوابات لکھیے۔

-5 سرسید احمد خاں کی سیاسی خدمات بیان کیجئے۔ 10
-6 تقسیم بنگال کی بنیادی وجوہات بیان کیجئے۔ 10
-7 شملہ وفد کی تشکیل اور مطالبات بیان کیجئے۔ 10
-8 مطالبہ پاکستان کے عوامل بیان کیجئے۔ 10
-9 قرارداد پاکستان کی اہمیت بیان کیجئے۔ 10

تاریخ پاکستان (معروضی) انٹرمیڈیٹ پارٹ-I آزاد کشمیر بورڈ 2018ء

وقت: 30 منٹ — نمبر: 20

نوٹ: اپنا رول نمبر اور دستخط اسی پرچہ میں دی گئی جگہ پر ثبت کیجئے۔ سوال اسی کاغذ پر ہر سوال کے سامنے دی گئی ہدایات کے مطابق حل کیجئے۔ کاٹ کر/مٹا کر یا پنسل سے تحریر کردہ جواب کا کوئی نمبر نہیں دیا جائے گا۔

-1 ہر سوال کے دیئے ہوئے چار ممکنہ جوابات میں سے درست جواب پر ٹک (✓) کا نشان لگائیں۔ (20)

-1 کتاب الہند کے مصنف تھے۔
(A) حالی (B) البیرونی (C) سرسید (D) شبلی

-2 شاہ ولی اللہ نے قرآن پاک کا ترجمہ..................زبان میں کیا۔
(A) اردو (B) سندھی (C) انگریزی (D) فارسی

-3 جنگ آزادی..................شہر میں شروع ہوئی۔
(A) دہلی (B) میرٹھ (C) لاہور (D) ملتان

-4 سائنٹیفک سوسائٹی قائم ہوئی۔
(A) 1861ء (B) 1862ء (C) 1860ء (D) 1863ء

-5 اردو ڈیفنس ایسوسی ایشن قائم کی۔
(A) سرسید (B) محسن الملک (C) حالی (D) شبلی

-6 علامہ محمد اقبال نے اپنا صدارتی خطبہ الہ آباد دیا۔
(A) 1920ء (B) 1928ء (C) 1930ء (D) 1932ء

-7 حضرت مجدد الف ثانی پیدا ہوئے۔
(A) سرہندی میں (B) دہلی میں (C) لاہور میں (D) کراچی میں

-8 گاندھی اروِن پیکٹ ہوا۔
(A) 1929ء (B) 1930ء (C) 1931ء (D) 1932ء

-9 چوہدری رحمت علی دفن ہیں۔
(A) انگلستان (B) پاکستان (C) فرانس (D) عراق

-10 قائداعظم پیدا ہوئے۔
(A) بمبئی (B) کراچی (C) دہلی (D) لاہور

-11 بنگال تقسیم ہوا۔
(A) 1901ء (B) 1905ء (C) 1903ء (D) 1904ء

-12 علامہ محمد اقبال پیدا ہوئے۔
(A) 1875ء (B) 1876ء (C) 1877ء (D) 1878ء

-13 لکھنؤ پیکٹ عمل میں آیا۔
(A) 1913ء (B) 1914ء (C) 1915ء (D) 1916ء

-14 ''ہمدرد'' کے مدیر تھے۔
(A) مولانا شوکت علی (B) مولانا محمد علی جوہر
(C) مولانا ابوالکلام آزاد (D) مولانا ظفر علی خان

-15 سانحہ جلیانوالہ باغ رونما ہوا۔
(A) 1918ء (B) 1919ء (C) 1920ء (D) 1921ء

-16 قرارداد پاکستان پیش کی۔
(A) فضل الحق (B) رحمت علی (C) علامہ اقبال (D) قائداعظم

-17 ''ہندوستان چھوڑ دو'' تحریک شروع کی۔
(A) قائداعظم (B) گاندھی (C) نہرو (D) سبھاش چندر بوش

-18 کابینہ مشن ہندوستان آیا۔
(A) 1944ء (B) 1945ء (C) 1946ء (D) 1947ء

-19 لیاقت علی خان کے پاس 1946ء میں وزارت تھی۔
(A) زراعت (B) خارجہ (C) خزانہ (D) داخلہ

-20 پاکستان کے پہلے گورنر جنرل تھے۔
(A) قائداعظم (B) لیاقت علی خان (C) ماؤنٹ بیٹن (D) ناظم الدین

تاریخ پاکستان (انشائیہ) انٹرمیڈیٹ پارٹ-I آزاد کشمیر بورڈ 2018ء

وقت: 2:30 گھنٹے — (حصہ اول) — نمبر: 80

-2 کوئی سے آٹھ اجزاء کے مختصر جوابات تحریر کریں۔ (16)

(i) انگریزوں نے 1857ء میں کون سی رائفل ہندوستانی سپاہیوں کو دی جو جنگ کا سبب بنی اور مسئلہ کیا تھا۔
(ii) امدادی نظام سے کیا مراد ہے۔ اور یہ کس نے شروع کیا؟
(iii) سرسید احمد خان کی کوئی سی دو تصانیف کے نام لکھیں۔
(iv) ہندو مسلمانوں کو کیا سمجھتے تھے؟
(v) پرارتھنا سماج نے کون کون سے ادارے قائم کیے۔ صرف دو کے نام لکھیں۔
(vi) مولانا حالی کی کوئی سی دو تصانیف کے نام لکھیں۔
(vii) مسلمانوں کی پہلی سیاسی تنظیم کون سی تھی؟ اور یہ کس نے قائم کی۔
(viii) انجمن حمایت اسلام کب اور کس نے قائم کی۔
(ix) شدھی سے کیا مراد ہے۔ دو سطور میں وضاحت کریں۔
(x) تھیوسوفیکل سوسائٹی کے بانی کون تھے۔
(xi) میر جعفر اور میر صادق کون تھے؟
(xii) سرسید احمد خان کے دو معتمد ساتھیوں کے نام لکھیں۔

-3 کوئی سے آٹھ اجزاء کے مختصر جوابات تحریر کریں۔ (16)

(i) مشرقی بنگال کے دو شہروں کے نام لکھیں۔ (ii) مشرقی بنگال کی مشہور فصل کون سی تھی؟

(iii) شملہ وفد کے ارکان کی تعداد کیا تھی اور ان کا لیڈر کون تھا؟ (iv) مسلم لیگ کب اور کہاں قائم ہوئی؟

(v) مسجد کانپور کا واقعہ کب پیش آیا؟ (vi) میثاق لکھنؤ کے دو نکات لکھیں۔

(vii) منٹو مورلے اصلاحات کب نافذ ہوئیں۔ (viii) دو عملی کا نظام کب نافذ کیا گیا؟

(ix) تحریک خلافت کے دو رہنماؤں کے نام لکھیں۔ (x) تجاویز دہلی کس نے پیش کیں؟

(xi) قائداعظم کے چودہ نکات میں سے دو نکات تحریر کریں۔

(xii) علامہ اقبال نے کس اجلاس میں علیحدہ مسلم ریاست کا تصور پیش کیا؟

-4 کوئی سے نو اجزاء کے مختصر جوابات تحریر کریں۔ (18)

(i) کابینہ مشن کے ارکان کے نام لکھیں۔ (ii) دوسری جنگ عظیم کب ختم ہوئی؟

(iii) لفظ پاکستان کس نے تجویز کیا؟ (iv) مینار پاکستان کس شہر میں واقع ہے؟

(v) شملہ کانفرنس کب اور کس نے بلائی۔ (vi) قانون آزادی ہند کے دو نکات تحریر کریں۔

(vii) حد بندی کمشن کا چیئرمین کون تھا؟ (viii) پونا پیکٹ کن کے درمیان ہوا۔

(ix) 3 جون 1947ء کے منصوبہ کے دو نکات تحریر کریں۔(x) کابینہ مشن کب ہندوستان آیا؟

(xi) کرپس مشن کی دو تجاویز تحریر کریں۔ (xii) گاندھی جناح مذاکرات کتنے دن جاری رہے۔

(xiii) ''یوم راست اقدام'' کیوں بنایا گیا؟

(حصہ دوم)

نوٹ: کوئی سے تین سوالات کے جوابات تحریر کریں۔ (30=10×3)

-5 1857ء کی جنگ آزادی کے اسباب تحریر کیجئے۔ (10)

-6 سرسید احمد خان کی تعلیمی خدمات تحریر کریں۔ (10)

-7 انجمن حمایت اسلام لاہور کی تعلیمی خدمات تحریر کریں۔ (10)

-8 میثاق لکھنؤ کی اہمیت تحریر کیجئے۔ (10)

-9 کابینہ مشن پلان پر نوٹ لکھیں۔ (10)

تاریخ پاکستان (معروضی) انٹرمیڈیٹ پارٹ-I بہاولپور بورڈ 2018ء

وقت: 30 منٹ کل نمبر: 20

نوٹ: ہر سوال کے چار ممکنہ جوابات A، B، C اور D دیئے گئے ہیں۔ جوابی کاپی پر ہر سوال کے سامنے دیئے گئے دائروں میں سے درست جواب کے مطابق متعلقہ دائرہ کو مارکر یا پین سے بھر دیجئے۔ ایک سے زیادہ دائروں کو پُر کرنے یا کاٹ کر پُر کرنے کی صورت میں مذکورہ جواب غلط تصور ہوگا۔

-1 البیرونی کب پیدا ہوئے:

(A) 971ء (B) 973ء (C) 975ء (D) 977ء

-2 حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا اصل نام کیا تھا:

(A) عبدالقادر (B) ابوریحان (C) شیخ احمد (D) ابوطاہر

-3 شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے کب وفات پائی:

(A) 1625ء (B) 1703ء (C) 1761ء (D) 1762ء

-4 کتاب ''لائف آف محمد'' کس کی تصنیف ہے:

(A) سرسید (B) ولیم میور (C) آغا خان (D) ولیم ہنٹر

-5 آل انڈیا نیشنل کانگریس کا بانی کون تھا:

(A) اے۔او۔ہیوم (B) لارڈ رپن (C) نہرو (D) گاندھی

-6 ایم۔اے۔او۔ کالج کا افتتاح کس نے کیا:

(A) لارڈ کرزن (B) لارڈ منٹو (C) سرسید احمد خان (D) لارڈ لٹن

-7 سنٹرل محمڈن ایسوسی ایشن کا بانی کون تھا:

(A) سرسید (B) قائداعظم (C) سید امیر علی (D) محسن الملک

-8 تقسیم بنگال کب ہوئی:

(A) 1901ء (B) 1905ء (C) 1909ء (D) 1911ء

-9 مسلم لیگ کے پہلے صدر کون تھے:

(A) قائداعظم (B) علامہ محمد اقبال (C) وقار الملک (D) سر آغا خان

-10 قائداعظم نے مسلم لیگ میں کب شمولیت اختیار کی:

(A) 1906ء (B) 1911ء (C) 1913ء (D) 1916ء

-11 ''کامریڈ اخبار'' کس نے شائع کیا:

(A) محمد علی جوہر (B) ظفر علی خان (C) لیاقت علی خان (D) رحمت علی

-12 نہرو رپورٹ کس نے پیش کی:

(A) گاندھی (B) موتی لعل نہرو (C) جواہر لعل نہرو (D) بنیر جی

-13 ہندو مسلم اتحاد کا سفیر کسے کہا جاتا ہے:

(A) علامہ محمد اقبال (B) چودھری رحمت علی (C) نہرو (D) قائداعظم

-14 الطاف حسین حالی کب پیدا ہوئے:

(A) 1835ء (B) 1837ء (C) 1838ء (D) 1839ء

-15 علی برادران کون تھے:

(A) ظفر علی اور شوکت علی (B) رحمت علی اور شوکت علی

(C) ظفر علی اور محمد علی (D) شوکت علی اور محمد علی

-16 کتاب ''حیات جاوید'' کے مصنف کون تھے:
(A) علامہ محمد اقبال (B) محمد علی جوہر (C) الطاف حسین حالی (D) سرسید

-17 حد بندی کمیشن کا سربراہ کون تھا:
(A) ماؤنٹ بیٹن (B) ریڈکلف (C) لارڈ منٹو (D) ولیم ہنٹر

-18 آخری وائسرائے ہند کون تھا:
(A) لارڈ منٹو (B) لارڈ کرزن (C) لارڈ کیننگ (D) لارڈ ماؤنٹ بیٹن

-19 تقسیم ہند کے وقت برطانیہ کا وزیر اعظم کون تھا:
(A) لارڈ ایٹلی (B) ریڈکلف (C) لارڈ ویول (D) لارڈ ماؤنٹ بیٹن

-20 علامہ محمد اقبال کب فوت ہوئے:
(A) 1935ء (B) 1938ء (C) 1939ء (D) 1941ء

تاریخ پاکستان (انشائیہ) انٹرمیڈیٹ پارٹ-I بہاولپور بورڈ 2018ء

وقت: 2:30 گھنٹے (حصہ اول) نمبر: 80

ہدایات: حصہ اول یعنی سوال نمبر 2 اور سوال نمبر 3 میں سے کوئی سے (8--8) اجزاء کے جبکہ سوال نمبر 4 میں سے کوئی سے (09) اجزاء کے مختصر جوابات تحریر کرنا لازمی ہے۔ حصہ دوم میں سے کوئی سے تین سوالات حل کریں جوابی کاپی پر وہی سوال نمبر اور جزو نمبر درج کریں جو کہ سوالیہ پرچہ پر درج ہے۔

2-(i) محمد بن قاسم نے سندھ کب فتح کیا؟ (ii) جھانسی کی رانی کون تھی؟
(iii) سرسید احمد خان نے خطبات احمدیہ کیوں لکھی؟ (iv) ''اصول الحاق'' سے کیا مراد ہے؟
(v) ناناصاحب کون تھے؟ (vi) بھگتی تحریک سے کیا مراد ہے؟
(vii) پانی پت کی تیسری لڑائی کب لڑی گئی؟ (viii) قرآن مجید کا فارسی زبان میں ترجمہ کس نے کیا؟
(ix) آخری مغل حکمران کون تھا؟ (x) سرسید احمد خان کی دو سیاسی خدمات بیان کریں۔
(xi) ''ہمارے ہندوستانی مسلمان'' کتاب کس نے لکھی؟ (xii) اردو ہندی تنازعہ کے دو اسباب بیان کریں۔
3-(i) تقسیم بنگال پر ہندوؤں کا رد عمل کیا تھا؟ (ii) سید حسن بلگرامی کی خدمات کیا تھیں؟
(iii) شملہ وفد میں کتنے مسلم اراکین شامل تھے؟ (iv) لندن مسلم لیگ کے پہلے صدر اور سیکرٹری کے نام لکھیے۔
(v) منٹو مارلے اصلاحات کب نافذ کی گئیں؟ (vi) میثاق لکھنو 1916ء کے دو اہم نکات تحریر کریں۔
(vii) پہلی عالمی جنگ کے ہندوستان پر کیا دو اثرات ہوئے؟ (viii) علی گڑھ کو مسلم یونیورسٹی کا درجہ کب ملا؟
(ix) ڈاکٹر ضیاء الدین کون تھے؟ (x) لارڈ ہارڈنگ کا مختصر تعارف کرائیں۔
(xi) مانٹیگو چمسفورڈ نے کون سی اصلاحات دیں؟ (xii) دہلی مسلم تجاویز کیا تھیں؟
4-(i) دوسری گول میز کانفرنس میں شامل کوئی سے دو مسلمان رہنماؤں کے نام لکھیں۔
(ii) پاکستان نیشنل موومنٹ کی کوئی سی دو خدمات لکھیے۔
(iii) گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935ء کے دو نقائص لکھیے۔

(iv) نہرو کی رابطہ مسلم عوام مہم کا مقصد کیا تھا؟ (v) واردھا سکیم کیا تھی؟
(vi) مطالبہ پاکستان کے کوئی دو محرکات بیان کیجئے۔ (vii) قرارداد پاکستان کی ایک اہمیت لکھیے۔
(viii) کرپس تجاویز کو کانگریس نے کیوں مسترد کر دیا؟ (ix) کابینہ مشن پلان کا کوئی سا ایک نکتہ بیان کیجئے۔
(x) عبوری حکومت 1946ء میں شامل کوئی سے دو مسلمان وزراء کے نام لکھیں۔
(xi) کابینہ مشن پلان کو مسلم لیگ نے کیوں مسترد کر دیا؟ (xii) صوبہ سرحد میں ریفرنڈم کا کیا نتیجہ نکلا؟
(xiii) پنجاب باؤنڈری کمیشن میں پاکستان کے نمائندے کون تھے؟

(حصہ دوم)

-5 تحریک علی گڑھ سے کیا مراد ہے؟ نوٹ لکھیں۔
-6 جنگ آزادی کے نتائج کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟
-7 تحریک خلافت کی ناکامی کے اسباب تحریر کریں۔
-8 قائداعظم کے چودہ نکات تحریر کریں۔
-9 تین جون کے منصوبہ کے نکات پر روشنی ڈالیں۔

تاریخ پاکستان (معروضی) انٹرمیڈیٹ پارٹ-I گوجرانوالہ بورڈ 2018ء

وقت: 30 منٹ نمبر: 20

نوٹ: ہر سوال کے چار ممکنہ جوابات A'B'C اور D دیئے گئے ہیں۔ جوابی کاپی پر ہر سوال کے سامنے دیئے گئے دائروں میں سے درست جواب کے مطابق متعلقہ دائرہ کو مارکر یا پین سے بھر دیجئے۔ ایک سے زیادہ دائروں کو پُر کرنے یا کاٹ کر پُر کرنے کی صورت میں مذکورہ جواب غلط تصور ہوگا۔

-1 1946ء میں قائم ہونیوالی عبوری حکومت میں مسلم لیگ کے وزراء کی تعداد تھی۔
(A) 1 (B) 3 (C) 5 (D) 7

-2 ڈاکٹر ذاکر حسین نے ایک سکیم مرتب کی۔
(A) ودیا مندر (B) گاؤ رکھشا (C) شدھی (D) واردھا

-3 مولانا محمد علی جوہر..........گول میز کانفرنس کے بعد وفات پا گئے۔
(A) پہلی (B) دوسری (C) تیسری (D) چوتھی

-4 نہرو رپورٹ پیش کی گئی۔
(A) 1925 (B) 1926 (C) 1927 (D) 1928

-5 1919ء کی اصلاحات کا مشہور نام کیا ہے؟
(A) منٹو مارلے (B) گاندھی ارون (C) مانٹیگو چمسفورڈ (D) ویول پلان

-6 جداگانہ انتخاب..........کا مطالبہ تھا۔
(A) ہندوؤں (B) سکھوں (C) اچھوتوں (D) مسلمانوں

7- 1905ء میں نئے صوبہ مشرقی بنگال کا دارالحکومت تھا۔

(A) کلکتہ (B) بمبئی (C) ڈھاکہ (D) کراچی

8- 1909ء میں سید امیر علی بنے۔

(A) جج ہائیکورٹ (B) جج سپریم کورٹ (C) جج فیڈرل کورٹ (D) ممبر پریوی کونسل

9- آریہ سماج کا بانی تھا۔

(A) مدن موہن مالویہ (B) دیانند سرسوتی (C) بی جی تلک (D) مہاتما گاندھی

10- 1886ء میں سرسید احمد خان نے..........قائم کی۔

(A) علی گڑھ یونیورسٹی (B) سنٹرل محمڈن ایسوسی ایشن

(C) سائنٹفک سوسائٹی (D) محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس

11- 16 اگست 1946ء کو منایا گیا۔

(A) یوم فتح (B) یوم نجات (C) یوم راست اقدام (D) یوم آزادی

12- 1937ء کے انتخاب میں مسلم لیگ نے..........نشستیں جیتیں۔

(A) 100 (B) 101 (C) 102 (D) 103

13- ''اب یا کبھی نہیں'' کیا تھا؟

(A) اخبار (B) کتاب (C) میگزین (D) پمفلٹ

14- قائداعظم محمد علی جناحؒ نے..........میں مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کی۔

(A) 1906 (B) 1913 (C) 1916 (D) 1920

15- شملہ وفد..........سے ملا۔

(A) لارڈ منٹو (B) لارڈ کرزن (C) لارڈ ارون (D) لارڈ مارلے

16- تحریک ہجرت..........نے شروع کی۔

(A) مسلمانوں (B) ہندوؤں (C) سکھوں (D) عیسائیوں

17- 1857ء کی جنگ آزادی کا آغاز..........میں ہوا۔

(A) مئی (B) جون (C) جولائی (D) اگست

18- سرسید احمد خان نے جاری کیا۔

(A) الہلال (B) زمیندار (C) تہذیب الاخلاق (D) ڈان

19- اے او ہیوم ایک سیاسی جماعت کا بانی تھا۔

(A) کانگرس (B) یونینسٹ (C) نیشنل موومنٹ (D) نیشنل محمڈن ایسوسی ایشن

20- مولوی ذوالفقار علی اور مولانا فضل الرحمٰن بانی تھے۔

(A) ندوۃ العلماء لکھنو (B) دارالعلوم دیوبند (C) سندھ مدرسہ کراچی (D) اسلامیہ کالج پشاور

تاریخ پاکستان (انشائیہ) انٹرمیڈیٹ پارٹ-I گوجرانوالہ بورڈ 2018ء

وقت: 2:30 گھنٹے (حصہ اول) نمبر: 80

نوٹ: حصہ اوّل لازمی ہے۔ حصہ دوم میں کوئی سے تین (3) سوالات کے جوابات لکھئے۔

2- کوئی سے آٹھ (8) سوالات کے مختصر جوابات تحریر کیجئے: 16

(i) 1857ء کی جنگ آزادی کی دو وجوہات لکھئے۔ (ii) سرسید احمد خان کے دو تعلیمی اداروں کے نام لکھئے۔

(iii) بہادر شاہ ظفر کی وفات کب اور کہاں ہوئی؟ (iv) آریہ سماج کی بنیاد کس نے رکھی؟

(v) سرسید احمد خان کب اور کہاں پیدا ہوئے؟ (vi) انڈین نیشنل کانگرس کب اور کس نے قائم کی؟

(vii) سرسید لندن کیوں گئے؟ (viii) سید احمد شہید نے کونسی تحریک شروع کی؟

(ix) آخری مغل حکمران کون تھا؟ (x) مولانا شبلی نعمانی کب اور کہاں پیدا ہوئے؟

(xi) رام کرشن کون تھا؟ (xii) ہندو معاشرہ کی دو ذاتوں کے نام لکھئے۔

3- کوئی سے آٹھ (8) سوالات کے مختصر جوابات تحریر کیجئے: 16

(i) شملہ وفد کے ارکان کی تعداد کیا تھی؟ (ii) مسلم لیگ کب اور کہاں بنائی گئی؟

(iii) 13 اپریل 1919ء کو کونسا سانحہ ہوا؟ (iv) ہندو مسلم اتحاد کا سفیر کون تھا؟

(v) ایکٹ 1909ء کی کوئی سی دو دفعات لکھئے۔ (vi) محمد علی جوہر کے انگریزی اخبار کا نام تحریر کیجئے۔

(vii) جنگ عظیم اوّل کب شروع ہوئی اور کب ختم ہوئی؟ (viii) علامہ محمد اقبالؒ کی دو کتابوں کے نام لکھئے۔

(ix) ''ظہور پاکستان'' کس کی تصنیف ہے؟ (x) ''تجاویز دہلی'' کے دو نکات بیان کیجئے۔

(xi) آل پارٹیز کانفرنس کے صدر کون تھے؟ (xii) گاندھی تحریکِ خلافت سے کیوں الگ ہوگئے؟

4- کوئی سے نو (9) سوالات کے مختصر جوابات تحریر کیجئے: 18

(i) چوہدری رحمت علی کے جاری کردہ دو پمفلٹ کے نام لکھئے۔

(ii) گول میز کانفرنسوں کے انعقاد کا کیا مقصد تھا؟

(iii) علامہ اقبالؒ کس کس گول میز کانفرنس میں شریک ہوئے؟

(iv) کانگرسی وزارتوں کے اختتام پر مسلم لیگ نے کونسا کتابچہ جاری کیا؟

(v) پیرپور کمیٹی کے سربراہ کا پورا نام لکھئے۔

(vi) محمد علی جناحؒ کے لئے قائداعظم کا نعرہ کس نے اور کہاں لگایا؟

(vii) کانگرس نے کن دو مسلم اکثریتی صوبوں میں مسلمانوں کی آئینی اکثریت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا؟

(viii) قرارداد لاہور پر راج گوپال اچاریہ نے کیا تبصرہ کیا؟ (ix) کرپس مشن کی کوئی سی دو تجاویز بیان کیجئے۔

(x) مسلم لیگ نے 1945ء کے انتخابات میں کامیابی پر ''یومِ فتح'' کب منایا؟

(xi) 1946ء کے انتخابات کے نتیجے میں بنگال اور سندھ میں کون کون وزیر اعلیٰ بنے؟

(xii) 1946ء کے انتخابات میں قائداعظمؒ نے مسلم عوام سے کون سی دو چیزیں مانگیں؟

(xiii) شملہ کانفرنس کب سے کب تک جاری رہی؟

(حصہ دوم)

-5 جنگِ آزادی 1857ء کی مذہبی وجوہات پر نوٹ لکھئے۔ 10
-6 انجمن حمایت اسلام کے قیام اور کارناموں کا تذکرہ کیجئے۔ 10
-7 شملہ وفد پر نوٹ لکھئے۔ 10
-8 میثاق لکھنؤ کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟ تفصیلاً تحریر کیجئے۔ 10
-9 کابینہ مشن کے مقاصد اور تجاویز پر روشنی ڈالیئے۔ 10

تاریخ پاکستان (معروضی) انٹرمیڈیٹ پارٹ-I لاہور بورڈ 2018ء

وقت: 30 منٹ نمبر: 20

نوٹ: ہر سوال کے چار ممکنہ جوابات A، B، C اور D دیئے گئے ہیں۔ جوابی کاپی پر ہر سوال کے سامنے دیئے گئے دائروں میں سے درست جواب کے مطابق متعلقہ دائرہ کو مارکر یا پین سے بھر دیجیے۔ ایک سے زیادہ دائروں کو پر کرنے یا کاٹ کر پُر کرنے کی صورت میں مذکورہ جواب غلط تصور ہوگا۔

-1 مدرسہ رحیمیہ کے بانی کون تھے۔
(A) سرآغا خان (B) شبلی نعمانی (C) شاہ عبدالرحیمؒ (D) شاہ ولیؒ

-2 مسلم لیگ کا پہلا سالانہ اجلاس ہوا۔
(A) 1909ء (B) 1908ء (C) 1907ء (D) 1906ء

-3 گول میز کانفرنسیں کس شہر میں منعقد ہوئیں۔
(A) لاہور (B) لندن (C) کراچی (D) ڈھاکہ

-4 لارڈ منٹو کون تھا۔
(A) گورنر (B) وزیراعظم (C) وائسرائے (D) بادشاہ

-5 حجتہ البالغہ کس کی تصنیف ہے۔
(A) شبلی نعمانی (B) سید امیر علی (C) سرسید احمد خان (D) شاہ ولی اللہؒ

-6 نواب وقارالملک کا اصل نام کیا تھا۔
(A) اصغر علی (B) امیر علی (C) مشتاق حسین (D) مہدی علی

-7 علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ کہاں پیدا ہوئے۔
(A) بمبئی (B) کشمیر (C) لاہور (D) سیالکوٹ

-8 کانگریس کب قائم ہوئی۔
(A) 1997ء (B) 1885ء (C) 1883ء (D) 1880ء

-9 مسلم لیگ کب قائم ہوئی۔
(A) 1916ء (B) 1913ء (C) 1909ء (D) 1906ء

-10 ایم۔اے۔او کالج قائم ہوا۔
(A) لکھنو (B) اعظم گڑھ (C) علی گڑھ (D) دہلی

-11 کرپس مشن کب ہندوستان آیا۔
(A) 1946ء (B) 1944ء (C) 1943ء (D) 1942ء

-12 نہرو کمیٹی کے صدر کون تھے۔
(A) ابوالکلام (B) گاندھی (C) موتی لعل نہرو (D) جواہر لعل نہرو

-13 قرارداد پاکستان کب پاس ہوئی۔
(A) مارچ 1949ء (B) 3 جون 1940ء (C) ستمبر 1940ء (D) 23 مارچ 1940ء

-14 قاضی محمد عیسیٰ کا تعلق کون سے صوبے سے تھا۔
(A) خیبر پختونخوا (B) سندھ (C) پنجاب (D) بلوچستان

-15 پاکستان کے پہلے گورنر جنرل کون تھے۔
(A) ماؤنٹ بیٹن (B) ناظم الدین (C) لیاقت علی خان (D) قائداعظم رحمتہ اللہ علیہ

-16 تقسیم بنگال کے وقت وائسرائے ہند کون تھا۔
(A) لارڈ ہنری (B) لارڈ مارلے (C) لارڈ منٹو (D) لارڈ کرزن

-17 پاکستان کے کون سے صوبے کو باب الاسلام کہا جاتا ہے۔
(A) خیبر پختونخوا (B) بلوچستان (C) سندھ (D) پنجاب

-18 ہندوستان کا آخری وائسرائے کون تھا۔
(A) ماؤنٹ بیٹن (B) ویول (C) منٹو (D) کرزن

-19 قائداعظم رحمتہ اللہ علیہ نے چودہ نکات کب پیش کیے۔
(A) 1930ء (B) 1929ء (C) 1928ء (D) 1927ء

-20 گاندھی جناح مذاکرات کب ہوئے۔
(A) جون 1945ء (B) دسمبر 1944ء (C) اکتوبر 1944ء (D) ستمبر 1944ء

تاریخ پاکستان (انشائیہ) انٹرمیڈیٹ پارٹ-I لاہور بورڈ 2018ء

وقت: 2:30 گھنٹے (حصہ اول) نمبر: 80

-2 کوئی سے آٹھ (8) سوالات کے مختصر جوابات لکھئے۔ (16)

(i) البرونی کب اور کہاں پیدا ہوا؟ (ii) جنگ آزادی کی دو سیاسی وجوہات تحریر کیجیے۔
(iii) سرسید احمد خان کے دو تعلیمی اداروں کے نام لکھئے۔ (iv) سائنٹیفک سوسائٹی کس نے اور کب قائم کی؟
(v) وقارالملک کب اور کہاں پیدا ہوئے؟ (vi) جنرل بخت خان کون تھے؟
(vii) شدھی تحریک کا مقصد کیا تھا؟ (viii) ندوۃ العلماء کی بنیاد کب اور کس نے رکھی؟
(ix) آل انڈین محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا مختصر تعارف لکھئے۔ (x) اردو ہندی تنازعہ کب اور کہاں ہوا؟